

هُدًى لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿١٧٧﴾

بصائر حکیم الامت

حقیقت تصوف و سلوک
و
ازالہ اویہام و شکوک

عارف باللہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحی صناعاری نور اللہ مرتدہ
خلیفہ مجاز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

سلمان عثمان اینڈ کمپنی دیوبند سہارنپور

هَذَا ابْصَارٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ (الباقیہ)

ابصار حکیم الامت

حقیقت تصوف و سلوک
ازالہ اوکام و شکوک

حکیم الامت مجدد ملت، محی السنّت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی تصانیف و تالیفات میں ایسے نیا دار و مضامین کا تعلق خصوصیت کے ساتھ تصوف و سلوک کے بارے میں اور جن کی شرح و وضاحت کتاب و مسند کے نوی و لائل کے ساتھ کی گئی ہے اور جن میں تجدیدی و اصلاحی الفرائد کی شان نمایاں ہے منتخب جمع کر کے اس کتاب میں خاص ربط و عنوانات کیساتھ مرتب و مدون کیا گیا ہے۔

مؤلف

حضرت عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحی نور اللہ فرقانی

خلیفہ راجاز حضرت حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ

ناشر: سلمان عثمانی سنٹرل پبلسٹی ڈیپونڈ

اَشَارَةُ مَضَامِينُ

بصائرِ حکیمِ الامت

نہرت مضامین

تعارفِ عارفی مدظلہ

غانتِ تالیف

دیباچہ از سید سلیمان ندوی

باب ۱۔ — مختصر سوانح حیات و آداب سلوک

حالات و مصروفیاتِ زندگی

آداب سلوک

باب ۲۔ — حقیقتِ طریقی

باب ۳۔ — لوازماتِ طریقی

باب ۴۔ — متعلقاتِ طریقی

باب ۵۔ — بعض ملاحظاتِ طریقی

باب ۶۔ — احوالِ کیفیاتِ دو سادس و خطرات

باب ۷۔ — اخلاقِ حمیدہ

باب ۸۔ — احسنِ اخلاقِ رذیلہ

باب ۹۔ — انتخابِ تربیتِ السالک

باب ۱۰۔ — مقالاتِ حکمت

۱۔ مسائلِ السلوک ۴۔ عرفانِ حانقہ

۲۔ احادیث سے استنباط ۵۔ بعض مسائلِ طریقت

۳۔ موارنِ مشنوی ۶۔ ملفوظات

فہرست مضامین

”بصائر حکیم الامت“

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۶۷	تربیت گاہ باطن	۱۷	تعارف عارفی مدظلہ
۶۹	سیاست تربیت	۲۱	غایت تالیف
۷۵	بجاز بیعت کے لئے شرائط استعداد		حقیقت تصون کا مکتشف اعظم
۷۶	بجاز بیعت	۲۵	قدوم از حضرت پیر سلیمان ندوی
۷۹	بجاز صحبت	۳۳	مختصر سوانح حیات و آداب سلوک
۷۷	حقیقت اجازت بیعت	۳۴	حالات و مصروفیات زندگی
۷۸	اپنے طریق پر اطمینان و تشکر	۳۳	یومیہ نظم الادوات
۷۹	حقیقت طریق	۵۳	آداب سلوک
۸۰	حقیقتہ الطریقہ	۵۵	حقیقت تصون طریقیہ
۸۵	شریعت	۵۷	شاہی سلوک
۸۵	شریعت کی حقیقت اور اس کی ضرورت	۵۷	امر میں باطنی کا اہم علاج
۹۱	طریقہ کار	۵۸	غایت بیعت
۹۲	طریقہ	۵۹	عملی اصلاح
۹۲	طریقہ کی حقیقت	۶۰	بیعت میں مناسبت باہمی شرط ہے
۹۹	شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت	۶۱	چاروں سلسلوں میں بیعت
	کی تعریف اور ان کا باہمی تعلق	۶۲	بیعت لینے کا طریقہ
۱۰۱	تصون و سلوک کی وضاحت	۶۳	سالکین طریقی کو اپنے حالات کا جائزہ لینے کی ہدایت
۱۰۳	خلاصہ سلوک		تربیت کے چند اصول
۱۰۴	مکتوب مقبب بروح الطریقی	۶۵	بعض قدیمی مضامیل
۱۰۵	مکتوب مقبب بہ ترویج الطریقی	۶۶	ادوار و وظائف
۱۰۶	سلوک مسنون	۶۷	

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۱۵۸	عامی فارغ کا دستور العمل	۱۰۶	ماصل طریق نصرت
۱۵۹	عالم مشغول کا دستور العمل	۱۰۷	مقاصد طریقت کے حصول کا دستور العمل
۱۵۹	عالم فارغ کا دستور العمل	۱۱۳	مزید ہدایات
۱۶۷	طریق ذکر و واژہ تسبیح	۱۱۵	وفاقت تجدد سلوک
۱۶۹	بروقت کا معمول	۱۲۶	علامت مفسرین
۱۶۹	ذکر حبلی و خفی کے معنی	۱۲۷	لوازمات طریق
۱۷۰	سلطان اذکار کے آثار	۱۲۸	عقائد کی اصلاح بنیادی ضرورت ہے
۱۷۰	ذکر شمار کے ساتھ اور بے شمار میں فرق	۱۲۸	اتباع سنت ہی مدار طریقت ہے
۱۷۱	ذکر میں دل نہ لگنا	۱۳۱	اتباع سنت کی برکت تکمیل سلوک میں
۱۷۲	ذکر کے نافع ہونے کی ضروری شرط	۱۳۲	تصرف کی ضرورت اور اس کا رواج
۱۷۲	مقدار ذکر	۱۳۳	اصلاح باطن اور اس کے لوازمات
۱۷۲	اوار و کشف قابل التفات نہیں	۱۳۶	بیعت
۱۷۳	اوار ذکر	۱۳۶	اشارات بیعت اور اس کی حقیقت
۱۷۳	آثار ذکر	۱۳۸	شیخ مصطفیٰ ہمبرطریق
۱۷۴	ذکر سانی کی ضرورت	۱۴۰	صحبت شیخ کا فیض
۱۷۵	اساتذہ کرام کا ذکر تو کہیں کسی	۱۴۱	صحبت اہل اللہ
	حجت سے منقول نہیں	۱۴۲	تصویر شیخ
۱۷۵	ذکر سانی کو پاس انفاص پر ترجیح ہے	۱۴۴	مشائخ بھی اپنی اصلاح سے مستثنیٰ نہیں
۱۷۶	ذکر کے وقت زبان کا بند ہونا گنہگار	۱۴۵	بیعت کرنے میں عورتوں کا ہاتھ
	اور اس سے اسم مبارک کا ادا کرنا،		ہاتھ پھیلانا ناجائز ہے۔
	دونوں حالتیں محمود ہیں	۱۴۶	تقویٰ لازم طریق ہے
۱۷۶	نماز اور ذکر کے متعلق یہ خیال آنا کہ زیادہ	۱۴۶	دور حاضر میں اہل اللہ کی
	ذکر کی ضرورت نہیں اس کا علاج		صحبت کی اہمیت
۱۷۷	نماز سے مقصود اصلی ذکر ہے	۱۴۷	متعلقات طریق
۱۷۸	ذکر اور نماز میں عشق کہ ذکر میں	۱۴۸	دعاء
	بساطت ہے اور نماز میں ترکیب	۱۴۸	ضرورت دعا
۱۷۹	ترک محبت کا انجام اچھا نہیں	۱۵۰	قبولیت دعا اور اس کا طریق کار
۱۸۳	مسئلہ ذکر جبر و خفی	۱۵۳	اذکار
۱۸۳	ریاضت و مجاہدہ کا بیان	۱۵۷	سالک کے لئے خاص اذکار اور
۱۸۴	ریاضت و مجاہدہ کی حقیقت		دستور العمل
		۱۵۸	عامی مشغول کا دستور العمل

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۲۲۳	اسامی	۱۸۷	بجاءت در ریاضات کی ضرورت
۲۲۴	خراب	۱۸۸	بجاءت سے میں اعتدال
۲۲۶	ریاضت میں عند کی ممانعت	۱۸۹	بجاءت در ریاضت کے اقسام
۲۲۶	فراست مومن	۱۹۳	بجاءت نفس
۲۲۷	بعض اصطلاحات طریقی	۱۹۶	بجاءت ثانیہ
۲۲۸	اصطلاحات کی تشریح	۱۹۷	بجاءت تاملہ مفید بلا خطر
۲۲۸	اصطلاحات سے بے علمی مضر نہیں	۱۹۸	تخلیہ و تخلیہ
۲۲۸	قرب نوافل	۲۰۰	نازک سئل کے ساتھ انکار ناجی جملہ ہے
۲۲۹	قرب نوافل	۲۰۱	مقامت نفس میں بہت کا طریقہ
۲۳۰	حقیقت قرب	۲۰۲	مراقبہ
۲۳۳	نسبت و مقام کی تفصیل	۲۰۳	ہمیت و حقیقت
۲۳۳	نسبت باطنی کی علامت	۲۰۳	مراقبہ محبت حق
۲۳۳	نسبت سلب نہیں ہوتی	۲۰۳	دریت اَعْبُدُ اللّٰهَ کَانَکَ سَرَّاهُ
۲۳۵	سیرال اللہ و سیرت اللہ	۲۰۶	لا صبیح مطلب
۲۳۵	مقام فنا کی تحقیق	۲۰۶	مراقبہ موت
۲۳۸	فنائے اصطلاحات کی ترقی بقا سے ہوتی ہے	۲۰۷	مراقبات محض علاج ہیں
۲۳۹	طریق کا اول و آخر دم قلبی ہے	۲۰۸	تفکر
۲۴۰	تلوین و تمکین	۲۰۸	حقیقت تفکر
۲۴۱	اطمینان قلبی کی تفسیر	۲۰۹	تفکر کی ضرورت
۲۴۲	انوار و اولان کا مکشوف ہونا	۲۱۰	طریق نکر
۲۴۳	لطائف کے اولان و انوار	۲۱۱	نکر اور مراقبہ دونوں مطلوب ہیں
	غیر مقصود ہیں	۲۱۱	استغراق
۲۴۴	لطائف ستہ	۲۱۲	توجہ و تصرف
۲۴۴	تجلی ذاتی	۲۱۳	توجہ معارف کے متعلق
۲۴۵	علم یقین میں یقین اور حق یقین	۲۱۴	کشف
۲۴۵	دعوت الوجود اور وحدۃ الشہود	۲۱۴	حقیقت کشف
۲۴۶	مراقبہ ہوت و جبروت و	۲۱۶	کشف ذکر لہات کی حقیقت
	ناسوت و لاہوت	۲۱۶	کرامت
		۲۱۷	کرامت سے متعلق تحقیق اینق
		۲۲۲	معارف و حقائق
		۲۲۳	الاسام

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۲۷۸	علاج بخصاص قبض	۲۴۷	احوال و کیفیات و وساوس و خطرات
۲۸۰	حالت ہیبت و قبض	۲۴۸	احوال و کیفیات
۲۸۱	آثار ہیبت	۲۵۱	نفسانی ملکات کی حقیقت
۲۸۲	آخرت کی پریشانی کا علاج	۲۵۲	عقل و طبی احوال میں فرق
۲۸۳	امور اختیاری و غیر اختیاری	۲۵۲	انفعال و افعال
۲۸۵	اختیاری و غیر اختیاری امور کی تفصیل	۲۵۳	امور طبیہ نظری و غیر نظری
۲۸۷	بعض اوقات اختیاری و غیر اختیاری میں فرق معلوم نہیں ہوتا	۲۵۴	کامیابی و ناکامی کا استدلال
۲۸۸	خیر الاختیار فی خسر الاختیار	۲۵۶	کیفیات باطنی مطلوب نہیں
۲۹۵	حالات محمودہ و غیر محمودہ کا معیار	۲۵۷	حالت کا مقصود نہ ہونا
۲۹۶	خیر اختیاری امور مضر نہیں ہیں	۲۵۸	احوال و کیفیات کا مضر ہونا
۲۹۷	امر غیر اختیاری پر شبہ کا جواب	۲۵۹	حالت کا یکساں نہ رہنا
۲۹۸	لفظ تہلیل طریق سلوک ملقب بہ السبیل لغاری السبیل	۲۶۰	اپنا ہر حال ناقص ہے
۳۰۵	ثمرہ اعمال	۲۶۱	بد حالی کا علاج
۳۰۶	ثمرات کے لئے عملت مضر ہے	۲۶۲	قلب میں سختی کی حقیقت
۳۰۷	تعمیل	۲۶۲	عقلی اور اعتقادی قرار مطلوب ہے نہ کہ طبی
۳۰۸	حدیث النفس	۲۶۳	حالت شوق و انس
۳۱۱	حدیث نفس کے غلبہ کا علاج	۲۶۵	شوق و انس میں فرق
۳۱۳	یکسوئی	۲۶۵	ذوق و شوق مطلوب نہیں
۳۱۴	یکسوئی کے اقسام	۲۶۶	انس مع الحق کا اثر
۳۱۴	وساوس و خطرات	۲۶۷	حالت رفیدہ
۳۱۴	وساوس و خطرات اور ان کا علاج	۲۶۹	آثار محمودہ
۳۱۷	وساوس کا علاج	۲۶۹	حالت محمودہ کا باقی نہ رہنا مضر نہیں
۳۲۳	وساوس خلافت تقویٰ نہیں	۲۷۰	نزول تجملی
۳۲۳	وساوس کا سہل و مجرب علاج	۲۷۰	آثار نزول
۳۲۶	ذکر اللہ دافع وساوس ہے	۲۷۱	قبض و بسط
۳۲۸	خطرہ	۲۷۲	منافع قبض
۳۲۹	شک اور تردد کا علاج	۲۷۳	قبض کی حکمتیں
۳۳۰	حزن بقدر خاص مجاہد ہے	۲۷۷	قبض کی مبارک حالت

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۲۵۸	خوف ورجا کی حالت	۳۳۱	خوف اور احتیاط کی کمی مد ہے
۲۵۸	حقیقت تو واضح	۳۳۱	موت سے ڈر ضعف قلب کی وجہ سے ہے
۲۶۰	تواضع اور بغض فی اللہ	۳۳۲	دوسرے کا علاج مسنونہ
۲۶۱	فلانہ تواضع دستِ محبت و علمت حق تھا	۳۳۳	اخلاق حمیدہ
۲۶۲	اپنے کو سب سے بدتر سمجھنا	۳۳۴	حقیقتِ نفس - تشریح
۲۶۳	حقیقتِ شکر	۳۳۵	حقیقتِ اخلاق
۲۶۵	صبر و شکر وغیرہ	۳۳۵	نیت و حقیقت نیت
۲۶۵	حقیقتِ صبر	۳۳۶	نیت و ارادہ
۲۶۹	بیماری میں اضطراب کا ہونا خلاف صبر و توکل نہیں	۳۳۶	احتمال
۲۷۰	تواضعی باطن و تواضعی باہر	۳۳۷	حقیقتِ اخلاص
۲۷۱	حقیقتِ توکل	۳۳۷	عدم اخلاص کا شبہ اور اس کا علاج
۲۷۱	اتمام و احکام توکل	۳۳۸	تحدیث بالنعمة
۲۷۲	حقیقتِ تفویض	۳۴۰	حقیقتِ صدق
۲۷۵	طریق کار	۳۴۱	حقیقتِ تقویٰ
۲۷۶	طریق حصول	۳۴۲	حقیقتِ عبدیت
۲۷۶	تفویض عقلی مطلوب ہے	۳۴۳	علامتِ عبدیت
۳۷۷	منصوص دعائے کا اثر نہ ہونا اس میں عبدیت	۳۴۵	حقیقتِ محبت
۳۷۷	و تفویض کا امتحان ہے	۳۴۷	حصولِ محبت کا لائقہ
۳۷۷	توکل و تفویض میں فرق	۳۴۹	وصولِ بطریقِ جذب
۳۷۸	جمعیت و تفویض	۳۴۹	محبتِ الہی کا مطلب
۳۷۸	اپنی بلے اور تجویز کے نفاذ کرنے کے برکات	۳۵۰	حُب حق و حُب نبوی میں تلازم
۳۷۹	تفویض ترک اعتراض علی الحق ہے	۳۵۱	حقیقتِ خشوع
۳۸۰	رضا	۳۵۲	طریقِ خشوع فی الارادہ
۳۸۰	رضا کی حقیقت	۳۵۳	طریقِ خشوع فی الاعمال
۳۸۲	رضا بالقضاء	۳۵۵	حقیقتِ خوف
۳۸۳	حقیقتِ نہ ہد	۳۵۵	خوفِ مطلوب اور اس کی ضرورت
۳۸۵	حقیقتِ توبہ	۳۵۶	طریق کار
۳۸۵	ضرورتِ توبہ	۳۵۷	رجا
		۳۵۷	حقیقتِ رجا
		۳۵۷	رجا کے درجات

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۴۱۲	حقیقت کبر	۳۸۷	طریقہ توبہ
۴۱۷	کبر کے اقسام اور ان کا علاج	۳۸۹	توبہ کی حد
۴۱۷	کبر کا علمی و عملی علاج	۳۹۲	توبہ کے بعد ادائے حقوق کا موقع نہ ملے تو اس کے لئے توبہ ہی سے
۴۱۸	حجاب اور کبر میں فرق		حقوق العباد معاف ہو جائیں گے
۴۱۸	انقباض کبر نہیں		اعتقاد عدم قبولیت توبہ کا مذموم ہونا
۴۱۹	عجب کا علاج	۳۹۳	بالاسحار ہم بیتغفرون
۴۲۰	خود بینی و بد بینی کا علاج	۳۹۳	رضائے الہی معلوم کرنے کی صورت
۴۲۱	حقیقت شہوت	۳۹۴	اصل طریق عبدیت
۴۲۲	عشق مجازی	۳۹۵	عبدیت کا مقصود
۴۲۲	عشق مجازی کی مفرت سے بچنے کی ترکیب	۳۹۷	اخلاقِ رذیلہ
۴۲۶	حُسن پرستی	۳۹۸	رذائلِ فطری چیزیں ہیں
۴۲۸	معابجہ	۳۹۸	اخلاقِ ذمیرہ کا امالہ
۴۲۹	رغبتِ انظارِ الی الایجابیہ کا علاج	۳۹۹	اخلاقِ ذمیرہ کا علاج
۴۳۰	بد نظری کی شکایت پر دعا کی درخواست	۳۹۹	کسی گناہ کو صغیرہ سمجھ کر کرنا جہل ہے
۴۳۱	حسن کو دیکھنا اختیار ہی ہے	۴۰۲	معصیت کو مضر نہ سمجھنا
۴۳۱	بد نظری کا علاج	۴۰۳	شیطان کی کید ہے
۴۳۱	گانے بجانے کی طرف میلان ہونے کا علاج	۴۰۵	نفس کے مکائد کی تحقیق
۴۳۲	حقیقتِ ریا		ایک ایسا رقبہ جس سے اپنے
۴۳۳	طاعات میں رضائے خلق کا مقصود ہونا ریل ہے	۴۰۶	عیوب نظر آئیں
۴۳۳	ریا کے خیال سے نیت کا بدلنا مقصود نہیں		حقیقتِ دنیا
۴۳۴	ریا میں قصد کو بدل لینا کافی نہیں بلکہ اس کا استحضار ضروری ہے۔	۴۰۷	حُبِّ دُنیا
۴۳۵	آفاتِ لسانی	۴۰۸	حقیقتِ حُبِّ جاہ
۴۳۵	گالی دینا	۴۰۹	حُبِّ دُنیا اور حُبِّ جاہ کا علاج
		۴۰۹	حُبِّ مال
		۴۱۰	حُبِّ مال کا علاج

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۲۵۳	حقیقتِ حرص	۲۳۵	لعنت کرنا
۲۵۵	کس کے پاس اچھی چیز دیکھ کر دل چاہئے کا علاج	۲۳۵	دل لگی اور متوجہ کرنا
۲۵۶	اشرافِ انفس	۲۳۶	چغلی خوری
۲۵۶	برگمائی کا علاج	۲۳۷	مدحِ سران
۲۵۷	تصفیہٴ نفس و قلب	۲۳۷	کذب (جھوٹ)
۲۵۸	حق تعالیٰ سے غافل کرنے والی چیز سے نفرت ہو جانا محمود ہے	۲۳۸	جھوٹ کا علاج
۲۵۹	انتخاب از تربیتِ السالک	۲۳۹	روکھی یا کھت بات کرنا
۲۶۰	نافعیتِ تربیتِ السالک	۲۴۰	ضولِ گمراہ کا علاج
۲۶۱	تربیتِ السالک کے جوابات کا الہامی ہونا	۲۴۱	زبان پر تالو نہ ہونے کا علاج
۲۶۲	منتخب مضامین	۲۴۱	نفسِ عمل کی بے برکتی
۲۶۲	طریق الاولیٰ الی اللہ بعددِ انفاس الخلائق	۲۴۲	ذکر اللہ سے نفع میں کتنا تدارک
۲۶۳	قَوْلٌ مِّنْ عَرَفٍ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ کی شرح	۲۴۳	غیبت
۲۶۳	تصور حق خود مقصود نہیں ذریعہ مقصود ہے	۲۴۳	غیبت کا علاج
۲۶۶	حضور کی شدتِ سکرات کا راز	۲۴۴	غیبت کا ایک عجیب علمی علاج
۲۶۶	عدم ایمان کی حقیقت	۲۴۵	غیبت اور بیاد خوری کا علاج
۲۶۷	زوقِ دہوی و تحدیثِ بالنتیجہ	۲۴۵	غیبت کے وقت کامیاب رکنا کتنا محسن ہے
۲۶۸	ایمان کے معنی پر شبہ کا ازالہ	۲۴۶	حقیقتِ غضب و غصہ
۲۶۹	نجاتِ اعمال پر ہے ایمان پر نہیں، اس کا جواب	۲۴۸	غصہ کا علاج
۲۷۱	فیرموس ہونے کا شبہ	۲۴۹	حقیقتِ بغض و کینہ
۲۷۱	اتباع سنت نسبتِ عظمیٰ ہے	۲۵۰	حقیقتِ حسد
۲۷۳	اتباع سنت سب مصالح پر غالب ہے	۲۵۱	طریق کار اور علاج
۲۷۳	صدورِ اعمال کے وقت ایک قسم کی نورانیت محسوس ہونا نعتِ عظمیٰ ہے	۲۵۲	کبر اور حسد کا علاج
		۲۵۲	حقیقتِ اصراف
		۲۵۳	حقیقتِ تجمل
		۲۵۳	تجمل کا علاج

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۴۸۹	دوام عمل کی حقیقت	۴۸۴	حدیث لا خیر من لایا لبق ولا یؤلف
۴۹۰	نازد ذکر کو یکسوئی سے محروم رکھنا اس	۴۸۵	پریشہ اور اس کا جواب
۴۹۰	رحمت میں بھی حکمت ہے	۴۸۵	تخیلات کے هجوم کا علاج
۴۹۱	نازد ذکر میں ہجوم خیالات غیر اختیاری ہیں	۴۸۶	درد و شریف چھوٹا ہو یا بڑا پر صفا بہتر ہے
۴۹۱	بے تدبیری بھی تدبیر ہے	۴۸۶	جس میں دلچسپی ہو
۴۹۱	معمولات میں فرق پٹنے سے قلق طبعی	۴۸۷	زیادت، انتخاب الی الشیخ بر نسبت لہذا اب
۴۹۲	شکایت اللہ مذموم نہیں	۴۸۷	الی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم
۴۹۳	امراض روحانی کا علاج	۴۸۸	مانیت طلب کرنا فرض و رضا کے
۴۹۳	باوجود اپنے کو حقیر جاننے کے جب کسی میں	۴۸۸	خلاف نہیں
۴۹۳	عیب نظر آتا ہے تو لپے کو اچھا	۴۸۹	تحقیق تو قدر و تقدیر نسبت باطنہ
۴۹۳	خیال کرنا۔ اس کا علاج	۴۸۹	عذر کی وجہ سے نافرمانی کا بدلہ مجاہدہ مضطر ایہ
۴۹۳	نفس کے کسی مشتبہ رویہ کا خود علاج	۴۸۹	یعنی تشویشات وغیرہ ہیں
۴۹۳	تجوید کرنا مبتدی کے لئے مفید	۴۸۹	ناز جماعت پر آمادہ کرنے میں
	نہ ہوگا۔	۴۸۹	سختی کا علاج
۴۹۴	اپنے کو کسی مقام خاص کا مستحق سمجھنا	۴۸۹	آرام کی چیزوں سے بے رغبت نہ ہونا چاہئے
۴۹۴	تفاوت نماز فرض و نفل	۴۸۹	موت سے خوف دراصل حق تو لٹے سے
۴۹۸	غل میں زیادہ کاوش کرنا غلط ہے	۴۸۹	خوف ہے
۴۹۹	ریلے خیال سے عمل ترک کرنا شیطان خیال ہے	۴۸۹	بروقت موت عذاب کا دراصل میں شان
۴۹۹	معمولات میں پابندی نہ ہو سکتا	۴۸۹	عظمت باری تعالیٰ کی طرف توجہ دلانا ہے
۵۰۰	خیالات منکرہ سے پریشانی نہ ہونا چاہئے	۴۸۹	رضائے حق کو مقصود سمجھنا بڑی دولت ہے
۵۰۱	ارادہ اور نیت کا بھی اجر ملتا ہے	۴۸۹	اعمال میں بے توجہی کا علاج
۵۰۱	ادلاؤ اور فکر معاش بھی طاعت ہے	۴۸۹	غیر واجب کا ترک شیطانی نہیں
۵۰۳	خلاف طبع امر کے لئے یہ سمجھنا کہ اپنے معاصی	۴۸۹	بوقت گزالی طبع عبادت میں اجہر
	کا نتیجہ ہے۔	۴۸۹	زیادہ ملتا ہے
۵۰۳	حفاظت مال کا عبادت ہونا	۴۸۹	میلان طبع میں تغیر پیدا ہونا موجب غم نہیں
۵۰۶	ناز میں ذکر قلبی کے موجود ہونے میں	۴۸۹	رفع تعارض درنہا پر انتقام
	کوئی مضائقہ نہیں	۴۸۹	و دعلئے انتقام
۵۰۶	غیر اختیاری امور کا تذکرہ	۴۸۹	اپنی حالت کا نقص سمجھنا اور تاویل کو
۵۰۶	آثار رضا	۴۸۹	منکر جاننا یہ بھی ایک قسم کی توبہ ہے
		۴۸۹	ضعیف فکر پر کسی وعدہ اجر ہے

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۵۳۱	باطنی احوال کے حصول میں عجلت کی مذمت	۵۰۸	تنگی رزق کے لئے غلام کو وظیفہ جائز ہے
۵۳۱	مفتی کو بھی مگر شیطان سے غافل نہ رہنا چاہئے	۵۰۸	لوگوں سے تکلیف پہنچنے پر میں نہ آنا
۵۳۲	صدقہ لغزش پر اللہ تعالیٰ کا اپنے مجتہدین سے معاملہ	۵۰۸	صعبت نہیں
۵۳۲	ذات و صفات میں اتباع ظن کی مذمت	۵۰۹	حالات اور کیفیات کا انتظار بیکار ہے
۵۳۲	خشوع حاصل کرنے کا سہل طریقہ	۵۰۹	عوارض نفسانی کا علاج
۵۳۳	ذکر سے قلب کا اطمینان	۵۰۹	اتباع شریعت کی نیت سے ہونا چاہئے
۵۳۳	شرعی احکامات کسی حال میں ساقط نہیں ہوتے	۵۱۰	ذکر وارد کی نیت سے
۵۳۴	عزلیت کا شرط وصول ہونا	۵۱۱	صبر کی دعا، بلا کی دعا ہے
۵۳۴	ترغیب صحبت فقر اور اہل اللہ	۵۱۱	امور دنیویہ کے فنا کا استخراج ان کی نیت کا علاج ہے
۵۳۴	مال و جاہ کی کثرت مقبولیت کی علامت نہیں	۵۱۲	موجودہ نعمتوں پر شکر ذکر تا بھی موجب طلب ہو سکتا ہے
۵۳۵	ساکٹ کر اپنے مقام کا دھوکا	۵۱۳	والدہ کے لئے طول حیات کی دعا کرنا
۵۳۵	ساکٹ کے غدر کے قبول و رد کا راز	۵۱۳	اجل مستحق کے خلافت نہیں
۵۳۶	الہام کا ثبوت	۵۱۴	طبیعت میں نطفہ حالت بغیر ہے
۵۳۶	اہل اللہ کے قلوب کو مضبوط کیا جانا	۵۱۵	اصلاح حال انکشاف پر موقوف نہیں
۵۳۷	حقوق واسطہ نعمت کی دلیل	۵۱۵	ناز میں غیر ناز کا خیال ضرور نا مضر نہیں
۵۳۷	اہل دنیا کا توحید خالص سے انقباض	۵۱۷	مرغ مجھلا دھلنے کا نیت دارین کرنا
۵۳۸	اعادہ شے استنباط	۵۱۷	ظلال سنت ہے
۵۳۸	علوم وہی	۵۱۹	انتخاب از صد پند اشرف
۵۳۸	عادت چلے	۵۲۱	کتوب ملقب بہ الہم فی اسم
۵۳۸	ناز میں وسوسہ کا علاج	۵۲۲	ظلمت ہیبت کے وقت کا راقبہ
۵۳۹	علاج برائے دفع وسوسہ	۵۲۹	مقالات حکمت
۵۳۹	ناز میں حضورِ قطب	۵۳۰	سائل التذکر
		۵۳۰	توحید کامل
		۵۳۰	مرغف و حجاب
		۵۳۱	توحید افعال
			صفات و ذات

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۵۴۱	دعا میں کہنا کہ اپنے اولیاء کے صدر اس میں شبہ غیر منقول ہونے کا اور اس کا جواب	۵۴۰	ایشاد و فضائل
۵۴۲	مسرت عقلی علامت ایمان ہے	۵۴۱	نجات کے لئے عمل شرط ہے، بزرگوں کی نسبت کافی نہیں۔
۵۴۴	گذشتہ دُنئی نامیابی یاد آکر دل کا برار ہمت مذموم نہیں	۵۴۲	اہل طریق سے توکل کرنا بزرگوں کو خوش کرنے کے لئے خدمت کرنا بیا نہیں
۵۴۵	جو کثرت کلام ناشی ہے انبساط اور انقباض عن الخلق سے خود نعمت مستقلہ ہے	۵۴۳	اکابر کو بھی اپنی اصلاح سے غافل نہ رہنا چاہیے۔
۵۴۶	روح کے انتظام کی ضرورت نہیں اگر قصہ معاومت میں کامیابی ہو	۵۴۴	معارف مشنوی
۵۴۷	حصول نفا کا طریقہ	۵۴۷	عرفان حافظ
۵۴۹	طریق باطن میں اشتباہ و تلبیس	۵۴۸	بعض مسائلِ طریقت
۵۵۰	کامیابی کے لئے طلب شرط ہے	۵۵۳	لطائف بستہ کی تحقیق
۵۵۱	غلامی کے تین حق ہیں	۵۵۵	مشاہدے کی حقیقت
۵۵۳	عبادت میں غلو منع ہے	۵۵۶	لذتِ روحانیہ و لذتِ نفسانیہ میں فرق
۵۵۴	قبض شدید مقامِ عبدیت کے حصول کا بہت بڑا معین ہے	۵۵۷	اخلاقِ رذیلہ کا ازالہ
۵۵۵	سلطان الازکار	۵۵۹	کبر کی علامات اور ان کا علاج
۵۵۶	البیعة فی حد البیعة	۵۶۳	نفس کے میلانِ معصیت کی وجہ پر وقتِ نفس کا جائزہ لیتے رہنا ضروری ہے۔
۵۵۸	سب مصائب کا گناہ کا نتیجہ نہیں ہوتے	۵۶۴	طریقتہ اصلاحِ نفس
۵۹۱	تکالیف کا تحمل نہ ہونا ضعفِ ایمان کی دلیل نہیں	۵۶۶	بجا ہرہ دائمی کی ضرورت
۵۹۳	حصولِ شروع کا اہتمام تکالیف مالاتیقات ہے	۵۶۹	قبولِ ذکر کی علامت
۵۹۳	تذکیرِ نعمت	۵۷۱	دعا میں واحد کے صفیے میں الحاح زیادہ اور صفیہ جمع میں شرکت کا ثواب ہے۔ غلط کیفیت کا اعتبار ہے۔
۵۹۴	علم ذات کا داعیہ میں ایمان ہے اور اس کی تمنا میں مطلوب		

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۶۱۷	علم کے نسبت علی زیادہ قابل اہتمام ہے	۵۹۶	تشبیہ و تنزیہ میں فرق
۶۱۷	مصائب کا بارہ غیر سختیاری ہیں	۵۹۷	تشبیہ کا مسلک بے مد نظر ناک ہے
۶۱۸	مصائب کا راز		تجلیات تنزیہ کے، ولیکن تنزیہ
۶۱۹	معصیت بڑی ہلک چیز ہے		محض بھی تشبیہ نہیں، اس کے
۶۱۹	اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہی		سختی تحقیق عجیب
	دافع پریشانی ہے	۶۰۵	ملفوظات
۶۲۰	ناکامیوں پر عدم سکون کا علاج	۶۰۵	صورت کا حاصل کرنا فرض ہے،
۶۲۰	عشق کی حقیقت تفویض ہے		اس کا ثبوت
۶۲۱	تاز میں حضور قلب کی ترکیب	۶۰۶	علم و دین ہی مستقام اطلاق ہے
۶۲۲	کالمین پر بھی غلبہ حال ہوتا ہے	۶۰۶	علم دین کے ساتھ اطلاق کی تقسیم
۶۲۳	ہر انسان اساتذہ درجہ کا مکلف ہے	۶۰۷	ایک صورت جامع ایمان و اعمال
	جس قدر اس کے امکان میں ہو	۶۰۷	ایمان ظاہر و باطن
۶۲۳	لفوظاتوں کا تدارک	۶۰۸	حقیقت ایمان
۶۲۴	اپنے گناہوں پر توبہ کو بیکار سمجھنا	۶۰۹	حقیقت عبدیت
	حاجت ہے	۶۰۹	اتباع رسول
۶۲۵	نفس و شیطان کے خطرات	۶۱۰	فطرتِ بشری دل کے نعم و مصائب ہے
	میں سترق	۶۱۰	غیرت جیسا
۶۲۵	درد و ایسی طاعت ہے جو کبھی	۶۱۱	مالک کو ثمرات کی آہیں نہ چاہئے
	رُود نہیں ہوتی	۶۱۱	جلد عبد المخلوق و جلد عبد المکن
۶۲۶	رضعت و عورت پر عمل	۶۱۲	تحقیق کی صلاحیت کا آواز
۶۲۶	حیاتِ طیبہ کا راز	۶۱۳	کیفیت باطنی تصور نہیں در علم عمل مقصود ہے
۶۲۷	اپنے انجام کی کسی کو خبر نہیں	۶۱۳	مالک و غیر مالک کی حالت میں سترق
۶۲۸	اعمال پر جزا	۶۱۴	وصول کا آسان طریقہ
۶۲۹	بندے کا کام صرف اللہ کو	۶۱۵	مستحقین کی نظر میں ہر چیز آئینہ جلال نہیں
	راضی کرنا ہے		ہی جاتی ہے
۶۲۹	حَرْفِ آخِر	۶۱۵	انعامات الہیہ کا صحیح استعمال
			دُنوی تروت کے ساتھ بھی
		۶۱۶	زبور جمع ہو سکتا ہے
		۶۱۶	طلب جاہ حاجت ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ عَرَضٌ نَّاشِرٌ

حضرت عارف باللہ ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب مدظلہ العالی خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ العزیز نے کئی قابل قدر کتابیں تصنیف و تالیف فرمائی ہیں، جن میں اُسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر حکیم الامت ہے۔ "اندز بنظر کتاب بصائر حکیم الامت" خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن کو بے پناہ مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی ہے۔

"بصائر حکیم الامت" فن تصوف پر ایک موثر اور آرا کتاب ہے جو نہ صرف متابعین تصوف کے لئے بلکہ ہر مسلمان کے لئے بھرپور اور کارآمد ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب قبلہ نے حکیم الامت کے مجددانہ و مصلحانہ مضامین تصوف و سلوک کا انتخاب مختصر مگر جامع طریق پر اس کتاب میں نہایت حسین ترتیب سے پیش کر کے ایک عظیم خدمت انجام دی ہے جس کا اعتراف وقت کے مقدر و علامہ نے بھی کیا ہے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب (دیوبندی) نے اپنے ایک گرامی نام میں تحریر فرمایا:-

میدی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کو حق تولد نے جو علمی و علمی کمالات عطا فرمائی اور تقویٰ کے مقام بلند پر نائز فرمایا۔ وہ تو طالب علمی کے زمانے ہی سے معروف و مشہور اور آپ کے اساتذہ کرام کی نظروں میں تھا، اسی کی برکت سے حق تولد نے اپنی معرفت کاملہ اور امور دین کی خاص فہم و فراست سے نازا اور اصلاح امت کے ساتھ جو غیر ازہ شغف اور اصلاح کی آسان اور موثر تدبیریں منتخب اللہ آپ کو عطا ہوئیں وہ ایسی چیز ہے جو امت میں خاص خاص ہی حضرات کو نصیب ہوتی ہیں۔

آپ کی تصانیف، مواعظ، ملفوظات، بڑھتے والے ہزاروں انسانوں کی زندگیوں میں ان سے خاص دینی انقلاب کا پیدا ہوا، ہر جگہ ہر طبقہ میں مشاہدے میں آیا جس کو دیکھتے ہوئے آپ کو دس صدی کا مجدد اور مامور من اللہ سمجھا جاتے تو کوئی مبالغہ نہیں۔ مگر حضرت کی تصانیف اور مواعظ و ملفوظات جو شائع ہو کر منظر عام پر آئے ہیں ان کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہے۔ ان سب کو خرید کر جمع کرنا پھر ان کو پڑھنا ہر کسی کے لئے آسان نہیں۔ بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے حضرت جی کی مجددانہ تعلیمات و ارشادات میں سے زیادہ اہم چیزوں کو منتخب کر کے عوام کی آسان زبان میں شائع کیا ہے۔ اس سلسلہ کی بہت سی کتابیں حضرت جی کی حیات سے لیکر اب تک بڑی تعداد میں شائع ہو چکی ہیں (بصائر حکیم الامت) وہ اسی قسم کا ایک مجموعہ ہے جو تصوف و سلوک کے بہتر گہرے مضامین کے انتخاب پر مشتمل ہے (

کراچی میں حضرت جی کے نقشبند قدم پر کام کرنے والے محترم انجمنی اللہ حاجی ڈاکٹر عبدالحی صاحب مجددانہ فادہ خلقی میں متواتر کام کر رہے تھے

محترم مولانا محمد احمد صاحب پھول پوری (الہ آبادی) مدظلہ، جو حضرت مولانا شاہ
فضل الرحمن مہنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ کے ایک برگزیدہ بزرگ ہیں اور علوم ظاہری
باطنی سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بدرجہ کمال نصیب فرمایا ہے اپنے ایک مکتوب میں حضرت ڈاکٹر

صاحب کو تحریر فرماتے ہیں: - بھارت کی مسرت کا باعث ہوا۔ حضرت کی محبت
حضرت کا ہدیہ پاک بھارت حکیم الامت، مل کر دی مسرت کا باعث ہوا۔ حضرت کی محبت اور
میرے لئے اللہ پاک کی عظیم نعمت ہے، اللہ پاک حضرت کے درجات بلند فرماتے ہیں اور صحت اور
قوت کے ساتھ مدت دواز تک حضرت کا فیض جاری رہے۔ کتاب اسوۃ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
اور بھارت حکیم الامت، امت کے لئے عجیب و غریب چیز ہے۔ حضرت کی دونوں کتابیں بعد شوق پڑھنا
ہمیں مجلس میں بھی سنا ہمیں بھارتی مجلس میں سنا، خود بھی الحمد للہ بہت متاثر ہوا اور اہل مجلس بھی بہت
متاثر ہوئے۔ عجیب و غریب چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم خاص سے حضرت سے ایسا مبارک
کام یا اجازت کے لئے، طالبین و سالکین کے لئے عجیب چیز ہے۔ اللہ پاک عمل کی توفیق عطا
فرمائیں۔

بھارت حکیم الامت کا پہلا ایڈیشن ہندوستان میں پہلی بار بڑے اہتمام کے ساتھ شائع
کیا جا رہا ہے۔ یہ کتاب فن تصوف و سلوک میں موجودہ ترتیب کے ساتھ ایک منفرد درجہ
رکھتی ہے۔ مندرجہ بالا علماء محترم کی آرا کے پیش نظر اس کتاب کی افادیت کے بارے میں
ہمارا کچھ مزید لکھنا حاصل ہے بہر حال اس کتاب کی طباعت اور اس کی ظاہری خوبوں کو اس کی
باطنی خوبیوں کے ثایان شان کرنے کیلئے ہم نے ہر ممکن کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ
ہم سب کو اس مبارک کتاب سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

نوٹ ————— طباعت کام حلقہ جاری تھا اور کاپیاں پریس جا چکی تھیں
کہ اچانک پاکستان سے خبر آئی کہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب اس دنیائے
فانی سے رخصت ہو گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مرحوم کی زندگی کے بعد کتاب کی اہمیت و افادیت میں اور اضافہ ہو جاتا
ہے یہ کتاب حضرت کی آخری کتابوں میں سے ایک ہے جو امت کیلئے یقیناً ایک تحفہ
اور نعمت غیر مسترقہ ہے۔ دعا ہے کہ رب العالمین حضرت مرحوم کی بال بال مغفرت
فرما کر بلند درجات سے نوازے۔ اور کتاب کو امت مسلمہ کیلئے زیادہ سے زیادہ نافع
بنائے۔ آمین۔

== ناشر ==

تعارف عارفی نور اللہ محمدی

حضرت ڈاکٹر شاہ محمد عبدالحی صاحب عارفی مدظلہ العالی محتاج تعارف نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں عارف کے ساتھ متعارف بھی بنایا ہے۔ خصوصاً موصوف کی تالیفات ۱۰ سوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور "ماثر حکیم الامت" کو جو خواص و عوام میں مقبولیت نصیب ہوئی اس سے انہیں مصنفین کی صف میں ایک ممتاز مقام ملا اور ان کی شہرت کو چار چاند لگ گئے۔ تاہم کسی بزرگ اور عظیم شخصیت کی سیرت و تعلیم پر روشنی ڈالنے والے کے متعلق یہ سوال فطری طور پر پیدا ہوتا ہے کہ اس کا تعلق اس شخصیت عظیمہ سے کس نوعیت کا تھا اور وہ جو کچھ لکھ رہا ہے اس میں اس کے ذاتی مشاہدات اور معلومات و تاثرات کا کتنا حصہ ہے؟ خصوصاً اشغیہ تصوف و سلوک کے بارے میں یہ سوال زیادہ اہمیت رکھتا ہے کیونکہ یہ ایک نازک اور اہم طریق ہے، اور اس کے متعلق ایک شیخ و مصالح کی خصوصیات اور اس کے اصول تعلیم و تربیت سمجھنے کے لئے تذکرہ نگار کو اس کے ساتھ مناسبت و ہم ذوق ہونا لازم ہے اگرچہ قلب مصاحبت، قلب مناسبت کی دلیل نہیں، مگر طول مصاحبت، قوت مناسبت کی ایک علامت یقیناً ہے، اس لئے کسی شیخ کامل خصوصاً حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس اللہ تعالیٰ سرہ کے جیسے مجدد و وقت کے اصول تعلیم و تربیت کے متعلق اگر ایسا شخص روشنی ڈالے جو مدت دراز تک اپنے قلب کو اس کے فیضان نور سے منور کرتا رہا، ہوتا تو اس کے بیان کا وزن یقیناً اہل نظر کی نگاہ میں زیادہ ہوگا۔

عرفان کی جو موجیں ذہن و دماغ سے براہ قلب باہر آتی ہیں وہ دوسروں کے قلب و ذہن کے لئے انقلاب انگیز ہوتی ہیں۔ صرف دماغی موجیں آپ عرفان کے طالبوں کی پیاس نہیں بجھا سکتیں۔ اس لئے اس موقع پر یہ بتانا بلکہ صحیح تر الفاظ میں جتان مناسب

معلوم ہوا کہ حضرت عارفی کا تعلق حضرت حکیم الامت سے کننا قوی اور مدید رہا ہے اور
حضرت مؤلف کتاب ہذا میں جو کچھ لکھتے ہیں وہ دیدہ ہوتا ہے نہ کہ شنیدہ۔

حضرت عارفی مدظلہ کے آباؤ اجداد کا وطن مالوٹ ضلع اٹارہ (یوپی۔ انڈیا) تھا۔

اور ان کا تعلق ایک معزز اور شاہی زمانے کے صاحب منصب خاندان سے ہے۔ حضرت

عارفی مدظلہ بمقام کدو در ریاست باؤنی (ضلع جھانسی، یوپی) محرم ۱۳۱۶ھ مطابق جون ۱۸۹۸ء

میں پیدا ہوئے۔ ان کے جدِ امجد مولوی کاظم حسین صاحب صدیقی اپنے زمانے کے علوم عربی

و فارسی کے بڑے مستند عالم تھے اور موصوف کو سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت مولانا

شاہ ابوالخیر صاحب مجددی دہلوی سے شرف بیعت حاصل تھا اور اپنے پیروم شد کے

مخصوص وابستگان میں سے تھے۔ حضرت عارفی نے اپنی ابتدائی عربی کی معمولی تعلیم اور

ادب فارسی میں سیر حاصل تعلیم اپنے جدِ امجد سے حاصل کی اور ان کے فیوض باطنی سے

بہرہ اندوز ہوئے۔ پھر انگریزی تعلیم کی طرف توجہ ہوئی تو ابتدائی تعلیم کانپور میں پائی۔ پھر

علی گڑھ کالج سے بی اے پاس کیا۔ اس کے بعد لکھنؤ یونیورسٹی سے قانون کی سند حاصل

کر کے دس سال تک ضلع ہردوئی میں وکالت کرتے رہے۔ یہ پیشہ موصوف کے مزاج فطری

سے مناسبت نہ رکھتا تھا، اس لئے افتادِ طبع کے تقاضے سے وکالت ترک کر دی اور اپنے

ذریعہ معاش کے لئے ۱۹۳۶ء سے ہومیوپیتھی طریقہ علاج کو اختیار کیا اور ۱۹۳۶ء تا

۱۹۵۰ء جو جنپور میں مطب کرتے رہے۔ پاکستان بننے کے بعد ۱۹۵۰ء میں کراچی آکر مطب

کرنے لگے اور یہی سلسلہ اب تک جاری ہے۔

علیہ

۱۹۲۶ء میں حضرت حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ

سے شرف بیعت حاصل ہوا اور ۱۹۳۶ء میں طلعتِ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت

حکیم الامت کی آخریات تک تقریباً ۱۷ سال تعلیم و تربیت اور اخذ فیوض کا روحانی

سلسلہ جاری رہا۔

اس مدت دراز میں مجموعی طور پر برسوں مکاتبت، مجالست و مصاحبت کی نعمت سے پہرہ اندوز ہوتے۔ اس طویل مصاحبت کا اثر واضح کرنے کے لئے جناب مسعود حسن صاحب مرحوم کا ایک تاثر بطور مثال کتاب "ماثر حکیم الامت" سے نقل کر رہا ہوں مرحوم جنہوں نے مدت دراز تک حضرت عارفی مدظلہ سے استفادہ کیا تھا اپنا مشاہدہ و تجربہ اس طرح تحریر فرماتے ہیں :-

” حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ کو حضرت مجدد وقت حکیم الامت قدس سرہ کے ملفوظات و مواعظ کے ان حصوں کو بھی جو ایک حد تک عالمانہ ہوتے ہیں، عام فہم اور سادے الفاظ میں بیان فرما کر عتدہ کثانی فرماتے ہیں یہ طویل حاصل ہے جو صرف سننے ہی سے اور تجربے ہی سے سمجھ سکتا ہے اس کا الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے“

بلاشبہ حضرت عارفی مدظلہ صحیح معنی میں اس کے حقدار ہیں کہ میخانہ اشرفی کی بادۂ عرفان کی سبیل لگاتیں جس کا ماشا اللہ سلسلہ جاری ہے۔ مناسب ہے کہ اس موقع پر حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے ایک ممتاز خلیفہ حضرت علامہ مفتی محمد شفیع عثمانی دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریظ نقل کر دوں جو موصوف نے حضرت عارفی مدظلہ کی مشہور تصنیف "ماثر حکیم الامت" پر تحریر فرمائی تھی۔

” خانقاہ ابدالیہ تھانہ بھون کہئے یا ایک دکان معرفت، اس کے دورِ اوّل کا تذکرہ ہی بزرگوں سے سنا۔ البتہ دوسرے دور میں سیدی حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی مجلس کو بھولنا نہ نکھوں سے دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔“

۶ نازم بچپنم خود کہ جمال تو دیدہ است

اس مجلس کے جبرائیل ملک بھر میں اکھوں کی تعداد میں پھیلے ہوئے تھے اور بچہ لہاب تک بھی بہت سے موجود ہیں۔ کراچی میں ہمارے محترم بزرگ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب برکاتہم

کو حق تعالیٰ نے حضرت سے بچند وجود خصوصی تعلق عطا فرمایا تھا۔ خلیفہ مجاز تو بحد لہند
اور بھی ہیں مگر شیخ کارنگ جن میں جھلکتا ہوا وہ کم ہی ہو کرتے ہیں۔ ہمارے محترم

خواجہ عزیز الرحمن صاحب مجذوب نے فرمایا تھا کہ

مجھے دیکھ آئینہ یار ہوں میں جلا کردہ دستِ دلدار ہوں میں

اللہ تعالیٰ جاننے والا اور تزکیہ عن غیر حق سے محفوظ رکھیں۔ ڈاکٹر صاحب کو دیکھ کر مجھے مجذوب
صاحب کا یہ شعر آیا یا کرتا ہے اور جب ان کو دیکھتا ہوں تو عموماً اصفہر گو نڈوی کا مصرع

بھی زبان پر آجاتا ہے،

ع ابھی کچھ لوگ ہیں ساتی کی محفل دیکھنے والے

اب اس زمانے میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت حکیم الامتہ قدس سرہ العزیز
کے فیوض و برکات کو مسلمانوں میں عام کرنے کے لئے ہمارے محترم ڈاکٹر صاحب کو چن لیا ہے
اللہ تعالیٰ ہم کو اور سب مسلمانوں کو آپ کے فیوض و برکات سے نفع عطا فرمائیں۔ فقط۔

ترانہ

یکے از خدام حکیم الامتہ قدس سرہ العزیز

احقر العباد

محمد اسحاق صدیقی (سندیلوی) ثم لکھنوی عنی

سابق شیخ الحدیث دارالعلوم ندوہ لکھنؤ

حال مشرف

شعبہ تخصص فی الدعوة والارشاد

مرتبہ اسلامیہ - بنوری ٹاؤن

کراچی نمبر

یکم ذیقعدہ الحرام ۱۳۹۷ھ

۲

۱۵ اکتوبر ۱۹۷۷ء

غائتِ تالیف

پیش نظر کتاب "بصائر حکیم الامت" تصوف و سلوک کے موضوع پر حضرت حکیم الامت شاہ محمد اشرف علی تھانوی مدنی کے محققانہ و مجددانہ منتخب مضامین پر مشتمل ہے۔ مطالعہ سے معلوم ہو گا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کس طرح مسائل تصوف و سلوک کو اپنی مصلحانہ جدوجہد و توجہات خصوصی کام کرنا بنا لیا تھا اور اپنی متعدد تصانیف اور اکثر و بیشتر مواعظ و ملفوظات کے ذریعے سے کس طرح اس کی حقیقت و غائت اور اہمیت و ضرورت کو واضح کیا ہے اور کس طرح طریقت کو دین مبین کا ایک اہم شعبہ ثابت کرتے ہوئے اس طریق کے اختیار کرنے والوں کے لئے جن شرائط کا لازم ہونا اور حصول مقاصد کے لئے جن ہدایات پر عمل کرنا ضروری ہے اس کی وضاحت فرمائی ہے اصطلاحات طریق کی کس طرح عام فہم تشریح کی ہے، اور باطنی احوال و کیفیات رموز و اسرار و معارف و حقائق کی کس بصیرت افزا انداز سے عقدہ کشائی کی ہے۔ اخلاق حمیدہ و رد ذلیلہ کے محرکات پر کیسی حکیمانہ و عارفانہ نظر ڈالی ہے اور ان کے اکتساب و اجتناب کے لئے کیسے سہل الجھول و سہل العمل مجربات و معالجات پیش کئے ہیں۔

اس کے علاوہ طالبین السالکین طریق کی تعلیم و تربیت اور ان کی تہذیب اخلاق و تزکیہ نفس کے لئے کیسا معیاری نصاب و مسلک مقرر و متعین فرمایا ہے جو خلاصہ کتاب سنت کے اصول کے مطابق منضبط کیا گیا ہے۔

مندرجہ بالا امور پر نظر ڈالنے سے بعض اکابر اہل نظر کا خیال ہے کہ ایسے اصول و ضوابط کے ساتھ علوم باطنی یعنی تصوف و سلوک کی تدوین و اشاعت عام کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اس حقیقت مذکورہ کو خاص طور پر نمایاں اور متعارف کرانے کے لئے اور نفع خواہوں و

عوام کے خیال سے اس کتاب میں چند اہم و مناسب عنوانات کے تحت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مختلف تصانیف مواعظ و ملفوظات سے خاص مضامین تصوف و سلوک کو مرتب کیا گیا ہے۔

منتخب و جمع کر کے باقاعدہ فن کی حیثیت سے مرتب کیا گیا ہے۔ مگر یہ کام بہت اہم اور مجھ ایسے بے مایہ علم و عمل کے لئے بہت دشوار تھا۔ عمر طبعی کا ضعف اور مشاغل زندگی سے عدیم الفرستی خود ہمت شکن تھی۔ مگر میں نے اپنے طالب علمانہ اور والہانہ ذوق کے تقاضے سے جو کچھ بھی مجھ سے بن پڑا وہ جمع کر لیا۔ بایں ہمہ نہ تو خاطر خواہ مضامین کا انتخاب ہو سکا اور نہ صحیح عنوانات اور حسن ترتیب کا اہتمام بن پڑا۔ یہ جو کچھ ہدیہ ناظرین کر رہا ہوں محض اللہ تعالیٰ کا افضل ہی افضل ہے۔

رَهُوَ الْمُسْتَعَانُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ

اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرما کر ناظرین کے لئے نانیقت اور ہدایت اور اس نالارہ کے لئے سرمایہ آخرت بنائیں۔ آمین۔

یہ تالیف شاید حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تمنا و خواہش ہی کا ثمرہ ہے جو

ذیل میں درج ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے آخری ایام علالت میں جب جناب علامہ سید سلیمان ندویؒ حضرت کے خلیفہ ارشد بضر عبادت تھانہ بھون تشریف لے گئے، اس وقت کے حالات کے سلسلہ میں حضرت سید صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں: "خانقاہ تھانہ بھون میں میرے جائے قیام پر حضرت والا کی طرف سے حضرت کی اخیر تصنیف "بوادر النوادر" کا ایک نسخہ مولوی جمیل احمد صاحب نے ہدیہ لاکر عنایت فرمایا اور یہ ارشاد سامی پہنچا یا کہ میرے مضامین سے اقتباسات جمع کر کے شائع کر دو۔ اس حکم کو اپنی ہدایت و رہنمائی سمجھ کر اپنی سعادت کا اظہار کیا۔ دوسرے دن حاضری کے موقع پر حضرت نے اپنی زبان مبارک سے خود یہ ارشاد فرمایا چاہا تو خاکسار نے حضرت

کے زحمت تکلم کے خیال سے عرض کیا کہ مجھ کو یہ ارشاد مبارک مولوی جمیل احمد صاحب کے ذریعہ پہنچ چکا ہے، مگر وہاں سے اٹھنے کے بعد مولوی جمیل احمد صاحب سے جب میں نے پوچھا کہ حضرت کا مقصود کیا ہے، یعنی اس کتاب بوادیر النوادیر سے اقتباس یا عام کتابوں سے۔ انہوں نے سہرا یا کہ اس کو میں نے خود اچھی طرح نہیں سمجھا۔ بعد کی حاضری میں موقع پا کر میں نے تفصیل چاہی تو ارشاد ہوا، نہیں عام کتابوں میں جو مضمون نظر آئیں ان کو یکجا کر لیا کرو۔ (رسالہ معارف اعظم گڑھ جلد ۲ ص ۵۲)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یہ خواہش اور فرمائش خصوصاً آخر لمحات زندگی میں پھر سید صاحب ایسے علامہ سے اپنی جگہ بہت اہم اور معنی خیز ہے۔ اس کے بعد حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے مسلسل تغیرات اور وقتی تفکرات زندگی اور خرابی صحت کے باعث اس سعادت کے حاصل کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

حضرت کی مختلف تصانیف سے اکثر مضامین منتخب کئے گئے اور کتابی صورت میں حضرت کی حیات ہی میں شائع ہوئے ہیں مثلاً "الرفیق سواء الطریق"۔ اشرف المسائل۔ انفاس عینی۔ کمالات اشرفیہ وغیرہ، اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بطور خود اپنے خاص خاص اہم مضامین کو یکجا کر کے 'البوادیر النوادیر' کے نام سے شائع فرمایا، جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حیات ہی میں بالکل آخر ایام میں شائع ہوا تھا اور اس کا دوسرا حصہ بعد میں 'البدایع' کے نام سے شائع ہوا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد مولانا عبد الباقی ندوی رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامتہ قدس سرہ العزیز) نے ایسے انتخاب کے چار مجموعے، تجدید تصوف و سلوک، تجدید دین کامل، تجدید تسلیم و تبلیغ اور تجدید معاشیات، کے نام سے شائع کئے ہیں جو نہایت مفید ہیں اور جن سے حضرت کی مجددانہ تعلیم و تربیت پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ ناکارہ بھی اسی نوعیت کا ایک گلدستہ ہدیہ ناظرین کو رہا ہے۔ مگر میں اپنی صلاحیت فہم اور استعداد علمی کی کمی کے احساس و اعتراف کے ساتھ مستدعی ہوں کہ مضامین کی نایاب

الذہبیت کے پیش نظر ان کے بے ربط اور بے ترتیب ہونے کے سقم سے چشم پوشی کی جائے اور
اس عاجز و ناتواں کی مغفرت کے لئے دعا کی جائے
خوابِ ذوقِ گل چینی چہ داند باغبانیاں ہا
مذہبیت دید و دل رسم آرائش پیرس ازین

مگر میرا یہ اندام ع

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے
اس کتاب کے نامترضا میں حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی حسب ذیل کتب

سے منتخب کئے گئے ہیں ۔

نثر الطیب : المتکشف - بوادر النوادر - البدائع - اشرف السوانح -
افادات یومیہ - کمالات اشرفیہ اور مطبوعہ تربیت السالک - کتاب شریعت و
طہریت (مولفہ مولیٰ محمد دین صاحب) (اشرف المسائل) مسائل سلوک (انفاس عیسیٰ)
اس کتاب میں ایک مضمون مولیٰ عبد الباری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "تجدید
دین کامل" سے نقل کیا گیا ہے۔ یہ مضمون بطور دیباچہ سید سلیمان ندوی کا تحریر کردہ ہے
اس سے کتاب ہذا کے موضوع پر احسن الوجوہ روشنی پڑتی ہے۔

حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ وہ ایک عالمگیر
شہرت کے مستند و معتبر دیگانہ عصر سیرت نگار اور مقبول خاص و عام تالیف
سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مولف تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ظاہری و باطنی علوم
میں بہت سے فضائل و کمالات سے منصف فرمایا تھا۔ وہ حضرت حکیم الامت مولانا
تھانوی دس سرہ الزمیز کے خلفائے ایک مخصوص و ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ ان کو اپنے
شیخ سے بڑی و اہل انہ عقیدت و محبت تھی۔ اس دیباچہ میں انہوں نے اپنے علم و عرفان
سے اپنے پیر و مرشد کے تہذیبی و علمی اور ترقی مقام روحانی کا اعتراف بھی کیا ہے، اور
تعارف بھی کر رہا ہے۔

حقیقتِ تصوف کا مکتشفِ عظیم

— اور —

فنِ حصولِ احسان و تقویٰ کا مجددِ کامل

(از علامہ سید سلیمان ندوی رح)

پیش نظر اوراق میں ایک ایسی ہستی کا مرقع پیش کیا جا رہا ہے جس نے وقت میں مجموعہ کمالات اور جامع انواع فضائل تھی۔ عالم۔ حافظ۔ قاری۔ مدرس مفسر۔ محوِ فقہ۔ واعظ۔ صوفی متکلم۔ مناظر۔ ناظم۔ ناشر۔ ادیب اور خانقاہ نشین شیخ سب کچھ تھی، لیکن اس نے سب سے بڑھ کر اپنے نام فضائل و کمالات کو فنِ تصوف کی اصلاح و تکمیل میں صرف فرمادیا، اور دوسرے علوم و فنون میں سے ہر ایک پر عالمانہ اطلاع اور محققانہ عبور کے باوجود ان میں سے کسی کو اپنا تہا اور مخصوص شغل نہیں بنایا۔ بلکہ اپنے تمام علوم و فنون اور کمالات کو صرف اسی ایک فنِ شریف کی خدمت میں لگا دیا۔ اس لئے یہ کہنا گویا صحیح ہے کہ اس کو تمام دوسرے علمی اور عملی کمالات صرف اسی لئے دیئے گئے تھے کہ اس فن کی تجدید ہو جو دنیا میں کس پرہیزی کی حالت میں اور ہندوستان میں بہ حالت غربت تھا جس کی حقیقت پر تہہ بہ تہہ پردے پڑ گئے تھے اور جس کی تابانی پر بدعات کی ظلمت غالب آگئی تھی، اور جو خود کا نذر صوفیوں کے ہاتھوں دنیا داری اور کسبِ معاش کے فنون میں سے ایک فن کی حیثیت میں آگیا تھا۔ اور جہاں اس کا وجود تھا وہی جہاں چاند طغیانہ خیالات کا مجموعہ

ہو کر رہ گیا تھا، یا اوراد و وظائف کے نصاب کا سلف صالحین نے اس فن کے جوابدہ مسائل منقح کر کے لکھے تھے وہ بالکل فراموش ہو گئے تھے اور خصوصیت کے ساتھ سلوک کی حقیقت اور غایت بالکل ہی چھپ گئی تھی اور جہاں کسی قدر اس کا نام و نشان تھا وہاں علم میں وحدۃ الوجود یا وحدۃ الشہود کی ناقابل افہام و تفہیم بلکہ ناقص تعبیر پر اور اعمال میں صرف ذکر و فکر و مراقبہ کے چند اصول پر پوری پوری قناعت تھی۔ بدعات نے دین کا نام اور رسوم نے سلوک و تصوف کی جگہ حاصل کر لی تھی۔ طریقت و شریعت کو دو متقابل حریف ٹھہرا کر ان میں ایک کو دوسرے سے گرانے کی کوشش کی جا رہی تھی عام صوفیوں کی زبانوں پر چند جاہلانہ فقرے اور چند مبتدعانہ اصول و اعمال رہ گئے تھے جن کو طریقت کا نام بنتا گیا۔

صوفیہ خاندانوں کی حالت اور مدعی گدی نشینی کی متواتر رسم نے اللہ تعالیٰ کی بخشش و عطایا اور معیشت کو بھی ایک صنعت گری کا کارخانہ بنا رکھا تھا۔ خانقاہوں کا کلام صرف اعراض و فائدہ کا تھا اور سماع و رقص و توالی کا انصرام رہ گیا تھا مقررہ دنوں اور ہفتوں میں کچھ لوگ جمع ہو کر فاتحہ خوانی کر لیں۔ مٹھائی کھالیں اور ایک جگہ بیٹھ کر کسی سازندے کے ترانے پر مٹھائی کر لیں اور زیارہ پڑھیں تو وحدۃ الوجود کی اسلئے کوشش اور بے باکی اور زندگی کے اشعار و مضامین پڑھ لیں اور سردھن لیں۔ چند مینہ مینہ رات تھے جن کو بے سمجھے بوجھے بار بار دہرایا جا رہا تھا۔ نصیح عقائد تحمیل عبادت۔ اثبات سنت۔ اصلاح اعمال اور ادائے حقوق العباد جو اصل دین اور صحیح سلوک تھا وہ ہر جگہ سے مٹ چکا تھا علمائے ظاہر چونکہ باطن کے منکر تھے یا باطن سے نا آشنا تھے۔ اس لئے ان کے پسند و ناپسند کی حیثیت صوفیوں میں نفعی نامت ناس سے زیادہ نہ تھی اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ چونکہ طریقت کے اصل راز سے واقف نہیں اس لئے ان کی بات سننے کے قابل نہ تھی اور علمائے ظاہر چونکہ باطن سے منکر یا نا آشنا تھے وہ ان کا نام صوفیوں کو دیکھ کر اصل فن سلوک کو ضلالت اور گمراہی قرار دینے لگے تھے اور اس کے اصول و مسائل کو ظلمات شریعت اور مخالف کتاب و سنت سمجھتے تھے۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ علمائے حق اور صوفیائے برحق کا مطلق وجود ہی نہ تھا۔ بے شبہ
 جا بجا صحیح و صالح بزرگوں کے سلسلے قائم تھے۔ کہیں کہیں ان کے فیوض و برکات بھی جاری
 اور ان کی تعلیم و تربیت کی برکت بھی عیاں تھی۔ لیکن یہ جو کچھ تھا خواص کے لئے تھا اور عوام
 حلقوں میں تھا اور سب سے بڑی بات یہ کہ اشخاص کی تلقین و ہدایت تو ہو رہی تھی مگر
 تدوین فن، تربیت اصول تحقیق مسائل، تالیف رسائل اور اصل سلوک کے مضامین کو کتابت
 سنت کی اور سلف صالحین اور اولیائے کاملین کی تشریح و توضیح سے ملا کر دیکھنے کے لام
 کہیں نہیں ہو رہے تھے اور نہ خطب و مواعظ اور تحریر و تقریر کے ذریعہ عوام کے خیالات
 کی اصلاح کی کوشش کی جا رہی تھی اور نہ زہد و شہادت و دفع شکوک اور رفع اہلام کے لئے
 کوئی سلسلہ تھا اور نہ سالکین کی ظاہری و باطنی تربیت کی کوئی ایسی درس گاہ تھی جس میں راہ
 کی مشکلات کو علمی و فنی طریق سے بتایا اور سکھایا جاتا ہو اور نہ کہیں کوئی ایسی منہ بچی تھی جہاں
 شریعت و طریقت کے مسائل پہلو بہ پہلو بیان ہوتے ہوں، جہاں تفسیر و فقہ و حدیث کے
 ساتھ امراض قلب کے علاج کے نسخے بھی بتائے جلتے ہوں جو کتاب و سنت میں موجود ہیں
 جہاں ایک طرف قال اللہ و قال الرسول کا ترانہ بلند ہو اور دوسری طرف عبودیت و بندگی
 کے امر اور اتباع سنت کے رموز بھی سکھائے جاتے ہوں۔ جہاں جس قلم سے احکام
 فقہی کے فتاویٰ نکل رہے ہوں، اسی قلم سے سلوک و طریق کے مسائل بھی شائع ہو رہے
 ہوں۔ جس منبر سے نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ کے فقہی مسائل و اشکاف بیان کئے جا رہے
 ہوں، اسی منبر سے روحانی حقیقت اور ان کی قلبی ادکاری کے طریق بتائے جا رہے
 ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس صدی میں اس کام کے لئے حضرت حکیم الامت مجدد ملت
 (مرشدی و مولائی مولانا شاہ اشرف علی) علیہ الرحمۃ کا انتخاب فرمایا اور وہ کام ان سے
 لیا گیا جو چند صدیوں سے معطل پڑا ہوا تھا۔

اس کے علاوہ زمانہ کالتفاضا تھا کہ اس کے معضیات نے جو نئی ضرورتیں پیدا

کر لی ہیں دین کی حفاظت کے لئے ان کا بندوبست کر دیا جاتے چنانچہ ایک طرف کلام پاک کی تفسیر کی جلدیں تیار ہوئیں۔ دوسری طرف اعلیٰ بیورو (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے مجرے ترتیب پئے۔ تیسری طرف فقہ و فتاویٰ کا سرمایہ جمع ہوا۔ چوتھی طرف علم اسرار و حالتی تدوین ہوئی۔ پانچویں گوشہ میں تصوف کے اصول جمع کئے گئے جو اب تک جمع نہیں ہوئے تھے۔ ان میں ان کے احوال و کیفیات پر گفتگو کی گئی جن کے نہ سمجھنے سے بیسیوں قسم کی گمراہیاں راہ پائی ہیں ایک اور سمت میں مولانا روم (رحمۃ اللہ علیہ) کی مثنوی کے دفتر کھولے گئے جن کے ہر صدیوں سے حقائق و دقائق کے خزانے ہیں۔ عوام کی طرف توجہ گئی تو زندگی کی روح کا سراغ لگایا گیا تو ان کی شادی دیباہ کے مراسم کی اصلاح کی گئی۔ نیک و صالح بیسیوں کے لئے بہشتی زیور کا سامان کیا گیا۔ بچوں کے لئے ان کی تعلیم و تربیت کے آداب و اصول مرتب فرمائے، مدرسین کے قواعد و ضوابط کے نئے بنائے گئے، داد و ستاد و خرید و فروخت اور معاملات کے دینی اصول سمجھائے اور دین کی تعلیم میں شریعت کی دست دہائی گئی جس سے مسلمان کی پوری زندگی ولادت سے موت تک سماگتی۔ عوام مسلمانوں کی رہبری کے لئے مواظبت کی سیکڑوں مشعلیں جا بجا روشن کی گئیں اور بیسوں شہروں میں پھر پھر ان کو غفلت کی نیند سے جوقلاہا گیا۔ علماء و فقہاء اور محققین کے لئے بوادر و نوادر اور بدائع کے سلسلے قائم کئے، مدرسے کی بند شدہ راہ جو ائمہ، مجتہدین کی خطاؤں کے استدراک کے لئے رجوع عن الخطا کا اعلان تھی۔ وہ تزیج الراجح کے نام سے کھولی گئی اور اپنی ہر غلطی و خطا کا علی رؤس الاشہاد اعلان کیا گیا تاکہ آئندہ مسلمانوں کے لئے ٹھوکر کا باعث نہ بنے تو تعلیم یافتہ مسلمانوں کے شکوک و شبہات کا جواب دیا گیا۔ باطل فرقوں کی تردید میں رسائل لکھے گئے۔ اخلاق و اعمال اور حقوق العباد کی اہمیت ظاہر کی گئی، اور ہزاروں مسلمانوں کو ان کی وہ تعلیم دی گئی جس کو مسلمان عوام کی خواص بھی نبھایے تھے۔

اصول و ضوابط اور آداب کی وہ تربیت فرمائی گئی جو دین سے نعتاً و تفسیراً صدیوں سے قلعج کی جا چکی تھی اور پھر اپنے بعد اپنی روش پر تعلیم و تربیت کے لئے ڈیڑھ سو کے قریب مجازین کو چھوڑا، جو ان کے بعد بھی ان کاموں میں معروف ہیں۔ اس علقہ فیض میں علماء بھی داخل ہوئے، تعلیم یافتہ بھی، عوام بھی، غریب بھی، اُمراء بھی بہت بڑے بڑے عہدہ دار بھی، زمیندار بھی، تاجر اور سوداگر بھی اور مفلس و قلاش بھی۔ اس سے اس دائرہ کی وسعت کا اندازہ اب بھی کیا جاسکتا ہے۔ مدارس پر غور کیجئے۔ دارالعلوم دیوبند بھی مظاہر العلوم سہارنپور بھی، دارالعلوم ندوہ بھی۔ یہاں تک کہ پہلا علی گڑھ کالج اور موجود مسلم یونیورسٹی بھی اور وہ سیکڑوں مدارس جو ہندوستان میں جگہ جگہ پھیلے ہیں۔ جزائریاتی حیثیت سے غور کیجئے تو سرحد سے لیکر سنگال مدارس اور گجرات بلکہ حجاز افریقہ اور ان تمام ملکوں تک جہاں جہاں ہندوستانی مسلمان پھیلے ان کے اثرات بھی ساتھ ساتھ پھیلے ہیں۔ راقم کو ہندوستان کے در دراز علاقوں میں جانے کا اتفاق ہوا مگر جہاں گیا یہ معلوم ہوا کہ وہ روشنی وہاں پہلے سے پہنچی ہوئی ہے اور کوئی نہ کوئی اس روشنی سے مجدد ضرور ہوئے۔ اس تعلیم و تربیت، تصنیف و تالیف، مواظب و موقوفات کی بدولت عمائد حق کی تبلیغ ہوئی۔ مسائل صحیحہ کی اشاعت ہوئی دینی تعلیم کا بندوبست ہوا۔ رسوم و بدعات کا قطع نزع ہوا۔ سنن نبوی کا احیاء ہوا۔ غافل چونکے، سوتے جاگے۔ بھولوں کو یاد آئی۔ بے تعلقوں کو اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے سینے گر ملتے۔ اور اللہ کی یاد سے دل روشناس ہوئے اور وہ فن جو جو ہر سے خالی ہو چکا تھا پھر شبلی، جنسید اور بسطامی و جیلانی اور سہروردی و سرہندی بزرگوں کے خزانوں سے مملو ہو گیا۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔ یہ وہ شان بکری تھی جو اس صدی میں مجدد وقت کیلئے اللہ تعالیٰ نے مخصوص فرمائی۔

ایں سعادت بزرگوار و نیت
تا نہ بخشہ خدائے بخشندہ

حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے ساتھ ارنجال پر سید سلیمان ندویؒ نے اپنے جن تاثرات کا اظہار فرمایا وہ حسب ذیل ہیں :-

مَوْتُ الْعَالَمِ مَوْتُ الْعَالَمِ
محل دوشین کا وہ چراغِ سحر جو کئی سال سے ضعف و مرض کے جھونکوں سے بجھ چکا کہ
سنبھل جاتا تھا بالآخر ۸۲ سال ۱۰ ماہ ۱۰ روز جل کر ۱۵ رجب ۱۳۶۲ھ کی شب کو ہمیشہ کے
لئے بجھ گیا۔

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی حبلی ہوئی
اک شمعِ رد گئی تھی سو وہ بھی خاموش ہے

علیہ
بنی حکیم الامت مجدد الملت و طرفیت شیخ اکمل حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ
نے مرضِ ضعف داسہال میں کئی ماہ علیل رہ کر ۱۹ اور ۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء کی درمیانی
شب کو ایسے نازعنا کے وقت اس دار فانی کو الوداع کہا، اور اپنے لاکھوں معتقدوں
اور مریضوں اور مستفیدوں کو غلین و مہجور چھوڑا۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون۔ اب اس
دور کا بالکل فائدہ ہو گیا جو حضرت شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ، مولانا محمد یعقوب
صاحبؒ، نانائوی، مولانا قاسم صاحبؒ، نانائوی، مولانا شیخ محمد صاحبؒ تھانوی کی یادگار
تھا اور جس کی ذات میں حضراتِ چشت اور حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت سید احمد
صاحب بریلوی کی نسبتیں یکجا تھیں جس کا سینہ چشتی ذوق و عشق اور مجددی سکون و محبت
کا مجمع البحرین تھا جس کی زبان شریعت و طرفیت کی وحدت کی ترجمان تھی جس کے قلم
نے نقد و تصوف کو ایک مدت کی ہنگامہ آرائی کے بعد باہم ہم آغوش کیا تھا۔ اور
جس کے فیض نے تقریباً نصف صدی تک اللہ تعالیٰ کے فضل و توفیق سے اپنی تعلیم و
تربیت اور تزکیہ و ہدایت سے ایک عالم کو مستفید رکھا تھا اور جس نے اپنی تحریر و تقریر

سے حقائق ایمانی و دقائق فہمی، اسرار احسانی اور رموز حکمت ربانی کو برملا نکاش کیا تھا اور اسی لئے دنیا نے اس کو حکیم الامت کہہ کر پکارا، اور حقیقت یہ ہے کہ اس اثر فزمانہ کے لئے یہ خطاب عین حقیقت تھا۔

تصانیف

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف اور رسائل کی تعداد اٹھ سو کے قریب ہے اور کُل کی کُل تحقیقات علمیہ، حقائق دینیہ اور نکات احسانہ سے لبریز ہیں، ان میں تفسیر البیان القرآن شرح مشنوی، فتاویٰ امدادیہ الشرف الی القصوف اور بہشتی زیور وغیرہ کتابیں کئی کئی جلدوں میں ہیں۔ ملفوظات اور مواعظ و خطبات کی تعداد سیکڑوں کی حد تک ہے، ان تصانیف میں قرآن پاک کی مشکل آیات کریمہ کی تفسیر، احادیث شریفہ کی شرح، فقہ کے مشکل مسائل کا جواب، سلوک و طریقت کے نکتے، اخلاقی فضائل و زوائد کی حکیمانہ تفسیر اور ان کے حصول اور ازالہ کی تدابیر اور زمانہ حال کے شکوک و شبہات کے جوابات سب کچھ ہیں۔ تصانیف میں متفرق علوم و مسائل اس کثرت سے ہیں کہ اگر ان سے کسی ایک موضوع کے مباحث کو علیحدہ علیحدہ کیا جائے تو ایک ایک مستقل کتاب بن جائے۔ چنانچہ حضرت کے تربیت یافتوں نے اس قسم کے بیسیوں مجموعے تیار کئے ہیں۔ سب سے اخیر میں اس قسم کا مجموعہ بوداؤ اللہ کے نام سے ایک ہزار صفحوں میں چھپ کر شائع ہوا ہے۔ خطوط کے جوابات کا جن کے متعلق وفات کے دن تک اہتمام یہ رہا کہ آج کے خط کا جواب کل کے لئے اٹھا نہ رکھا جائے۔ عظیم ارشاد فرماتا ہے: تصنیفات میں بلکہ ہر تحریر میں اہل نظر کو یہ معلوم ہوگا کہ گویا مصنف کے سارے مسائل و مواد یکجا ہیں اور وہ سب کو اپنی اپنی جگہ احتیاط سے رکھتا جاتا ہے۔ عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ مصنف جس موضوع پر قلم اٹھاتا ہے اس کو اس میں ایسا غلو ہو جاتا ہے کہ دوسرے گوشوں سے اس کو ذہول ہو جاتا ہے۔ حضرت کی تصانیف کی خاص بات یہ ہے کہ قلم ہر ایک احتیاط اور رعایت کر کے اور غلو سے بچ کر اس طرح نکلتا ہے کہ جاننے والوں پر حیرت چھا جاتی ہے۔ حضرت کا ترجمہ قرآن پاک سہولت بیان اور وضوح مطالب میں اپنا آپ نظیر ہے۔ بہشتی زیور کہنے کو تو عورتوں

کی کتاب ہے مگر فقہ حنفی کی ضروریات کے لئے انتہائی احتیاط و کاوش کا نتیجہ ہے۔
تفسیر بیان القرآن کو یوں سمجھنا چاہئے کہ روح المعانی اور تفسیر ماسبق کی اردو میں درج
ممتا طائز ترجمان ہے۔ سلوک و طریقت کی کتابوں کا بھی یہی حال ہے۔ حضرت کی
تجدید طریقت کا بڑا کمال یہ ہے کہ ہندوستان میں بلکہ تمام دنیا میں عوامی تصوف کی حقیقت
جوگ سے مل گئی تھی اس کو زوانہ و جوشی سے صاف کر کے قدام اور سلف صالحین کے
رنگ پر لے آئے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ایک کامل زندگی کو جو کمال زہد و ورع، کمال
اتباع شرع، کمال اتباع سنت کے ساتھ تھی، اس زلزلے میں نمونے کے لئے پیدا کیا۔
وہ آئی اور شہر بھر کے مجاہد و کانوونہ دکھا کر واپس ہو گئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ و اذہ
اعلیٰ علیین و صلی اللہ تعالیٰ علی النبی الامین و آلہ و صحابہ اجمعین و آخر دعوانا ان الحمد
رب العالمین۔

سیح میرزو، مجیدان

سلیمان

۸ شعبان ۱۳۶۲ھ

دار المصنفین اعظم گڑھ (رسالہ معارف نمبر ۲ جلد ۵۲۔ اگست ۱۹۴۳ء)

نوٹ

حضرت سید سلیمان ندوی رح کا مضمون

”حکیم الامت کے آثار علمیہ“

کتاب ”ماثر حکیم الامت“ میں ملاحظہ فرمائیے

حدیث

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی ما علم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یبعث فی امتی علی راس کل مائۃ من یجد لہا دنہا
ترجمہ: اللہ تعالیٰ میری امت میں ہر صدی کے سرے پر ایسے (شخص) کو پیدا فرمائے گا جو
اس (امت) کے لئے اس کے دین کو تیار کرے گا۔

مختصر سوانح مختصر

— و —

آداب سیرت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَسَلَّمَ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى

حالات و مصروفیات زندگی

حضرت حکیم الامت مجدد ملت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا وطن مالون و مقام پیدائش تھانہ بھون ضلع مظفر نگر یوپی ہندوستان تھا۔ آپ کا یوم ولادت باسعادت چہار شنبہ ۵ ربیع الاول ۱۲۸۰ھ ہے۔ قصبہ میں آپ کے آبا و اجداد کا خاندان نہایت معزز و ممتاز تھا۔ آپ کے والد ماجد منشی عبدالحق صاحب بڑے صاحبِ وجاہت، صاحب منصب اور صاحب جائداد تیس تھے اور بڑے اہل دل بزرگ تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نسباً فاروقی مذہباً حنفی تھے اور مسلکاً سلسلہ امدادیہ صابریہ چشتیہ سے وابستہ ہو کر منصب خلافت و رشد و ہدایت پر فائز ہوئے۔ حضرت کا بچپن ملن ہی میں گذرا اور وہیں نفاذ و حفظ قرآن اور عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی پھر علوم دینیہ کی تکمیل کے لئے ۱۲۹۵ھ میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور جتید علماء اور مدرسین سے فیضانِ علوم حاصل کر کے ۱۳۰۱ھ میں فارغ التحصیل ہوئے گویا ادھر چودھویں صدی کا آغاز ہو رہا تھا اور ادھر احیاء و تجدید دینِ مبین کے لئے یہ مجددِ عصر تیار ہو رہا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا یہ کبھی فضلِ عظیم تھا کہ حضرت کو مدرسہ دارالعلوم دیوبند ایسی شہرہ آفاق اور مستند درس گاہ میں تحصیلِ علوم اور تکمیلِ درسیات کا موقع نصیب ہوا جہاں خوبی قسمت سے

اس وقت بڑے منتخب ادریگانہ عصر و جامع کمالات و صفات اہل اللہ اور اساتذہ کا مجمع تھا جن کے فیوض و برکات علمی و ایمانی کا آج بھی عالم اسلام معترف ہے۔ ان میں اکثر حضرات جناب حاجی امداد اللہ صاحب ہاجر مکی قدس سرہ العزیز کے سلسلہ سے وابستہ اور بعض ان کے خلفائے راشدین میں تھے، ایسے نورانی ماحول میں اور ان حضرات کے فیضانِ صحبت سے لبونہ تعالیٰ حضرت رُکی باطنی صلاحیت و استعداد بھی تربیت پذیر ہوئی رہی۔

یوں تو تمام بزرگوں اور اساتذہ کی توجہات خصوصی کی سعادت حضرت رُکی کو حاصل تھی۔ مگر حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ العزیز اور مولانا محمد یعقوب صاحب نالوتوی قدس سرہ العزیز کو خاص طور پر حضرت کے ساتھ محبت و شفقت کا تعلق تھا اور حضرت رُکی کو بھی ان بزرگوں کے ساتھ نہایت واپارہ عقیدت و محبت تھی چنانچہ اکثر و بیشتر ان حضرات کا ذکر بڑے کیف و سرور کے ساتھ فرمایا کرتے تھے۔ حضرت رُکی کو مدرسہ دیوبند میں داخل ہونے کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نالوتوی قدس سرہ العزیز سے حصول سعادت کا زیادہ موقع نہیں ملا کیونکہ سال بھر کے بعد ہی حضرت مدوح کا وصال ہو گیا تھا۔ البتہ اول الذکر دونوں بزرگوں سے رابطہ قلبی بہت بڑھتا رہا اکثر فرمایا کرتے تھے کہ: "مجھ کو حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز سے اس درجہ عقیدت تھی کہ سوائے حضرت حاجی صاحب کے اور کسی سے ایسی نہ تھی۔ میں نے ایسا جامع ظاہر و باطن بزرگ کوئی اور نہیں دیکھا، اور لوگوں کے ساتھ تو میری عقیدت استدلالی تھی مگر مولانا رُکی کے ساتھ غیر استدلالی تھی۔ میں نے اپنی طالب علمی کے زمانے میں اول مولانا رُکی سے مدرسہ دیوبند میں بیعت کی درخواست کی تھی لیکن مولانا نے طالب علمی کے زمانے میں بیعت کرنے کو خلاف مصلحت اور خارج تحصیل علوم دینیہ خیال فرما کر عذر کر دیا لیکن میں نے ہمیشہ ان کو اپنا شیخ ہی سمجھا اور ہمیشہ اہم

اور میں ان سے مشورہ لے کر عمل کرتا تھا۔ حضرت مولانا کی مجھ پر خاص عنایت تھی اور میرا راز الٰہی کا فرماتے تھے۔ میں جب حاضر خدمت ہوتا تھا تو فرماتے تھے: "بھائی جب تم آجانے ہو تو زہرہ ہو جانا ہوں، حضرت حاجی صاحب کا تذکرہ بہت ذوق و شوق کے ساتھ فرمایا کرتے تھے، فرماتے تھے کہ: "بھائی تم نے تو حضرت حاجی صاحب کے کچے پھل کھائے ہیں اور ہم نے کچے پھل کھائے ہیں (یعنی حضرت حاجی صاحب کے کچے پھل کھائے ہیں اور ہم نے کچے پھل کھائے ہیں) ایک بار حضرت کا گنگوہ میں وعظ اخیر زلمے کے فیوض و برکات حاصل کئے ہیں، ایک بار حضرت کا گنگوہ میں وعظ ہو رہا تھا جو کوئی حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتا تو اس سے فرماتے کہ ایک عالم حنائی کا وعظ ہو رہا ہے وہاں جاؤ سنو۔ میرے پاس کیا بیٹھے ہو۔ حضرت مولانا اکثر اپنے بعض طالبین و سالکین کو بھی بغرض تربیت حضرت رح کے پاس بھیجا کرتے تھے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب ناز تو می قدس سرہ العزیز مدرسہ عالیہ دیوبند میں مدرس اول تھے۔ فن درس و تدریس اور علوم ظاہرہ میں یگانہ روز گار تھے اور بڑے صاحبِ تہلیل اور صاحبِ کشف و کرات اولیائے کاملین میں سے تھے۔ حضرت کو ان سے بڑی عقیدت و محبت درگزر دیکھی تھی۔ اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے اس ہونہار طالب علم کے ساتھ بڑی ہر تیانہ شفقت اور توجہ فرماتے تھے انہوں نے اپنی روحانی فراست سے کچھ لیا تھا کہ اس طالب علم کے طالع بیدار سے اس کے مستقبل کے روشن آثار نمایاں ہیں۔

بالائے مرشس زہوش مندی

می تاوت ستارہ بلند می

چنانچہ ان کی موجودگی میں خصوصیت کے ساتھ خاص خاص حقائق و معارف و نکات و دقائق علمیہ بیان فرمایا کرتے۔ حضرت اپنی مجلس میں حضرت مولانا کے ایسے ملفوظات کا بڑے ذوق و شوق کے ساتھ ذکر فرمایا کرتے اور فرماتے تھے کہ: "ان کا حلقہ دراز کیا ہوتا تھا ایک حلقہ توجہ الی اللہ ہوتا تھا۔ قرآن مجید کی تفسیر بیان فرما رہے ہیں اور

اسکھوں سے آستو جاری ہیں :
 حضرت کی دستار بندی ۱۳۱۰ھ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی
 قدس سرہ العزیز کے متبرک و مقدس ہاتھوں سے ہوئی۔ اس سال مدرسہ دیوبند میں بڑا شاندار
 جلسہ منعقد ہوا اس موقع پر حضرت اپنے چند رفقاء کے ساتھ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب
 کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت ہم میں ایسی استعداد نہیں کہ ہمیں دستار
 فضیلت عطا کی جائے اس سے مدرسہ کی بڑی بدنامی ہوگی۔ یہ سنکر مولانا کو جو جوش
 آگیا اور فرمایا۔ تمہارا یہ خیال بالکل غلط ہے، یہاں چونکہ تمہارے اساتذہ موجود ہیں ان
 کے سامنے ہمیں اپنی ہستی کچھ نظر نہیں آتی اور ایسا ہی ہونا چاہئے باہر جاؤ گے تب
 تمہیں اپنی قدر معلوم ہوگی۔ خدا کی قسم جہاں جاؤ گے بس تم ہی تم ہو گے باقی سارا میدان
 صاف ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا،

گفتہ او گفتہ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت کے باطنی علوم و اعمال کی تکمیل و تہذیب کے لئے
 بھی ایک یگانہ عصر شیخ المشائخ حضرت حاجی شاہ محمد ادا اللہ صاحب تھانوی ثم مہاجر
 کی قدس سرہ العزیز سے شرف تعلق عطا فرمایا۔

حضرت حاجی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے فضائل و خصوصیات سے
 متصف فرمایا تھا۔ اس زمانے میں عرب و عجم کے کثیر التعداد علمائے عظام اور صوفیائے
 کرام ان کے حلقہ بگوش عقیدت تھے اور ان کے فیوض و برکات سے شرفاً و عزاً باہر طبقہ کے
 طالبان طریقت فیضیاب و میراب ہو رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دیگر اوصاف کلمات
 کے ساتھ خاص طور پر فن تصوف و سلوک میں ایک مجددانہ و مجتہدانہ ذوق و مسلک سے
 بہرہ اندوز فرمایا تھا۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کو حضرت حکیم الامت سے مستقبل میں اہم خدمات دین خصوصاً تصوف و سلوک میں ایک اصلاحی و انقلابی کام لینا منظور تھا اس لئے اس کام کی استعداد و قابلیت پیدا کرنے کے لئے ہی، ایک ایسے ہی جامع شریعت و طریقت اور صاحب فراست شیخ کی ضرورت تھی۔ واقعات پر نظر کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ منجانب اللہ حضرت حاجی صاحب کی توجہ خود بخود ابتدا ہی سے غالباً طور پر حضرت کی طرف مبذول ہونے لگی تھی چنانچہ ایک بار بغیر کسی خاص ذکر و مذکور کے حضرت حاجی صاحب نے اپنے ہم وطن منشی عبدالحق صاحب حضرت کے والد ماجد سے از خود کہا بھیجا کہ آپ جب حج کو آئیں تو اپنے ساتھ اپنے لڑکے کو ضرور لیتے آئیں۔ حالانکہ حضرت کی ولادت حضرت حاجی صاحب کی ہجرت کے بعد ہوئی تھی اور انہوں نے ان کو کبھی دیکھا بھی نہ تھا۔

۱۲۹۹ھ میں جب حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ العزیز حج کے لئے تشریف لے جا رہے تھے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے ہاتھ ایک عریفہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کی خدمت میں روانہ کیا جس میں استدعا کی کہ حضرت مولانا سے بیعت فرمائیے کہ لئے سفارش فرمادیں۔ حضرت حاجی صاحب نے حضرت مولانا سے اس کا تذکرہ فرمایا اور پھر خود ہی ارشاد فرمایا کہ "اچھا میں خود ہی ان کو بیعت کئے لیتا ہوں اور حضرت رح کو کبھی تحریر فرمایا کہ "میں نے خود آپ کو بیعت کر لیا ہے مطمئن رہیں"

۱۳۰۱ھ میں جب حضرت دہلوی سے فارغ ہوئے تھے اسی زمانے میں کانپور کے مدرسہ رفیع عام "میں ایک مدرس کی ضرورت تھی حضرت کو وہاں تدریس کے لئے بلایا گیا حضرت کو کئی سال تک اس مدرسہ میں درس و تدریس کے فرائض انجام دینے رہے۔ کچھ عرصہ کے بعد مدرسہ کے نظم و نسق سے غیر مطمئن ہو کر تعلق منقطع کر لیا پھر کچھ ایسے اسباب پیدا ہوئے کہ کانپور کی جامع مسجد میں درس دینے لگے اور وہاں

ایک مدرسہ قائم ہو گیا۔ اس مدرسہ کا نام حضرت نے مسجد کی مناسبت سے "مدرسہ جامع علوم" موسوم فرمایا یہ مدرسہ یومیہ یا ترقی کرتا رہا اور کچھ مدت کے بعد بہت مشہور و معروف ہو گیا۔ (اور اب تک بفضلہ تعالیٰ قائم ہے)

دوران قیام کا بیسواں سوال ۱۳۱۷ھ میں ایسے اسباب و سائل رونما ہوئے کہ حضرت اپنے والد صاحب کے ساتھ حج کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت حاجی صاحب سے ملاقات ہوئی اور دست بدست بیعت ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت حاجی صاحب نے ان کو کچھ دنوں کے لئے اپنے پاس رہنے کے لئے روکنا چاہا مگر حضرت کے والد صاحب نے اس وقت حضرت کی مفارقت کو گوارا نہ فرمایا اور اپنے ساتھ واپس لے آئے۔ حضرت حاجی صاحب نے حضرت والا سے فرمایا کہ اب کی بار حج کو آؤ تو کم از کم چھ ماہ کے قیام کے ارادے سے آنا۔ حضرت ۱۳۱۸ھ میں دوسری بار حج کے لئے تشریف لے گئے اور اپنی طلب صادق اور حضرت شیخ کے منشاء اور ان کی خواہش کے مطابق وہاں چھ ماہ تک قیام کا ارادہ کر لیا۔ حضرت کو اپنے پیرومرد کی صحبت بابرکت میں فراغت قلب کے ساتھ رہنے اور باطنی تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے لئے یہ بہت معتتم موقع نصیب ہوا اس کی قدر کرتے ہوئے حضرت اپنا سارا وقت حضرت شیخ ہی کی خدمت اور معیت میں گزارنے لگے اور ہمہ وقت ان کے علوم عارفانہ اور مقالات حکمت سے بہرہ اندوز ہونے لگے۔ اس کے علاوہ عبادات ناقلہ اور حسب ہدایت شیخ ریاضات و اوراد معمولہ حضرات صوفیائے کرام میں بھی مشغول رہے۔

حضرت حاجی صاحب اسی موقع کے منظر تھے چنانچہ نہایت شفقت و محبت کے ساتھ اپنے مرید صادق کی تربیت باطنی کی طرف متوجہ ہو گئے اور اپنے نوخیز طالب و سالک طریق کی فطری صلاحیت و استعداد اور جوہر قابل کا اندازہ کرتے رہے اور وہ تمام علوم باطنی اور امرار و رموز روحانی جو اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب مبارک پر وارد اور القا فرمائے تھے حضرت کے

قلب معنی میں منتقل فرماتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس تپیل عرصہ میں حضرت شیخ کی توجہات خاص سے حضرت کا سینہ مبارک دولت معارف و حقائق باطنی کا خزینہ اور انوار تجلیات روحانی کا آئینہ بن گیا اور محبت حق سبحانہ تعالیٰ اور محبت نبی الرحمة صلی اللہ علیہ وسلم کا سوز و گداز رگ و پے میں سرایت کر گیا۔ حضرت حاجی صاحب اپنی مرید سعید کی ترقی باطنی کا اندازہ فرما کر بہت مطمئن و مسرور تھے۔ بعض وقت جوش محبت میں آ کر فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے جو الہامی علوم مجھ کو عطا فرمائے ہیں وہ ان کی زبان پر جاری فرمادے ہیں یہ تفریق کا افضل عظیم ہے۔ انشا اللہ تعالیٰ یہ ہونہار رہو و طریق ایک دن رہو یہ طریق بنے گا اور امت مسلمہ کے لئے رشد و ہدایت کا علمبردار ہوگا۔

بالآخر ہر صورت سے مطمئن ہو کر اور اپنے ذوق و مسلک سے تامل و مہم آہنگی کے آثار نمایاں دیکھ کر اپنا جان میں بنا لیا اور باذن اللہ تعالیٰ خلعتِ خلافت اور منصب ارشاد و ہدایت سے سرفراز فرمایا اور خلق اللہ کی رہنمائی کے لئے تعلیم و تلقین کی اجازت مرحمت فرمائی۔ جب حضرت کا وہاں سے واپسی کا وقت آیا تو بکمال محبت و شفقت لگے لگا کر فرمایا: میاں اشرف علی میں دیکھتا ہوں کہ اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے تم کو نام عامرین پر خاص فضیلت عطا فرمائی ہے ذاک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ پھر ان دو وصیوں کے ساتھ رخصت فرمایا۔

دیکھو وطن پہنچ کر تم کو باطنی کیفیات میں ایک حالت شدید پیش آنے لگی گھبراہٹ نہیں بلکہ مطلع کرتے رہنا۔ دوسرے یہ کہ جب مدرسہ کی ملازمت سے دل برداشتہ ہو کر پھر وطن پہنچ کر ہماری خانقاہ المدینہ میں تو کلا علی اللہ مقیم ہو جانا تم سے انشا اللہ تعالیٰ خلق کثیر کو نفع پہنچے گا۔

۱۳۱۱ھ میں حج سے واپسی پر کانپور پہنچ کر حضرت پھر درس و تدریس کے کام میں لگ گئے اس طرح ایک طرف تو درس و تدریس کی مداومت اور تبحر و تفکر سے علوم

میں بچگی اور ترقی ہوتی رہی۔ دوسری طرف عبادات و ریاضات میں مشغولی سے باطنی کیفیتِ وحالات میں عروج و ارتقا ہوتا رہا۔ اسی زمانے میں اکثر و بیشتر مواقع پر حضرتؒ کے تبلیغی و اصلاحی وعظ بھی ہوتے رہے جو قلم بند ہو کر شائع بھی ہوتے رہے، اور اسی زمانے میں حضرتؒ کی مجالست میں ایک حلقہ ذکر اللہ بھی قائم ہو گیا جس میں طالبین حتیٰ و سالکین طرہی جمع ہو کر حضرتؒ کی تعلیم و تربیتِ باطنی سے مستفیض ہونے لگے، اہل فوق حضرتؒ کے ارشادات و مقالاتِ حکمت کو قلم بند کرتے اور شائع کرتے رہے۔ اس طرح رفتہ رفتہ حضرتؒ کے عالمانہ و عارفانہ کمالات کا شہرہ اطراف میں ہونے لگا اور خواص عوام میں حضرتؒ کی ذات کو ایک ہر دلعزیزی کی شان حاصل ہو گئی۔

مگر حضرت شیخ کی خدمت سے واپسی پر مزاج اور انداز زندگی میں ایک گونہ ریلوڈنگ اور وراثتگی سی طاری رہنے لگی۔ یہاں تک کہ ایک ایسا وقت آیا کہ حضرتؒ فرماتے تھے کہ: انقباضِ باطنی و کیفیاتِ روحانی کی شدت سے میں اس قدر بے قابو ہو گیا تھا کہ جی چاہتا تھا کہ اپنی جان دیدوں (شاید یہ وہی حالتِ رقبیہ تھی جس کا اشارہ حضرت حاجی صاحبؒ نے مکہ معظمہ سے واپسی کے وقت فرمایا تھا) حضرتؒ نے اپنی اس مضطربانہ حالت کی اطلاع اپنے شیخ مرتبی باطن کو کی کہ حضرتؒ: "آپ تو اتنی دُور ہیں اور میری یہاں یہ حالت ہو رہی ہے۔ کیا کروں، حضرت حاجی صاحبؒ اس اطلاع سے بہت متاثر ہوئے اور جواب تحریر فرمایا کہ: "جب تک فقیر زندہ ہے گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ میں برابر تمہاری طرف متوجہ ہوں تم اطمینان رکھو۔" ان محبت بھرے الفاظ میں ایسی جاں نواز تاثیر تھی کہ حضرتؒ فرماتے تھے کہ: "خط پڑھتے ہی معاسکون محسوس ہونے لگا اور تمام معمولات و مشاغل رفتہ رفتہ بحال ہو گئے،" (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اشرف السوانح حصہ اول)

حضرتؒ نے دورانِ قیام کا پندرہ دس و تدریس کے سلسلے میں چودہ سال بسر کئے یہی زمانہ منجانب اللہ ان کے ذہنی و روحانی صلاحیت و استعداد کے نشوونما کا اور علوم ظاہری

دباظنی کے بار آور ہونے کا تھا اور اسی زلزلے میں تجربہ و مشاہدہ کی بنا پر عام مسلمانوں کے اصلاح عقاید اعمال کے لئے دین مبین کی تبلیغ و اشاعت کا ایک بے اختیار جذبہ اور شہید قاضی عادل میں پیدا ہو رہا تھا جس سے حضرت ہمدرد وقت متاثر رہنے لگے اور موجودہ شہید قاضی عادل میں پیدا ہو رہا تھا جس سے حضرت ہمدرد وقت متاثر رہنے لگے اور موجودہ انہک و امثال کی زندگی سے طبیعت گہرے لگی مستقبل میں پیش نظر مقاصد کے حصول کے لئے فراغت قلب و کیسلی دور کا واقعی چنانچہ مدرسہ کی ملازمت ترک کرنے کا ارادہ کر لیا اور چند وجوہات و معذورات پیش کر کے آخر کار ۱۳۱۵ھ میں سکندرشہی حاصل کر لی اور اپنے وطن قندھار بھون تشریف لے گئے اور اس کی اطلاع اپنے پیرو مشد کو کر دی وہاں سے جواب آیا۔

پتہ پتہ آپ قندھار بھون تشریف لے گئے امید ہے کہ آپ سے خلافت کثیر کو فائدہ
قاہری و باطنی ہو گا اور آپ ہمارے مدرسہ اور خانقاہ کو از سر نو آباد کریں

ہر وقت آپ کے حل میں دعا کرتا ہوں اور آپ کا مجھے خیال رہتا ہے ۔

قندھار بھون (ضلع مظفرنگر) بڑے شہروں (دہلی سہارنپور) سے دور اور ذرائع آمد و رفت کے اعتبار سے اس زلزلے میں بالکل الگ تھلگ پرانے زلزلے کے ریسوں کی ایک سستی تھی اس سستی سے بالکل باہر خانقاہ امداد یہ واقع تھی یہ وہی خانقاہ تھی جہاں کچھ زمانہ پہلے اللہ تعالیٰ کے توہین برگزیدہ خلوت گزین بندے درویشانہ زندگی بسر کر رہے تھے، یعنی حضرت حافظ محمد حسان صاحب شہید، حضرت مولانا شیخ محمد صاحب اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب۔

یہ حضرات میاں جی نور محمد صاحب جھنجھانوی کے خلفائے راشدین تھے، اور اپنے علوم ظاہری و باطنی کے فیوض و برکات سے خواص و عوام کو فیض رسانی میں مشغول تھے۔ پھر جب انقلاب آیا ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حضرت حافظ محمد حسان صاحب شہید ہو گئے اور کچھ عرصہ کے بعد مولانا شیخ محمد صاحب کا انتقال ہو گیا اور حضرت حاجی صاحب مکہ مکرمہ ہجرت فرما کر چلے گئے۔ کچھ مدت کے لئے یہ خانقاہ ضرور تیر آباد ہو گئی

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے ان مقبول بندوں کی یادگار کو قائم رکھنا اور مستقبل میں اس خاندان کو ایک عالمگیر رشد و ہدایت و علوم ظاہری و باطنی کی نشر و اشاعت کا جلیل القدر مرکز بنانا منظور تھا اور اس اہم و عظیم کام کو سرانجام دینے کے لئے حضرت حکیم الامت مجدد ملت محی السنن مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ ارشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کو ازل ہی سے منتخب فرمایا تھا۔ حضرت نے وطن پہنچ کر اپنے پیرومرشد کی تمنا اور ہدایت کے مطابق خانقاہ امدادیہ میں سکونت اختیار کرنے کا انتظام کیا اور تولد علی اللہ بظاہر ایک گونہ عارضی بے سر و سامانی مگر حقیقتاً مستقبل کے غیر فانی ساز و سامان کے ساتھ اپنے بزرگوں کی مقدس مندرشد و ہدایت پر متکی ہو گئے اس طرح بیرو مرشد حضرت حاجی صاحب کی تمنا اور پیش گوئی پوری ہو گئی۔

حضرت نے خانقاہ میں مقیم ہو کر شروع ہی سے اپنی آئندہ زندگی کے انضباط اور اہم خدمات دین کے انصرام کے لئے اپنے مذاق فطری اور نصب العین کے موافق ایک لائحہ عمل تقرر فرمایا اور اسی کے مطابق اپنے پیش نظر کام کے سرانجام دینے میں مشغول ہو گئے اس وقت حضرت کی عمر تخمیناً ۳۵ سال تھی

حضرت کو فطرتاً حسن انتظام اور نظم الاوقات کا بڑا اہتمام تھا چنانچہ اپنی نجی ضروریات کے لئے تصنیف و تالیف کے لئے اور مجلس احباب میں تعلیم و تربیت کے لئے ایسے فراغت کے اوقات تقرر فرمائے کہ ہر کام آسانی و اطمینان سے سرانجام ہوتا رہے۔ اس نظم الاوقات میں اس قدر انضباط و جامعیت تھی کہ آخر ایام تک اس میں سرموزق نہیں آیا۔

یومیہ نظم الاوقات

حضرت رحکار ہائشی مکان خانقاہ سے کچھ تھوڑے فاصلے پر واقع تھا خانقاہ ہی کے اندر قدیم زمانے کی ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ حضرت پنج گانہ نماز اسی مسجد میں ادا فرماتے

اور خود امامت فرماتے تھے۔ آخر عمر میں ضعف اور چند معذورات کی وجہ سے ایک قاری صفا
کو امامت کے لئے مقرر فرمایا تھا۔ جنوب کی طرف مسجد سے ملی ہوئی ایک سہ درمی تھی جس میں
حضرت حاجی صاحب کے زمانے کے دو حجرے ہیں۔ حضرت کی نشست گاہ یہی سہ درمی تھی
اور یہیں مجلس منعقد ہوتی تھی۔ خانقاہ میں ایک طرف کچھ حجرے بھی تھے جس میں جہان اور ذاکرین
وسالکین آکر مقیم ہوا کرتے تھے۔

صبح فجر کی اذان کے بعد ہی حضرت مکان سے خانقاہ تشریف لے آتے تھے نماز کے بعد
صبح فجر کی اذان کے بعد ہی حضرت مکان سے خانقاہ تشریف لے آتے تھے نماز کے بعد
کچھ معمولی فریاد سے فارغ ہو کر مشی (چہل قدمی) کے لئے باہر میدان میں کچھ دور تک
چلے جاتے تھے اور اسی دوران اپنے چند اوراد وغیرہ پورے کر لیتے۔ واپسی پر خانقاہ کی سہ درمی
میں نماز اشراق ادا کرتے اور پھر تھوڑی دیر کے لئے مکان تشریف لے جاتے۔ واپس آ کر گھوما
گیارہ بجے تک یکسوئی کے ساتھ تصنیف و تالیف میں مشغول رہتے۔ عام طور پر اس وقت
کسی کو آنے اور لینے کی اجازت نہ تھی۔ اگر کوئی خاص جہان جو مختصر مدت کے لئے آئے ہوں
ان کے لئے تصنیفات سے فارغ ہو کر تھوڑا وقت مجلس خاص کا دست دینے اور نہ مکان تشریف
لے جاتے۔ کھانا تناول فرما کر اور کچھ دیر آرام فرما کر پھر خانقاہ آ جلتے اور قبیلہ فرماتے۔ ظہر
کی اذان پر نماز کے لئے تیاری فرماتے۔ نماز ظہر کے بعد عصر کی اذان تک خانقاہ کی سہ درمی
میں مجلس عام منعقد ہوتی اس میں قصبہ والے اور باہر سے آئے ہوئے لوگ شریک ہوتے
شکرالامین علماء۔ ذاکرین۔ شاغلیں اہل و غریب۔ پڑھے لکھے اور بغیر پڑھے لکھے، سب ہی طرح
کے لوگ ہوتے جن کی تعداد روزانہ کم و بیش بیس بیس ہوا کرتی تھی۔ اس وقت جو لوگ
کہیں باہر سے آتے ان سے مصافحہ کے بعد مختصر سی مزاج پرسی اور دریافت حال کر لیتے
اور مناسب جگہ پر بیٹھنے کے لئے فرمادیتے، زیادہ گفتگو نہ فرماتے تاکہ دیر تک ایک طرف
متوجہ رہنا دوسرے لوگوں پر بار نہ ہو۔

اہل مجلس خاموش بیٹھے ہوئے حضرت کی باتیں سنا کرتے کبھی کسی نے کوئی مناسب

سوال کیا تو اس کا جواب فرمادیتے۔ کوئی تعویذ طلب کرتا تو لکھ کر دیدیتے کوئی دعا کے لئے عرض کرتا تو دعا فرمادیتے اس وقت حضرت مختلف قسم کی متفرق باتیں کیا کرتے، کبھی حالات حاضرہ کے وقتی ضروریات اور تقاضوں کے متعلق کبھی بزرگوں کے حالات دکھایا کبھی عام پسند و ناصح، کبھی تصوف سلوک کی وضاحت وغیرہ۔ اکثر و بیشتر حضرت کے یہ ارشادات و مقالات حکمت قلم بند ہوتے رہتے اور شائع ہوتے رہتے۔ اس صورت سے "الانفادات ایومیہ" کے نام سے کئی جلدیں مرتب ہو کر شائع ہوئیں جو شریعت و سنت و طریق کے مختلف النوع مضامین و حقائق و معارف کا بڑا مفید و سبق آموز ذخیرہ ہیں۔

اسی عرصہ میں خطوط کے جواب بھی تحریر فرمایا کرتے جن کی تعداد کم از کم تقریباً پچیس تیس تک روزانہ ہوا کرتی تھی۔ خطوط کے جواب التزاماً روز کے روز تحریر کر کے واپس کر دیئے جاتے تاکہ مکتوب الیکٹرونک حجت امتظار نہ ہو۔ زیادہ تر یہ خطوط اصلاحی تعلق رکھنے والے ہوتے جو اپنی باطنی حالات و کیفیات، خطرات و مساویں یا دینی امور میں ذہنی کشمکش اور اندیشوں کا حل دریافت کرتے یا تصوف و سلوک کے متعلق معلومات حاصل کرتے۔ حضرت ان سب کے جواب خطوط کے حاشیہ ہی پر معاً قلم برداشتہ لکھ دیا کرتے، وہ خطوط جن میں کوئی خاص اہم مضامین ہوتے (وہ مع جوابات) منتخب کر لئے جاتے اور بغیر اظہار نام شائع کر دیئے جاتے جو "ترسبت السالک" کی ضخیم جلدوں میں مدون ہو کر شائع ہوتے رہے۔ اسی طرح بعض خطوں میں لوگ قبھی مسائل اور حالات حاضرہ کی ضروریات اور تعلق مضامین میں شریعت کی ہدایات یا مسائل دریافت کرتے، ان میں سے بھی خاص مضامین کے خط مع جواب منتخب کر لئے جاتے اور شائع کر دیئے جاتے جو اولاد و تلامذہ کی کسی ضخیم جلدوں میں جمع ہو کر شائع ہو چکے ہیں۔ روزانہ انہیں معمولات کے ساتھ اذان عصر کے وقت یہ مجلس ختم ہو جاتی۔ نماز عصر کے بعد حضرت اپنے دونوں مکانوں میں ٹھوکی تھوڑی دیر کے لئے تشریف لے جاتے۔ مغرب کی اذان سے پہلے واپس آ جاتے پھر نماز

مغرب سے فارغ ہو کر کچھ دیر ایستگت گاہ سہ درمی میں تشریف رکھتے اور کچھ متفرق کاموں میں کچھ دیر مشغول رہتے۔

حضرت کا بیعت کرنے کا معمول بھی عموماً بعد مغرب ہی تھا۔ پھر فارغ ہو کر مکان تشریف لے جاتے اور عشا کی نماز مسجد میں اکر ادا فرماتے، اس کے بعد پھر آرام کے لئے

مکان تشریف لے جاتے۔

چوبیس گھنٹوں میں یہ ایسے بدھے مادے بے تکلف معمولات تھے کہ برسوں تک گردش ایام سے ان میں ذرا بھی فرق نہ آیا اور یہی کمال استقامت فوق الکرامت ہے جس وقت بھی جس حال میں حضرت ہوتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بالکل اطمینان کی حالت میں فراغتِ قلب کے ساتھ ہیں لیکن جب ان کے مختلف مشاغل زندگی اور ہمہ گیر مختلف المنوع تصانیف و تالیفات پر نظر کی جاتی ہے اس وقت اندازہ ہوتا ہے کہ صرف اپنی ذات سے تنہا حضرت نے جو علمی و تحقیقی اور اصلاحی و تبلیغی خدمات انجام دی ہیں وہ بڑے بڑے اداروں سے بھی ممکن نہ تھا۔ یہ سب ایک مضبوط و مستقل نظم الاوقات ہی کی برکت تھی کہ تجدید دین اور تبلیغ دین کا عظیم الشان اور نفید المثال تحریری و تقریری ذخیرہ امت مسلمہ کے لئے حضرت نے اپنی حیات ہی میں فراہم کر کے صدیوں تک کے لئے شائع فرما دیا۔ تصانیف و تالیفات کی تعداد تقریباً ایک ہزار ہے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

تا نہ بخشد خدا ئے بخشندہ

وقت گذرنا گیا اور حضرت کے نصب العین کے مطابق اس خانقاہ کی اہمیت اور خصوصیات میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہا، یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا جب یہ خانقاہ ایک ایسا شہرہ آفاق ہمہ گیر ادارہ بن گئی جو ایک ہی وقت میں علوم و فنون دینیہ کی

ایک معیاری جامعہ بھی تھی جہاں سے دین مبین کے اہم اور دقیق مسائل کی تفسیح و تحقیق کا زبردست کام ہوا۔ یہی خانقاہ ایک مثالی دینی مدرسہ بھی تھی جہاں علوم قرآن و حدیث کا درس بھی دیا جاتا تھا اور تہذیب اخلاق کی علمی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ یہ خانقاہ برصغیر کی ایک مستند و معتبر دارالافتاء بھی تھی۔ جہاں سے حالات حاضرہ کے تقاضوں کے مطابق مسلمانوں کے فقہی مسائل میں رہنمائی بھی ہوتی اور یہی خانقاہ تعلیم و تربیت روحانی اور تزکیہ نفس و تہذیب اخلاق باطنی کی ایک ممتاز و منفرد تربیت گاہ تھی جہاں بڑے بڑے جید علماء سے لے کر عوام کے ہر طبقہ کے لوگ ایک قلیل عرصہ میں تربیت باطن و تہذیب اخلاق سے آراستہ ہو کر اور حقیقت تصوف و سلوک کا عرفان حاصل کر کے مشائخ طریق بنے اور منصب شدہ ہدایت پر فائز ہو کر ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گئے۔

اسی زمانے میں تقریباً چالیس سال تک حضرت کالک کے طول و عرض میں بڑی کثرت سے تبلیغی دوروں کا سلسلہ جاری رہا۔ بڑے بڑے شہروں میں مشہور دینی درس گاہوں انگریزی تعلیم گاہوں اور اسلامی انجمنوں کے شاندار جلسوں میں بار بار حضرت کے کثرت سے بڑے انقلاب انگیز اصلاحی و عظیم ہونے بعض وقت و عظ کا یہ سلسلہ چار چار گھنٹہ تک جاری رہتا تھا ہزاروں کی تعداد میں لوگ دالہانہ انداز میں جمع ہوتے تھے، اور دینی و دنیوی تقاضوں سے آگاہ ہو کر ایمانی تقویت حاصل کرتے۔

حضرت کے مواعظ کا موضوع خاص طور پر عقاید کی اصلاح، اعمال کی درستی، معاملات کی اہمیت اور اخلاق کی پاکیزگی کے لئے ہوا کرتا تھا۔ حضرت کی مساعی و جدوجہد کا نتیجہ اس طرح ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسلمانوں کے ضمیر میں اسلامی شعور و شعائر کا جذبہ بیدار ہونے لگا اور حق و باطل کا صحیح معیار واضح ہو گیا۔ اکثر و بیشتر مواعظ قلم بند ہوئے اور طبع ہو کر شائع ہوئے اور بہت سے عظیم صرف قلم بند ہو کر محفوظ رہے اور شائع نہ ہو سکے۔ تاہم شائع شدہ مواعظ کی تعداد تقریباً چار سو سے زائد ہے جو اب بھی وقتاً

تجدیدِ اُمتانے ہو رہے ہیں اور ان سے مسلمان اب بھی مستفیض ہوتے رہتے ہیں۔
ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ

حضرت کی سوانحِ حیات پر نظر کرنے سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ جل شانہ کو اس زمانے میں چونکہ اچانے سنت، اعلیٰ کلمۃ الحق اور اصلاح امت کا ایک عظیم شان اور غیر فانی کام لینا منظور تھا اس لئے ابتدائے عمر ہی میں حضرت کے دل میں تبلیغ و اشاعت دین کا ایک بھراواڑا مصداقہ ذوق اور تقاضا و رعیت فرمادیا تھا ابھی درس و تدریس ہی کا زمانہ تھا کہ حضرت نے اپنی خداداد فراست اور عام معلومات و تجربے کی بنا پر محسوس کیا کہ اس وقت عام طور پر مسلمان تعلیمات دین سے نا آشنا اور غافل ہوتے جا رہے ہیں اور اس وجہ سے طرح طرح کی گمراہیوں، غلط فہمیوں اور کوتاہیوں میں مبتلا ہو رہے ہیں۔

اس زمانے میں مسلمانوں میں دو بڑے خطرناک رجحانات شدت پکڑ رہے تھے۔ ایک طرف تو انگریز کے برسرِ اقتدار ہونے کی وجہ سے مغربی فلسفہ اور تہذیب و معاشرے کا اثر پھیل رہا تھا جس سے عام طور پر تعلیم گاہیں، تجارتی ادارے اور سرکاری محکمے اور عوام متاثر ہو رہے تھے جس کا نتیجہ رفتہ رفتہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں دینی تعلیمات کی کمی کی وجہ سے بلا تہدیب و تمدن ایک آزادانہ زندگی کی رو پیدا ہو گئی تھی۔ عام طور پر دین اسلام کی عظمت و وقعت دلوں سے کم ہونے لگی تھی اور دنیوی ترقی اور مغربی تہذیب و تمدن کی ظاہری دل کشی و جاذبیت سے عام مسلمان متاثر ہو کر اپنے مذہب سے بیگانہ اور نا آشنا ہونے لگا بلکہ اپنی نفسانی خواہشات کے پورا کرنے کے لئے اس کو شعائر اسلام سد راہ معلوم ہونے لگے، یہاں تک کہ مغرب زدہ آزاد دماغ میں یہ بات گنے لگی تھی کہ اس ترقی یافتہ زمانے میں احکامات شرعیہ پر عمل کرنا ممکن نہیں، خصوصاً معاملات معاشرت و اخلاقیات ایسے امور زندگی ہیں جن کو تقاضائے وقت کے لحاظ سے حسب ضرورت اپنے موافق بنایا جاسکتا ہے۔ مذہب سے ان کا کوئی واسطہ ہونا چاہئے۔ دین میں گمراہی ان تین اہم اور بنیادی ارکان سے اس قسم کا انحراف دراصل

ایک درجہ میں ایمان ہی سے برگشتہ ہونے کے مترادف ہے۔ یہ فتنہ مسلمانوں کی عاقبت خراب کرنے کے لئے اس دور میں نہایت شدید و عبرت ناک تھا۔

حضرتؒ نے اس فتنہ کے انسداد کے لئے بڑی شد و مدد کے ساتھ تبلیغ شروع فرمائی۔ اس موضوع پر سیکڑوں وعظ مختلف عنوانات کے ساتھ بیان فرمائے اور متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں جو کثرت سے طبع ہو کر شائع ہوئیں۔ مثلاً انتباہات مفیدہ بہشتی زیور، فرغ الایمان، اصلاح الخیال، حیوۃ المسلمین، آداب المعاشرت، اصلاح انقلاب امت (وعظ اسلام حقیقی، محاسن اسلام، دعوت الحق وغیرہ) بعونہ تعالیٰ مشرق سے غرب تک تمام ملک میں ہر طبقہ کے مسلمانوں کو ان سے خاطر خواہ نفع اور رہنمائی حاصل ہوئی۔ فلسفہ جدید کی ظلماتی اثرات سے اور دین کے متعلق مختلف اوپام و شکوک سے ذہن پاک و صاف ہو گئے۔ حضرتؒ نے کتاب و سنت کی روشنی میں دین کے ہر شعبہ میں اسلام کی فطری تعلیمات کو بڑے دلکش اور دل نشین اور قابل قبول اور قابل عمل انداز میں صلائے عام کے ساتھ اہل فکر و نظر کے سامنے پیش کیا اور ہر عنوان سے ثابت کر دیا کہ دنیا میں صرف اسلام ہی ایسا واحد مذہب ہے جس کا تعلق انسان کی زندگی میں ہر ضرورت و ہر تفساضہ بشری سے ہے اور ہر حالت اور ہر دور میں ہر فرد اور ہر جماعت کے لئے نہ صرف قابل عمل بلکہ شرافت نفس اور تہذیب و تمدن میں ترقی کے لئے ضروری اور لازمی ہے۔

اس ہمہ گیر مصداقہ تبلیغ کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں میں دینی شعور اور اسلامی شعور کی طرف رجحان پیدا ہونے لگا۔ ہر طبقہ کے اکثر و بیشتر انگریزی تعلیم یافتہ لوگ خصوصاً سرکاری محکموں کے بڑے بڑے عہدہ دار و کیل۔ بیرسٹر۔ جج۔ منصف۔ مجسٹریٹ کثرت سے حضرتؒ کی تعلیمات سے متاثر ہوئے اور بعض تو حلقہ بگوش عقیدت ہو گئے اور بعض کی باطنی تمسک و قربیت نے دینی حالت میں ایسی تبدیلی پیدا ہو گئی تھی کہ حضرتؒ نے ان کو اپنے خلفائے مجازین صحبت میں شامل فرمایا تھا۔ اس طرح حضرتؒ نے اس زور و جہد میں

ایک ایسی زندہ مثال قائم فرمادی کہ مسلمان خواہ کسی مثلہ زندگی میں ہو اگر چاہے تو پکا دیندار بن سکتا ہے یہ حضرت کی ایسی کرامت اور ایسا کارنامہ تبلیغ دین ہے جو ہر اعتبار سے انفرادیت کا درجہ رکھتا ہے۔

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ

ایسا کام نہ اس وقت اس طرح کہیں باضابطہ ہو رہا تھا اور نہ بعد میں کہیں اس کی مثال ملے گی دوسری اہم چیز جو حضرت رح کے دل و دماغ میں کاوش و اضطراب پیدا کر رہی تھی وہ دور حاضر کی خانقاہی فقیری و درویشی کی ہیئت کذالی تھی جہاں کتاب و سنت سے بالکل بیگانہ اور بے نیاز ہو کر چند جو گیانہ رسم اور طریقہ نفس کشی ہی کو اصل حق ہونے کا ذریعہ اور چند ملحدانہ عقاید کو حاصل تصوف و سلوک سمجھ لیا گیا تھا یہ ایک عالمگیر فتنہ تھا جس میں اکثر دینی رجحان رکھنے والے نادان عوام مبتلا ہو رہے تھے، الاما شا اللہ حضرت نے اپنی تمام مصلیٰ توجہ اور مجہدانہ تبلیغ کی جدوجہد اسی طبقہ کے لئے بھی خاص طور پر مبذول فرمائی اور اس موضوع پر عقاید و اعمال کی اصلاح کے لئے متعدد کتابیں تصنیف و تالیف فرمائیں بیکڑوں و عذلوں موقوفات قلم بند کر کے شائع فرمائے اور قرآن و حدیث کی غیر متزلزل سند کے ساتھ تمام باطل عقائد کا رد اور تمام غیر اسلامی رسم و روایات اور غیر معقول اور ملحدانہ رسوم و اسرار باطنی اور گمراہ کن اصطلاحات کی تردید فرمائی اور نہایت نمایاں طور پر واضح کر دیا کہ طریقت یعنی تصوف و سلوک یا دوسرے الفاظ میں تہذیب اخلاق و تزکیہ نفس دین میں ہی کا ایک اہم اور بنیادی رکن ہے اور اس پر شریعت و سنت کے مطابق عمل کرنا ایک درجہ میں ہر ملحدانہ پر فرض و واجب ہے (چنانچہ کتاب ہذا تاثر اسی موضوع کی تشریح و وضاحت پر مشتمل ہے)

اس کے علاوہ دین کے پانچوں شعبوں میں یعنی عقاید کے معاملہ میں فساد و الحاد کی تمییز عبادات میں رسومات و بدعات کی شمولیت، معاملات میں حق تلفیاں اور ظلم

معاشرے میں فواحشات و منکرات کی تردیح اور اخلاقیات میں نفاہیت و شہانت
لا فلیہ اور آمیزش ان سب سے اس زمانے میں عام طور پر ذہن ماؤف ہو رہے تھے
اور الآماشا اللہ، خواص و عوام سب ہی اس میں مبتلا ہو رہے تھے۔

حضرت رحمہ اللہ نے قرآن و حدیث کی روشنی میں ان سب مفاسد و منکرات کی اصلاح
فرمائی اور تصحیح عقائد و اعمال کے لئے تصانیف، مواعظ و ملفوظات کے ذریعہ ایک
ہمہ گیر تبلیغ فرمائی اور اس سے بحمد اللہ خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔

اسی طرح علوم دینیہ سے متعلق قرآن مجید کی تفاسیر میں احادیث سے استنباط
میں فقہ کی توجیہات میں تصوف کی غایات میں جہاں جہاں خواص و عوام غلط فہمیوں اور
غلط کاریوں میں مبتلا ہو گئے تھے وہاں اس مجدد عصر کی نظر اصلاح کار فرما نظر آتی
ہے اور ان علوم کے ہر باب میں مفصل تصانیف موجود ہیں۔

یوں تو علوم دینیہ کے متعلق حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سب ہی تصانیف و تالیفات
اپنے مضامین کی جامعیت و نافعیت و انفرادیت کے اعتبار سے بے نظیر و بے مثال
ہیں۔ لیکن حضرت رحمہ اللہ کے مطبوعہ مواعظ و ملفوظات اور تربیت السالک علوم ظاہری
و باطنی کے ایک بحر میکران ہیں۔ ان مواعظ و ملفوظات میں اکثر و بیشتر آیات
قرآنیہ، احادیث نبویہ، فقہ اور طریقت کے متعلق بہت ہی نادر اور نازک و
لطیف تفاسیر، تشریحات، تنقید و تدقیق بیان کی گئی ہیں۔

ان کے علاوہ دنیا و آخرت کے متعلق مسلمانوں کے لئے ہزاروں قسم کے علوم
اور معلومات کا بڑا گراں مایہ ذخیرہ ہیں۔ اسی طرح کتاب تربیت السالک بھی اہل باطن
و اہل سلوک کے ہزاروں طرح کے احوال و کیفیات روحانی اور لذات و محرکات
نفسانی اور ادہام و شکوک کے متعلق حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مہلما نہ تھقیق و تدقیق
کا عجیب و غریب مجموعہ اور علوم مہربان کا بے نظیر خزینہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت رح کی مصیبت و مجددانہ انفرادیت اس حقیقت سے واضح ہوتی ہے کہ حضرت رح کی تمام تصانیف و تالیفات تمام مواعظ و ملفوظات یعنی تمام تحریری و تقریری کارنامہ ملاحظہ کیا جائے تو یہ بات نمایاں اور آشکارا نظر آئے گی کہ دین مبین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جو اس حکیم الامت مصلح شریعت و طہارت کے اصلاحی و تجدیدی جدوجہد کے احاطہ کے اندر نہ آ گیا ہو۔

اللہ تعالیٰ کی کھلی ہوئی عطا کردہ توفیق و نصرت و اعانت سے کثیر التعداد کثیر الاشاعت و کثیر المنفعت ایک بے نظیر و غیر فانی مقبرہ و مستند سرمایہ علوم و دینیہ و حکم ایمانیہ یہ مجدد عصر امت مسلمہ کی رشد و ہدایت کے لئے اپنی مختصر حیات کے بعد آئمہ نلوں کے واسطے چھوڑ گیا ہے جو مسلمانوں کے حق میں ایک عظیم انعام و احسان ہے اللہ تعالیٰ اپنے اس مقبول بندے کو اپنے ابدی و سرمدی مقام قرب و رضائے پریم ترقی درجات عطا فرمادیں آمین بقی سید المرسلین رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم۔

بالآخر دین مبین کا یہ آفتاب عالم تاب نصف صدی سے زائد زمانے تک عالم اسلام کی فضاؤں میں اپنی ایوان افروز و غمبیر فانی شعائیں چھو کر ۸۲ سال کی عمر میں ۱۵ رجب المرجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹ جولائی ۱۹۴۳ء کی شنبہ کی شام میں غروب ہو گیا

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ط

اب یہ پیکر صدق و صفا ابدی و سرمدی رحمتوں کے ساتھ اپنی ارض و وطن مالوف کے آغوش ناز میں آسودہ و خواہیدہ ہے۔

ہرگز نیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

مدفن: قبرستان موسوم بہ تکیہ، باب شمال خالقانہ تھانہ بھون، مؤلف

آداب سلوک

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا خاص مذاق سلوک

دورِ حاضر میں تہذیبِ اخلاق اور تزکیہٴ نفس کے لئے بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا خاص مجددانہ و مصلحانہ اندازِ تعلیم و تربیت تھا۔ مقاصدِ تصوف و سلوک کے حاصل کرنے کے واسطے کتاب و سنت کی مطابقت میں سالکین و طالبینِ طریق کی تعلیم و تربیت کے ایسے ضروری و دستورِ العمل قرار فرمائے تھے کہ ہر درجہ و استعداد کا طالب جس ان کے مطابق عمل کرنے سے بغیر کسی کاوش و تردد کے اور بغیر کسی مشقت شدیدہ و مجاہدہ و تدبیب کے مقصودِ طریقی سے واقف ہو کر بہت جلد کامیاب ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت کو مسائلِ سلوک میں جو خاص فہم و فراست و دلچسپی فرمائی تھی اس کے متعلق بطورِ تحدیثِ نعمت حضرت فرماتے ہیں: جو خدا کی نعمت مجھ کو حاصل ہے اس کو بیان کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ تربیتِ باطن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بہت آسان طریقے عنایت فرمائے ہیں، نیز امراضِ باطن کی تشخیص میں اللہ تعالیٰ نے فہم عطا فرمائی ہے اس میں رائے بہت کم غلطی کرتی ہے اور اکثر جو تجویز کیا جاتا ہے وہ صحیح ہوتا ہے اور نافع ہوتا ہے۔ یہ سب حضرت حاجی صاحب کی دعاؤں اور توجہات کی برکت ہے۔ حضرت حاجی صاحب فنِ تصوف کے امام تھے، مجدد تھے مجدد تھے جو فنِ مدتوں سے مردود ہو چکا تھا ان کے واسطے سے پھر از سر نو زندہ ہوا۔ حضرت فرماتے تھے کہ کوئی بھی مقصودِ مہم جو یہ تک اس کے حاصل کرنے کے لئے صحیح ذرائع اختیار نہ کئے جائیں مقصود کبھی حاصل نہیں ہوتا۔ تہذیبِ اخلاق اور تزکیہٴ نفس بھی دین کا ایک اہم اور بنیادی شعبہ ہے، اس کے حصول کے لئے بھی کتاب و سنت کے ضابطے اختیار کرنا ضروری ہے۔ بغیر اس کے مقصود

کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ میری نظر میں اس کی بڑی اہمیت ہے اور میری تعلیم و تربیت کا سارا دار و مدار اسی پر ہے میں طاقی میں تہذیب اخلاق کو سب سے زیادہ مقدم سمجھتا ہوں چنانچہ جب اخلاق درست ہو جاتے ہیں تو اعمال خود بخود درست ہو جاتے ہیں۔ اس لئے طالب و سالک کو پہلے ہی سے اس بات کی فہم پیدا کرادی جاتی ہے۔ حضرت اکثر اس کی وضاحت فرماتے رہتے تھے کہ ذکر و اذکار بے شک نہایت ضروری اور مفید امور ہیں لیکن اخلاق و اعمال کی خرابی ایسا حجاب ہے جو ان کے اثرات و اثار کو روح میں سرایت کرنے سے روک دیتا ہے اس لئے جب تک اصلاح اخلاق و اعمال نہ ہو اس وقت تک ذکر و اذکار سے کوئی نفع نہیں ہوتا۔ عام طور پر حقیقت ناشناس صوفیاء و مشائخ کے یہاں اذکار و اشغال ہی پر زیادہ زور دیا جاتا ہے اور اصلاح اخلاق و اعمال کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سالک و طالب طریقی حقیقت مقصود سے بے خبر رہ کر ہمیشہ احوال و کیفیات کے چکر میں سرگرداں اور رضائے حق سے محروم رہتا ہے۔ حضرت نے اس دقیق اور اہم نکتہ سے اہل دل و اہل نظر کو آگاہ فرمایا اور اس کو اپنا اصول تربیت قرار دیکر ہمیشہ طالبین و سالکین کو سب سے پہلے اپنے اخلاق و اعمال درست کرنے کے لئے ہدایت و تلقین فرمائی۔ فرماتے ہیں کہ "کوئی ذکر و شغل کرتا ہو تو مجھے اس وقت تک قدر نہیں مانتی جب تک کہ اس کے اخلاق و اعمال درست نہ ہوں، ذکر و شغل میں تو مزہ آتا ہے نہ کہے تو میں نہ آئے عمل تودہ ہے جس میں نفس پر تنگی ہو پھر رضائے حق حاصل کرنے کے لئے اس عمل کو اختیار کرے، اس طرح چاہے خود اپنے اوپر تکلیف اٹھالے مگر دوسرے کے حقوق ضرور ادا کرتا رہے۔ (اشرف السوانح)

فرمایا کہ دو گنہہ ضرر میں لگا لینا کیا مشکل ہے، تھوڑی دیر محنت کر لی پھر دن بھر رات بھر آزاد۔ میرے یہاں تو وہ آوے جس کو رات دن اپنے نفس پر آ رہے چلا ہوں۔ قدم قدم پر یہ فکر ہو کہ کونسا کام جائز ہے اور کونسا ناجائز؟

طالبین کے اندر اہتمام دین اور فکر جانزدانا جائز پیدا کر دینا ہی تو شیخ کی حقیقی کرامت اور اس کے صاحب فیض و برکت ہونے کی یقین علامت ہے اور اس کا اصلی فرض منصبی بھی یہی ہے۔ (اشرف السوانح)

ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں: ”مجھ کو کسی اور بات کا اتنا اہتمام نہیں جس قدر تہذیب اخلاق و دیانت کا ہے کیونکہ درس و تدریس کا اہتمام تو ہر جگہ ہوتا ہے لیکن اخلاق کی طرف کسی کو خیال بھی نہیں ہے۔ مثلاً میں اس پر زیادہ نظر نہیں کرتا کہ کس نے جماعت سے نماز پڑھی اور کس نے نہیں پڑھی۔ کیونکہ ادل تو عذر کا احتمال ہے دوسرے اس سے صرف فاعل کا حرج ہے کسی دوسرے کو اذیت نہیں۔ بخلاف اس کے کہ کسی سے کوئی حرکت خلاف تہذیب سرزد ہو جس سے دوسرے کو اذیت ہو اس لئے اس کا اہتمام کے ساتھ تدارک کیا جاتا ہے“ (اشرف السوانح)

حقیقتِ تصوفِ علمِ باعمل ہے

(۱) ہمارے نزدیک حقیقتِ تصوف کی صرف علمِ باعمل ہے اور عمل وہی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا ہے اور جو سالک کے اختیار میں ہے اس کے علاوہ سب چیزیں زائد ہیں اگر وہ عطا ہو جائیں اور شیخ ان کو بتلا دے تو نعمت ہے اور قابلِ شکر اور عطا نہ ہوں یا عطا ہو کر زائل ہو جائیں تو ان کی تحصیل کی فکر یا ان کے زوال پر قلق طریق میں ناجائز اور باطن کے لئے سخت مضر ہے خواہ وہ کچھ ہی ہو۔ شیخ کو اطلاع تو سب حالات کی ضروری ہے۔ اپنی رائے سے یا کسی خواہ یا دار کی بنا پر کوئی کام کرنا طریق میں جائز نہیں۔ پھر اس اطلاع کے بعد شیخ تدبیر اس کی کرے گا جس کا تعلق امر و نہی سے ہو بقیہ کی تدبیر اس کے ذمہ نہیں اس لئے طالب کو اس کا مطالبہ یا انتظار بھی طریق میں ناجائز ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مرض یا کوئی

اثر ذاتی یا خیالی تکلیف دہ یا کوئی آفتِ داخلی یا خارجی، عارضی یا لازم ہو جائے اس کا تدارک بھی شیخ کے فرض منصبی کے حدود سے خارج ہے۔ (ترتیب اسلک) (۳) ملفوظ - فرمایا کہ طالب کے اندر اصلاح اعمال کا اہتمام پیدا کر دینے کے قبل اس کو اذکار و اشغال میں مشغول کر دینا اکثر مضر ثابت ہوتا ہے کیونکہ پھر وہ اپنے آپ کو بزرگ سمجھنے لگتا ہے۔ خاص کر اگر کہیں اتفاقاً اذکار و اشغال سے یکسوئی ہو کر اس پر کیفیات کا بھی ورود ہونے لگتا تو گویا اس کے نزدیک بزرگی کی رجسٹری ہو گئی۔ حالانکہ اس قسم کی کیفیات کا بزرگی سے کیا تعلق۔ ایسی کیفیات تو بعض ریاضات اور مشق سے فائق و فجار بلکہ کفار تک کو حاصل ہو جاتی ہیں اور حیب وہ ان کیفیات

ہی کو بزرگی سمجھ لیتا ہے تو پھر اس کو اصلاح نفس اور اصلاح اعمال کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ نہ کبھی ادھر توجہ ہوتی ہے اس لئے ہمیشہ جہل ہی میں مبتلا رہتا ہے اور اہل تصود یعنی وصول الی اللہ سے محروم رہتا ہے جس کا طریق تحصیل نصوص نے صرف اصلاح اعمال ہی کو بتلایا ہے۔ (اشرف السوانح ص ۱۹۵)

حضرت والا اپنی اس ترتیب کے متعلق یہ فرمایا کرتے تھے کہ سلسلہ حشمتیہ کے مشائخ سلف کے یہاں تہلوک کی اصل ترتیب یہی ہے کہ اصلاح اعمال ظاہرہ و باطنیہ کی تکمیل کے بعد اذکار و اشغال شروع کرتے تھے لیکن اکابر متاخرین نے یہ دیکھ کر کہ اس زمانے میں عمریں اور ہمتیں دونوں قاصر ہیں تو انہوں نے اس ترتیب کو قائم نہیں رکھا بلکہ اصلاح اعمال کے ساتھ ساتھ اذکار و اشغال کی بھی تعلیم کرنے لگے اور دونوں کو ساتھ ساتھ چلانے لگے اور میں نے اپنے زمانے کے طالبین کی مصالح پر نظر کر کے اکابر سلف کے طریق اور اکابر متاخرین کے طریق کے مین بین طریق اختیار کیا ہے یعنی کچھ دن تک تو میں محض اصلاح اعمال ہی میں مشغول رکھتا ہوں اور جب یہ دیکھ لیتا ہوں کہ اصلاح اعمال کی اہمیت اچھی طرح اس کے ذہن نشین ہو گئی ہے اور اس کے اندر اس کا خاص اہتمام پیدا ہو گیا ہے۔ اس وقت اذکار و اشغال بھی بتلا دیتا ہوں اور پھر

دو دنوں کا سلسلہ ساتھ ساتھ چلاتا رہتا ہوں غرض میں نے اکابر متاخرین کے طریق میں اپنے زمانے کے طالبین کی طبائع کا رنگ دیکھ کر بضرورت صرف اتنی ترمیم کر لی ہے کہ وہ حضرات تو دونوں چیزوں کو شروع ہی سے ساتھ ساتھ چلانے لگے اور میں کچھ دن بعد ساتھ ساتھ چلاتا ہوں۔ (اشرف السوانح ص ۱۹۱-۱۹۲ حصہ سوم)

شاہی سلوک

حضرت والا کا انداز تعلیم تربیت یہ تھا کہ نہ تو ریاضات کراتے نہ مجاہدات، نہ ترک تعلقات نہ ترک لذات و مباحات بلکہ یہ تاکید فرماتے کہ خوب راحت و آرام سے رہو کہ اللہ تعالیٰ کی محبت قلب میں پیدا ہو اور طبیعت میں نشاط رہے جو عین عبادت ہو البتہ معصیت کے پاس نہ پھٹکو اور نفس کی ہر وقت نگرانی رکھو اور ہمت سے کام لو اور بقدر تحمل و فرصت کچھ ذکر و شغل بھی کرتے رہو۔ پس انشا اللہ تعالیٰ مقصود کا حصول یقینی ہے۔ نہ کم کھانے کی ضرورت نہ کم سونے کی، یہ دونوں مجاہدے آج کل متروک ہیں کیونکہ طبائع میں آج کل ضعف غالب ہے البتہ کم بولنا اور کم ملنا جلنا ضروری ہے مگر نہ اتنا کم کہ جس سے قلب میں انقباض پیدا ہو جائے، یہی شاہی سلوک ہے۔ (اشرف السوانح)

حضرت اپنے متعلقین مریدوں اور عقیدت مندوں سے ہمیشہ بہت ہی بے تکلفی اور سادگی کے ساتھ ملتے جلتے تھے۔ مجلس میں اکثر دلچسپ مزاحیہ باتیں بھی کیا کرتے تھے۔

امراض باطنی کالاجواب علاج

تعلیم و تربیت باطنی کے سلسلہ میں اختیاری اور غیر اختیاری کا مسئلہ حضرت نے اتنا واضح فرمایا ہے کہ صدیوں سے اس کا ایسا عام مفہوم بیان نہ ہوا تھا اور اس سے اتنا کام لیا ہے کہ ہزاروں مشکلات طرہیں اس کے ذریعہ سے حل فرمادیں جب کوئی طالب اصلاح

اپنے کسی رذیلہ کا علاج پوچھنا تو حضرتؐ سب سے پہلے ہی سوال فرماتے کہ یہ اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔ اگر وہ کہتا کہ اختیاری ہے تو فرماتے کہ جس بات کا نفل اختیاری ہے اس کا ترک بھی اختیاری ہے، ہمت کر کے اختیار کو عمل میں لاؤ اور چھوڑ دو۔ اگر وہ کہتا کہ غیر اختیاری ہے تو اگر وہ دراصل غیر اختیاری ہو تو فرماتے کہ غیر اختیاری کا آدمی مکلف ہی نہیں۔ پھر اس میں دینی ضرر ہی کیا ہوا، جو اس کا علاج پوچھا جاتا ہے۔ اگر وہ کہتا کہ ہے تو غیر اختیاری مگر اس کی وجہ سے تکلیف دہ پریشانی تو ہے اور یہ تو قابل علاج ہے تو جواب ارشاد فرماتے کہ تکلیف دہ پریشانی کا علاج میرے ذمہ نہیں۔

حضرتؐ فرماتے کہ یہ اختیاری اور غیر اختیاری کا مسئلہ گویا نصف سلوک ہے، بلکہ تریب تریب سارا سلوک ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جتنے ظاہری و باطنی اعمال جن کا تسلسلہ ادا ہو کر ہی سے ہے سب اختیاری ہیں اور فرض و واجب میں ہر شخص اس کا مکلف ہے لیکن ان اعمال کے جتنے تاثرات و انعکالات ہیں، خواہ خطرات و سانسوں یا قبض و بسط یا وجدانیات و کیفیات سب غیر اختیاری ہیں اور غیر مکلف ہیں نہ وہ مضر ہیں اور نہ ان پر کوئی مواخذہ ہے۔

اس تفہیم و تعلیم سے حضرتؐ نے شریعت و طریقت کی تمام دشواریوں کو نہایت

آسان و قابل عمل بنا دیا

غایتِ بیعت

بیعت کا معاملہ بھی محض ایک خانقاہی رسم ہو کر رہ گیا تھا۔ حضرتؐ نے اس کی حقیقت اور اس کی اہمیت و ضرورت خاص طور پر بڑی وضاحت کے ساتھ نمایاں فرمائی اور اس کے صحیح اصول پر تمام عمر عمل کر کے ہمیشہ کے لئے ایک مثالی معیار قائم فرمایا: حضرتؐ کا ارشاد ہے کہ:-

لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جب تک ہاتھ میں ہاتھ لیکر بیعت نہ کیا جائے صرف زبانی معاہدے کو کافی نہیں سمجھا جاتا۔ اگر کہا جائے کہ ہم تم کو تعلیم دیں گے اور ہر طرح تمہاری اصلاح کی تدبیر کریں گے، تو اس پر کوئی راضی نہیں ہوتا اس لئے جو موقوف علیہ نہ ہوں کہ موقوف علیہ بمعناہ غلونی العقیدہ ہے۔ اس عقیدے کی اصلاح ہونی چاہئے اس کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ اس طریقے کو اسی ہیئت سے جاری رکھا جائے اور زبانی سے سمجھا دیا جائے کہ یہ ہاتھ میں ہاتھ دینا ظاہری بیعت ہے۔ اصل بیعت کام کرنا ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس ہیئت کو بالکل چھوڑ دیا جائے۔ دوسرے حقرات پہلے طریقہ پر عمل کریں اور مجھے چونکہ اس ہیئت خاصہ سے افراطی الشفقت ہو جاتی ہے اس لئے میں دوسرا طریقہ اختیار کرتا ہوں، اس طرح غلونی العقیدہ کی بھی اصلاح ہو گئی اور

ضرر کی بھی۔ (اشرف السوانح ۲)

عملی اصلاح

چونکہ آج کل بیعت کو عموماً لوازم طریق سے سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ اصل چیز استفاضہ ہے اس لئے حضرتؒ اس غلونی الاعتقاد کی اس طرح عملی اصلاح فرماتے تھے کہ اگر کوئی بیعت کی درخواست کرتا تو اول اس سے بیعت کی غایت دریافت فرماتے اور جب تک وہ صحیح غایت نہیں بتلاتا برابر ہتھسار فرماتے رہتے یہاں تک کہ استفلاً ہی سے سمجھ کر وہ خود صحیح غایت بتا دیتا یا اپنے عجز کا اقرار کر کے خود حضرتؒ سے دریافت کرتا تو حضرتؒ خود اس کو صحیح غایت بتا دیتے۔ شروع میں اس لئے نہ بتاتے کہ جو بات خود مخاطب کی قوت فکر پر بوجھ پڑنے کے بعد سمجھ میں آتی ہے یا بتائی جاتی ہے وہ اس قدر پختگی کے ساتھ ذہن نشین ہوتی ہے کہ پھر کبھی نہیں بھولتی۔

جب طالب کو غایت بیعت متعین ہو جاتی تو پھر فرماتے کہ یہ غایت تو بیعت پر

موقوف نہیں یہ تو تعلیم و تعلم کے ذریعہ سے بھی حاصل ہو سکتی ہے اگر وہ کہتا کہ اس طرح شیخ سے مناسبت اور تعلق خاص پیدا ہو جائے اور عمل آسان ہو جائے تو پھر دریا یافتہ فرماتے کہ آیا صرف مرید ہی کو شیخ سے مناسبت ہو جانا کافی ہے یا اس کے علاوہ شیخ کو بھی مرید سے مناسبت ہونا ضروری ہے جب اس سے یہ اقرار کر لیتے کہ جانبین میں مناسبت ہونا ضروری ہے تو فرماتے تو اس کے لئے تو صرف بیعت کافی نہیں بلکہ اور چند چیزیں بھی ضروری ہیں مثلاً کچھ دن پاس رہنا، خصوصیات مزاج کا تتبع اور ان کی رعایت کرنا کچھ عرصہ تک تعلیمی خط و کتابت جاری رکھنا وغیرہ۔ غرض جانبین کی مناسبت کے لئے صرف بیعت کافی نہیں بلکہ شیخ کو طالب کے ساتھ زیادہ تر اس کے برتاؤ سے مناسبت پیدا ہوتی ہے (اشرف السوانح ص ۷۱)

بیعت میں مناسبت باہمی شرط ہے

فرمایا کہ بیعت کوئی معمولی چیز نہیں بلکہ اس کے لئے بھی شرائط ہیں۔ اور بیعت میں عجلت ہرگز نہ کرنا چاہئے تاکہ جانبین کو ایک دوسرے کی جانچ کا اطمینان سے موقع مل سکے، نیز اس میں طلب کا بھی امتحان ہو جاتا ہے۔ جب تک آپس میں مناسبت پیدا نہ ہو بیعت سے کوئی فائدہ نہیں، اور مناسبت کثرت مجالست درتہ کثرت مکاتبت سے بھی پیدا ہو سکتی ہے

اور یہ بھی جب ممکن ہے جب طالب کو غایت بیعت اور مقاصد کا اچھی طرح علم ہو جائے۔ (اشرف السوانح)

حضرت امربیعت میں اپنے شرح صدر کو بھی دیکھتے تھے بلکہ دراصل قبول بیعت کا زیادہ تر دار و مدار قبول قلب ہی پر ہوتا ہے، جن طالبین کی صلاحیت اور مناسبت پر طلب شہادت نہیں دیتا اور جن کی طرف دل دماغ رجوع نہیں ہوتا ان کو حضرت بیعت نہیں فرماتے تھے بلکہ

چاروں سلسلوں میں بیعت

حضرت والا اپنے پیروم شد اعلیٰ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ الزبیر کے طریق انیق اور معمول مقبول کے مطابق طالبین کو بیعت فرماتے وقت چاروں سلسلوں میں داخل فرماتے تھے تاکہ سب اکابر طریق سے انتساب ہو جائے اور سب کی برکات نصیب ہوں۔ نیز چاروں سلسلوں کے بزرگوں کے ساتھ یکساں اعتقاد رہے، اور ایک سلسلہ کے بزرگوں کو دوسرے سلسلوں کے بزرگوں پر فضیلت نہ دیں جو اس لئے ممنوع ہے کہ اکثر اس تفضیل سے دوسرے بزرگوں کی تنقیص لازم آجاتی ہے، جو ناجائز بھی ہے اور نہایت خطرناک بھی کیونکہ بزرگوں کے ساتھ سو مؤظن بعض اوقات سو خاتمہ کا سبب ہو جاتا ہے ورنہ برکات سے محرومی تو ضرور ہی ہو جاتی ہے۔

(اشرف السوانح حصہ دوم صفحہ ۱۸۵)

حقیقت یہ ہے کہ تمام سلسلوں کے بزرگوں کا یہی نصب العین تھا کہ سالکین اور طالبین حق کی اصلاح باطن اور تزکیہ النفس کے لئے حسب ضرورت مجاہد سے کراے جائیں تاکہ ان کے قلوب کی صلاحیتیں درست ہو جائیں اور کیفیت تقویٰ پیدا ہو جو ذریعہ حصول رضائے حق اور تعلق مع اللہ کا۔ اس کے لئے وہ جو تدابیر اختیار فرماتے تھے وہ اصل شریعت اور سنت کے مطابق ہوتی تھیں کیونکہ تزکیہ نفس کی وہی حقیقت ہے جس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بجانب اللہ مامور تھے جیسا کہ **يُنْزِلُ فِي نَفْسِهِمُ** آپ کی شان میں وارد ہے۔ وہ تعلیم تا مگر احادیث میں مدون اور محفوظ ہے۔

حضرت نے جس طرح شریعت کی بدعات کو مٹایا اسی طرح طریقت کی بدعات کو بھی ختم کیا۔ تمام خالقہ ہی رسومات و روایات کو حذف کر دیا اور چاروں سلسلوں کی تعلیم کی تجدید کی۔ فرماتے تھے کہ یہ نہ سمجھنا کہ کیفیات باطنہ اور مقاماتِ بدو حانیت ہمارے یہاں نہیں ہیں۔ الحمد للہ سب کچھ ہے، کشف و کرامات و تصرفات وغیرہ اپنے مقام پر سب برحق لیکن پھر بھی ان میں ماثریت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل حق کو اس سے بہتر

اور قوی و لطیف چیز عطا فرمائی ہے، وہ ہے روحانیت، اس کے بھی لطائف و مدارج ہیں مگر روحانیت کی ترقی منحصر ہے تعمیل احکام شرع پر کیفیات و مکاشفات کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ ساری طریقت اور سلوک کا راز ان آیاتِ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے اندر مضمر ہے۔ وہ کون لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کے انعامات ہوئے وہ ہیں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ انہیں کامسک اختیار کرو۔ انہیں کی تقلید سے تم پر بھی اللہ تعالیٰ کے انعامات نازل ہوں گے اور تعلق مع اللہ قوی ہوگا اور ترقی کرے گا۔ اس طرح امتداد زمانہ سے چاروں سطحوں میں جو مغائرت پیدا ہوگئی تھی اور آپس میں رقابت اور غلط احساس فضیلت پیدا ہو گیا تھا اس کو رفع فرمادیا۔ اور سب کا منبع اور مرجع شریعتِ غرآہی کے واحد مرکز پر قائم فرما کر حقیقت طریق و سلوک کو مستند و معتبر بنا دیا۔ فرمایا کہ نقشبندیہ و چشتیہ سب نام ہیں اور حقیقت سب کی ایک ہے یعنی

أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

یہ بعض نقشبندیوں کا مزاج چشتیہ ہوتا ہے اور بعض چشتیوں کا مزاج نقشبندیہ ہوتا ہے یقیناً ایسی ہے جیسے وَجَعَلْنَا كُفْرَ شَعُوبًا وَقِبَائِلٍ لِّتَعَارَفُوا ۗ اسی طرح دوسرے سطحوں کا معاملہ ہے۔

بیعت لینے کا طریقہ

خطبہ: اما بعد۔ فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم ۞ يا ايها الذين امنوا اتقوا الله وابتغوا اليه الوسيلة وجاهدوا في سبيله لعلكم تفلحون ۞ يا ايها الذين امنوا اتقوا الله وكونوا مع الصديقين ۞ ان الذين يباعدونك انما يباعدون الله فبما الله فوق ايديهم فمن نكث فانما ينكث على نفسه ومن اوفى بما عاهد عليه الله فسنؤتيه اجرا عظيما ۞ اس کے بعد ہاتھ میں ہاتھ لیکر

فرماتے جو میں کہتا جاؤں تم بھی وہ کہتے جاؤ (مخبروں سے فرماتے اپنے دل میں کہتی جاؤ) یہ کہو تو یہی میں نے
 شرک سے کفر سے بدعت سے چھوٹے بڑے گناہوں سے اور ایمان لایا میں اللہ پاک پر اللہ اس کے سچے
 رسول پر لاؤ اللہ محمد رسول اللہ عہد کرتا ہوں میں کہ پانچوں وقت کی نماز پڑھو ننگا، رمضان شریف کے روزے
 رکھو ننگا اگر مال ہو گا زکوٰۃ دو ننگا زیادہ گناہوں کی توجیح کر دو ننگا اللہ رسول کے احکام جانتا ہے ہو گیا
 بجا اولاد کا اور جن باتوں سے منع کیا ہے ان کو ہرگز نہ کر دو ننگا اگر خطا ہو جائیگی تو فوراً توبہ کرو ننگا بیعت ہوتا
 ہوں میں چاروں سلسلوں میں چشتیہ نقشبندیہ قادریہ سہروردیہ اے اللہ ان سب خاندانوں کی برکت نصیب کر
 اور قیامت میں ان بزرگوں کے ساتھ خسر فرما آمین اب عا کرو کہ اللہ تعالیٰ سیدھا راستہ چلائے قائمہ بان پر ہوا
 نیک عملوں کی توفیق ہو۔ پھر فرماتے مسائل کیلئے بہشتی زیور بہشتی گوہر کا مطالعہ کرتے رہیں قرآن شریف کی تلاوت
 ناز تہجد یا بعد عشا چار رکعت یا آخر رکعت پانچوں نمازوں کے بعد تسبیح قائمہ پڑھتے پھرتے ہتھکڑیاں کثرت۔

سالمینِ طرہیٰ کو اپنے حالات کا جائزہ لینے کی ہدایت

طالبِ طرہیٰ سے فرماتے تھے کہ اپنی تمام روزمرہ کی زندگی کا جائزہ لیتا رہے اور محنت
 نفس پر نظر رکھے اور اس کا اندازہ کر کے تعلق مع اللہ میں اس کے حنات اور ذائل کس
 طرح کام کرتے ہیں۔ دین اور امور شریعت اور اتباع سنت میں کس طرح عملی دشواری محسوس
 ہوتی ہے اور کس طرح کے اوہام و شکوک پیدا ہوتے ہیں تاکہ ان کے تدارک کی فکر اور اصلاح
 کا تقاضا نہ ہو۔

فرماتے تھے کہ مسلمان کی روزمرہ کی زندگی میں تمام شریعت، تمام سنت اور تمام
 طریقت ہی سے معاملہ رہتا ہے جس کا محقر حاصل یہ ہے کہ حقوق، حدود اور حفظ حدود۔

حقوق تمام احکاماتِ شرعیہ

حدود تمام اتباعِ سنت

حفظ حدود تمام طریقت

بس انہیں تین باتوں کا حق ادا کرنا مسلمان کے لئے حصول مقامِ عبودیت کا ذریعہ ہے:

حضرت روح کے ضابطہ تعلیم و تربیت میں چند مسائل - - - - -
 ہو جانے سے طریق میں کوئی گنجلک پھیدگی یا ابہام باقی نہ رہتا تھا۔ مثلاً
 مطالبات دین کو مفاد دنیا پر غالب رکھنا۔

عقل کو شریعت کا منبع رکھنا
 اختیاری امور میں کوتاہی نہ کرنا اور غیر اختیاری امور کے درپے نہ ہونا۔

سالک کو اپنی تجویز ترک کرنا اور تفویض کو اختیار کرنا۔
 مقصود شریعیہ کو پیش نظر رکھنا اور غیر مقصود کی طرف توجہ نہ کرنا۔

کیفیات باطنہ کو محمود سمجھنا اور مقصود نہ سمجھنا۔
 طبی امور سے متغلب نہ ہونا بلکہ عقل کے فتویٰ پر عمل کرنا۔ اور
 ہمیشہ عقل کو شریعت کا تابع رکھنا۔

تربیت باطن کے متعلق حضرتؒ کے یہ چند مجددانہ اصول تھے چنانچہ سالکین و طالبین کو حضرتؒ
 ہمیشہ ہدایت فرماتے رہتے تھے کہ اپنے تمام امور زندگی میں خصوصاً باطنی حالات و کیفیات میں
 وجدانیات و کاشفات میں، جذبات و خیالات میں، وساوس و خطرات میں انہیں
 مذکورہ معتبر دستہ اصول کو پیش نظر رکھ کر کام کریں۔ پھر جو بھی حالات پیش آئیں اور جن میں
 زبردستی خفا سے ہوان کو اپنے مصلح و مددگار کو تخریب کر کے مطلع کرتے رہیں اور ان کا جو
 بھی مشورہ یا ہدایت ہو اس پر قلوب کے ساتھ عمل کریں۔

مختلف ماحول و استعداد کے سالکین و طالبین نے اپنے تمام اوہام و شکوک اور اندیشوں کو
 خطرات و وساوس کو اور ظاہری و باطنی احوال و اعمال کو حضرتؒ کے : نے پیش کیا اور ہدایت
 طلب کی ہے حضرتؒ نے ان کے لئے بہت ہی مجرب و مانع اور صحت بخش اکیسویں نسخے تجویز فرمائے
 ہیں جن کے مطابق عمل کرنے سے الحمد للہ مائیس و سالکین کو نفس مطمئنہ کی دولت نصیب ہوئی
 ہے اور انشاء اللہ نصیب ہوتی رہے گی۔

یہ سوالات و جوابات یکجائی صورت میں مدون ہو کر تربیت سالک میں شائع ہو گئے

ہیں۔ یہ تربیت سالک گویا طب روحانی کی ترقی بادیں اعظم ہے اس میں آپ ہر طرح کے لوگوں کے حالات مطالعہ کریں گے۔ اس میں علماء و صوفیاء بھی ہیں، انگریزی تعلیم یافتہ اور کاروباری لوگ بھی ہیں۔ دفاتر میں کام کرنے والے بھی ہیں۔ سب ہی کے دل کی آواز اس میں مذکور ہے اور بہت ممکن ہے کہ اس میں مطالعہ کرنے والے کے لئے بھی داروئے شفا ہو۔ یہ انداز تعلیم و تربیت اس مجدد اعظم کا اس دور حاضر میں بہت عظیم المثال اور منفسر کارنامہ ہے جس نے عالم تصوف میں ایک زندہ جاوید انقلاب پیدا کر دیا اور شاہراہ طہارت صدیوں کے لئے ہموار و بے غبار و بے خطر ہو گئی اور نفسِ شیطان کی شرارتوں اور فریب کاریوں سے مامون و محفوظ ہو گئی۔

تربیت کے چند اصول

طالبینِ طریق جو سلسلہ میں داخل ہونا اور بیعت ہونا چاہتے تھے ان کے متعلق حضرت دارحتمہ اللہ علیہ نے اپنے اصول و ضوابط کی اس طرح وضاحت فرمائی ہے۔

فرمایا کہ جو شخص مجھ سے بیعت کی درخواست کرتا ہے اول تو میں اس کو دین کے ضروری مسائل کا علم حاصل کرنے کے لئے چند کتابیں پڑھنے کے لئے کہتا ہوں مثلاً تصد السبیل بہشتی زیور اور مواعد و ملفوظات کو تا کیداً مطالعہ کے لئے کہتا ہوں اور اس سے بہت نفع ہوتا ہے اور اس سے طالب کو بیعت کی غایت معلوم ہو جاتی ہے، اگر کوئی شخص یہ لکھتا ہے کہ ہم نے کتابیں پڑھی ہیں تو میں لکھتا ہوں کہ پڑھ کر اپنی حالت میں کیا تغیر پیدا کیا۔ اس طریقے سے وہ نفع ہوتا ہے جو برسوں کے مجاہدے سے بھی نہیں ہوتا۔ جس تو اول ہی روز سے کام میں لگا دیتا ہوں مگر لوگ قدر نہیں کرتے۔ اہل چیز فکر ہے جب آدمی فکر میں پڑتا ہے تو راستہ تلاش کرتا ہے۔ بس میں اول ہی گفتگو یا خط و کتابت میں طالب کے سر پر بوجھ رکھ دیتا ہوں جس کی وجہ سے اسے فکر پیدا ہو جاتی ہے۔ اس فکر کی وجہ سے راستہ خود بخود منکشف ہونے لگتا ہے۔

فرمایا طالب علموں کو وصیت کرتا ہوں کہ درس و تدریس پر مغرور نہ ہوں۔ اس کا

کار آمد ہونا موقوف ہے اہل اللہ کی خدمت و محبت اور نظر عنایت پر اس کا التزام
بے عنایت حق و خاصان حق
نہایت اہتمام سے رکھیں
گر ملک باشد سیاہ ہستش ورق
بعض تعلیمی ضابطے

بیعت کرنے کے بعد اور قبل تلعین اذکار طالب کے موجودہ معمولات بھی دریافت فرمائیے
اور ان میں مناسب کی بیشی فرما کر اور ادب و تجویز فرمادیتے اور اس کی وجہ یہی بیان فرماتے کہ پرنے
معمولات سے چونکہ دلچسپی و افس ہو جاتا ہے اس لئے ان کو چھوڑنے کو بھی دل گوارا نہیں کرتا
اس لئے بلا ضرورت ان کو نہیں چھڑواتا۔ نیز قدیم معمولات میں مداومت کے بدولت
ایک خاص برکت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ (اشرف السواخ حصہ دوم)

تعلیم و تربیت کا طریقہ حضرت کے یہاں یہ بھی تھا کہ طالب کو ہدایت ہوتی تھی کہ اس
معاہدہ میں زبانی کوئی گفت گو نہ کرے جو کچھ دریافت کرنا ہو یا جو اپنا باطنی حال اظہار کرنا
ہو۔ وہ تحریر کے ذریعہ سے کرے چنانچہ ایسے خطوط کے جواب ہمیشہ سائل کی عبارت کے سامنے
عاشیہ پر تحریر فرمادیتے تھے تاکہ سوال و جواب ایک ساتھ رہیں اور بعد میں کوئی مناظرہ پیدا
نہ ہو دیر بھی ہدایت تھی کہ ہمیشہ جوانی لغاؤ بھیجا جائے۔ کارڈ پر حالات لکھنا پسند
فرماتے تھے۔ یہ بھی ہدایت تھی کہ خط ہفتہ میں ایک بار لکھا جائے اور یہ خط میں صرف
ایک مضمون ہونا چاہئے۔ سائل کو اپنے احوال باطنی سوائے اپنے سینچ کے دوسروں
پر ظاہر کرنے کی سخت ممانعت تھی۔

یہ بھی ہدایت تھی کہ ہر خط کے ساتھ پھلا خط بھی ملفوف کیا جائے اور خطوط کو محفوظ
رکھنے کی ہدایت تھی تاکہ آئندہ ان کے مطالعہ سے یادداشت تازہ ہوتی رہے۔

حضرت کا یہ بھی انداز تعلیم و تربیت تھا کہ روزانہ کی مجلس میں خاص طور پر ایسے مضامین
بیان فرماتے جس سے عام طور پر لوگوں کو سابقہ رہتا ہے مثلاً معاشرے کی خرابیاں۔ معاملات
میں کوتاہیاں، اخلاق کی کمزوریاں۔ ان باتوں کو کچھ ایسے پیرائے سے حکایات و روایات
کے طور پر بیان فرماتے کہ ان کے اسباب پر نظر پہنچتی پھر ان کے تدارک کے لئے تدابیر

تجوئز فرماتے جاتے۔ یہ انداز بیان گو عام حالات کے متعلق ہوتا مگر مجلس میں ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ گویا حضرت کو اس کے حالات کا کشف ہو رہا ہے اور حضرت اس کے دل کی بات بیان فرماتے ہیں۔ یہ بات حضرت کے لئے عام طور پر مشہور تھی کہ حضرت کو کشف ہوتا ہے مگر حضرت اکثر اس کی تردید یقین کے ساتھ فرماتے تھے کہ ہرگز یہ معاملہ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ جس سے کام لیتے ہیں اس کی اعانت فرماتے ہیں اور لوگوں کے حسب حال جو بات ہوتی ہے وہ بیان ہو جاتی ہے۔

اُور اَدُو وِطالِف

سالکین و طالبین طریق کے لئے ان کی استعداد اور تحمل کے موافق کچھ اور اَدُو وِطالِف اور ذکر و اذکار بھی تعلیم فرمادیتے تھے اور ان پر التزام و دوام کے لئے تاکید بھی فرماتے تھے مگر ہمیشہ متنبہ فرماتے رہتے تھے کہ صرف انہیں باتوں کو سزا دہ ترقی باطن نہ سمجھیں یہ باتیں صرف محدود معاون ہیں اور اصل شے جس سے معرفت، تقویٰ، شرافت، نفس حاصل ہوتی ہے اور تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے وہ صرف ظاہر و باطن کے اوامر و نہی پر عمل اور اتباع سنت ہی پر منحصر ہے جو ہر شخص پر فرض و واجب ہے اور یہی حاصلِ تصوف و سلوک ہے جو لوگ اس کی اہمیت نہیں سمجھتے اور اس پر عمل نہیں کرتے وہ عمر بھر سرگرداں اور نامراد رہتے ہیں اس وقت اکثر علماء اور صوفیاء کا یہی حال ہے اَلَا مَآ شَا اللہ۔

تَرَبِیْتِ گَاہِ بَاطِن

حضرت کی تربیت گاہ باطن میں نہ کیفیات و ذوقیات تھیں نہ وجد و حال، نہ رسمی مجاہدے تھے نہ مراقبے، بس اہتمام تھا تو شریعت کے احکامات کی بجا آوری کا تھا۔ دُھن تھی تو اپنے ہر انداز زندگی میں اپنے محبوب، محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر انداز زندگی کی اتباع کی تھی۔ فکر تھی تو نفس و شیطان کے مکائد سے بچنے کی تھی اور تاکید تھی تو صرف یہ تھی کہ اپنے ظاہر کو بھی پاک و صاف رکھو اور اپنے باطن کو بھی طاہر و طیب رکھو۔ اگر ان باتوں کی توفیق نصیب ہو جائے تو سمجھ لو کہ دونوں جہان کی دولت ہاتھ آگئی۔

سالکین کو اس کی بھی تاکید جاتی تھی کہ منجملہ حقوق طریق کے یہ بھی لازم و واجب ہے کہ

حقوق العباد کا حدود و مشروع کے اندر خیال رکھا جائے ماں باپ کے حقوق۔ بیوی بچوں کے حقوق۔ عزت و وقار ب کے حقوق۔ دوست احباب کے حقوق۔ اہل تعلقات کے حقوق اور کرنا محض ذوالد اور دوطائف کے مقابلے میں زیادہ اہم ہے۔ ان میں کوتاہی کرنے سے مقصود طریقی کسی حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خدا کی مخلوق کو ناراض کر کے خالق کو راضی کرنا۔

اِس خِیَالِ اسْتِحْمالِ اسْتِوْجُوْهِ

حقوق العباد کا ادراک نافرمانی و واجب ہے، ان کے ترک سے مواخذہ ہوگا۔ اور ترک و طائف پر کوئی مواخذہ نہیں، یہ تو مستحب ہے۔ تو جو کام ضروری ہے اس کو ترک کر کے غیر ضروری کام کو ضروری اور اس پر کامیابی کا ادراک مار سمجھنا محض خوش فہمی اور جہالت ہے اور انجام کا گمراہی اور نامرادی ہے حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے دلوں میں اعمال واجبہ کی وہ وقعت و عظمت نہیں جو غیر واجبہ کی ہے۔ ذوالد و دوطائف کی کثرت کو زیادہ موجب قرب سمجھتے ہیں اور دوسروں کی حق تلفی نہ کرنا اور کسی کو اذیت نہ پہنچانا اس کو موجب قرب نہیں سمجھتے۔ اعمال واجبہ کو حقیر سمجھنے کا سبب، ان اعمال کا عموم ہے کہ اس کو تو سب ہی کرتے ہیں۔ پھر ان میں خصوصیت ہی کیا ہے۔ کوئی خاص امتیازی بات تو ہے نہیں۔ ان میں حصول دولت و تطہیت و نحوثیت کی کون سی بات ہے۔ ان میں سوز و ساز ہے نہ کیفیات نہ وجد نہ حال کس قدر افسوسناک یہ انداز خیال ہے اور محض باطل ہے۔

حضرت رحمانی مجالس میں بڑی اہمیت کے ساتھ آداب معاشرت بتایا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ یہ کوئی اپنی پسند کی چیز نہیں ہے کہ جو دل چاہا اپنی مرضی کے مطابق معاشرہ اختیار کر لیا۔ کتاب و سنت میں اس کے آداب دھند بھی مقرر کئے گئے ہیں۔ اس میں بھی جائز و ناجائز ہے حلال و حرام کا تعلق ہے، اس لئے جو عمل خلاف دین ہوگا ضرور قابل مواخذہ ہوگا۔

موجودہ تہذیب و تمدن میں مزاج ایسے بدل گئے ہیں کہ عوام تو کیا خواص کو بھی اس طرف التفات نہیں لیکن سالک کے لئے یہ بات بڑے خسروان کی ہے کہ دین کے اہم

شعبہ کو نظر انداز کیا جائے۔ اس خلاف ورزی کا ترکبڑے بڑے فضائل حق جو مقصود طریق ہے کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔

حضرتؒ نے متعدد وعظ اس موضوع پر فرمائے ہیں اور چند کتابیں اس مضمون پر تالیف فرمائی ہیں۔ حضرتؒ سالکین اور زیر تربیت اشخاص کو بڑی اہمیت کے ساتھ اس بات پر توجہ دلاتے کہ عالم تعلقات میں اپنا جو معاملہ یا برتاؤ دوسرے کے لئے باعثِ اذیت ہو یا اس کی ناگواری کا سبب ہو وہ طریق میں سخت قسم کا سدراہ ہے۔ کسی کو اپنی ذات سے ادنیٰ ناگواری بھی نہ ہو اس کا خیال رکھنا ہر شخص پر واجب ہے اور یہی حاصل سلوک ہے۔

حضرتؒ سالکین کے لئے تمام کیفیات و انفعالات باطنی کو نظر انداز کر کے دُور باتوں کی خاص طور پر تعلق فرماتے۔ ایک یہ کہ غایتِ طریق پر نظر رکھی جائے کہ وہ رضائے حق ہے جس کا حصول محض ادلئے حقوق واجبہ پر منحصر ہے۔ دوسرے معاملات و تعلقات میں اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچنے پلئے یہی شرافتِ نفس اور صحیح حسابِ انانیت کی علامت ہے اور غایتِ سلوک ہے۔

اصلاحِ نفس میں اصلاحِ بدن کو کافی دخل ہے اس لئے بقدر وسعتِ ضرورت غذا اور دوا کا اہتمام بھی عبادت اور سنت ہے، ان لنفسك عليك حقا وان لجسدك عليك حقا حدیث ہے۔ (تربیت السالک)

سیاستِ تربیت

جن لوگوں سے اصلاحی تعلق تھا حضرتؒ بڑی توجہ کے ساتھ ان کے خاص خاص

حالات اور حرکات و سکنات پر نظر رکھتے تھے خواہ کتنا ہی خصوصی و تزیینی تعلق کیوں نہ ہو اس معاملہ میں کبھی مروت اور چشم پوشی نہ فرماتے۔ معمولی معمولی غلطیوں پر سخت دار و گیر فرماتے تھے کیونکہ اپنے متعلقین کی غلطیوں پر چشم پوشی کرنا طریق میں خیانت ہے اور ان کے لئے خرابی کا باعث ہے۔ اس لئے کسی میں اگر بے پرواہی یا بے حیائی یا بیفکری کی عادت دیکھتے تو اس کو بڑی سختی سے متنبہ فرماتے اور صحیح بات اختیار کرنے کی ہدایت فرماتے۔ کسی کو اپنی ذمہ داری کے کاموں میں غفلت برتنے پر سخت سمرزنش و مواخذہ فرماتے کسی کو بد نظمی اور بے عقلی کے ساتھ کام کرتے دیکھتے تو سخت دار و گیر فرماتے اور جب تک وہ صحیح بات نہ سمجھ لیتا مروت تک اس کو روکنا نہ فرماتے بے ادبی اور بد تمیزی کی باتوں پر حضرت رح کو سخت غصہ آجاتا تھا۔ اور لہجہ بدل کر سخت فہمائش فرماتے جن لوگوں میں شرارتِ نفس اور بد اخلاقی کا مادہ ہوتا جو دوسروں کے لئے وجہ اذیت ہوتا تو حضرت رح ان کی سختی کے ساتھ اصلاح فرماتے۔

سالکین کی اس طرح کی تفصیلات اور خامیوں کی اصلاح کے لئے بطور معالجہ ہر شخص کی حالت کے لحاظ سے تادیب و سمرزنش کا انداز بھی جدا گانہ تھا کسی کو مجلس سے اٹھا دیتے کسی کو ایک مدت تک کے لئے مکاتبہ یا مخاطبت کی ممانعت فرما دیتے کسی کو شدید غلطی پر قطع تعلق کی دھمکی دیتے کسی کو بے پرواہی اور حرکات نازیبا پر سخت قسم کے جرم نے تجویز فرماتے مثلاً کسی کو کچھ دنوں کے لئے مسجد میں جھاڑو دینے اور نازیبوں کے جوتے سیدھے کرنے کے لئے فرماتے کسی کو کچھ رقم بطور جرمانہ کسی خاص طریقے سے خرچ کرنے کے لئے، کسی کو معمولات اور ادوار و وظائف کچھ عرصہ تک ترک کر دینے کے لئے یا کسی کو نوافل خاص تعداد میں ادا کرنے کے لئے جو نفس پر شاق ہو حکم فرماتے کسی کو تہذیب نفس کے لئے کوئی مجاہدہ شاقہ تجویز فرماتے، وغیرہ وغیرہ۔ غایت ان سب مواخذوں سے سالک کی اصلاح ہی ہوتی تھی۔ کیونکہ باوجود اس سخت گیری کے ہر معاملہ میں شفقانہ اور مہربانہ انداز ہی ہوتا تھا۔ خود ہی فرماتے تھے کہ جب میں کسی سے تھا

ہوتا ہوں تو برابر اس کی طرف متوجہ رہتا ہوں اور میں اس وقت اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے ہر موافقے سے پناہ مانگتا ہوں۔ اور یہ بات میری عادت میں داخل ہو چکی ہے کبھی اس میں ذہمول نہیں ہوتا۔

یہی سبب تھا کہ باوجود نمودر و عتاب ہونے اور ناراضگی کے ہر شخص بخیر سے کرتا تھا کہ حضرت کے غصہ سے دل روشن ہو جاتا ہے اور حضرت کے ساتھ عقیدت و محبت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

حضرت کی تعلیم و تربیت کی یہ بھی ایک نمایاں خصوصیت تھی کہ سالک طالب طریق کی کیسی ہی ابر اور اندیشہ ناک اور مایوس کن حالت ہو حضرت ہمیشہ اس کو امید افزا اور حوصلہ افزا اور ادا و شفا ئے باطن تلقین فرماتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت بے پایاں کی طرف متوجہ فرماتے تھے جس سے بہت لوگ تسکین و طمانیت قلب حاصل کر کے باطنی مظاہر ہلاکت و بربادی سے بچ گئے۔

حضرت والا کی جو بات بھی تھی، نہایت باضابطہ اور با اصول تھی۔ لیکن یہ بھی بار بار فرمایا کہ مجھے انتظامات کا خواہ مخواہ شوق نہیں ہے۔ بلکہ مجھے تو ان حصولِ دُخست ہوتی ہے کیونکہ میری طبیعت فطری طور پر بہت آزاد ہے، مگر جہاں ضرورت ہو اور بدون انتظام کام ہی نہ چلے وہاں منتظم ہونا ہی پڑتا ہے، اور وہاں منتظم ہونا ہی ضروری ہے۔ کیوں کہ جہاں ضرورت ہو وہاں تو انتظامات میں مجھے بجائے مشقت اور دُخست کے نہایت مسرت اور دلچسپی ہوتی ہے۔ (اشرف السوانح ص ۷۷)

حضرت اکثر فرماتے کہ میں فقط دوسروں ہی کو اصولِ صحیحہ کا پابند نہیں بناتا بلکہ اپنے آپ کو بھی تو پابند کرتا ہوں اور یہ تکلف یا تصنع سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اصولِ صحیحہ کی پابندی میرا مقتضائے طبعی ہو گیا ہے۔ گو اس میں کسی قدر مشقت بھی ہو اور گو اس کا تعلق میرے محکومین اور تابعین ہی سے ہو۔ کیونکہ اصولِ صحیحہ بہر حال قابلِ احترام

ہیں۔ یہاں تک کہ اکثر اہل معاملہ کو میری رعایت اصول کا علم بھی نہیں ہوتا۔ لیکن میرے عقاب کو تو تسلیم رہتی ہے کہ میں نے اصول صیغہ کی رعایت کی کسی کو جتلانا مقصود نہیں ہے۔ اور میں نے یہ قواعد سوج سوج کر بلا ضرورت پہلے سے تجویز نہیں کئے۔ بلکہ جیسے جیسے معاملات لوگ میرے ساتھ کرتے گئے اور ان کی بنا پر جیسی جیسی ضرورت پیش آئی گئی تو اعد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ باقی حذاذ کرے مجھ کو کوئی شوق تقویر نہیں ہے خواہ مخواہ قواعد بنانے کا، اور لوگوں کو تنگی میں ڈالنے کا۔ استغفر اللہ۔ بلکہ واللہ مجھے بعض ضابطے کے قواعد تجویز کرتے وقت نہایت شرم آئی کہ یہ کیا و اہمیات عداوتوں کے سے ضابطے ہیں۔ لیکن کیا کرتا ضرورتوں نے مجبور کر دیا۔ میرا مقصود ان قواعد سے صرف یہ ہے کہ نہ مجھے کوئی اذیت ہو نہ دوسروں کا کوئی کام ٹٹے۔ ورنہ اگر یہ قواعد نہ ہوتے تو بڑی گریڈ رہتی۔ نہ مجھی کو راجت رہتی۔ نہ لوگوں کے کام بنتے۔ اب تو بفضلہ تعالیٰ دو نقل کی مصلحتیں پوری ہو رہی ہیں۔ میرے قواعد اپنی ذات میں بالکل سہل ہیں البتہ میں بھی ان کی پابندی سختی سے کرتا ہوں اور دوسروں سے بھی ان کی پابندی سختی سے کراتا ہوں۔ بس اس پابندی ہی سے لوگ گھبراتے ہیں۔ حالانکہ بلا تشبیہ شراعی کا بھی یہی حال ہے کہ وہ اپنی ذات میں تو بالکل سہل ہیں۔ چنانچہ نصوص صریحہ سے ان کا سہل ہونا ثابت ہے۔ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یرید اللہ بکم اليسر ولا یرید بکم العسر اور

وما جعل علیکم فی الدین من حرج

اور حدیث شریف میں ہے الدین یُسْرٌ

لیکن ان کی پابندی سختی سے کرائی جاتی ہے اور ان کے ترک پر سخت سخت وعیدیں

ہیں۔ چنانچہ نماز اپنے ارکان و شرائط کے لحاظ سے بہت سہل عمل ہے اور معذوری کی

حالت میں اس کے اندر اور بھی سہولتیں رکھ دی گئی ہیں۔ لیکن اس کی پابندی بڑی سختی کے

ساتھ کرائی گئی ہے اور اس کے ترک پر دنیا و آخرت میں سخت سخت وعیدیں اور سزائیں ہیں

دنیا میں تو بعض ائمہ نے ترک نماز پر نئے نئے قتل تک کا فتویٰ دیا ہے اور بعض نے جس دوام کا

اور آخرت میں فرعون و ہامان کے ساتھ مذبح میں جانے کی وعید وارد ہے، غرض اس قانون کو ہرگز سخت نہیں کہہ سکتے جو اپنی ذات میں تو سہل ہو لیکن اس کی پابندی سختی سے کرائی جائے۔
(اشرف السوانح ۲)

حضرت فرمایا کرتے تھے میں نے اپنے معمولات میں راحت کی تدابیر اختیار کر رکھی ہیں یہی میرا اصل مدق ہے کہ دنیا کی بھی راحت ہو اور آخرت کی بھی اور صرف اپنی ہی راحت مقصود نہیں دوسروں کی راحت کا بھی خیال رکھتا ہوں۔ (اشرف معمولات)

حضرت اپنے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میرے اندر قدرت تو ہے مگر الحمد للہ شدت نہیں ہے، بلکہ دوسروں کے جذبات کی تو میں اتنی رعایت رکھتا ہوں کہ دوسروں کی نظر بھی ان دقائق کی رعایت تک نہ پہنچی ہوگی۔ بفضلہ تعالیٰ دور دور تک کے احتمالات اذیت پر بھی فوراً میری نظر پہنچ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے احتراز کی توفیق بھی عطا فرمادیتے ہیں اور اسی لئے مجھے اور بھی غصہ آتا ہے کہ میں تو ان کی اتنی رعایت کروں اور یہ میرے ساتھ ایسی بے فکری برتیں۔ (اشرف السوانح)

اپنے طرز سیاست ہی کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے کہ بعض لوگوں نے مجھ سے کہا کہ اپنے اور حضرات کا تو یہ طرز نہ تھا۔ میں نے کہا کہ یہ بات تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بھی کہی جاسکتی ہے کہ حدِ خمر نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھی نہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں تھی صرف تعزیر تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بجائے تعزیر کے یہ حد کیوں جاری اور مقرر کر دی۔ بس جو وہاں جواب ہے وہی یہاں بھی ہے یعنی پہلے طبائع میں سلامتی تھی اس لئے واقعات میں قلت تھی لہذا صرف تعزیر کا کافی تھی حد مقرر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ بعد کو طبائع کا رنگ بدل گیا اور واقعات زیادہ ہونے لگے اس لئے حد مقرر کرنے کی ضرورت واقع ہوئی۔ تو جو فاروق نے کیا وہی ایک ذاروقی نے کیا
(اشرف السوانح)

زریا کہ بقول حضرت شیخ اکبر رحمہ اللہ شیخ کامل کے اندر بادشاہوں کی سی سیاست ہونا ضروری ہے کیونکہ عام طبائع کے اعتبار سے عادت اکثر یہ بھی ہے کہ بغیر سختی کے اصلاح نہیں ہوتی اس لئے اس کی ضرورت سب عقلاء کے نزدیک مسلم ہے اور ہر تمدن جماعت نے حسب ضرورت اپنے اپنے اصول سیاست مقرر کر رکھے ہیں بلکہ نظام عالم ہی اصول سیاست پر قائم ہے جب امن ظاہری کے لئے سیاست ضروری ہے تو امن باطنی کے لئے تو بدرجہ اولیٰ ضروری ہوگی۔ کیونکہ فساد ظاہری کی اصلاح اتنی دشوار نہیں جتنی فساد باطنی کی ہے۔ پھر تعجب ہے کہ ردائل نفس کے ازالہ کے لئے سیاست کی ضرورت ہی نہیں سمجھی جاتی اور اگر کوئی مصلح بزرگان سلف کے طریق کو زندہ کرے اور فطری اصول پر طالبین اصلاح کی اصلاح کرے تو اس پر ہر کس و ناکس اعتراض کرنے کے لئے تیار ہے (اشرف السوانح حصہ دوم)۔

سریا کہ ابھی تو اس وجہ سے کہ المعاصر اصل للمنافذہ لوگوں کو میرے اس طرز تربیت سے دخت ہے اور اس پر اعتراض ہے لیکن انشاء اللہ تعالیٰ میرے بعد لوگ اس کی تدویر کریں گے اور سندیں پیش کریں گے میں نے اپنے اوپر بدنامی لیکر اوروں کے لئے راستہ صاف کر دیا ہے۔ (اشرف السوانح حصہ دوم)

تنبیہ

حضرت والاہ کے اس طریق اصلاح بطرز سیاست کے متعلق ایک ضروری تنبیہ بھی قابل عرض اور قابل غور ہے وہ یہ کہ اس طریق خاص کے اختیار کرنے کا ہر شخص ہرگز اہل نہیں بلکہ عام مصلحین اس کے اختیار کرنے کی ہرگز جرأت نہ کریں ورنہ کو رائہ تقلید کر کے اپنا اور طالبین اصلاح کا بھی نام کریں گے۔ یہ تو ان خاص انخاص حضرات ہی کا منصب ہے جو نفسانیت سے نکل چکے ہوں اور جو حدود کی حفاظت پر پورے طور سے قادر ہوں۔ محض تقلید سے اس منصب خاص کی اہلیت پیدا نہیں ہو سکتی۔ (اشرف السوانح حصہ دوم)

مجاز بیعت کے لئے شرائط استعداد

حضرتؒ نے ایک مرشد مصلح میں جن اوصاف کا ہونا ضروری ہے ان کی اس طرح تشریح فرمائی ہے۔ ارشاد ۱۔

وصف اول یہ ہے کہ وہ متقی ہو،

دوسرے یہ کہ وہ خود اپنی اصلاح کئے ہوئے ہو۔

تیسرے یہ کہ اس کو طریقی سے مناسبت پیدا ہو چکی ہو لیکن محض علمی مناسبت نہیں

بلکہ حالی۔

چوتھے یہ کہ اس میں دوسروں کی بھی اصلاح کرنے کی اہلیت پیدا ہو گئی ہو۔

پانچویں یہ کہ اوصاف مذکورہ میں اس کو بقدر ضرورت رسوخ بھی حاصل ہو گیا ہو اور

چھٹی بات یہ کہ اس سے یہ توقع بھی ہو کہ گئی احوال اس کو اوصاف مذکورہ میں رسوخ کا

صرف یہ درجہ ضروریہ حاصل ہے لیکن آئندہ وہ ترقی کر کے اس میں رسوخ کا درجہ کاملہ بھی

حاصل کرنے لگے گا۔ یہ سب چھ اوصاف ہوتے لیکن ان سب اوصاف کا تحقق صرف ظن غالب

ہوتا ہے یقین نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے۔ (اشرف السوانح ص ۷)

حضرتؒ اکثر اپنے طالبین بیعت کو اپنے خلفائے مجازین کے سپرد کر دیا کرتے تھے

اس میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ حضرتؒ کا اندازہ کر لیں کہ جن صلاحیتوں کی بنا پر ان کو اجازت

دی گئی ہے ان کا مصروف بہ حضرات کس طریقے سے کرتے ہیں بعض کی باقاعدہ تعلیمات پر

اظہار مسرت فرماتے اور اپنا اطمینان ظاہر فرماتے اسی طرح بعض کی بے پرواہی اور ضابطہ

تربیت سے انحراف کا حال معلوم ہوتا تو اس پر ان کو تنبیہ فرماتے اور صحیح طریقہ اختیار

کرنے کی تاکید فرماتے، اور ان کو تاکید تھی کہ اپنے حالات اور اپنے تعلق طالبین کی تعلیم و

تربیت سے حضرتؒ کو مطلع کرتے رہا کریں تاکہ ان کو اپنے نفس کی نگہداشت اور طریقہ کار

کی بھی اصلاح ہوتی رہے اور ہدایت ملتی رہے۔
 نہ رہا یا کہ گو بعد تکمیل کے شیخ کی تعلیم کی حاجت نہیں رہتی لیکن بقائے فیض کے لئے
 اس کے ساتھ اعتقاد و امتنان کا تعلق عمر بھر رکھنا ضروری ہے۔ (اشرف السوانح حصہ دوم)

مجازِ بیعت

مالکینِ تربیت یافتہ کو اکثر اس عنوان سے اجازت عطا فرماتے تھے، کہ بیاختہ قلب
 پر وارد ہو اگر آپ کو بیعت و تلقین کی اجازت دیدی جائے لہذا تو کلاً علی اللہ آپ کو اجازت
 دیتا ہوں اللہ تعالیٰ نفع کو عام اور تمام فرمادیں اگر کوئی رجوع کرے تو انکار نہ کریں۔ اس
 اجازت کی اپنے خاص احباب کو بھی اطلاع کر دیں۔

مجازِ صحبت

تقدیم و تلقین کے سلسلہ میں حضرت نے اپنے مجددانہ ذوق سے ایسے لوگوں
 بھی ایک جماعت تجویز فرمائی تھی جن کو بیعت لینے کی تو اجازت نہ تھی مگر وہ اپنی صحبت و تعلیم سے
 لوگوں کو طریقی کی اشاعت کر سکتے تھے اس میں علماء کے علاوہ دیگر مشاغل کے ایسے لوگ بھی
 شامل تھے جن کی استعداد باطنی صحیح معیار پر آجلی تھی۔ ان کو اجازت اس طریقہ سے عطا
 فرماتے تھے۔

ایک روز طلب پر بیاختہ وارد ہوا کہ بعض ایسے احباب کو (جو تلقین کی کافی صلاحیت
 رکھتے ہیں مگر اجتماع شرائطِ بیعت میں بعض خاص حالات کا انتظار ہے) تلقین بلا بیعت
 کی اجازت دے دوں اور ایسے حضرات کا لقب مجازِ صحبت تجویز کیا گیا۔ یعنی مجازِ با بصحتہ
 یعنی جن کو صرف بواسطہ صحبت نفع پہنچانے کی اجازت دی گئی اور فسق کے لئے بیعت
 ساتھ کا لقب مجازِ بیعت یعنی مجازِ بالبیعتہ قرار دیا گیا۔ اگر ان مجازین صحبت میں حالات

منتظرہ رونما ہو گئے (جن کی تعیین اور فیصلہ میں صرف میں منفرد ہوں، خود اہل معادہ کو اس کا منتظر رہنا منافیِ افلاص ہے، اس حالت میں ان کو مجازین بیعت میں داخل کر کے شائع کر دیا جائے گا۔

فرمایا کہ میں تو عملاً یہ دکھا دینا چاہتا ہوں کہ نفع بیعت پر موقوف نہیں بلکہ تعلیم اور اس کی اتباع پر موقوف ہے اصل چیز یہی ہے۔ (اشرف السوانح)

حقیقت اجازتِ بیعت

ملفوظ :- حضرت فرماتے تھے کہ اس اجازت کی نظر بالکل ایسی ہے جیسے علومِ درسیہ میں جو سند فراغ دی جاتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ابھی اسی وقت اس کو ان علوم میں کمال کا درجہ حاصل ہو گیا۔ بلکہ محض اس نطن غالب پر سند دی جاتی ہے کہ اس کو ان علوم سے ایسی مناسبت پیدا ہو گئی ہے کہ اگر وہ برابر درس و مطالعہ میں مصروف و مشغول رہے تو قومی امید ہے کہ رفتہ رفتہ اس کو کمال کا درجہ بھی حاصل ہو جائے گا۔ پھر اگر وہ اپنی غفلت اور ناتدردانی سے خود ہی اپنی اس مناسبت اور استعداد کو ضائع کرے تو اس کا الزام سند دینے والوں پر ہرگز نہیں بلکہ خود اسی پر ہے اسی طرح جو کسی کو بیعت کی اجازت دی جاتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ فی الحال ہی اس کو ان اوصاف میں کمال کا درجہ حاصل ہو گیا ہے بلکہ محض اس نطن غالب پر اجازت دی جاتی ہے کہ اس کو فی الحال تو ان اوصاف کا درجہ ضروریہ حاصل ہو گیا ہے اور اگر وہ برابر ان کی تکمیل کی فکر اور کوشش میں رہا تو قومی امید ہے کہ رفتہ رفتہ اس کو آئندہ ان اوصاف میں کمال کا درجہ بھی حاصل ہو جائے گا۔ (اشرف السوانح)

اپنے طریق پر اطمینان و تشکر
 ارشاد۔ واقعی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ میرے یہاں حقیقت سے کوئی ناواقف نہیں
 اور یہ میرے کمرے پن کی بدولت ہے ورنہ یہاں بھی غلط موٹ ہو جاتا اب جتنے میں افضل
 تاملے ان پر اطمینان تو ہے اور میرے نزدیک تو قریب قریب ہر شخص قابل اجازت ہے،
 اد میں تو سب کو اجازت دے دیتا لیکن مصلح و منیہ کا مقصد یہ ہے کہ صاحب اجازت
 میں کسی نہ کسی قسم کی وجاہت دینی یا دنیوی بھی ہو، مثلاً اہل علم یا کسی معزز طبقہ کا ہونا کہ اس
 کی طرف رجوع کرنے میں کسی کو عار نہ آئے اور طریق کی بے وقتی نہ ہو۔ الحمد للہ میرے چہا
 میں ایسے ایسے موجود ہیں جو اصول اصلاح کو اچھی طرح سمجھے ہوئے ہیں اور مشہور مشہور
 مشائخ سے بھی اچھی طرح سمجھے ہوئے ہیں اور مشہور مشہور مشائخ سے بھی اچھی تربیت باطنی
 کر سکتے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ آج کل لوگ بس شہرت کی بنا پر معتقد ہوتے ہیں۔ کمال کو کوئی
 نہیں دیکھتا طریق سے بہت ہی بیگانگی ہو گئی ہے۔ (از اشرف السوانح حصہ دوم)

ہنو زآں ابر رحمت در قشاں است
 خرم و خمخانہ با مہر و نشاں است

نوٹ

حضرت رح کے خصوصیات زندگانی اور انداز تربیت
 کتاب مآثر حکیم الأئمۃ میں ملاحظہ فرمائیے،

إِنَّ هَذِهِ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا



حقیقۃ الطریقۃ

اس عنوان کے تحت بطور مقدمہ کتاب "التکشف" میں حضرت نے
 حسب ذیل مضمون تحریر فرمایا ہے :-

« بعد حمد و مملوۃ مدعائے ضروری یہ ہے کہ ہر مسلمان پر بعد تصحیح عقاید و اصلاح
 اعمال ظاہری فرض ہے کہ اپنے اعمال باطنی کی اصلاح کرے۔ قرآن مجید میں بے شمار
 آیات اور حدیث میں بے انتہار روایات اس کی فرضیت پر صراحتہً دلیل ہیں گوا کثیر
 اہل ظاہر بسبب پابندی ہوا و ہوس اس دلالت سے غافل ہیں۔ کون نہیں جانتا
 کہ تران و حدیث میں زہد و قناعت و تواضع۔ اخلاص و صبر و شکر و حب الہی اور
 رضا بالقضا، و توکل و تسلیم و رضا و غیرہ کی فضیلت اور ان کی تحصیل کی تاکید
 اور ان کے اضرار (خلان) حب دنیا و حرص و تکبر و ریاء و شہوت و غضب و حسد
 وغیرہ کی مذمت اور ان پر وعید وارد و تذکر ہے پھر ان کے مامور بہ اور ان کے
 منہی عنہ ہونے میں کیا شبہ رہا اور یہی معنی ہیں اصلاح اعمال باطنی کے، اور
 یہی طریقت کا مقصود اصل ہے، جس کا فرض ہونا بلا اشتباہ ثابت ہے اور اسی کے
 ساتھ تجربہ اس کا شاہد ہے کہ اس اصلاح کا مدار اعظم عاۃ اللہ میں صحبت و خدمت
 و اطاعت ان حضرات کی ہے جو اپنی اصلاح کر چکے ہیں اور جہاں صحبت ظاہری
 میسر نہ ہو تو صحبت منوی یعنی ان حضرات کے حالات و حکایات کا مطالعہ
 قائم مقام صحبت ظاہری کے ہو کر کسی درجہ میں کفایت کر سکتا ہے اور یہی راز
 ہے کہ نصوص میں بکثرت صحبت نیک کی ترغیب اور صحبت بد سے ترہیب آئی ہے

اسی طرح آیات و احادیث میں مقبولانِ الہی کے قصص جا بجا آتے ہیں، اور یہ بھی بشہادتِ تجربہ ثابت ہو چکا ہے کہ صلحاء کی صحبت ظاہری یا منہوی کی یہ تاثیر اس پر ہوتی ہے کہ ان کے ساتھ عقیدت و محبت ہو ورنہ عمر بھر کچھ نفع نہیں ہوتا اور جس طرح کہ اہل صلاح کی صحبت نافع اور مفید ہے اسی طرح اہل فساد کا قُرب اور تعلق مضر اور مہلک اور اس زلمے میں بوجہ قلتِ علم و نیز بہ غصلیہ ہوائے نفسانی اصلاحِ باطنی کی طرف اول تو اکثر کوتاہیات ہی نہیں، پھر اگر کسی کو خیال بھی ہوتا ہے اور اس ضرورت سے کسی (پیر و مرشد) کی صحبت کا استلاشی ہوتا ہے تو اکثر طالبین کی طبائع میں اعتدالِ علمی و عملی بہت کم ہونے کی وجہ سے یا تشدد و تعصب زیادہ ہوتا ہے یا مزاج میں مدہمت و ضعف دینی بڑھا ہوا ہوتا ہے اس لئے یہ دونوں امر قوی مانع طریق اور سدا راہ ہو جاتے ہیں۔ اول جن لوگوں میں تشدد اور تنگ نظری ہے، وہ تو کاملین اور اہل حق کے بعض اقوال یا افعال یا احوال کی کنہ اور لم نہ سمجھنے سے ان کو مخالفِ سنت قرار دیکر ان سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور ان کے برکات سے محروم رہتے ہیں بلکہ بعض اوقات بے ادبی اور گستاخی کر کے اپنی عاقبت کو پُرخطر کر لیتے ہیں اور دوم مدہمت کرنے والے اور ضعیف الاعتقاد لوگ اگر کسی کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ناقص الایمان اور باطل پرست لوگوں (پیسروں) کے تمام اقوال و افعال و احوال کو شریعت پر منطبق کئے بغیر دل و جان سے قبول کر کے ان کی صحبت و خدمت اختیار کر کے اور ان کے معتقد اور گرویدہ بن کر اپنا دین ضائع کر بیٹھتے ہیں۔

اس لئے سخت ضرورت محسوس ہوئی کہ قرآن و حدیث سے طریقت کی حقیقت دکھادی جائے تاکہ اس کے بعد لوگوں کو اہل کمال اور اہل حق پر انکار نہ ہو اور اہل باطل پر اعتقاد نہ ہو اور متعصب لوگوں کی یہ زیادتی کہ بعضے ان میں باوجود اہل علم

ہونے کے کاملین اہل حق کو ناقص اور ان کی حالت کو خلاف شریعت سمجھتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ طریقت کی دین میں کچھ اصلیت نہیں ہے (یہ بات ان کے دماغ سے رفع کر دی جائے) اور جو لوگ مکرور عقیدے کے ہیں اور جو ناقص اور اہل باطل کو کامل سمجھتے ہیں اور ان کی حالت کو باوجود اس کے کہ وہ تاملتہ خلاف شریعت ہوتی ہے عین حقیقت سمجھتے ہیں اور قرب و وصل کا (حاصل ہونا جانتے ہیں) ان کے اس خیال کی بھی اصلاح کر دی جائے تاکہ حق و باطل میں جو فرق ہے اس کا صحیح معیار قرآن و حدیث کے مطابق قائم ہو جائے۔ (واللہ المستعان) (المتکشف)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مضمون مذکورہ بالا میں اجمالاً تصوف و سلوک کے متعلق یہ خاص اہمیت ظاہر فرمائی ہے کہ طریقت کا تمام دار و مدار قرآن و حدیث ہی پر ہے، سالکین اور مشائخ و پیران طریقی کی جو خصوصیات ہیں وہ تاملتہ تبع شریعت و سنت ہی پر منحصر ہیں۔ اس جگہ صرف ان لوگوں کی اصلاح خیال کی ضرورت محسوس فرمائی جو آداب طریقت سے ناواقف ہیں اور پیری مریدی کے معاملہ میں حدود شرع و سنت سے متجاوز ہیں، اور غلو و مبالغہ اور افراط و تفریط میں مبتلا ہو کر اپنے دین کو برباد کر رہے ہیں۔ مگر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے عام طور پر بڑی خصوصیت و اہمیت کے ساتھ اصلاح اعمال باطنی کے لئے جو طریقت کا مقصود اصلی ہے اور تمام ارکان دین کے لئے بنیادی چیز ہے۔ اپنی تمام توجہ مبذول فرمائی ہے۔ دین کے تمام ارکان عقائد، عبادات، معاملات و معاشرت کی درستی و صحت اخلاق ہی پر موقوف ہے۔ ورنہ بغیر اس کے تاملتہ ناساد ہی ناساد ہے۔

منجانب اللہ تعالیٰ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کو رشد و ہدایت۔ تجدید دین و اصلاح کلمۃ الحق اور احیائے سنت کا منصب عطا ہونا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب دانا ابتدا وہی سے آپ نے دین کے ہر شعبہ کا بڑی کاوش و نظر غائر کے ساتھ جائزہ لیا اور جہاں جہاں کوتاہیاں اور خامیاں نظر آئیں ان کی تشخیص فرمائی ان کے اسباب و علل پر نظر کی اور پھر ان کے لئے شریعت و سنت کے ضابطہ کے

مطابق اصلاح فرمائی۔

حضرت داررحمۃ اللہ علیہ نے تصوف و سلوک یعنی طریقت کے متعلق علوم باطنی کے تمام معارف و حقائق پر گہری نظر ڈالی ہے اور خدا داد فراست سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حکیمانہ نکتہ رس نظر باطن کے تمام نازک و لطیف احوال کیفیات و وجدانیات مقامات پر پہنچی ہے اور ہر طرح کے دسائس و خطرات نفسانیہ اور تمام ملکات حسہ و ملکات سبیہ کے تقاضوں اور محرکات کو اور مکائد نفسانی اور تلبیث شیطانی کی حقیقت کو سمجھا ہے، اور پھر بطور معالجہ جلب منفعت اور دفع مضرت کے اصول پر کار بند ہونے کے لئے اور مقصود اصلی یعنی تزکیہ نفس و تعلق مع اللہ حاصل کرنے کے لئے نہایت سہل، جامع و نافع معالجات و تدابیر کو قرآن و حدیث کی مطابقت کے ساتھ مرتب و مدون فرمایا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کثیر العباد و مواعظ اور بے شمار ملفوظات میں یہی مصلحت اور مجددانہ جذبہ کارسرا نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ تصوف و سلوک کی حقیقت و اہمیت اور غایت و ضرورت واضح کرنے کے لئے بڑی بصیرت افروز اور گرفتار مضامین پر مشتمل کتابیں تصنیف و تالیف فرمائیں۔ مثلاً مسائل السلوک التکشف التشریف، قصد السبیل، تعلیم الدین، کلید مننوی، بوادر و نوادر و بدائع وغیرہ یہ سب علوم باطنی کی عدیم المثال تفاسیر ہیں جن میں شریعت و طریقت کی ہم آہنگی نمایاں اور ہدایت و ضلالت اور حق و باطل کا فرق روز روشن کی طرح واضح ہے اور قرآن و حدیث کی سند کے ساتھ طریقت کے ہر حسن و قبح کو اپنے مقام پر نمایاں فرمادیا ہے اور علوم باطنی کے تمام اصولی و جزوی مسائل کو شریعت کے ضابطہ کے مطابق مرتب و مدون فرمادیا ہے۔ اس طرح ان علوم باطنی یعنی تصوف و سلوک کو ایک مستقل فن کی حیثیت سے ایک مخصوص و

ممتاز مرتبہ حاصل ہو گیا ہے۔
 حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ایک ایسا نغز کا زمانہ ہے کہ آج تک اس کی نظیر کسی
 دوسری جگہ نظر نہیں آتی اور بطور خود شاہد ناطق ہے کہ حضرت حکیم الامت
 مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ العزیز عصر حاضر میں فن
 تصوف کے امام تھے۔ مجدد تھے۔ مجتہد تھے۔ اس حقیقت سے کون حق شناس، اہل دل
 اہل نظر انکار کر سکتا ہے۔

ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَّشَاءُ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝
 حقیقت مذکورہ بالا کی وضاحت و مباحث کے لئے پیش نظر صفحات میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ
 کی تصانیف و ملفوظات و مواعظ میں مسنونہ تصوف و سلوک کے موضوع پر جو خاص
 مضامین ہیں ان کے بعض مختصر انتخابات و اقتباسات و خلاصے خاص ترتیب و عنوانات
 کے ساتھ جمع کر دیئے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ (یہ مقالہ سالکین طالب حق اور
 بہروان و رہبران طریق کے لئے بہت بصیرت افزا اور شمع رشد و ہدایت ثابت ہوگا
 اللہ تعالیٰ ہم سب کو فہم سلیم و توفیق اعمال صالحہ عطا فرما کر شریعت و طریقت کی
 صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھیں۔ آمین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
مُحَمَّدًا وَوَصَلَّى عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ



شریعت کی حقیقت اور اس کی ضرورت

اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرماتے ہیں :-

۱- پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقے
یعنی شریعت پر کر دیا۔ سو آپ اس طریقے پر چلے
جائیے اور ان جہلا کی خواہش پر نہ چلیے۔

۲- یہ شریعت عام لوگوں کے لئے دانشمندیوں کا
سبب اور ہدایت کا ذریعہ اور یقین کرنے
والوں کے لئے رحمت ہے۔

۱- ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيْعَةٍ مِّنَ
الْأَمْْرِ فَاَتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ
أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ

۲- هٰذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى
وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۗ

(سورۃ بقرہ پارہ ۲۵)

'بصائر' بصیرت کی جمع ہے، اور بصیرت باطنی روشنی کو کہتے ہیں، جیسے بصر
نگاہ (یعنی ظاہری روشنی) کو کہتے ہیں۔ تو شریعت، بصائر یعنی باطن کو روشن کرنے والی ہے

غمد سے من لیجئے کہ دین (شریعت) کے پانچ اجزاء ہیں۔ ایک جزو تو عقاید کا ہے کہ دل سے اور زبان سے یہ اقرار کرنا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کی جس طور پر خبر دی ہے وہی حق ہے (اس کی تفصیل کتب عقائد سے معلوم ہوگی) دوسرا جزو عبادات ہیں۔ یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ۔

تیسرا جزو معاملات ہیں۔ یعنی احکام نکاح و طلاق و حدود و کفارات و بیع و شراء (خرید و فروخت) و اجارہ و زراعت وغیرہ اور ان کے جزو دین ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ شریعت یہ سکھاتی ہے کہ کھیتی یوں بویا کرو اور تجارت فلاں فلاں چیز کی کرو بلکہ ان میں شریعت یہ بتاتی ہے کہ کسی پر ظلم نہ کرو، زیادتی نہ کرو، اور اس طرح معاملات نہ کرو جس میں نزاع اور جھگڑے کا اندیشہ ہو۔ غرض جواز و عدم جواز کا بیان کیا جاتا ہے۔ چوتھا جزو معاشرت ہے یعنی اٹھنا۔ بیٹھنا۔ ملنا۔ جلنا، مہمان بننا۔ کسی کے گھر پر جانا کیوں کر چاہئے اور اس کے آداب کیا ہیں؟ بیوی بچوں، عزیزوں، اجنبیوں اور نوکرؤں وغیرہ کے ساتھ کیوں کر برتاؤ کرنا چاہئے۔

پانچواں جزو تصوف ہے، جس کو شریعت میں اصلاح نفس کہتے ہیں۔ ہر کمال لوگ نے یہ سمجھ لیا ہے کہ تصوف کے لئے بیوی بچوں (اور دوسرے دنیاوی اور معاشرتی امور) کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ یہ جاہل صوفیوں کا مسئلہ ہے جو تصوف کی حقیقت کو نہیں جانتے۔ غرض دین کے یہ پانچ اجزاء ہیں۔ ان پانچوں کے مجموعے کا نام دین ہے اگر کسی میں ایک جزو بھی ان میں سے کم ہو تو وہ ناقص دین ہے، جیسے کسی کے ایک ہاتھ نہ ہو تو وہ ناقص المخلقت ہے۔ (وعظ تفصیل الدین ۱۵)

چاہئے یہ کہ آدمی صرف خدا کا بندہ ہو اور اسی کے احکام کی اتباع کرے اس لئے کہ خدائے تعالیٰ کا کلام سب سے زیادہ کامل ہے۔ کیونکہ حالات کا سب سے زیادہ علم اسی کو ہے، پھر وہ باختیار مالک ہے اور تمام اشیاء میں خود موثر ہے۔ کوئی کیفیت اس پر غالب نہیں۔ اس لئے جو حکم اس کی طرف سے صادر ہوگا، وہ کامل ہوگا۔ نہ اس کے احکام بہت سخت ہو سکتے ہیں کیونکہ اس پر صفت غضب غالب

نہیں۔ نہ بہت نرم ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ صفتِ رحمت سے مغلوب نہیں۔ بلکہ وہ باختیار خود قہار ہے اور باختیار خود رحیم و کریم ہے کسی صفت میں مجبور یا مغلوب نہیں۔

پس معلوم ہوا کہ جو کلام الہی ہے اس کے تمام احکام و فریضے سے پاک ہونگے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت کا پابند ہونا ہر بشر پر لازم ہے۔ کیونکہ وہ احکام سب کے مصالح کو جامع ہیں۔ نیز ہماری یہ حالت شاید (نظر آتی) ہے کہ جو کیفیت شدید ہوتی ہے وہ ہم کو مغلوب کر دیتی ہے اس لئے ہم کو شریعت الہی کی پابندی ضروری ہے تاکہ ہم اعتدال پر قائم رہ سکیں۔ واقعی شریعت کی تعلیم میں غایت تعدیل، یعنی بہت میاں روی ہے۔ سو تعدیل ہر چیز میں وہی ہے جس طرح اس میں شریعت کا حکم ہے مثلاً ہمدردی اچھی چیز ہے۔ مگر اس کا اس قدر افراط کہ اللہ تعالیٰ نے پراعتراض کا دوسرہ پیدا ہونے لگے۔ مناسب نہیں۔ جیسے کوئی بچہ بیمار ہے سخت روتا اور چلاتا ہے۔ اس پر رحم کھا کر دعا کرے ادا تا خیر صحت سے اللہ تعالیٰ نے پراعتراض پیدا ہونے لگے کہ حق تعالیٰ میری دعا کو اس بچہ کے حق میں قبول کیوں نہیں فرماتے یا قبول میں دیر کیوں کرتے ہیں؟ بات یہ ہے کہ اس میں بھی حکمت ہے۔ بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ والدین تدبیر کو استعمال میں نہیں لاتے اور حق تعالیٰ کو غیظاً آتا ہے کیونکہ انکی سنتِ عادیہ یہی ہے کہ اختیارِ اسباب سے متنب کو مرتب فرماتے ہیں) اور ایسے وقت شریعت کا حکم یہی ہے کہ تدبیر کی جائے اور تدبیر کو موثر بنانے کے لئے دعا بھی کی جائے۔ (کمالات اشرفیہ مثلاً) حق تعالیٰ نے انسان کو عقل بھی دی ہے اور فطرت بھی اس لئے اگر دونوں کے مقتضاء میں تزامم ہو تو اس وقت اس کو شریعت کی تعلیم پر عمل کرنا چاہئے کیونکہ شریعت کی تعلیم میں دونوں کی رعایت ہے۔ مثلاً کسی چیز کے فوت ہونے سے رنج پہنچے تو عقل اس وقت رنج کو نسنے سے منع کرتی ہے کہ رنج کرنے سے وہ شے واپس نہیں آ سکتی۔ اس لئے رنج

فضول ہے اور طبیعت رنج کا تقاضا کرتی ہے کہ یہ چیز ہم سے جدا کیوں ہوئی۔
 مگر شریعت میں دونوں کی رعایت کی گئی ہے کہ رنج بھی ہو مگر اس کو غالب نہ کر دے۔
 شریعت نے عقل کی بھی رعایت کی طبیعت کی بھی۔ اسی طرح فنا نے دنیا سے غفلت
 عقل کے نزدیک سخت غلطی ہے۔ مگر طبیعت غفلت کی مقضیٰ ہے کیونکہ فنا نے دنیا کو
 بار بار دیکھتے دیکھتے مساوات سی ہو جاتی ہے۔ اور جس چیز کی مساوات سی ہو جائے اس
 سے طبیعت کو غفلت ہو جاتی ہے۔ شریعت نے یہاں بھی دونوں کی رعایت فرمائی کہ غفلت
 کا نقصان نہ ہو مگر اتنی غفلت کہ احکام عقلیہ بالکل برباد ہو جائیں۔ (الفانی ص ۶)
 ان فرض شریعت میں ہر چیز کا اعتدال مقصود ہے اور اعمال اخلاق کی فرع ہیں
 (یعنی اعمال اخلاق سے پیدا ہوتے ہیں اور) اصل محل اعتدال کا اخلاق ہیں۔

ان کا بیان یہ ہے کہ اخلاق کے اصول تین ہیں یعنی اصل میں تین قوتیں ہیں جن
 سے اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔ قوت عقلیہ۔ قوت شہویہ۔ قوت غضبیہ۔ حاصل
 یہ ہے کہ اپنے منافع کے حصول اور مضائقہ کے دفع کے لئے خواہ وہ دنیویہ ہوں یا
 اخرویہ تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک تو وہ قوت کہ جس سے منفعت و
 مضرت کو سمجھ سکے۔ وہ قوت مدد رکھتی ہے۔ اور ایک یہ کہ منفعت کو سمجھ کر اس
 کو حاصل کرے۔ یہ قوت شہویہ۔ کلام ہے اور ایک یہ کہ مضرت کو سمجھ کر اس کو
 دفع کرے۔ یہ قوت دافعہ۔ قوت غضبیہ ہے۔ پھر ان تینوں سے مختلف اعمال
 صادر ہوتے ہیں۔ پھر ان اعمال کے تین درجے ہیں۔ افراط۔ تفریط۔ اعتدال
 چنانچہ قوت عقلیہ کا افراط یہ ہے کہ اتنی بڑھے کہ وحی کو بھی نہ ملنے۔ جسے یونانیوں
 نے کیا۔ تفریط یہ ہے کہ اتنی گھٹے کہ جہل و سفہ (کمینہ پن) تک اتر آئے۔ اسی طرح
 قوت شہویہ کا ایک درجہ افراط ہے کہ حلال و حرام کی بھی تمیز نہ رہے۔ بیوی اور
 اجنبیہ سب برابر ہو جائیں۔ اور ایک درجہ تفریط، یعنی ایسا پرہیزگار بنے کہ

بیوی سے بھی پرہیز کرنے لگے۔ یا مال کے ایسے حریص ہوئے کہ اپنا پیرا یا سبب مضم کرنے لگے۔ یا ایسے زاہد بنے کہ ضرورت کی چیزیں بھی چھوڑ دیں۔ اسی طرح قوت غضبیر کا افراط سب سے کہ بالکل بھیر یا ہی بن جائے۔ اور تفریط بر ہے کہ ایسے نرم ہوئے کہ کوئی جینے بھی مارے۔ دین کو برا بھلا کہہ لے تب بھی غصہ نہ آئے۔ یہ تو افراط تفریط تھا۔ ایک لکن تینوں قوتوں کا اعتدال ہے یعنی جہاں شریعت نے اجازت دی ہو وہاں تو ان قوتوں کو استعمال کرے اور جہاں اجازت نہ دی ہو وہاں ان قوتوں سے کام نہ لے تو ہر قوت میں تین درجے ہوتے۔ افراط۔ تفریط۔ اعتدال۔ ان سب درجوں کے نام الگ الگ ہیں۔ جو قوت عقلیہ کے افراط کا درجہ ہے۔ اس کا نام جزیرہ ہے جو تفریط کا درجہ ہے اس کو سفاهت کہتے ہیں۔ جو اعتدال کا درجہ ہے اس کا لقب حکمت ہے۔

اسی طرح قوت شہویہ کے افراط کا درجہ "فجور" ہے۔ تفریط کا درجہ "جمود" ہے۔ اعتدال کا درجہ "عفت" ہے۔

اور قوت غضبیرہ کا درجہ افراط "ہور" ہے اور گھٹا "سو" اور درجہ جن ہے۔ اعتدال کا درجہ "شجاعت" ہے۔

تو یہ نو چیزیں ہوں جو تمام اخلاق حسنہ و ستیہ کو حاوی ہیں، اور مطلوب ان نو درجوں میں صرف تین درجے اعتدال کے ہیں یعنی حکمت، عفت، شجاعت۔ باقی سب ردائل ہیں۔ تو اصل اخلاق حسنہ کے یہ تین ہیں اور ان تینوں کے مجموعے کا نام "عدالت" ہے۔ اسی لئے اس آیت کا لقب "امت وسط" یعنی امت عادلہ ہے۔

غرض انسان وہ ہے جس میں اعتدال ہو۔ اب آپ دیکھیں کہ دنیا میں کئے کو تو بزرگ بہت ہیں لیکن انسان بہت کم ہیں چنانچہ ایک شاعر لکھتا ہے

زاہد شدی ریشخ شدی و دانشمند
اب جملہ شدی ولیکن انسان نشدی

(یعنی تم زاہد، شیخ اور عقلمند اور سب کچھ تو بن گئے لیکن انسان نہ بنے) (کمالا شریفی ص ۲۴)
 (حاصل کلام یہ کہ) شریعت نے ہم کو ایسی تعلیم دی ہے جس میں تمام مصلحتوں اور مضرتوں
 کی رعایت ہے۔ اس لئے ہمیں تجربہ کر کے ٹھوکریں کھا کے مصلحتیں اور مضرتیں معلوم کرنے
 کی ضرورت نہیں۔ بلکہ صرف اس کی ضرورت ہے کہ شریعت کی تعلیم حاصل کر لیں۔ پھر
 ہمیں تہذیب و تمدن میں کسی قوم کی تقلید کی ضرورت نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے
 ہماری سب مصلحتوں اور مضرتوں کی رعایت فرما کر ایسی جامع اور مانع تعلیم ہم کو فرمائی ہے
 جس میں مضرت کا نام و نشان نہیں، بلکہ راحت ہی راحت ہے۔ پس مسلمان اگر شریعت
 کی تعلیم پر کما حقہ چلیں تو ہمہ تن راحت میں رہیں۔ روحانی راحت بھی (میسٹر جی) اور
 جسمانی راحت بھی (حاصل ہو) (انفاس عیسیٰ صفحہ ۳۰۹-۳۱۰)

طریق کار

دین کے جتنے جتنے ہیں عقیدے، عبادتیں، معاملات، نصیحتیں اور رہنے سہنے کے
 طریقے سب کی اصلاح کریں اور جو معلوم نہ ہو پوچھتے رہیں۔ (دعظ علم کی طلب ص ۱۵)
 جو کام کریں پہلے شریعت سے تحقیق کر لیں۔ مگر تحقیق ایسوں سے کریں جو سچی بات
 بتلا دیں اور جو خود ہی اپنی خواہش نفسانی کو شریعت کے اندر ٹھونسن اور زبردستی غیر دین
 کو مصلحتوں اور پالیسی کی وجہ سے دین بناویں۔ وہ واقع میں عالم نہیں وہ تو جاہل ہیں۔
 ان سے مت پوچھیں۔ ورنہ وہ اپنے ساتھ نہیں بھی گمراہ کریں گے۔ اگر یہ کہیں کہ اس زمانہ
 میں سچے عالم کہاں ملتے ہیں؟ تو یہ غلط ہے۔ بلکہ ڈھونڈنے سے مل جاتے ہیں۔

(دعظ الشریعت ص ۱۲)



طریقت کی حقیقت

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے :-
 آگاہ ہو جاؤ کہ بیشک اللہ تعالیٰ کے اولیاء
 پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے
 یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ
 کرتے ہیں۔ ان کے لئے زندگانی دنیا
 میں اور آخرت میں بشارت ہے
 اللہ تعالیٰ کی باتوں میں تبدیلی نہیں
 یہ بڑی مراد ہے۔

الْاِیْمَانِ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ لَا
 خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ
 الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ
 لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ
 الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ لَا یُتَدٰیِلُ
 لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الْقُوْرٰنُ
 الْعَظِیْمُ (یونس)

اس آیت میں ولایت کا مدار دو چیزوں پر فرمایا ہے۔ ایمان اور تقویٰ
 سو جس درجہ کا ایمان اور تقویٰ حاصل ہوگا۔ اسی مرتبہ کی ولایت حاصل ہوگی
 اگر ادنیٰ درجہ کا ایمان اور تقویٰ جو صحیح عقاید ضروریہ (گو تفسیلاً ہوں)
 اور ضروری اعمال سے حاصل ہوتا ہے، ادنیٰ درجے کی ولایت حاصل ہوگی۔
 جو ہر مؤمن کو حاصل ہے۔ اس کو "ولایت عامہ" کہتے ہیں اور اگر اعلیٰ درجہ کا
 ایمان و تقویٰ ہے تو اعلیٰ درجہ کی ولایت حاصل ہوگی۔ اس کو "ولایت خاصہ"
 کہتے ہیں۔ اور اصطلاحاً "ولی" وہی شخص کہلاتا ہے جو اس ولایت خاصہ کے ساتھ

موصوف ہو۔ ہمارا مقصود بھی اس کتاب میں اسی ولایت کے احکام کو بیان کرنا ہے۔ تو اب ولایتِ خاصہ کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ٹھہری۔ ایمان کامل اور تقویٰ کامل۔ اور مثل نماند وزے کے یہ بھی فرض و واجب ہے اور یہ دونوں چیزیں بدن اصلاح باطن کے حاصل نہیں ہوتیں۔ کیونکہ ایمان کا محل ظاہر ہے کہ قلب ہے۔ رہا تقویٰ، سوگو ظاہری جو اس ح سے متعلق ہے مگر حقیقی تقویٰ جو کامل تقویٰ ہے قلب ہی سے متعلق ہے۔

حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہے اور سینے کی طرف اشارہ فرمایا۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ اتَّقَوِي هَهُنَا

وَأَشَارَ إِلَى الصَّدْرِ (مسلم)

سو جب ایمان کامل اور تقویٰ کامل کا حاصل کرنا فرض ٹھہرا۔ اور وہ اصلاح باطن پر موقوف ہے۔ سو اصلاح باطن بھی فرض ہوئی۔ اسی طرح ظاہر ہے کہ اگر ادنیٰ درجے کا ایمان و تقویٰ معدوم ہو گا تو اعلیٰ درجہ کا بھی کسی طرح نہ ہو گا۔

(تسلیم الدین صفحہ ۶۷)

شریعت کے اندر جن اعمال کے کرنے اور جن کے نہ کرنے کا حکم ہے وہ دو قسم کے ہیں۔ بعض کا تعلق ظاہر بدن یا ظاہری چیزوں سے ہے جیسے کلمہ پڑھنا، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ماں باپ کی خدمت، ان کو مامورات کہتے ہیں۔ اور کلما کفر کہنا، شرک کے افعال کرنا، زنا، چوری، سود خوری، رشوت وغیرہ ان کو منہا ہی کہتے ہیں۔

بعض اعمال ایسے ہیں جن کا تعلق باطن سے ہے جیسے ایمان و تصدیق و عقاید حقہ، صبر و شکر، توکل، رضا بالقضاء، تفویض و اخلاص، محبت خدا تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ۔ ان کو مامورات و فضائل کہتے ہیں اور عقائد باطلہ، بے صبری، ناشکری، ریاء، تکبر، عجب وغیرہ یہ "منہا ہی" برزائل ہیں۔ جن سے شریعت نے منع کیا ہے جس طرح قرآن مجید میں اَقِمُوا الصَّلَاةَ

وَأَتُوا الزَّكَاةَ (نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو) موجود ہے، اسی طرح
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا (اے ایمان والو! صبر کرو اور) وَأَشْكُرُوا
(اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤ) بھی موجود ہے۔ اگر ایک مقام پر کُتِبَ عَلَيْكُمْ
الصِّيَامُ (تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے) اور لِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ
(لوگوں پر اللہ تعالیٰ کے لئے خانہ کعبہ کا حج فرض ہے) پاؤ گے تو دوسرے مقام میں
يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ اور وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (اللہ تعالیٰ ان
سے محبت کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں، اور جو ایمان والے
ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ محبت رکھتے ہیں) بھی دیکھو گے جہاں إِذَا
قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالَى (جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی
سے کھڑے ہوتے ہیں مذکور) ہے، اس کے ساتھ ہی بُرَاءُ مِنَ النَّاسِ (لوگوں کو
دکھلاتے ہیں) بھی موجود ہے۔ اگر ایک مقام پر تَارَكَ نَمَازَ زَكَاةٍ كِي نَذَمْتَهُ، تو
دوسرے مقام میں تَكْبَرُ وَعَجَبٌ كِي بَرَأَى كِي مَوْجُودٌ ہے۔ اسی طرح احادیث کو دیکھو جس
طرح ان میں ابواب نماز روزہ، بیع و شراء، نکاح و طلاق پاؤ گے۔ ابواب ریاء
کب و غیرہ بھی دیکھو گے۔

جس طرح اعمال ظاہرہ حکم خداوندی ہیں۔ اسی طرح اعمال باطنہ بھی حکم خداوندی
ہیں۔ کیا آتَمُوا الصَّلَاةَ وَأَتُوا الزَّكَاةَ امْرَا صِيغَةً ہے اور اصْبِرُوا
وَأَشْكُرُوا امْرَا صِيغَةً نہیں؟ بلکہ اگر غور کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ ظاہری
اعمال سبھی باطن کی اصلاح کے لئے ہیں، اور باطن کی صفائی مقصود اور موجب نجات
اور اس کی کوررت موجب ہلاکت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ
مَنْ دَسَّاهَا (النفس) اور جس نے نفس کو صاف کیا کامیاب ہوا
اور جس نے اس کو میل کیا وہ ناکام رہا۔

يَوْمًا لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ
 اُس دن مال اور اولاد کام نہ آئیں گے
 اِلَّا مَنْ اتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ
 مگر جو شخص اللہ تعالیٰ کے پاس سلامت
 (الشمرا)
 قلب لے کر آیا۔

ایمان و عقائد جن پر سارے اعمال کی مقبولیت منحصر ہے قلب ہی کا فعل ہے اور ظاہر ہے کہ جتنے اعمال ہیں سب ایمان ہی کی تکمیل کے لئے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ اصل مقصود دل کی اصلاح ہے۔ دل بمنزلہ بادشاہ کے ہے اور اعضاء اس کے شکر یا غلام ہیں۔ اگر بادشاہ درست ہو جائے تو توابع خود بخود اس کی مطابقت کرنے لگیں۔ (حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔)

اَلَا اِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً
 بیشک آدمی کے بدن میں ایک گوشت
 اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ
 کالوٹھرا ہے جب وہ درست ہو جاتا ہے
 كُلُّهُ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ
 تو تمام بدن درست ہو جاتا ہے اور جب
 الْجَسَدُ كُلُّهُ اِلَّا وَهِيَ الْقَلْبُ
 وہ بگڑ جاتا ہے تو تمام بدن تباہ ہو جاتا
 (الحديث)
 ہے۔ بن لوہہ دل ہے۔

یہ امور رات دن ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں کہ جس کا دھیان دل میں سما جاتا ہے سارے اعضاء اس کی دُھن میں لگ جاتے ہیں آنکھ اس کو دیکھنے، کان اس کو سنے، ہاتھ اس کو پکڑنے اور پاؤں اس کی جانب چلنے کو چاہتا ہے۔ خواہ وہ شے بُری ہو یا بھلی۔ مگر دل کا خیال ان اعضاء کو اس کے کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ (تصوف و سلوک ص ۱۱۱)

شریعت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فقہ کے ساتھ ایک دوسری فقہ یعنی شرع کے معنی کا بھی اہمیت بار ہے۔ اس معنوی فقہ کو تصوف کہتے ہیں۔ تصوف کو علیحدہ کتابوں میں لکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ فقہ سے خارج ہو جائے

یہ علیحدگی ایسی ہے جیسے مشہور فقہ میں کتاب الزکوٰۃ اور کتاب الصلوٰۃ الگ الگ ہیں۔ اسی طرح کتاب التصوف بھی فقہ ہے۔ اگر کوئی ہدایہ کی ہر ہر کتاب کو الگ الگ چھاپ دے تو کیا کتاب الصلوٰۃ اور کتاب الزکوٰۃ وغیرہ ہدایہ سے خارج ہو جاویں گے۔ اسی طرح توحید و اخلاص، یا کبر رزاق رجب وغیرہ اخلاق حمیدہ و زویلہ کے احکام بھی فقہ میں داخل ہیں۔

اہل علم بھی اس کا خیال نہیں کرتے کہ سولے ظاہری قیام و قعود کے اور بھی کچھ ہے، زور وہ بھی ضروری ہے۔ مثلاً بظاہر اٹھ بیٹھ لئے اور نماز ادا ہو گئی۔ حالانکہ قرآن مجید میں جہاں قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِيْنَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ بَدُوْنَ ہے اس کے ساتھ ہی خَاشِعُونَ (خشوع کرنے والے) بھی لگا ہوا ہے، جب صَلَاتِهِمْ سے نماز شرعی مطلوب سمجھتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ خَاشِعُونَ سے خشوع کو مطلوب نہیں سمجھتے۔ حالانکہ دونوں حکم ضروری ہیں۔ (تصوف و سلوک ص ۱۶)

قال الله عز وجل فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ (الانبياء)
 وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 وَلَقَدْ كَانَ بَيْنَمَا قَبْلَكُمْ مِنَ الْأُمَمِ
 مُحَمَّدٌ تَوَنُّونَ وَإِنْ يَكُ فِي أُمَّتِي
 أَحَدٌ فَإِنَّهُ عُمَرُ (متفق عليه)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا پس ہم نے وہ واقعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا تحقیق تم سے پیشتر امتوں میں صاحب الہام گذرے ہیں پس اگر میری امت میں کوئی ہے تو وہ عمر (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ (بخاری و مسلم) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے اپنے پاس سے ان کو علم سکھایا۔

وَقَالَ اللَّهُ وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا (کہف)

بعض عارین کا قول ہے کہ جس کو علم باطن سے کچھ میسر نہ ہو، اس کے سوائے
خاتمہ کا اندیشہ ہے، اور ادنیٰ حصہ یہ ہے کہ اس کی تصدیق اور تسلیم تو کرتا ہو مگر
کی یہی کافی منزل ہے کہ وہ اس سے محروم ہے۔ شرع
بامدعی مگوئید اسرارِ عشق و مستی
بگذارتا بمسیر در رنجِ خود پرستی
ترجمہ: (عشق اور مستی کے رموز اور بھید مدعی اور خود پرست سے مت کہو۔

چھوڑو۔ اسے خود پسندی میں مرنے دو۔)

وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَسَلَّمَ الْإِحْسَانَ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ
كَأَنَّكَ تَرَاهُ وَإِنْ لَمْ
تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس
طرح عبادت کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ
رہے ہو۔ اگر تم اسے نہیں دیکھ سکتے تو

وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ (مزید تشریح ص ۱۹۹ و ۲۰۱ پر ملاحظہ فرمائیے)

اس (احسان) کو بعد ایمان اور سلام کے ارشاد فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ علاوہ
عقائدِ ضروریہ و اعمالِ ظاہرہ کے کوئی اور چیز بھی ہے کہ اس کا نام حدیث
میں احسان آیا ہے اور اس کی حقیقت بیان فرمانے سے معلوم ہوا کہ وہ یہی طریق
باطن ہے۔ کیونکہ بدن، ماطریق کے ایسی حضوری ہرگز میسر نہیں ہوتی اولاکھوں
معتبر آدمیوں کی شہادت موجود ہے جس کے غلط ہونے کا عقل کو احتمال نہیں ہو سکتا
کہ ہم کو اہل باطن کے پاس بیٹھنے سے ایک نئی حالت اپنے باطن میں عقائد و نعتہ
کے علاوہ محسوس ہوتی ہے۔ جو پہلے نہ تھی۔ اور اس حالت کا اثر یہ ہے کہ طاقت
کی رغبت اور معاصی سے نفرت، عقائد کی بختگی روز افزوں ہو۔ یہ بھی نہایت
قوی دلیل ہے کہ طریق باطن بھی کوئی چیز ہے۔

اس کے علاوہ بزرگوں کے کشف و کرامات اس درجہ منقول ہیں کہ جس کی کوئی انتہا نہیں۔ اگرچہ یہ کوئی قوی دلیل نہیں، مگر استقامتِ شرع کے ساتھ اگر خرقِ عادات ہوں تو صاحبِ خوارق کے کامل ہونے پر اطمینانِ بخشیں ضرور ہوتے ہیں۔

(تعلیم الدین ص ۷۷)

اس بنا پر دو چیزیں طالبِ ولایت کے لئے فرض ٹھہریں۔ ایک تو فردی عقائد و اعمال کی تصحیح۔ دوسری اصلاحِ باطن۔ سو عقائد و اعمال تو بقدرِ ضرورت مراجعت کتب و علماء سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اب صرف اصلاحِ باطن کا بیان کرنا باقی ہے۔ (تعلیم الدین ص ۷۸)

شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کی تعریف اور ان کا باہمی تعلق

شریعت احکام تکلیفیہ کے مجموعے کا نام ہے۔ اس میں اعمال ظاہری اور باطنی سب آگئے۔ اور تقدیم کی اصطلاح میں لفظ فقہ کو اس امر کا مرادف (یعنی ہم معنی) سمجھا جاتا ہے جیسے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ کی یہ تعریف منقول ہے :-

مَعْرِفَةُ النَّفْسِ مَا لَهَا وَمَا عَلَيْهَا

(یعنی نفس کے نفع و نقصان کی چیزوں کو پہچانتا)

پھر متاخرین کی اصطلاح میں شریعت کے جزو متعلق باعمال ظاہرہ کا نام "فقہ" ہو گیا اور دوسرے جزو متعلق باعمال باطنہ کا نام "تصوف" ہو گیا۔ اور ان اعمال باطنی کے طریقوں کو "طریقت" کہتے ہیں۔ پھر ان اعمال کی درستی سے قلب میں جو جلاء اور صفاء پیدا ہوتا ہے اس سے قلب پر بعض حقائق کو نہ متعلقہ اعیان و اعراض (حقائق و لوازمات) بالخصوص اعمال حسنہ و سیئہ و حقائق الہیہ، صفاتیہ و تعلیمیہ بالخصوص معاملات بین اللہ اور بین العباد (یعنی جو معاملات اللہ اور بندے کے درمیان ہیں وہ) منکشف ہوتے ہیں۔ ان مکشونات کو حقیقت کہتے ہیں۔ اور اس انکشاف کو "معرفت" کہتے ہیں، اور اس صاحب انکشاف کو "محقق" اور "عارف" کہتے ہیں۔ پس یہ سب امور متعلق شریعت ہی کے ہیں، اور عوام میں جو یہ شائع ہو گیا ہے کہ شریعت صرف جزو متعلق باحکام ظاہرہ کو کہتے ہیں۔ یہ اصطلاح کسی اہل علم سے منقول نہیں۔ اور عوام کے اعتبار سے اس کا منشا بھی صحیح نہیں کہ دو اعتقاد تنافی ہے

ظاہر و باطن میں (یعنی ظاہر اور باطن میں اختلاف کا قائل ہوتا ہے واللہ اعلم
(الکشف ص ۱۱۱)

تصوف کے اصول صحیح قرآن اور حدیث میں سب موجود ہیں، اور یہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ تصوف قرآن اور حدیث میں نہیں ہے وہ بالکل غلط ہے۔ یعنی غالی صوفیوں کا یہی خیال ہے اور خشک علماء کا بھی کہ تصوف سے قرآن و حدیث خالی ہیں۔ مگر دونوں غلط سمجھے، خشک علماء تو یہ کہتے ہیں کہ تصوف کوئی چیز نہیں۔ یہ سب داہمیاء ہے۔ بس نماز روزہ سترآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اسی کو کرنا چاہئے۔ یہ صوفیوں نے کہاں کا جھگڑا نکالا ہے تو گویا ان کے نزدیک قرآن و حدیث تصوف سے خالی ہیں اور غالی صوفیوں کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث میں تو ظاہری احکام ہیں، تصوف علم باطن ہے۔ ان کے نزدیک نعوذ باللہ قرآن و حدیث ہی کی ضرورت نہیں، غرض دونوں فرتے قرآن و حدیث کو تصوف سے خالی سمجھتے ہیں، پھر اپنے اپنے خیال کے مطابق ایک نے تصوف کو چھوڑ دیا، اور ایک نے قرآن و حدیث کو۔

اے صاحبو! کیا غضب کرتے ہو، خدا سے ڈرو۔ اس کے متعلق میں نے اس مضمون پر دو مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ ایک تو حقیقت الطریقیت جس میں مسائل تصوف کی حقیقت احادیث سے ثابت کی گئی ہے۔ ایک رسالہ مستقل (مسائل السک) جس میں صاف طور پر ظاہر کیا گیا ہے کہ تصوف کے مسائل قرآن مجید سے ثابت ہیں۔ ان دونوں کتابوں سے معلوم ہوگا کہ قرآن و حدیث تصوف سے لبریز ہیں اور واقعی وہ تصوف نہیں جو قرآن و حدیث میں نہ ہو۔ غرض جتنے صحیح اور مقصود مسائل تصوف کے ہیں وہ سب قرآن و حدیث میں موجود ہیں۔ (ادعظ طریق القلندر ص ۲۲) میں نے تو سترآن و حدیث سے تصوف کے تقریباً دو ہزار مسئلے صاف صاف دلالت سے ثابت کر دیئے ہیں اور اگر غور کرتا تو اتنے ہی اور ثابت کر سکتا تھا۔ (اشرف السوانح)

تصوف و سلوک کی وضاحت

ایک طالبِ طریق کے دریافت کرنے پر حسب ذیل مضمون ارتقا فرمایا :-
 مخدومی مکرمی دام مجتہم اسلام علیکم درحمتہ اللہ الطاف نامہ نے دو حیثیت سے
 سرور کیا۔ اولاً یاد آوری سے ثانیاً طلب مقصود حقیقی سے۔ اول پر شکر یہ ادا کرتا ہوں
 ثانی پر دعا وصولی کی کرتا ہوں۔ میں اس وقت تمام تکلفات و لواضع رسمی سے قطع نظر
 کر کے محض خلوص و خیر خواہی سے اس طریق کے متعلق چند ضروری امور کہ مثل اصول
 موضوعہ کے ہیں عرض کرتا ہوں۔ اگر تحقیقاً بالکلید ان کا اعتقاد اور اس پر عمل لکھا
 جائے۔ تو ہمیشہ کی پریشانی اور غلط فہمی اور کج روی سے بچ جائے و باللہ التوفیق۔

اول

ہر مطلوب میں کچھ مبادی ہوتے ہیں۔ کچھ مقاصد کچھ زوائد و تالیفات اصل مقاصد
 ہوتے ہیں اور مبادی اس سے مقدم مگر مقصود بالعرض اور زوائد اس سے موخر،
 مگر غیب مقصود ہوتے ہیں۔ اس طرح اس طریق میں بعض مبادی ہیں اور وہ چند
 علوم و مسائل میں جو موقوف علیہ ہیں بصیرت فی المقصود کے اور بعض مقاصد ہیں کہ
 وہی مقصود بالتحصیل ہیں اور ان ہی پر مدار ہے کامیابی و ناکامی کا، اور بعض
 زوائد ہیں کہ ان کا وجود نہ معیار کامیابی ہے اور نہ فقدان معیار ناکامی۔

ثانی

منجملہ مبادی کے امر اول مذکور بالا ہے جو غالباً اعظم المبادی و جامع المبادی
 ہے اور دوسرے مبادی پر اثنائے سلوک میں وقتاً فوقتاً تشبیہ و اطلاع کی
 جاتی رہتی ہے اور مقاصد اعمال خاصہ ہیں، جو کہ افعال اختیار یہ ہیں، جن میں
 ایک حصہ اعمال صالحہ متعلق بچوارح ہیں۔ جن کو سب جانتے ہیں۔ نماز و روزہ

خلاصہ سُلوک

(۱) نہ اس میں کشف و کرامت ضروری ہے (۲) نہ قیامت میں بخشوانے کی ذمہ داری ہے (۳) نہ دنیا کی کار بر آری کا وعدہ ہے کہ تعویذ گنڈوں سے کام بن جاویں یا مقدمات و حل سے نفع ہو جایا کریں یا روزگار میں ترقی ہو یا جھاڑ پھونک سے بیماری جاتی رہے یا ہونے والی بات بتلا دی جایا کرے۔ (۴) نہ تصرفات لازم ہیں کہ پیر کی توجہ سے مرید کی از خود اصلاح ہو جائے، اس کو گناہ کا خیال ہی نہ آوے، خود بخود عبادت کے کام ہوتے رہیں، مرید کو نہ زیادہ ارادہ بھی نہ کرنا پڑے یا علم دین و سترآن میں ذہن و حافظہ بڑھ جائے (۵) نہ ایسی باطنی کیفیات پیدا ہونے کی کوئی میعاد ہے کہ ہر وقت یا عبادت کے وقت لذت سے سرشار رہے۔ عبادت میں خطرات ہی نہ آویں، خوب رونما آوے، ایسی محویت ہو جاوے کہ اپنی پرانی خبر نہ رہے (۶) نہ ذکر و شغل میں انوار وغیرہ کا نظر آنا یا کسی آواز کا سنائی دینا ضروری ہے (۷) نہ عمدہ عمدہ خوابوں کا نظر آنا یا اہامات کا صحیح ہونا لازمی ہے بلکہ اصل مقصود حق تعالیٰ کا راضی کرنا ہے جس کا ذریعہ — شریعت کے حکموں پر پورے طور سے چلنا ان حکموں میں بعضے متعلق ظاہر کے ہیں جیسے نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ وغیرہ، اور جیسے نکاح و طلاق، ادائے حقوق زوجین و قسم و کفارہ قسم وغیرہ۔ اور جیسے لین دین و پیروی مقدمات و شہادت و وصیت و تقسیم ترکہ وغیرہ اور جیسے سلام و کلام و طعام و منام و قعود و قیام و مہمانی و میزبانی وغیرہ ان مسائل کو علم فقہ کہتے ہیں اور بعضے متعلق باطن کے ہیں جیسے خدا سے محبت رکھنا۔ خدا سے ڈرنا۔ خدا کو یاد رکھنا۔ دنیا سے محبت کم ہونا۔ خدا کی مشیت پر راضی رہنا۔ حرص نہ کرنا۔ عبادت میں دل کا حاضر

رکھنا دین کے کاموں کو اخلاص سے کرنا کسی کو حقیر نہ سمجھنا، خود پسندی نہ ہونا، غصہ کو ضبط کرنا وغیرہ۔ ان اخلاق کو سلوک کہتے ہیں۔ اور مثل احکام ظاہری کے ان احکام باطنی پر عمل کرنا بھی فرض و واجب ہے۔ نیز ان باطنی خرابیوں سے اکثر ظاہری اعمال میں بھی خرابی آجاتی ہے۔ جیسے قلتِ محبت حق سے نماز میں سستی ہوگئی یا جلدی جلدی بلا تعدیل ارکان پڑھ لی یا بخل سے زکوٰۃ اور حج کی ہمت نہ ہوئی یا کبر و غلبہ و غضب سے کسی پر ظلم ہو گیا۔ حقوق تلف ہو گئے۔ مثل ذالک۔ اور اگر ان ظاہری اعمال میں احتیاط کی بھی جاوے تب بھی جب تک نفس کی اصلاح نہیں ہوتی وہ احتیاط چند روز سے زیادہ نہیں چلتی۔ پس نفس کی اصلاح ان دو سبب سے ضروری تھی۔ لیکن یہ باطنی خرابیاں ذرا سمجھ میں کم آتی ہیں، اور جو سمجھ میں آتی ہیں۔ ان کی درستی کا طریقہ کم معلوم ہوتا ہے اور جو معلوم ہوتا ہے نفس کی کشاکشی سے اس پر عمل مشکل ہوتا ہے ان ضرورتوں سے پیر کامل کو تجویز کیا جاتا ہے کہ وہ ان باتوں کو سمجھ کر آگاہ کرے۔ اور ان کا علاج و تدبیر بھی بتلاتا ہے اور نفس کے اندر رورستی کی استعداد اور ان معانیات میں سہولت اور آسانی، اور قوت پیدا ہونے کے لئے کچھ اذکار و اشغال کی بھی تعلیم کرتا ہے اور خود ذکر اپنی ذات میں بھی عبادت ہے پس سالک کو دو کام کرنے پڑتے ہیں، ایک ضروری کہ احکام شرعیہ ظاہری و باطنی کی پابندی ہے، دوسرا مستحب کہ کثرت ذکر ہے۔ اس پابندی احکام سے خدا تعالیٰ کی رضا اور قرب اور کثرت ذکر سے زیادتِ رضا و قرب حاصل ہوتا ہے، یہ ہے خلاصہ سلوک کے طریق اور مقصود کا۔ (التکشف ص ۷)

مکتوب ملقب بہ روح الطریق

سوال :- ایک ذی علم طالب نے بہت حسرت کے ساتھ لکھا کہ شاید خدا حضور صلا

میں ایک نہیں ہی ایسا ہوں گا جس کو وصول تو درکنار وصل کی حقیقت

تک کا پتہ نہیں۔ الخ

جواب: تحریر نہ پایا، مقصود تو بھلا اللہ معلوم ہے یعنی رضائے حق اب دو چیزیں رہ گئیں
طریق کا علم اور اس پر عمل۔ سو طریق صرف ایک ہے یعنی احکام ظاہرہ و باطنہ
کی پابندی، اور اس طریق کی معین دو چیزیں ہیں۔ ایک ذکر جس قدر دوام
ہو سکے۔ دوسرے صحبت اہل اللہ جس قدر زیادہ میسر ہو۔ (اشرف السوانح)

مکتوب ملقب بہ فتوح الطریق

سوال: ایک طالب نے لکھا کہ بزرگوں سے حاصل کرنے کی کیا چیز ہے اور اس کا کیا
طریقہ ہے؟

جواب: تحریر نہ پایا کہ کچھ اعمال مامور بہا ہیں۔ ظاہرہ بھی باطنہ بھی۔ کچھ اعمال منہی عنہا
ہیں۔ ظاہرہ بھی باطنہ بھی۔ ہر دو قسم میں کچھ علمی و عملی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ مشائخ
طریق طالب کے حالات سن کر ان عوارض کو سمجھ کر ان کا علاج بتلا دیتے ہیں۔
عمل کرنا طالب کا کام ہے، اور اعانت طریق کے لئے کچھ ذکر بھی تجویز کرتے
ہیں۔ اس تقریر سے مقصود اور طریق دونوں معلوم ہو گئے۔

دوسرے صحبت اہل اللہ کی جس کثرت سے مقدر ہو۔

اور اگر کثرت کے لئے فراغ نہ ہو تو بزرگوں کے حالات اور مقالات کا

مطالعہ اس کا بدل ہے۔

اور دو چیزیں طریق یا مقصود کی مانع ہیں۔ معاصی اور فضول میں مشغولی
اور ایک امر ان سب کے نافع ہونے کی شرط ہے، یعنی شیخ کو اطلاع
حالات کا التزام۔

اب اس کے بعد اپنی استعداد ہے۔ حسب اختلاف استعداد مقصود میں

دیر سویر ہوتی ہے۔ میں اس میں سب کچھ لکھ چکا۔ (اشرف السوانح)

سلوکِ سنون

ملفوظ :- فرمایا کہ جس امر کو رضائے الہی میں دخل ہو، اور جس کا انحصار واجب و مستحب مامورات میں ہو ان پر عمل رکھے اگر نوت ہو جائے قضا کر لے اسے بڑھ کر دین کی کیا آسانی ہوگی۔ قال اللہ تعالیٰ ما جعل علیکم فی الدین من حرج (دین میں کوئی تنگی و دشواری اللہ نے نہیں رکھی ہے) اس طرح جس امر میں حق تبارک کی ناراضی کو دخل ہو جس کا انحصار منہیات میں ہے ان سے اجتناب رکھے اگر صدقہ ہو جائے استغفار کر لے، نہ اپنے کو خواص میں سمجھے کہ عام آدمیوں کے احوال سے گھراوے نہ ثمرات کا عاجلہ میں اور نہ مراتب علیا کا آجلہ میں طالب رہے بس اس کی دعا کرتا رہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں اعمال کی توفیق اور آخرت میں جنت عطا فرمائیں اور دوزخ سے نجات بخشیں بس ہو گیا سلوکِ سنون۔ (اشرف السوانح)

حاصلِ تصوف

وہ ذرا سی بات جو حاصل ہے تصوف کا یہ ہے کہ جس طاعت میں سستی محسوس ہو سستی کا مقابلہ کر کے اس طاعت کو کرے، اور جس گناہ کا تقاضا ہو تقاضا کا مقابلہ کر کے اس گناہ سے بچے۔ جس کو یہ بات حاصل ہو گئی۔ اس کو پھر کچھ بھی ضرورت نہیں کیونکہ یہی بات تعلق مع اللہ پیدا کرنے والی ہے اور یہی اس کی محافظ ہے، اور یہی اس کو بڑھانے والی ہے۔ (دعوتِ تقویٰ)

مقاصد طریقت کے حصول کا دستور العمل

اَقْبَاعِدْ - تصوف و طریقت جو درحقیقت شریعت ہی پر مکمل عمل کرنے کا دوسرا نام ہے اس میں ایک زمانہ دراز سے کچھ ایسا اختلاط و التباس پیش آ رہا تھا کہ بہت سے نادانف لوگ کچھ بندگوں کی رسوم و عادات کو ادر بہت سے ان کی غیر اختیاری کیفیات اور وحشی حالات ہی کو تصوف سمجھ بیٹھے تھے، مقصود و غیر مقصود میں امتیاز نہ رہنے سے بعض لوگ خلاف شرع امور کے ارتکاب اور غیر شرعی عادات و اخلاق کے باوجود کچھ حالات اور اچھے خواب دیکھ کر نفس کی اصلاح و اعمال کے اہتمام سے بے فکر ہونے لگے۔ ان خرابیوں کی اصلاح کے لئے اس مختصر رسالہ میں طریقت و تصوف کی حقیقت اور اس کے اصل مقصود اور حصول مقصود کے طریقوں کے متعلق چند اہم اور ضروری مضامین بعنوان ہدایات لکھے جاتے ہیں۔

ہدایت اول۔ سلوک جس کو عرف میں تصوف کہتے ہیں، اس کی حقیقت ہے تعمیر الظاہ و الباطن، یعنی اپنے ظاہر و باطن کو آراستہ و معمور کرنا۔ ظاہر کو اعمال و عبادتِ ضروریہ سے اور باطن کو عبادتِ حقیقیہ، اخلاقِ باطنہ مثل اخلاص و شکر و صبر و زہد اور تواضع وغیرہ سے۔ اس کا ایک مرتبہ تو یہ ہے، اور دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ مرتبہ اولیٰ کے ساتھ ظاہر کو طاعاتِ غیر ضروریہ میں اور باطن کو دوامِ ذکر میں بھی مشغول کرنا۔ مرتبہ اولیٰ کی تحصیل ہر مسلمان پر فرض عین ہے اور اس کے لئے دو چیزوں کی حاجت ہوگی اس کا اہتمام بھی ضروری ہوگا۔ ایک بقدر ضرورت علمِ دین حاصل کرنا، خواہ پڑھ کر خواہ علماء سے پوچھ پوچھ کر، اور پڑھا بھی خواہ عربی میں ہو یا فارسی میں خواہ اردو میں اھترنے ایک رسالہ بہشتی زیور شائع کرایا ہے۔ وہ اور رسالہ صفائی معاملات، اور تیسرا باب مفتاح ابھنتہ کا یہ ضروریاتِ روزمرہ کے لئے کافی ہیں۔ دوسرے

علم پر عمل کرنے کی ہمت تو یہ رکھنا کہ تقاضائے نفس یا ملامت خلق سبک راہ نہ ہو، یہ تو مرتبہ اولیٰ کا بیان ہوا اور دوسرا مرتبہ ہندوب ہے اور اکثر عرف میں آج کل ایسی کو تصوف اور درویشی کہتے ہیں۔ لیکن اگر دوسرے مرتبہ میں مشغول ہونے سے کوئی فرد کی طاعت مرتبہ اولیٰ کی فوت یا خلل پذیر ہو جاوے تو پھر اس میں مشغول ہونا ممنوع و غیر مشروع ہو جاوے گا۔ جیسا بعض نادان کرتے ہیں کہ بیوی بچوں کو بھوکا نہ لگا چھوڑ کر درویشی کا دم بھرتے ہیں۔

ہدایت دوم۔ صحیح ترتیب سلوک مرتبہ دوم کی یہ ہے کہ اول گناہوں سے توبہ خالصہ کرے اور اگر کچھ عبادت واجبہ نماز وغیرہ اس کی فوت ہوئی ہوں تو ان کو تضاپڑنا شروع کر دے اور اگر اس کے ذمہ کچھ حقوق العباد ہوں تو ان کے ادا کرنے کے بندوبست میں لگ جاوے یا اہل حقوق سے معاف کرائے، کیونکہ بدون اس کے کہ ان سے سبکدوشی حاصل کرنے کی کوشش کرے، اگر عمر بھر بھی ریاضت و مجاہدہ کرے گا، ہرگز مقصود حقیقی تک رسائی نصیب نہ ہوگی اور توبہ کے ساتھ آئندہ کے لئے بھی توی عزم رکھتے کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں گو نفس کو کتنی ہی ناگواری ہو اور گو مال کا یا جان کا کتنا ہی بڑا ضرر ہو، اور گو کوئی نفسانی دنیوی مصلحت کیسی ہی فوت ہوتی ہو، اور گو خلق کتنی ہی ملامت کرے برداشت کرینگے۔ اور اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو ہاتھ سے نہ دیں گے۔ اگر اتنی ہمت نہیں ہے تو وہ طالب حق نہیں ہے کیونکہ طالب کی توبہ شان ہوتی ہے

قطعہ

بے زرد گنج بصد حشمت قاروں باشی
لے دل آں بہ کہ خراب ازئے ٹلگول باشی
شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی
اورہ منزل یسلی کہ خطر ہاست بجاں
جب توبہ و عزم دونوں ٹھیک ہو گئے تو علم دین بقدر ضرورت حاصل کرے

جیسا کہ ہدایت اول میں اس کا طریقہ بیان کیا گیا۔ پھر شیخ کامل کی تلاش میں لگے جس کی پہچان آگے آتی ہے۔

ہدایت سوم: شیخ کامل وہ ہے جس میں یہ علامات ہوں (۱) بقدر ضرورت علم دین رکھتا ہو (۲) عقائد و اعمال و اخلاق میں شرع کا پابند ہو (۳) دنیا کی حرص نہ رکھتا ہو۔ کمال کا دعویٰ نہ کرتا ہو کہ یہ بھی شعبہ دنیا ہے (۴) کسی شیخ کامل کی صحبت میں چند دن رہا ہو (۵) اس زمانے کے منصف علماء و مشائخ اس کو اچھا سمجھتے ہوں (۶) نسبت عوام کے خواص یعنی فہیم، دیندار لوگ اس کی طرف زیادہ مائل ہوں (۷) اس سے جو لوگ بیعت ہیں ان میں اکثر کی حالت باعث بار اتباع شرع و قلت حرص دنیا کے اچھی ہو (۸) وہ شیخ تعلیم و تلقین میں اپنے مریدوں کے حال پر شفقت رکھتا ہو اور ان کی کوئی بری بات سُننے یا دیکھنے تو ان کو ردک ٹوک کرتا ہو۔ یہ نہ ہو کہ ہر ایک کو اس کی مرضی پر چھوڑ دے (۹) اس کی صحبت میں چند بار بیٹھنے سے دنیا کی محبت میں کمی اور حق تعالیٰ کی محبت میں ترقی محسوس ہوتی ہو (۱۰) خود بھی وہ ذکر شاغل ہو کہ بدون عمل یا عزم عمل تعلیم میں برکت نہیں ہوتی جس شخص میں یہ علامات ہوں پھر یہ نہ دیکھے کہ اس سے کوئی کرامت بھی صادر ہوتی ہے یا نہیں، یا اس کو کشف بھی ہوتا ہے یا نہیں یا یہ جو دعا کرتا ہے وہ قبول ہو جاتی ہے یا نہیں، یا یہ صاحب تصرفات ہے یا نہیں، کیونکہ یہ امور لوازم مشیخت یا ولایت میں نہیں ہیں اسی طرح یہ نہ دیکھے کہ اس کی توجہ سے لوگ مرغِ بسمل کی طرح تڑپنے لگتے ہیں یا نہیں کیونکہ یہ بھی لوازم بزرگی سے نہیں، اصل میں یہ ایک نفسانی تصرف ہے، جو مشق سے بڑھ جاتا ہے غیر مستقیم بلکہ غیر مسلم بھی کر سکتا ہے اور اس سے چنداں نفع بھی نہیں کیونکہ اس کے اثر کو بقا نہیں ہوتی صرف مرید غیبی کے لئے جو ذکر سے اصلاً متاثر نہ ہوتا ہو، چند روز تک شیخ کے اس عمل کرنے سے اس میں ایک گونہ تاثر و انفعال قبول آثار ذکر کا پیدا ہونا جاتا ہے یہ نہیں کہ

خواہ مخواہ لوٹ پوٹ ہی ہو جاوے۔

ہدایت سے چہارم جب شیخ کامل میسر ہو جاوے اور اس سے بیعت کا ارادہ کرے تو اول یہ سمجھ لے کہ بیعت سے غرض کیا ہے کیونکہ اس میں مختلف غرضیں سکتی ہیں بعض تو صاحب کشف و کرامت بننا چاہتے ہیں، سو ہدایت سوم میں ابھی گزر چکا ہے کہ کشف و کرامات خود شیخ میں ہونا ضرور نہیں تو بے چارہ مرید تو اس کی کیا ہوس کرے بعض یہ سمجھتے ہیں کہ سلسلہ میں داخل ہونے سے پیر بخشش کے ذمہ دار ہو جائیں گے، قیامت میں دوزخ سے نجات دیں گے، خواہ کیسے ہی عمل کرتے رہو یہ ہمیں غلط ہے خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا ہے فاطمہ انقذی نفسک من الناس بعضیے یہ جانتے ہیں کہ پیر صاحب ایک نظر میں کامل کر دیں گے، ہم کو نہ محنت پڑے گی نہ معاصی کے ترک کا قصد کرنا پڑے گا۔ اگر اس طریق سے کام بن جاتا تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کچھ بھی نہ کرنا پڑتا۔ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون کامل النظر ہوگا، کہیں بطور خرق عادت ایسا بھی ہو گیا ہے۔ لیکن خوارق میں دوام اور لزوم نہیں ہوتا۔ اس بھروسے پر رہنا بڑی غلطی کی بات ہے۔ بعضیے یہ چاہتے ہیں کہ خوب جوش و خروش و شور و دستی پیدا ہو، خوب نعرے لگایا کریں۔ گناہ آپ سے آپ چھوٹ جاویں۔ نیک کاموں میں ارادہ ہی نہ کرنا پڑے آپ سے آپ ہو جایا کریں و سادس خطرات سب فنا ہو جاویں۔ بس ایک عالم محویت کا رہا کرے یہ خیال پہلے سب خیالوں سے پاکیزہ سمجھا جاتا ہے، لیکن منشا اس کا بھی تاواقیفی ہے۔ یہ امور منجملہ کیفیات و احوال کے ہیں جو اختیار سے خارج ہیں اور محمود ہیں مگر مقصود نہیں، غور کرنے سے معلوم ہوا کہ ایسی خواہشوں میں نفس کا ایک کید خفی ہوتا ہے، وہ یہ کہ نفس طالب ہے راحت اور لذت اور شہرت کا

ان کیفیات میں یہ سب امور حاصل ہیں۔ طالبِ رضا کو جس کا مقصود ہونا
عنقریب آتا ہے ان خواہشوں سے کیا علاقہ، وہ توبہ زبانِ حال یہ کہتا ہے ۵

فراق و وصل چہ باشد رضائے دست طلب

کہ حیف باشد از وغیر او تمنائے

دیگر:۔ روز ہا گر رفت گو رو پاک نیت

تو ہاں اے آنکہ چوں تو پاک نیت نیت

دیگر:۔ پس زبون و سوسہ باشی دلا

گر طرب را بار دانی از بلا

پھر یہ کہ ایسا شخص دو قسم کی خرابیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے کیونکہ کیفیات یا
حاصل ہوں گی یا نہ ہوں گی۔ اگر حاصل ہوں گی، تب تو بوجہ اس کے کہ شخص
اس کو غایت اور ثمرہ سمجھتا تھا اپنے کو صاحبِ کمال سمجھنے لگتا ہے اور انہیں
کیفیات پر قناعت کر کے تقویٰ و طاعات سے بے فکر اور مستغنی ہو جاتا،
یا کم از کم طاعات کو حقیر ضرور سمجھنے لگتا ہے، اور اگر حاصل نہ ہو تو غم میں مرتے
گھلنے لگتا ہے اور جو شخص غیر اختیاری امور کا طالب ہوگا ہمیشہ مبتلائے غم اور
پریشان رہے گا۔ بعضے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ صاحب کے عملیات بڑے مجرب ہیں،
ضرورت کے وقت ان سے تعویذ گنتی لے لیا کریں گے یا پیر صاحب بڑے
مقبول الدعوات ہیں مقدمات وغیرہ میں ان سے دعا کر لیا کریں گے، اور
سب کام اپنی مرضی کے موافق ہو جائیں گے۔ گویا ساری خدائی پیر
صاحب کے قبضہ میں ہے یا ہم خود ان سے ایسی چیزیں لیں گے کہ ہم بھی
بارکت ہو جاویں گے کہ ہمارے دم کر دینے سے ہاتھ پھر دینے سے مریض
اچھے ہو جاویں گے، بلکہ ایسے لوگ، تا متر بزرگی کا خلاصہ ان ہی عملیات

کو اور ان کے آثار کو سمجھتے ہیں چونکہ اس کو بزرگی سے کوئی تعلق نہیں اور یہ نیت محض دنیا کی طلب ہے اس لئے بالکل فاسد و فاسد ہے، بعضے یہ سمجھتے ہیں کہ ذکر و شغل کرنے سے یہ فائدہ ہے کہ کچھ انوار نظر آیا کریں گے یا کچھ آوازیں سنائی دیں گی یہ بھی محض ہوس اور ناہمی ہے کیونکہ اول تو ذکر و شغل پر ان آثار کا مرتب ہونا ضروری نہیں اور نہ ذکر و شغل سے یہ مقصود ہے دوسرے یہ انوار و آوازیں اور اصوات بعض اوقات اس کے دماغ کا تصرف ہوتا ہے۔ عالم غیب کی اشیاء میں سے نہیں ہوتیں تیسرے اگر بالفرض اس عالم کی چیزیں منکشف ہو گئیں تو اس کو کیا فائدہ کسی عالم کے منکشف ہونے سے قرب نہیں رہ جاتا۔ قرب کے لئے تو طاعات موضوع ہیں بعض اوقات شیاطین کو ملائکہ نظر آجاتے ہیں مگر وہ شیطان کے شیطان ہی رہتے ہیں۔ پھر مرنے کے بعد ظاہر ہے کہ سب کفار کو اس عالم کے بہت سے حقائق کا انکشاف ہو جائے گا۔ جو جو امر کفار میں بھی مشترک ہو اس میں کیا کمال ہو چونکہ امور مذکورہ میں سے صحیح غرض کوئی نہیں اس لئے ان سب کو دل سے نکال کر اصلی غرض اور مقصود سلوک کا رضائے حق کو سمجھے جس کا طریق احکام شرعیہ کا بجالانا اور ذکر پر مداومت کرنا ہے۔ شیخ اسی کی تعلیم و تلقین کرتا ہے اور مرید اس پر لا بند ہوتا ہے۔ اگرچہ کوئی کیفیت معلوم نہ ہو اور نہ کوئی کمال اس کے زعم میں حاصل ہوتا بھی آخرت میں اس کا ثمرہ کہ رضا ہے ظاہر ہو گا اور رضائے دخول جنت لعلائے حق اور روزخ سے نجات میسر ہوگی اور شیخ کی طرف سے اس کی تلقین کا وعدہ اور مرید کی طرف سے اس کے اتباع کا عہد یہی حقیقت ہے۔ بیری مریدی کی ادگو یہ تعلیم و عمل بدون بیعت متعارفہ بھی ممکن ہے لیکن خاص طور پر بیعت کرنے میں طبعاً یہ خاصہ ہے کہ شیخ کو توجہ زیادہ ہو جاتی ہے اور مرید کو پاس فرمانبرداری زیادہ ہو جاتا ہے اور یہی حکمت ہے شیخ کی تعیین اور وحدت میں بھی کہ اس سے جانبین کو خصوصیت بڑھ جاتی ہے اور بانہا تو میں ہاتھ لینا یا کوئی کپڑا وغیرہ عورت کو بکڑا دینا جبکہ وہ پاس ہو یہ محض ایک عادت صالحہ مستحسنہ ہے۔ اس معاہدے کے تاہم کے لئے اور

معاہدہ کا جزو نہیں۔ اسی وجہ سے غائب کے لئے اس کی رسم نہیں اور استحسان اس
 کا سنت میں بھی وارد ہے چنانچہ مردوں کے لئے ہاتھ میں ہاتھ پکڑنا منقول ہے اور
 کپڑا وغیرہ ہاتھ میں دینا یہ ہاتھ پکڑنے کے قائم مقام ہے۔
 ہدایت سے بیخارج :- جب سلوک کا طریق کہ بجا آوری احکام ہے اور اس کا ثمرہ کہ
 حصولِ رضائے حق ہے معلوم ہو گیا، تو اس سے یہ بھی سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ یہ طریق مخالف
 شریعت کے نہیں، بعض جہتِ اَل کا یہ کہنا کہ شریعت اور ہے اور طریقت اور ہے یا اس معنی
 کہ ایک دوسرے کے مخالف ہے باطلِ محضہ و ضلالتِ خالصہ ہے اور اگر کسی مُستند
 عبارت سے اس کا ایہام و شبہ ہوتا ہو تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ تغائر یعنی اور ہونے
 کے دو معنی ہیں، ایک تعدد اور دوسرے مخالف و تنافی مثلاً اسلام اور کفر میں تغائر
 یعنی تنافی ہے یعنی ایک چیز کو قانونِ اسلام حرام بتلاتا ہے تو قانونِ کفر اس کو حلال
 کہتا ہے اور بالعکس بھی بخلاف احکامِ متعددہ اسلامیہ کے جو باہم دگر باین معنی
 تغائر نہیں لیکن متعددہ میں مثلاً کتاب الصلوٰۃ کے مسائل اور کتاب الزکوٰۃ کے
 اور ہیں لیکن یہ نہیں کہ ایک چیز کو کتاب الصلوٰۃ میں ناجائز لکھا ہو اور کتاب الزکوٰۃ میں جائز
 لکھا ہو یا اس کے برعکس ہو۔ پس شریعت اور طریقت میں تغائر یعنی تنافی کا دعویٰ عقداً تو محال و بددینی
 جیسے بعض جہلا سمجھتے ہیں کہ فلاں بات گو شریعت میں ناجائز ہے مگر فقہی میں جائز ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔
 البتہ تعدد کا قائل ہونا اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب شریعت کو افعال جو ارح
 کے ساتھ خاص کر لیا جاوے اور طریقت کو اعمالِ قلبیہ کے ساتھ مخصوص کیا جاوے
 تو ایک اصطلاح ہوئی اور اصطلاح میں کچھ مناقشہ نہیں اس وقت کنز و ہدایہ وغیرہ
 کتب فقہیہ کو مسائلِ شریعت اور احیاء العلوم و عوارف وغیرہ کتب اخلاق کو مسائلِ
 طریقت کہنا صحیح ہو گا اور ان میں باہم وہی نسبت ہوگی جو کتاب الصلوٰۃ اور کتاب الزکوٰۃ
 میں ہے۔ سو اس طور سے تعدد کا کسی کو انکار نہیں اور اگر شریعت کو سب احکام کے لئے

جامع کہا جائے جیسا کہ فقہ کی تعریف میں معرفۃ النفس مالہا وما علیہا
 کہا گیا ہے اور طریقت کو مرادف تصوف کہا جائے جس کا عام ہونا تمام احکام ظاہر
 و باطن کے لئے ہدایت اول میں گذر چکا ہے تو تعدد کے قائل ہونے کی بھی گنجائش
 نہیں محض تفاوتِ عنوان کا ہو گا۔ اور جس شخص نے کہا ہے ۶
 درکنز و پدایہ تو ال یافت خدارا

وہ منی ہے اصطلاح اول پر یعنی احکام خدارا کہ متعلق بہ اصلاح باطن ہستند۔
 ہدایت ششم :- جب حسب ہدایت چہارم و پنجم غرض اور نیت درست ہو گئی
 تو اب بعد بیعت کے اگر وقت اور مہلت میسر ہو تو چند سے شیخ کی خدمت میں رہے اور
 اگر اس کی نوبت نہ آوے تو غائبانہ ہی اس کی تعلیم پر بذریعہ مکاتبت کاربند ہو بلکہ اگر
 بیعت کے لئے بھی حاضر نہ ہو سکے تو غائبانہ بذریعہ خط یا کسی معتبر آدمی کے بیعت ہو جاتی
 ہے طرز تعلیم ہر شخص کا جدا ہے اس کی تفصیل اس جگہ لکھنا ضرور نہیں (بحوالہ تصد السبیل)

مزید ہدایات

آج کل اکثر درویشوں میں بعض رسوم متعارف ہیں۔ ان میں بعض تو محض خلاف
 شرع ہیں جیسے قبروں کا طواف اور اس کو بوسہ دینا اور اس پر غلاف ڈالنا یا
 ان کی نذر ماننا یا ان سے خود کچھ مانگنا اور بعض باتیں مفسدہ سے مل کر شریعت
 کے خلاف ہو گئی ہیں جیسے عرس کرنا۔ سماع کرنا یا اسل۔ پنج آیت یا مجلس مولد
 کہ عوام ان امور کے منع یا ترک کو درویشی کے خلاف سمجھتے ہیں۔ ان امور کے
 مفاسد کی تحقیق اور بحت مفصل احقر نے کتاب اصلاح الرسوم و حق السماع و
 تعلیم الدین کے حصہ پنجم و حفظ الایمان میں لکھ دی ہے۔

اور بعض امور ایسے ہیں کہ اگر ان کو بزرگی میں داخل کیا جائے اور سمجھے کہ ان کو

قرب الہی میں دخل ہے تو یہ بدعت قبویہ ہے اور اگر اعتقاد میں کوئی فساد نہ ہو۔
تب بھی محض دنیا ہے جیسے عملیات یا ترک حیوانات۔
اور بعضے اورنی نفسہ نیک میں اگر ان میں فساد عقیدہ نہ ہو مثلاً شجرہ پڑھنا
کہ حقیقت اس کی مقبولان الہی کے ساتھ تو سل ہے دعائیں، جو سنت سے ثابت ہے۔
لیکن اگر اس میں یہ سمجھا جائے کہ ان حضرات کے نام پڑھنے سے وہ ہمارے حال پر متوجہ
رہیں گے تو محض بے سند غلط عقیدہ ہے جو حسب آیت

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ

منوع ہے۔ اور مثلاً مطالعہ کتب تصوف کا اگر کوئی عالم منقول و منقول اور عارفین
کا صحبت یافتہ ہو اس کے لئے مضائقہ نہیں ورنہ برہم زن دین و ایمان ہے۔
— اس قسم کی کتابیں ہرگز نہ دیکھی جاتیں جیسے مشنوی مولوی رومی۔ دیوان حافظ
یا دوسرے بزرگوں کے ملفوظات و مکتوبات جن میں تحقیقات امراریان کے موحد
احوال ہیں۔ یہ سب عام لوگوں کی فہم سے خارج ہیں۔ (مقصد السبیل)

وضاحت و تجدید سلوک

سوال۔ ایک طالب نے ایک بڑے طویل اور مفصل خط میں اپنے تمام حالات باطنی
اور شلوک و اوہام لکھے تھے اس کا مفصل جواب حضرت دارحتمہ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا
جس میں تمام تصوف و سلوک کی حقیقت واضح فرمادی۔

الجواب۔ بعد حمد و صلوة جواباً عرض ہے کہ مقصود اصلی طریقی میں صرف رضا اور قرب
حق ہے اور جتنے امور کو ان میں دخل ہے وہ بقدر دخل کے مامور بہ ہیں اور درجہ دخل کا
بتلا نام صرف درجہ شارع کا ہے۔ خواہ صراحتہ بتلائیں یا دلالتہ جس کا ظہور قیاس صحیح سے
ہوتا ہے اور اسی جگہ سے کہا گیا ہے القیاس مُظہر لا مُثبت۔ اسی طرح مجتنب عنہ

اور مذموم اہلی کا درجہ سخط و بعد عن الحق ہے۔ اور جتنے امور کو اس میں دخل ہے وہ بقدر دخل کے منہی عنہ ہیں خواہ مراحتہ یا دلالتہ جیسا اور پر امور بہ میں مذکور ہوا ایک مقدمہ تو قابل استحضار کے یہ ہے اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ جتنے امور کو قرب یا بُعد میں دخل ہے وہ سب امور اختیار یہ ہیں ان میں کوئی امر غیر اختیاری نہیں اور یہی معنی ہیں لَا يَكْلِفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا کے۔ اور تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ امور اختیار یہ عام ہیں امور ظاہرہ قلوبیہ و باطنیہ قلبیہ کو اور تتبع نصوص و رجوع الی الوجدان سے یقیناً ثابت ہے کہ امور ظاہرہ اعمال جوارح ہیں، حسنہ یا قبیحہ اور امور باطنیہ و قسم کے ہیں عقائد صحیحہ یا باطلہ اور اخلاق محمودہ یا مذمومہ پس جن امور کو قرب حق میں دخل ہوگا وہ یہ ہیں اعمال حسنہ اور عقائد صحیحہ اور اخلاق محمودہ اور یہی ماور بہا بھی ہوں گے اور جن امور کو بُعد عن الحق میں دخل ہوگا وہ یہ ہیں اعمال قبیحہ اور عقائد باطلہ اور اخلاق مذمومہ اور یہی منہی عنہا ہوں گے۔ چوتھا مقدمہ جو دوسرے مقدمہ سے لازم آیا اللہ بدلیل مستقل بھی ثابت ہے کہ جو امور اختیار سے خارج ہیں ان کو نہ قرب میں دخل ہے نہ بُعد میں، اس لئے نہ وہ ماور بہ ہوں گے اور نہ منہی عنہ ہوں گے اور پانچواں مقدمہ یہ ہے کہ امور غیر اختیار یہ اقسام کثیرہ ہیں لیکن جن پر بعض کو اشتباہ موجب قرب و بعد ہونے کا ہو جاتا ہے وہ صرف چند قسم کے ہیں۔ ایک احوال محمودہ اور کمالات دہبیہ باب قرب میں اسی طرح باب بُعد میں مساویں و خطرات یا اقسام قبض یا کسی معصیت کی طرف میلان ضعیف یا قوی درجہ کا تقاضا ہونا اور ان اقسام امور غیر اختیار یہ پر قرب و بعد کے مرتب ہونے کی نفی کرنے سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ یہ بھی قرب و بعد پر مرتب نہیں ہوتے یہ ممکن ہے کہ حق تعالیٰ نے کسی کو کسی عمل یا محض فضل سے مقرب بنایا ہو پھر اس کو بعض کمالات دہبیہ کے ساتھ موصوف کر دیا ہو۔ اسی طرح ممکن ہے کہ حق تعالیٰ نے کسی کو عمل مذموم سے (نہ کہ بلا عمل) مطرد بنایا ہو پھر اس کو

بعض بلیات غیر اختیار میں مبتلا کر دیا ہو۔ مگر یہ بلیات سبب بعد نہ ہوں گے کہ سبب عن بعد ہوں جن کا تدارک صرف اعمال بعدہ کے تدارک سے ہو سکتا ہے ان مقدمات کے بعد جانتا چلے ہے کہ خلاصہ آپ کی سرگزشت کا چند مضامین ہیں :-

۱۔ ادراک صحیح ہونا ۲۔ امور نافعہ سے انفعال ہونا ۳۔ حقائق اسرار کا منکشف ہونا مگر اس کو کمان سمجھنا ۴۔ اس کے بعد اچھی باتوں میں برائی اور بری باتوں میں بھلائی نظر آنے لگنا گو اس سے مغلوبیت نہیں ہوتی ۵۔ اچھی باتوں سے اثر نہ ہونا اور بری باتوں سے اثر ہونا اس طرح سے کہ ادھر انجذاب ہونے لگا آگے اس کی کچھ مثالیں ہیں ۶۔ مگر ساتھ ہی اس کو دوسرے اور خطرناک سمجھنا اور اس کے دفعہ کی کوشش کرنا اور اس کے بعد طرق دفع کی کچھ تفصیل ہے جس میں خیال کے پھرنے میں مبالغہ سے کام لینا بھی ذکر کیا ہے اور اس مبالغہ کی کچھ جزئیات لکھی ہیں ۷۔ لیکن ذرا معالجہ سے غفلت ہو جاتی تو یہ سب محنت رائیگاں ہوتی ۸۔ باطل حق نظر آتا تھا ۹۔ یہ فکر کہ ترقی کا راستہ بند ہو گیا ۱۰۔ اس کے بعد کچھ آثار اختلاج و ضعف قلب کے ذکر کئے ہیں ۱۱۔ اچھی بات کان میں پڑنے سے زیادہ نقصان ہوتا تھا ۱۲۔ بخل کا

اپنے اندر معلوم ہونا ۱۳۔ اس کا علاج انفاق سے کرنا ۱۴۔ اس علاج کا بخل کے ساتھ دوسرے امراض عارضہ کے لئے شفا اور نافع ہونا ۱۵۔ اس نفع کے شکریہ میں اور زیادہ انفاق کی نیت کرنا اور باوجود منازعت نفس کے اس پر عمل کرنا ۱۶۔ بعض واقعات جن سے مرض بخل کا زوال معلوم ہوتا ہے ۱۷۔ ازالہ حرص سے بھی صحت باطن پر استدلال ۱۸۔ عود حالات سابقہ ۱۹۔ ترقی در علم بہ علم با شکر ۲۰۔ بعض غایات اظہار سرگزشت مفصل ۲۱۔ استفسار حقیقت حال خود اور ساتھ ہی اس کا علاج خصوص حسد و عجب ۔

میں نے ان سب مضامین کو نہایت دلچسپی اور بہت تعمق سے ایک ایک حرف کر کے بلکہ اکثر مقاموں کو مکرر پڑھا میں جو کچھ اس باب میں سمجھا ہوں وہی لکھنا بھی چاہتا

۱۱۸ ہوں۔ اس کی نسبت یہ دعویٰ نہیں کر سکتا اور نہ کرتا ہوں کہ بس صحیح وہی تشخیص اور وہی تجویز ہے لیکن انتہائی خیر خواہی اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی کہ جس قدر سمجھ میں آئے اس کے پیش کرنے میں دیر نہ کرے اور جو اپنے لئے پسند کرے وہی اس کے لئے پسند کرے۔ پس جس طرح طب میں سالک مختلف ہیں اور آپ مثلاً طبیب ہیں مرض کے لئے مخصوص مرض محبوب کے لئے وہی طریقہ برتیں گے جو آپ کے نزدیک سب سے زیادہ راجح اور نافع ہو پس اسی اصل کے موافق میں بھی لکھنا چاہتا ہوں فاسمعووا وان رضیتم فاتبعوا۔ عارفین کا ارشاد ہے طرق الوصولی الی اللہ بعدد النفاس الخلاق۔ اسی نے ہر زمانے میں گو کلیات اصلیتہ تو اس طریق وصول کے نہیں بدلے مگر باوجود حفاظت کلیات ان کلیات کے بہت سے جزئیات طریقی معالجات میں حسب اختلاف مذاق و استعداد و اسباب عارضہ ہر زمانے میں اور ہر شخص کے لئے بید تبدیل ہوتی رہیں۔ پس میں نے جو طریق اپنے مرشد علیہ الرحمۃ سے سیکھا اور اس کو صد ہا مریضوں کے لئے بچشم خود نافع دیکھا جس سے اس کو مجرب بہر بہر کہنا میرے نزدیک بالکل صحیح اور یقینی ہے۔ اس کا حاصل صرف وہی ہے جو اجمالاً مقدمات خمسہ مذکورہ بالا سے آپ بفضلہ تعالیٰ سمجھ گئے ہوں گے مگر تینما و تینما و تسبیلاً تکمیلاً للفائدہ کسی قدر تفصیل سے بھی گو مختصر ہی ہو عرض کئے دیتا ہوں جو جو مضائق و مضاعف و عقبات و بیلیات آپ نے لکھے ہیں یہ تو سو حصوں میں سے ایک حصہ بھی نہیں جو بعض سالکین کو پیش آتے ہیں (اس وقت مجھ کو بعض کے احوال یاد آگئے اور سر سے پافل تک اس نے مجھ کو ہلا دیا کہ مشکل سے اپنے کو سنبھال کر لکھنے کو موقوف نہیں کیا) مگر وہ ان سب پریشانیوں کو محبوب کی نعمت سمجھ کر بہ زبان حال پڑھتے ہیں :-

خوشادقت شوریدگانِ غمش اگر ریش بیند و گر مرہمش
 دمام شراب الم درکشند اگر تلخ بیند دم درکشند

اور صبر کر کے بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر کر کے اپنے کام میں لگے رہتے ہیں اور اپنے کام کو خدائے تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں اور کچھ تدبیر نہیں کرتے اور یہی بے تدبیری ہزاروں تدبیر سے بڑھ کر کام دیتی ہے اور انجام کار اس تفویض کی برکت سے وہ نصیب ہوتا ہے کہ مَا لَآ عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ اے مہمن لا یفعل کذا الذی مگر یہ جواب خاص اہل حال کے مذاق کا ہے اہل استدلال کو اس کے بعد بھی انتظار تحقیق کا رہے گا اس لئے اس کی شرح اصول علمیہ سے بھی کرتا ہوں، گو اس کا مزج بھی اخیر میں ذوق و وجدان فطری ہی ہے اور ہر استدلال کا اخیر فطرت ہی ہوتی ہے جیسا کہ معلوم ہے وہ شرح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فطرۃ ہر بشر میں کم و بیش دو چیزیں ایسی پیدا کی ہیں کہ عمر بھر بھی زائل نہیں ہوتیں۔ ایک خیالِ علوم کے متعلق دوسرے میلانِ نفسِ اعمال کے متعلق، نہ ان کا حدوث اختیاری ہے نہ ان کا بقا۔ اور اس لئے ان کا انسداد یا ازالہ بھی اختیاری نہیں۔ حتیٰ وَرَدَنِي الْحَدِيثَ قَصَهُ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنَّ الَّذِي مَعَهَا مِثْلُ الَّذِي مَعَهَا وَحَتَّىٰ كَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَسْمُرَانِ يَتَرَدَّىٰ مِنَ الْجَبَلِ فِي زَمَانِ فَتْرَةِ الْوَحْيِ۔ الْحَدِيثُ تنازع ہے کہ عوام کو بعض خیالات و وسوسوں کے ہجوم کی اور میلانِ داعیہ معاصی کے غلبہ اور تقاضے کی نوبت آجاتی ہے، خواہ عمل کرے یا نہ کرے اور خواص کو جو کہ مجاہدہ کر چکے ہوں یا مجاہدہ کے قائم مقام کوئی حال استعراق وغیرہ ان پر غالب کر دیا گیا ہو یا قومی طبعیہ ان کے ضعیف کر دیئے گئے ہوں۔ ان کو ہجوم اور تقاضے کی نوبت نہیں آتی یا شاید و نادر آتی ہے مگر گذرتا ہوا یا تھوڑی دیر ٹھہرتا ہوا خطرہ اور خفیف اور ضعیف سا میلانِ معصیت کا پیدا ہوتا ہے مگر عمل سے بچنے کے لئے اس کو بھی ہمت اور قصد ہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح صد در پر بھی قدرت رہتی ہے۔

البتہ عامی غیر مجاہد کو مخالفت و دفع کے لئے زیادہ تعب و تکلف کی ضرورت ہوتی ہے اور مجاہد حقیقتہً یا حکماً کو آسانی سے اس دفع و مخالفت میں کامیابی ہو جاتی ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام کو یہ بات بلا مجاہدہ محض موہو بیت سے عطا ہو جاتی ہے باوجودیکہ کبھی وہ کسی حال سے مطلوب نہیں ہوتے نہ ان کے قومی طبعیہ میں کوئی ضعف ہوتا ہے اور مادہ منازعت نفس کا دستِ قدرت سے ان میں سے نکال دیا جاتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شرح صدر کے قصہ میں جس جزو کا قلب مبارک سے خارج کیا جانا مذکور ہے وہ یہی معلوم ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام میں ممکن ہے اس کا دوسرا طریق ہو اور حدیث نعیمہ و لکن اسلم کی بنا پر یہی معلوم ہوتی ہے اور یہی حاصل ہے مسئلہ عصمت کا اور یہ نہیں کہ بچنے کے لئے قصد کی ضرورت نہ ہو اور فعل پر قدرت نہ رہے جیسا کہ اوپر خواص مجاہدین کے حال میں بیان کیا گیا ہے۔ بغرض عامی کے قلب میں دوسو سے زیادہ ٹھہرتے اور میلانِ معصیت کا بدرجہ تقاضا ہوتا ہے اور خواص میں سے یہ دونوں دیتے مجاہدہ حقیقتہً یا حکماً سے جانتے رہتے ہیں۔ یعنی غالب احوال میں ان کا تحقق نہیں ہوتا اور شاذ و نادر سے وہ بھی خالی نہیں و یقیناً ہذا لاحتمال فی کل حین الی ان یموتوا اور انبیاء علیہم السلام میں سے بلا کتاب ان کی نفی کر دی جاتی ہے۔ اس کے بعد اب طرز مالکین و شیوخ تریبیت کا مختلف ہے بعض تو ہر دوسو سے کے ذنبیہ کے لئے اور ہر ہر خلقِ ذمیم کے (جس سے داعیہ معصیت ظاہری یا باطنی کا پیدا ہوتا ہے) قلع کے لئے تفصیلی معالجات کرتے ہیں اور بتلانی ہیں اور ہر وقت قلب اور نفس کی دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں اور جب کبھی کوئی مرض دیکھتے ہیں پھر تجددِ معالجہ کی کرتے ہیں اور احیاء العلوم کتب وغیرہ میں سلوک حاصل یہی ہے اور آپ کے خط سے معلوم ہوتا ہے، آپ نے بھی یہی طریقہ اختیار

فرمایا ہے اس سے آپ کی پریشانی شدید اور ماجر اطویل ہو گیا۔ مگر الحمد للہ کامیابی ہوئی۔ اور اس کامیابی کا معنایہ تھا کہ میں اس خط کے جواب میں طول نہ کرتا۔ کیونکہ جو شکایت جاتی رہی اس کی تحقیق امر زائد ہے۔ صرف دوا خیر کے مضمون کے، یعنی نمبر ۲ اور نمبر ۲۱ کے متعلق مختصر سا لکھ کر ختم کرتا ہوں لیکن چونکہ مجھ کو آئندہ کے متعلق دستورِ عمل بتلانا ہے اس لئے اس تمام تر تطویل کی حاجت ہوئی غرض ایک طریق سلوک و تربیت کا یہ ہے، اور ظاہر ہے آپ نے تو مشاہدہ بھی فرمایا کہ اس میں کس قدر تعب ہے اور اس تمام تر تعب کے بعد بھی راحت نہیں ملتی۔ کیونکہ پھر اندیشہ عودِ امراض کا لگا ہوا بلکہ عود سے بچاؤ ہو کر خود بعض امراض کے وجود کا بھی خلیجان اور اس کے ساتھ ماضی پر حسرت الگ ہے غرض ہر وقت تین سوہان روح تیار۔ ماضی کی حسرت، حال کے شبہات، مستقبل کا خون جب محققین مجتہدین۔ مجددین فی الطریق نے و منہم المکلم مرشدی والفضل بید اللہ یوتیہ من یشاء دیکھا بلکہ حق تعالیٰ نے اہا ما ان کو دکھلا دیا کہ اس طریق میں تعب شدید اور حصولی ثمرہ تربیت میں ضرورت زمان مدید کے ہونے سے بعض اوقات مصرع مشہور ہی کا مصداق ہو جاتا ہے۔

ع تَالَوْمَنْ مَسِرَّسِي مَنْ بَخْدَا بِرَسْمِ

پھر قومی اہل زمانہ کے ضعیف اور ہم قاصر ان سب امور پر نظر کر کے بالہام حق ایک دوسرا طریق تربیت کا اختیار فرمایا۔ وہ یہ کہ یہ سب ماضی حجاب عن الحق ہے۔ حق تعالیٰ نے ہم کو اپنے مشاہدے کے لئے پیدا کیا ہے نہ کہ ماضی مستقبل کے مطالعہ کے لئے۔ و نعم ما قال الرومی ماضی و مستقبل پردہ خداست۔ البتہ توبہ کی ضرورت سے ماضی پر اور عزم علی التقویٰ کی ضرورت سے مستقبل پر نظر ضروری تھی لیکن الضروری یَقْدَرُ بِقَدْرِ الضَّرورة کے قاعدے سے اس نظر میں ضرورت پر التفکر سے یعنی گذشتہ گناہوں سے خوب توبہ

بشر اٹھا کر کے پھر بار بار اس کا سبق دل میں تکرار نہ کرے اور اجمالاً مستقبل کے لئے تو کلاً علی اللہ قصد کرے کہ انشاء اللہ تعالیٰ پھر یہ گناہ نہ کروں گا۔ بس اس کے بعد ہر وقت اسی قصہ میں نہ لگا رہے، اس سے زیادہ دوسرا کام ہے جس کو حدیث میں ان لفظوں سے تعبیر فرمایا ہے راقب اللہ تجده تجاهدك اس میں مشغول ہونا چاہئے یعنی ذکر اور نکر اور اذقات عمل میں عمل کہ وہ بھی ذکر میں داخل ہے۔ خلاصہ یہ کہ قرب کو مقصود سمجھے اور جماس کے لئے طریق موضوع ہے یعنی بعد نصیح عقاید کے اعمال اختیار یہ جس وقت میں جو عمل ہو خواہ یہ ظاہری ہو مثل صلوٰۃ و زکوٰۃ خواہ باطنی ہو جیسے خوف و رجاء و شکر و صبر وغیرہ اور ذکر و شکر کردہ بھی فرد عمل کی ہے اکثر اذقات میں بس اس میں مشغول رہے اور جو اسباب بھوکے ہیں یعنی معصیت ظاہری یا باطنی اس سے مجتنب رہے نہ اس کی ضرورت کہ اسباب قرب پیدا کرنے کی فکر کرے اور نہ اس کی حاجت کہ اسباب بعد کے مادہ کو منقطع کرے اور اختیار یہ میں سے جس میں کوتاہی ہو جاوے اس کو مضر اور مہتمم باشان سمجھے اور اس کی اصلاح کرے اور امور غیر اختیار یہ کے وجود و عدم پر التفات ہی نہ کرے اور اس اصلاح میں بھی زیادہ کا دشمن نہ کرے مثلاً اگر کسی ضروری عمل میں خلل ہو گیا اس کی تضا کرے اگر کوئی امر منکر صادر ہو گیا اس سے استغفار کرے اور پھر اپنے کام میں مشغول ہو جاوے۔ اسی ایک بات کے پیچھے نہ بڑ جاوے کہ ہائے یہ کام مجھ سے کیوں فوت ہوا۔ یا یہ کام مجھ سے کیوں صادر ہوا۔ اس کو علو اور مبالغہ کہتے ہیں جس سے کتاب و سنت نے منع فرمایا ہے۔ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ مَنْ شَاءَ شَاءَ اللَّهُ عَلَيْهِ سَدِّ دُورٍ وَ رَبُّوْا وَ اسْتَقِيْمُوا وَلَنْ يَخْصُوْا مَنْ غَلَبَهُ النَّوْمُ فَلْيَرْتَدِّ لَا تَفْرِطِي فِي النَّوْمِ اِنَّمَا التَّفْرِطِي فِي الْيَقْظَةِ

حضرت عارف شیرازی فرماتے ہیں۔ سخت میگردد جہاں بر مردمان سخت کوش اور اس غلو اور مبالغہ کا اثر خصوصاً اس وقت کے قومی اور ہم پر یہ ہوتا ہے کہ بہت جلد مایوسی اپنا رنگ لاتی ہے اور سالک کو معطل کر دیتی ہے اور کبھی جان پر اور کبھی ایمان پر اس کا اثر پہنچتا ہے۔ جان پر تو یہ کہ صحت خراب ہو جاتی ہے۔ کثرت تخیلات و افکار سے سودا بڑھ جاتا ہے۔ اور ایمان پر یہ کہ باوجود مبالغہ فی العمل و المعالجہ کے کامیابی مزعوم یعنی شفاء و مطلق کے نہ ہونے یا دیر میں ہونے سے، یا سو کر پھر زائل ہو جانے سے اور امراض کے بار بار عود کر آنے سے حق تعالیٰ سے تنگی اور شکایت پیدا ہو کر کیفیت کراہیت اور ناراضی کی پیدا ہو جاتی ہے کہ ہم کو اتنے دن سہارنے ہو گئے مگر الَّذِیْنَ جَاهَدُوا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا کے وعدے خدا جانے کہاں گئے ہزاروں آدمی جان یا ایمان سے اس طریق سے ہلاک ہو گئے ہیں۔ اور ایک مرضِ مُرْتَمِئِہ اس کو یہ گلو گیر رہتا ہے کہ اپنے عمل کو بالغ اور اپنی سعی کو سالیح سمجھ کر ہر وقت ثمرات کا منتظر رہتا ہے۔ پس اپنے عمل کا پلہ عطا ئے حق سے بڑھا ہوا سمجھتا ہے جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ کبھی اپنے کو کامیاب نہیں سمجھتا۔ اس لئے ناشکری ہی میں مبتلا رہتا ہے اور اگر بزعم خود کامیاب بھی ہو گیا، اور وہ کامیابی پھر زائل ہو گئی کیونکہ ایسے انقلابِ عمر بھر رہتے ہیں۔ پھر وہی تنگی اور پریشانی شروع ہوتی تو اس کا سلسلہ عمر بھر بھی منقطع نہیں ہوتا۔ خود اس کا نفس یا اس کو دیکھ کر دوسرے کا نفس کہتا ہے کہ اس راہ خدا سے خدا کی پناہ، جس میں بجز مصیبت کے راحت کا نام ہی نہیں۔ تو دیکھ لیجئے کتنا بڑا خطرناک طرز ہے۔ اور یہ خطرہ لازمی بھی ہے اور متعدی بھی۔ پس اس غلو کے یہ مضار و مفاسد دیکھ کر انہوں نے یہ تجویز لیا کہ ان تدقیقات و تعمقات کو اصلاً نظر انداز کر دے اگر کوئی وارد محمود آوے

نہ اس کو کمال سمجھے نہ اس کے بقا کی تمنا کرے نہ اس کے فوت پر حسرت کرے اگر کوئی دوسرا
 پیدا ہو اس کے دفع میں تن دہی نہ کرے۔ ذکر کی طرف بہت مبالغہ سے نہیں بلکہ ہماری
 طور پر متوجہ ہو جاوے خواہ وہ دفع ہو یا نہ ہو، اور اس سے دفع ہو ہی جاتا ہے مگر
 اس شخص کو دلیر ہو کر اس پر بھی آمادہ رہنا چاہئے، گو دفع نہ ہو یعنی ذکر بقصد قربان
 نہ بقصد دفع و سوسہ۔ اگر قبض پیش آوے اس کو مذموم نہ سمجھے اس کے دفع کی
 فکر کرے نہ تمنا کرے۔ خلاصہ یہ کہ طالب رضائے حق وہاں رہے عن سخط الحق رہے
 جس امر کو رضائیں دخل ہو وہو منحصر فی المامور بہ وجوباً
 اوتدباً اس پر عمل رکھے اگر فوت ہو جاوے تضا کرے وہو یسیر
 کل الیسر لا عسر فیہ قال تعلقہ و ما جعل علیکم
 فی الدین من حرج اور جس امر کو سخط حق میں دخل ہو وہو
 منحصر فی المنہی عنہ اس سے اجتناب رکھے وہو ایضاً
 یسیر بالدلیل المذکور اگر اس کا صدر ہو جاوے تو استفادہ
 نہ اپنے کو خواص میں سمجھے کہ احوال عامیہ سے گھبرائے نہ ثمرات کا عاجلہ میں اور نہ
 مراتب علیا کا آجلہ میں طالب رہے بس اس کی دعا کرتا رہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں
 اعمال کی توفیق اور آخرت میں جنت عطا فرماوے اور دوزخ سے نجات بخشے بس
 ہو گیا مسنون سلوک، اور اگر اس پر یہ شبہ ہے کہ اگر وساوس یا میلان معاصی ہوں
 محض عمل مضر ہے تو یہ بات تو بلا مجاہدہ بھی میسر ہو سکتی ہے، پھر مجاہدہ کیوں کرنے
 ہیں تو جواب یہ ہے کہ واقعی اس کے لئے مجاہدہ فرض و واجب نہیں صرف اس میں
 نفع ہے کہ میل الی المعصیت کے مقابلہ میں زیادہ تعب نہیں ہوتا آسانی سے نفع
 پر غالب آجاتا ہے اور غیر مجاہدہ دشواری سے آسکتا ہے، بس یہ فائدہ ہے مجاہدہ
 میں باقی یہ نہیں کہ میل ہی جاتا رہتا ہو میں اس کی ایک مثال دیا کرتا ہوں کہ گھوڑا

ثانیہ ہو کر بھی کسی کسی شرارت و شوخی کرتا ہے مگر بوجہ شائستگی کے جلدی رام ہو جاتا ہے۔ بجلات غیر ثانیہ کے کہ اس کے رام کرنے میں بہت مشکل لاحق ہوتی ہے۔ اب بعض منافع و مصالح و مساوس و بعض اقسام قبض اور میل الی المعصیت کے سالک کے حق میں بیان کر کے اس عجز کو ختم کرتا ہوں اس میں چند خصی الطاف رحمانیہ ہیں جن کو دیکھ کر مبتلائے بلیتہ بیاختہ یہ کہہ کر پوری تسلی کر لے گا۔ شعر

الایجارن احوالبلیتہ

فللرحمان الطاف خفیہ

- ۱۔ ایسے شخص کو کبھی عجب نہیں ہوتا سمجھتا ہے کہ میں بد حال ہوں۔
- ۲۔ ہمیشہ ترساں رہتا ہے اپنے علم و عمل پر ناز نہیں ہوتا۔ سمجھتا ہے کہ میرا علم و عمل و حال کیا چیز ہے اس کی حقیقت دیکھ چکا ہوں۔
- ۳۔ اگر یہ عقبہ پیش آچکا ہے تو شیطان کے مقابلہ میں اس میں قوت پیدا ہو جاتی ہے اس سے ڈرتا نہیں کہ بس اس سے زیادہ کیا کر لے گا اور بدو ن اس کے گدھے ہوئے لطیف الطبع کو ہر مضر صحبت تک سے اندیشہ رہتا ہے جس کو میں نے ایک بار بیان کیا تھا اور اس کی وجہ لطافت طبع معلوم ہوتی ہے۔
- ۴۔ مرتے وقت اگر دفعتاً یہ حالت پیش آتی تو پریشان ہو کر خدا جلنے کس کس خیال میں مڑتا اگر یہ عقبہ گند جادے تو اس کے تحمل کی قوت ہو جاتی ہے اگر اس وقت سہلی لیا ہو پریشانی اور حق تعالیٰ پر بدگمانی نہ ہوگی اطمینان و محبت میں جان دیگا۔
- ۵۔ یہ شخص محقق ہو جاتا ہے دوسرے مبتلا کی دستگیری آسانی سے کر سکتا ہے۔
- ۶۔ ہر وقت اپنے اوپر حق تعالیٰ کی رحمت دیکھتا ہے کہ ایسے نالائق کو ایسی نعمتیں عطا فرماتے ہیں۔

۷۔ اس حدیث کے معنی برائے العین دیکھ لیتا ہے کہ مغفرت عبد کے عمل سے نہ ہوگی بلکہ رحمت حق سے ہوگی وغیر ذلک مالا محضی و ہا نا ا ختم الکلام

وافوضکم وافوضنفسی الی اللہ ذی الجلال والاکرام وضرحو
النساء اللہ لنا ولکم حسن الختام وهو المقال المنعم فی کل مقام
کتبه اشرف علی فی جلسۃ واحده کانت قدر ثلث ماعاً
(تربیت الساکب جلد اول ص ۳۴-۲۶)

علامتِ مستربین

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے عرض
کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن مجید میں جن لوگوں کے بارے
میں یہ سنرایا گیا ہے کہ

وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ
إِلَى رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ هَٰؤُلَاءِ سُبُعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ
وَهُمْ نَهَا سَبِقُونَ د (سورہ مومنون)

اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور (باوجود دینے کے
ان کے دل اس سے خوف زدہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس جانیزالے
ہیں) یعنی باوجود دینے کے ان کے دل خوف زدہ رہتے ہیں کہ دیکھنے والے جا کر
ان صدقات کا کیا ثمرہ ظاہر ہو، ایسا نہ ہو کہ موافق حکم کے نہ دیا گیا ہو۔ مثلاً مال
حلال نہ ہو یا نیت خاص نہ ہو تو اللہ اس کو اٹھا ہونے لگے (یہ لوگ) اپنے نادرے
جلدی جلدی حاصل کر رہے ہیں اور وہ ان کی طرف دوڑ رہے ہیں) یہ فضیلت کے
مرتبے میں فرمایا گیا ہے) کیا ان سے ایسے لوگ مراد ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوری
کرتے ہیں (شہر کی وجہ یہ سمجھنی کہ ان اعمال کی تعین صریح الفاظ سے نہیں سنرائی۔
اور دونوں کا خوفناک ہونا غالباً اعمال سیر سے ہوتا ہے سو یہ اعمال بد ہونے کا قرینہ
ہے مگر موقع فضیلت میں اس کا فرما تا اس قرینہ کا کسی قدر مزاحم ہے پس یہ اشتباہ
موجب سوال ہو گیا) آپ نے فرمایا کہ نہیں سے حدیث کی جیسی بلکہ وہ لوگ مراد ہیں
جو روزہ رکھتے ہیں اور خیرات کرتے ہیں اور خائف رہتے ہیں کہ ان کا عمل مقبول ہو
یعنی اپنی نفلت اور حق تعالیٰ کی عظمت پر نظر کرنے سے اپنے اعمال قابل قبول نہیں
دیکھتے) یہ وہ لوگ ہیں جو جہلائیوں میں دوڑتے ہیں۔ (ترمذی)

ف۔ خوف و تواضع: حدیث کی دلالت اس پر ظاہر ہے۔

ف۔ علامت مقربین۔ حق تعالیٰ نے ان اوصاف کو عباد مقبولین کے
خواص سے فرمایا۔ پس یہ علامات اولیاء سے ہے بتبع احوال سے یہ صفت عارفین میں
دوسری اکثر صفات پر غالب معلوم ہوئی ہے، گویا ان کا شعار و خاص ہے۔

(الست کشف)

لوازماتِ طریق

لوازماتِ طریق

عقائد کی اصلاح بنیادی ضرورت ہے

ملفوظہ۔ فترمایا کہ دین صرف چند ظاہری اعمال مثلاً نماز۔ روزہ۔ حج و زکوٰۃ وغیرہ کا نام نہیں ہے بلکہ سب سے بڑھ کر عقائد کا درجہ ہے جس پر نجات کا دار و مدار ہے اور ایک درجہ اخلاق حمیدہ مثلاً اخلاص۔ صبر و شکر اللہ توابع و غیرہ کا ہے۔ وہ بھی محققین کے نزدیک نماز۔ روزہ ہی کی طرح فرض ہے۔ اگر کوئی صرف چند اعمال ظاہری کو پورا کر لے مگر نہ عقائد ٹھیک ہوں نہ اخلاق درست ہوں تو ایسی صورت میں اس کو پورا مسلمان نہ کہا جائے گا۔ (انفاس عیسیٰ)

اتباع سنت ہی مدارِ طریقت ہے

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:-

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ
فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ
عَنْهُ فَانْتَهُوا
(الحشر)

جو کچھ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو دیں (یعنی کسی شے کا امر فرمائیں) اس کو لو اور جس شے سے منع کریں اس سے باز رہو۔

سَلَّ إِنَّ كُنْتُمْ تَحِبُّونَ
اللَّهُ فَا تَبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ
اللَّهُ. (آل عمران)

آپ زاد بھیجے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے
ہو تو تم لوگ میرا ہی اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ بھی تم
سے محبت کرنے لگیں گے (بیان القرآن)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں خاص برکت کا راز یہ ہے کہ جو شخص
آپ کی سی ہمت بنا تا ہے اس پر خدا تعالیٰ کہ محبت دے پیا راتا ہے کہ یہ میرے محبوب کا
ہنسل ہے اور یہ وصول کا ایسا طریق ہے جو سب سے زیادہ نزدیک ہے جو بھی اختیار کرے گا
وہ بہت جلد پہنچے گا اور بہت جلد کامیاب ہو گا ورنہ

خلاف پیغمبر کے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
پندار سعدی کہ راہ صفا تو اس رفت جز در پئے مصطفیٰ

(ترجمہ) جو شخص پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوا راہ اختیار کرے گا وہ ہرگز منزل
مقصود پر نہ پہنچ سکیگا اور پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نقش قدم کے سوا
صحیح راستہ نہیں مل سکتا۔ (منقول از خیر المجالس، ص ۷)

حضرت خواجہ نصیر الدین محمود جیراغ دہلوی نے اولیاء اللہ کے ذکر میں فرمایا کہ متابعت
پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) ضروری ہے۔ قولاً وفعلاً اور ارادۃً اس لئے کہ محبت خدا تعالیٰ
بے متابعت حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حاصل نہیں ہوتی۔

تمام حضرات اولیاء اللہ نہایت متبع سنت اور پابند شریعت تھے اور کوئی بزرگ
بھی ایسے نہیں ہوئے جنہوں نے اتباع سنت نہ کیا ہو حتیٰ کہ اگر غلبہ حال سے کبھی اتباع
میں کچھ کمی بھی ہو گئی ہے تو اپنی ساری حالت کو ناقص سمجھا ہے اور کبھی اصرار نہیں کیا
سب بزرگوں کا ایک ہی طریق رہا ہے اور وہ طریق شریعت ہے۔

قوت القلوب ابو طالب مکی وغیرہا میں یہ مضمون نہایت استحکام کے ساتھ
مذکور و منقول ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فقیری میں اول علم شریعت پھر عمل شریعت
کی سخت ضرورت ہے اور بدون اس کے آگے راہ نہیں کھلتی اور کبھی کوئی شخص رسول
اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت کر کے اور طریق بدعت کو اختیار کر کے ولی نہیں

ہوسکتا۔ جب بدعت قاطع طریق ہے تو کفر و شرک کا تو کیا پوچھنا؟ آج کل لوگوں نے علم عمل سے بے پرواہ ہونے کے لئے دو لفظ یاد کئے ہیں علم کی نسبت حجاب اکبر اور عمل کی نسبت دعوائے آزادی۔

صاحبو! حجاب اکبر کے اگر یہ معنی ہوں تو جتنے بزرگ گذرے ہیں یہ جھوٹے بلکہ محبوب ٹھہرتے ہیں۔ یہ ایک اصطلاحی لفظ ہے۔ حقائق کے قواعد سے اس کے بہت باریک معنی ہیں مگر موٹے سے معنی یہ سمجھو کہ حجاب اکبر اس پر دے کو کہتے ہیں جو بادشاہ کے قریب پڑا رہتا ہے کہ وہاں پہنچ کر بادشاہ کا بہت ہی قریب ہو جانا ہے تو اس میں علم کی مدد ہے۔ یعنی جب علم حاصل کر لیا تو جتنے حجاب تھے سب اٹھ گئے یہاں تک کہ حجاب اکبر تک پہنچ گیا۔ اب ایک تجلی حیرت کا غلبہ ہوا۔ اگر یہ حجاب بھی اٹھ جاوے تو واصل ہو جائے اور جس نے سر سے ہی سے علم حاصل نہیں کیا خواہ تحصیل سے یا صحبت علماء سے وہ تو ابھی بہت پردوں کے نیچے ہے اور بہت دور رہا۔

اور جو یہ مشبہ ہے کہ علم حقیقت اگر علم شریعت کے خلاف نہیں ہے تو بزرگوں نے اسرار کو کیوں پوشیدہ کیا ہے۔ شریعت تو اظہار کے قابل ہے تو اس کا حال اچھی طرح سمجھ لو کہ ہمارا یہ دعوائے نہیں کہ علم شریعت ہی کو علم حقیقت کہتے ہیں بلکہ دعویٰ یہ ہے کہ علم حقیقت علم شریعت کے خلاف نہیں ہے۔ یعنی یہ نہیں ہے کہ شریعت نے ایک چیز کو حرام یا کفر کہلے حقیقت میں وہ حلال اور ایمان ہو جاوے، مثلاً دیوانی کا قانون اور ہے، فوجداری کا اور۔ مگر یہ نہیں کہ جو چیز قانون اول میں جائز ہو وہ قانون دوم میں ناجائز یا بالعکس ہے ہاں البتہ ہر ایک کے مضامین جدا گانہ فرد ہیں۔ سو یوں تو شریعت میں بھی مضامین مختلف ہیں اور خود حقیقت میں بھی مگر وہ مضامین شریعت کے مضامین کی نفی نہیں کرتے، پوشیدہ کرنے سے جو شبہ پیدا ہو اتنا وہ تو رفع ہو گیا اب یہ بات سمجھ لینے کی ہے کہ پوشیدہ رکھنے کی کیا وجہ ہے؟ تو سمجھنا چاہئے کہ قابل اخفاء کے تین امور ہوتے ہیں ایک اسرار، سو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اتواعی القناد میں اس کی کئی وجوہات بیان فرمائی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ مضامین خلاف

شرع تو نہیں ہوتے مگر دقیق زیادہ ہوتے ہیں جو عوام کی فہم میں نہیں آسکتے اور ان کو مضر ہوتے ہیں۔ پھر اس کے علاوہ تعلیم سلوک کے طریقے، ان میں اخفاء کی وجہ یہ ہے کہ اعلان میں ان کی بے قدری ہے اور اس کے علاوہ طالب کی ہوسناکی کا احتمال ہے اور تیسرے ثمرات مجاہدہ و مکاشفات وغیرہ ان کا اخفاء بوجہ احتمال ریاد و دعویٰ کے ہے۔

فرض کسی امر کا اخفاء اس وجہ سے نہیں ہے کہ مخالف شرع ہے اور اگر فرضاً ایسا ہو تو وہ قابل رد اور انکار کے ہے خلاصہ کلام یہ کہ جس کو دولت و صلہ منسب ہو ہے علم شریعت اور اتباع سنت ہی سے ہوتی ہے اور اگر کسی بزرگ کا کوئی قول فعل خلاف سنت منقول ہے تو وہ یا تو سکر اور غلبہ حال میں صادر ہوا یا وہ حکایتاً نقل منقول ہے یا ان سے کسی باریک مثلے میں جہاں دلیل شرعی خفی و دقیق تھی خطائے اجتہادی ہو گئی جس میں وہ شرعاً معذور ہیں اور خدا تعالیٰ سے ان کو بعد نہیں ہوا یہاں تو کھلم کھلا مخالفت بلکہ اس کی نفی اور اس کے ساتھ استہزاء و تمسخر کیا جاتا ہے جس کے کفر ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ خلاف شرع کوئی کام کرنا درست نہیں مثل طوافِ قبر و سجدہ مشائخ وغیرہ۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شیخ کی اطاعت بھی جیسی تک ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہ کہے ورنہ اس شیخ ہی کو چھوڑ دینا چاہئے۔ (وعظ الافلاص)

اتباع سنت کی برکت تکمیل سلوک میں

ملفوظ :- فرمایا ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ میں بہت ہی جلد بفتح شروع ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سلسلہ میں بطریق تبت

نفع پہنچتا ہے نہ کہ بطریق سلوک اور اس جذبہ کی وجہ یہ ہے کہ اس سلسلہ میں اتباع سنت کا بڑا اہتمام ہے۔ جب حق تعالیٰ کے محبوب کی اتباع کی جاتی ہے تو محبوب کی اتباع کرنے والا بھی محبوب ہو جاتا ہے اور محبت کا فائدہ ہے انجذاب۔ پس حق تعالیٰ فوراً اس کو اپنی طرف مغذب فرما لیتے ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ
 آپ فرمادیں گے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میری اتباع کرو اور اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔ (امتن السواخ)

تصوف کی ضرورت اور اس کا رواج

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں علم حدیث اور اصول فقہ وغیرہ جدا جدا متمیز تھے (بلکہ) پچھلے زمانے میں قرآن و حدیث سے استنباط کر کے بہت سے علوم نکالے گئے، اور ہر ایک کا جدا گانہ نام تجویز ہوا، اور ان کے واضعین (بنانیوالوں) کو سب نے امام مانا۔ حتیٰ کہ امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) جیسے حضرات کو امام اعظم ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) اور ان کے تلمذ فی الدین (دین کی سمجھ) کو دیکھ کر الناس فی الفقہ عیال ابی حنیفہ (لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ کے محتاج ہیں) کہنا پڑا۔ امام بخاری (رحمۃ اللہ علیہ) حدیث میں ایسے امام مانے گئے کہ آج تک ان کے تجرہ فی الحدیث (حدیث میں کامل ہونے) کا شہرہ ہے۔ اسی طرح تزکیہ باطن کی تعلیم دینے والے ایسے بزرگان دین گذرے ہیں کہ ان کو سب نے پیشوا مانا ہے جیسے پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اور ان

۱۳۳۳
 سے پیشتر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اور جس طرح پھلوں کو انگلوں کی تقلید
 پیروی سے چارہ نہیں، علم تصوف میں بھی بدون اتباع طریقہ بزرگان چارہ نہیں
 گواہی دیتی کہ جو موجب نجات ہے بدون اتباع مشائخ طریقی بھی میسر
 ہو سکتا ہے مگر جو امر کہ مطلوب ہے اور کمال کہلاتا ہے اس کا حصول بدون صحبت کاظمین
 کے ممکن نہیں۔

جس طرح دیگر علوم مستخرجہ و مستنبطہ کا خاص نام ہو گیا ہے جیسے علم فقہ اور علم
 حدیث، اسی طرح مشائخ کے اس خاص مستخرجہ طریقے کا نام تصوف ہو گیا۔ اگر کوئی
 شرح و قایہ و ہدایہ پڑھتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ فقہ پڑھتا ہے۔ حالانکہ فقہ میں (بقول
 امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ) بہت سے علوم مثلاً حدیث، تفسیر حتیٰ کہ علم کلام وغیرہ بھی
 داخل ہیں۔ اسی طرح جب کوئی مشائخ کے بتلائے ہوئے طریقے پر چلتا ہے تو کہا جاتا ہے
 کہ یہ تصوف سیکھتا ہے۔ یا صوفی ہے۔ صرف نماز و روزہ ادا کرنے والے کو صوفی نہیں کہتے
 حالانکہ تصوف تزکیہ باطن بالمعنی الاعمال سب کو شامل ہے۔ (تصوف و سلوک ص ۱۹)
 خلاصہ یہ کہ تصوف کی حقیقت حق تعالیٰ سے تعلق بڑھانا ہے (تفصیل الدین ص ۲)
 اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔

ہمت کا مقضاء تو یہ ہے کہ صاحب ذوق بنو! اگر اتنی ہمت نہ ہو تو خدا کے لئے
 انکار تو نہ کرو۔ (تعلیم الدین ص ۱)

اصلاح باطن اور اس کے لوازمات

باطن کے متعلق دو قسم کے اوصاف ہیں۔ ایک محمود، دوسرے مذموم۔ سو
 حقیقت اصلاح کی یہ ہے کہ اوصاف محمودہ کو پیدا کرے اور اوصاف مذمومہ کو دور کرے
 پہلے کو تجلیہ۔ کہتے ہیں اور دوسرے کو تجلیہ اور تجلیہ کہتے ہیں۔ اسی طرح تھیں

دلالت کے جاننے کا نام عرف میں تصوف ہو گیا۔ اب ان اوصاف حمیدہ اور اوصاف
 ذمیرہ کو معلوم کرنا چاہئے۔ یوں تو بے شمار اوصاف ہیں مگر ان کے اصول محدود
 ہیں۔ کچھ اوصاف حمیدہ اور کچھ اوصاف ذمیرہ، جن کے حاصل یا زائل کرنے
 کے لئے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صاف صاف امر فرمایا ہے۔ ان اوصاف
 کو جب درست ہو جاویں اصطلاح صرفیہ میں مقامات کہتے ہیں۔ پس تقریر ہذا سے
 واضح ہو گیا کہ مقاصد اس فن کے یہی مقامات ہیں اور طالب کا اتنا ہی کام ہے کہ ان
 کو درست کرے۔ ان کے درست کر لینے کو تفصیلی ریاضت کہتے ہیں۔ ایک طریق
 ریاضت و مجاہدے کا اجمالی ہے۔ اس کے اصول ائمہ فن کے نزدیک چار امر ہیں۔
قلۃ الکلام، قلۃ الطعام، قلۃ المنام، قلۃ الاختلاط مع الانام۔

(ان چاروں مجاہدوں کے متعلق حضرت کے مفصل مواضع ہیں)۔

غرض ریاضت و مجاہدہ خواہ تفصیلاً ہو یا اجمالاً۔ اس سے قلب سالک میں استعداد
 قرب وصول الی اللہ کی پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے بعد محض فضل خداوندی سے اس
 کے قلب کو بالفعل ایک خاص تعلق جذبی مطلوب حقیقی کے ساتھ پیدا ہو جاتا ہے۔
 اس کو نسبت سکنیہ اور نور سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی نسبت کے پیدا ہوجانے
 کا نام وصول ہے۔ پچھلے زمانے میں بوجہ برکت قرب عہد سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم
 اسی مقام پر بوجہ نسبت قوی پیدا ہوجانے کے وصول کامل ہو جاتا تھا۔ لیکن اس زمانہ
 میں اکثر اس مقام پر نسبت ضعیف پیدا ہو جاتی ہے جس کا حاصل کرنا فرض ہے اور نسبت
 قویہ اور وصول کامل کے لئے اذکار، اشغال، دور اقیات کی حاجت پڑتی
 ہے جس کا حاصل کرنا مندوب ہے۔ سالکین کو خلافت و شیخت کا ادنیٰ درجہ اس وقت
 نسبت کے حاصل ہوجانے پر میرا جاتا ہے۔ پھر بعد حصول نسبت قویہ کے چونکہ
 مبداء ریاضت سے قلب کو تعلق ہو گیا ہے بوجہ صفائی قلب اس پر کچھ علوم داسرار

کبھی حالات و آثار نازل ہوتے ہیں۔ ان علوم کو حقائق و معارف اور ان آثار کو احوال کہتے ہیں اور بعض اوقات محض جذبہ غیبی سے یا کسی بزرگ کی توجہ و ہمت سے اول نسبت حاصل ہو جاتی ہے اس کے بعد معائنات کی تصریح ہوتی ہے اور یہ اقرب طریق ہے اور اکثر اس زمانے میں معمول شاخ یہی ہے اور یہ طریق طریق عشق سے طبع ہے، شعر ہے

ہر کر اجا نہ ز عشقے چاک شد

اور حرص و عیب کلی پاک شد

طریق دو قسم پر منقسم ہے۔ طریق جذب و طریق سلوک۔ کبھی وصول اللہ پہلے ہو جاتا ہے پھر شوق عبادت و ریاضت پیدا ہوتا ہے۔ اس کو طریق جذب کہتے ہیں اور کبھی اول ریاضت ہوتی ہے پھر وصول الی اللہ میسر ہوتا ہے اس کو طریق سلوک کہتے ہیں۔

انہی شخص کو سالک مجذوب، مرید اور محب کہتے ہیں۔ او پہلے کو مجذوب سالک مراد اور محبوب کہتے ہیں۔ اور تقدیم سلوک کو ہدایت اور تقدیم جذب کو اجتہاد کہتے ہیں پس ترتیب سلوک اہل طریق کے نزدیک یوں ہوتی کہ اول قلب میں ارادہ پیدا ہوا اس وقت اپنے کو کسی شیخ کامل کے سپرد کرنا چاہئے جس کا عنوان زمانہ میں یہ ہے پھر شیخ کامل اجمالی یا تفصیلی ریاضت کراوے جس سے کچھ نسبت پیدا ہو جاوے یا پہلے اتمام نسبت کرے پھر ریاضت کراوے جب قلب تعلقات سے خالی ہو جاوے پھر اگر چاہے اس کو خلافت دے۔ اگر چاہے تو منتظر نزول احوال و معارف کا رہے۔ اگر قسمت میں ہے تو یہ علوم و آثار قلب پر نزول کریں گے جن کے غلبہ کا نام عروج ہے۔ اور منتہی اس کا تجلی بے کیف ہے۔ پھر بعض تو اس میں مستغرق رہ جاتے ہیں اور بعض کو افات ہوتی ہے۔ اس افات کو نزول کہتے ہیں۔ خلافت کاملہ اور شیخت علیا اس مقام پر حاصل ہوتی ہے۔ (تعلیم الدین ص ۶۸، ضیاء القلوب)

بیعت

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہما نے فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ تو آدمی آئے یا آٹھ یا سات۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت نہیں کرتے۔ ہم نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور عرض کیا کہ کس امر پر آپ کی بیعت کریں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ نے فرمایا ان امور پر کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو اور پانچوں نمازیں پڑھو اور (احکام) سنو اور مانو۔ اس کو مسلم۔ ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا۔

عن عوف بن مالك الاشجعي قال كنا عند النبي صلى الله عليه وسلم تسعة او ثمانية اربعة فقال الاتبايعون رسول الله صلى الله عليه وسلم فبسطنا ايدينا وقلنا على ما نبأيعك يا رسول الله. قال على ان تعبدوا الله ولا تشركوا به شيئا وتصلوا الصلوات الخمس وتسمعوا وطيعوا (مسلم - ابو داؤد - نسائي)

اثباتِ بیعت اور اس کی حقیقت

حضرات سونیائے کرام میں جو بیعت معمول ہے جس کا اصل التزام احکام (یعنی احکام ظاہری و باطنی پر استقامت) اور اہتمام کا معاہدہ ہے جس کو ان کے عرف میں بیعت طریقت کہتے ہیں۔ بعض اہل ظاہر اس کو اس بنا پر بدعت کہتے ہیں کہ

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں۔ صرف کافروں کو بیعت اسلام اور مسلمانوں کو بیعت جہاد کرنا معمول تھا مگر اس حدیث میں اس کا صریح اثبات موجود ہے، کہ یہ مخالفین جو نہ صحابہ ہیں اس لئے یہ بیعت اسلام یقیناً نہیں کہ تحصیل حاصل لازم آتا ہے اور مضمون بیعت سے ظاہر ہے کہ بیعت جہاد بھی نہیں۔ بلکہ یہ دلالت الفاظ معلوم ہے کہ التزام و اہتمام اعمال کے لئے ہے۔ (التکشف ص ۳۱۷)

پس اس کے سنت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ بعدہ بوجہ اشتباہ بیعت خلافت کے سلف نے صحبت پر اکتفا فرمایا۔ پھر خرف کی رسم بجائے بیعت کے جاری ہوئی۔ جب وہ رسم (بیعت) خلفائش رہی تو صوفیاد نے اس مردہ سنت کو پھر زندہ کیا۔ (تعلیم الدین ص ۳۷)

ملفوظ:- فرمایا کہ بیعت کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت، اس کی صورت مطلوب نہیں، حقیقت مطلوب ہے۔ چنانچہ بیعت کی حقیقت ہے اعتقاد و اعتمادِ جازم (صادق) اپنے تعلیم کرنے والے پر یعنی اس کو یقین ہو کہ یہ میرا خیر خواہ ہے، اور جو مشورہ دے گا وہ میرے لئے نہایت نافع ہوگا۔ غرض اس پر پورا اطمینان ہو اور اپنی رائے کو اس کی تجویز و تشخیص میں مطلق دخل نہ دے، جیسا کہ طبیبِ حاذق و مشفق کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے۔ بس ویسا ہی اس کے ساتھ معاملہ کیا جائے۔ باقی رہی بیعت کی صورت وہ اول و پہلے میں خواص کے لئے نافع نہیں۔ عوام کے لئے البتہ اول و پہلے میں بیعت کی صورت بھی نافع ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے ان کے قلب پر ایک عظمت اور شان اس شخص کی طاری ہو جاتی ہے۔ جس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ اس کے قول کو با وقعت سمجھ کر اس پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہو جاتا ہے۔ خواص کے لئے کچھ مدت بعد بیعت نافع ہوتی ہے کیونکہ اس کا خاصہ ہے کہ جانبین میں ایک تعلقِ خلوص پیدا ہو جاتا ہے، پیر سمجھنے لگتا ہے کہ یہ ہمارا ہے اور مرید سمجھتا ہے کہ یہ ہمارے ہیں

ڈاؤنڈول حالت نہیں رہتی۔ مناسبت و محبت کا قومی تعلق ہو جاتا ہے۔
(اشرف السوانح ص ۷)

شیخ مصلح رہبرِ طریق

حال :- ایک صاحب نے دریافت کیا، جب یہ بات معلوم ہے کہ مامورات رعیہ سب کے سب اختیاری ہیں چونکہ مامورات اختیار یہ ہیں اس لئے جہاں رکنے کا امر ہے وہ بھی اختیاری ہوتے اس لئے سارے امراض کا علاج یہی ہے کہ اپنے اختیار سے رُکے۔ میں اپنے متعلق بھی ہمیشہ یہی تقریر جاری کرتا رہا۔ اب سوال یہ ہے کہ مشائخ طریقت سے اس قاعدے کے معلوم ہونے کے بعد کیا سوال اور علاج کرانا چاہئے۔ میری سمجھ میں یہی نہیں آتا، بہت عرصے سے اس امر پر غور کر رہا ہوں امید کہ جناب والا مطلع فرمائیں گے تاکہ احقر اس پر عمل کرے۔ آخر اس قاعدہ کلیہ کے علم کے بعد ازائہ مرض میں معالج و مشائخ کی کیا حاجت باقی رہی امید کہ اگر کوئی غلطی ہو گئی ہو تو مطلع فرمادیں گے۔

تحقیق - مامورات منہیات سب اختیاری ہیں پس مامورات کا ارتکاب اور منہیات سے اجتناب بھی سب اختیاری ہے لیکن اس پر عمل کرنے میں کچھ غلطیاں ہو جاتی ہیں اور بعض وقت خود فیصلہ کرنا دشوار ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نے نماز میں خشوع کا قصد کیا اور وہ اپنی حیقت کے اعتبار سے حاصل بھی ہو گیا لیکن اس کے ساتھ دوساوس اور خطرات کا بھی ہجوم ہوتا رہا۔ یہ شخص سمجھا کہ ایسی حالت میں خشوع باقی نہیں رہا۔ حالانکہ خشوع زائل نہیں ہوا تھا۔

یابہ ہوا کہ عبادت کے شروع میں دوساوس غیر اختیاری تھے مگر یہ شخص اپنے اختیار سے ان کی طرف توجہ ہو گیا اور یہ سمجھتا رہا کہ اس کا خشوع باقی ہے، حالانکہ وہ

زائل ہو چکا تھا۔ اس کے علاوہ کبھی اپنے حال کو راسخ سمجھ لیا اور وہ راسخ نہیں تھا
مثلاً دروچار خفیف مادوں میں رضا باقتضا کا احساس ہوا یہ سمجھا کہ یہ ملکہ راسخ ہو گیا
ہے۔ پھر جب کئی حادثہ شدید واقع ہوا اس میں رضا باقتضا جیسا کہ چاہئے تھا وہ
نہیں ہوئی مگر یہ اس خیال میں رہا کہ رضا میں راسخ باقی ہے۔ ضعیف نہیں ہوئی
بازائل نہیں ہوئی حالانکہ وہ زائل ہو گئی۔ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ حاصل شدہ رضا
باقتضا کو غیر حاصل سمجھا ہے اس میں یہ خرابی ہوتی ہے کہ شکستہ دل ہو کر اعمال کا
اہتمام چھوڑ دیتا ہے۔ پھر وہ پچھتاہٹ ہو جاتی ہے یا یہ ہوتا ہے کہ اس کا اہتمام
ہی نہیں کرتا اور محسوس رہتا ہے۔

اسی طرح غیر راسخ کو راسخ سمجھنے میں وہی خرابی ہوتی ہے کہ راسخ سمجھ کر اس
کی تکمیل کا اہتمام چھوڑ دیتا ہے یا یہ کہ راسخ شدہ چیز کو زائل شدہ سمجھ لیتا ہے
مثلاً شہوت حرام کا داعیہ مجاہدہ سے مضمحل ہو گیا اور اس کی طرف التفات تک
باتی نہ رہا۔ پھر ان آثار کا جوش و خروش کم ہونے سے طبعی التفات بھر موندنے لگا
گو ضعیف ہی ہے مگر یہ شخص سمجھنے لگا کہ مجاہدہ بیکار گیا اور شہوت حرام کا
داعیہ پھر عود کر آیا۔ اس لئے مایوس ہو کر بیچ مچ بے علی اور گمراہی میں مبتلا ہو گیا
یہ چند مثالیں ایسی غلطیوں کی اور ان کے مضار کی ہیں۔ اگر کسی شیخ سے تعلق ہو اور
اس پر اعتماد ہو تو اس کو اطلاع کرنے سے وہ اپنی بصیرت اور تجربے کے سبب ان
کی حقیقت سمجھ لیتا ہے اور ان اغلاط پر مطلع کرتا ہے اور یہ شخص مضرتوں سے محفوظ
رہتا ہے اور فرضاً مالک اگر ذکاوت و سلامت فہم کے سبب خود بھی مطلع ہو سکے،
یہاں تجربہ کاری کے سبب مطمئن نہیں ہوتا اور مشورہ ہونا مقصود میں مغل ہوتا ہے
ان اور پر مطلع کرنا یہ تو شیخ کا اصلی منصبی فرض ہے اور اس سے زیادہ اس کے ذمہ
نہیں۔ لیکن تبرعاً وہ ایک اور بھی خدمت کرتا ہے وہ یہ کہ مقصود یا مقدر مقصود کے

تھیل میں اور اسی طرح کسی ذمہ یا مقدمہ ذمہ کے ازالہ میں طالب کس
 مشقت شدید پیش آتی ہے مگر اس کے کام میں لگے رہنے سے اور مجاہد نفس
 سے مشقت آخر میں تبدیل بہ آسانی ہو جاتی ہے لیکن شیخ تبرعا کبھی ایسی تدابیر
 بتلا دیا ہے کہ اول امر ہی سے مشقت نہیں رہتی یہ ایک اجمالی تحقیق تقریباً ہم
 کے لئے ہے۔ باقی ضرورت شیخ کا مشاہدہ اس وقت ہوتا ہے جب کام شروع کر کے
 اپنے احوال جزئیہ کی اس کو بالالتزام اطلاع کرتا رہے، اور اس کے مشوروں
 کا اتباع کرتا رہے اور یہ اتباع کامل اس وقت ہو سکتا ہے جب اس پر عقوبت
 اور اس کے ساتھ تعلق انقیاد ہو۔ اس وقت جتنا معلوم ہو گا کہ بدون شیخ کے تصور
 کا حاصل ہونا عادتاً متعذر ہے الا نادراً والنادر کامل معدوم۔ پھر اس ضرورت
 میں تفاوت فہم و استعداد کے اعتبار سے تفاوت بھی ہوتا ہے۔ (الندوم دوم)

(ماخذ تربیت السالک حصہ دوم)

صحبت شیخ کا فیض

بیعت کی اصلی بڑی ضرورت نفاقت یا شیخ کی صحبت و تعلق ہے تاکہ رائے
 کے خطرات یا اس کی ٹھوکروں سے حفاظت ہو، علم چاہے ہو یا نہ ہو بلکہ علم ہی
 صحبت کے بیکار ہے: صاحب صحبت بلا علم، کی اصلاح، صاحب علم بلا صحبت
 سے زیادہ ہرتی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سب عالم نہ تھے مگر ادنیٰ سے ادنیٰ
 صحابی کی فضیلت بھی اعلیٰ سے اعلیٰ محدثین و فقہا اور بڑے سے بڑے اولیاء
 واقطاب پر مسلم ہے۔ اس فضیلت کا مدار محض حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 کی صحبت بابرکت پر ہے۔ صرف صحبت سے پایا جو کچھ پایا اور ہمیشہ اہل اللہ
 نے صحبت ہی کا اہتمام رکھا۔ اتنی توجہ علم کی طرف نہیں کی جتنی صحبت کی طرف
 کی۔ (تصوف و سلوک)

مطلب یہ ہے کہ نیک آدمی کی صحبت تم کو نیک بنا دے گی۔ اسی طرح
پہنچنے کی صحبت تم کو بد بخت بنا دے گی۔
جو شخص اللہ تعالیٰ کی بخشش کا طالب ہو تو اس کو اولیائے کرام کی
صحبت میں بیٹھنا چاہئے۔

اللہ والوں کی تھوڑی دیر کی صحبت سو سالہ بے ریا طاعت سے بہتر ہے۔
اس کی وجہ یہ ہے کہ کامل کی صحبت میں بعض وقت کوئی گمراہتا آجاتا ہے یا کوئی
کینت قلب میں ایسی پیدا ہو جاتی ہے جو ساری عمر کے لئے مفتح سعادت
بن جاتی ہے۔ ہر وقت ہر ساعت مُراد نہیں بلکہ وہی وقت اور وہی ساعت
مراد ہے جس میں یہ حالت میسر ہو اور ہر صحبت میں اس کا احتمال ہے اس لئے
پہ صحبت کا اہتمام چاہئے اس سے ہر صحبت کا مفید اور نافع ہونا ظاہر ہے۔ پس
مراد اس سے اعمال پر قدرت ہونا ہے۔ اس سے اس کے سب کام بن جائینگے
اور اصل چیز یہی کام ہے جس سے یہ مفتح صحبت میں نصیب ہو گئی۔ مگر وہ
اعمال نہ کئے تو زنی محتاج کس کام کی۔ اس لئے میں یہ کہتا ہوں کہ بغیر اعمال
نہ کچھ اعتبار احوال کا ہے نہ احوال کا ہے نہ کیفیات کا ہے۔ اس لئے ان
چیزوں میں کسی چیز میں بھی مزانہ آنا چاہئے۔ اگر اعتبار کے قابل کوئی چیز ہے
تو اعمال ہیں اور اعمال بغیر توفیق حق مشکل ہے اور حق تعالیٰ کی توفیق عادت
صحبت مردِ کامل پر موقوف ہے (کمالاتِ اثر نیر)

صحبتِ اہل اللہ

اہل اللہ کی صحبت کے موثر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بار بار اچھی باتیں جب

کان میں پڑیں گی تو کہاں تک اثر نہ ہوگا۔ سُننے سُننے آخر اصلاح ہو ہی جاتی ہے اور ایک سبب باطنی بھی ہے، وہ یہ کہ جب تم ان کے پاس رہو گے اور تعلق بڑھاؤ گے تو اس سے دو طرح کی اصلاح ہوگی ایک تو یہ کہ وہ دعا کریں گے اور ان کی دعا مقبول ہوتی ہے تو حق تعالیٰ تم پر فضل فرمائیں گے۔ اور اکثر یہ ہے کہ ان کی دعا یا ذن حق ہوتی ہے تو ان کے منہ سے دعا نکلنا اس بات کی علامت سمجھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ کے فضل ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ دوسری وجہ بہت خفی ہے وہ یہ کہ تمہارے اعمال میں ان کی محبت سے برکت ہوگی اور جلد جلد ترقی ہوگی اور جلد اصلاح ہو جائے گی۔

اہل اللہ کے دل اللہ تعالیٰ کے نور سے روشن ہیں ان کے پاس رہنے سے دل میں نور آتا ہے اور جب نور آتا ہے تو ظلمت بھاگ جاتی ہے۔ پس اس نور سے ہر چیز کی حقیقت کھل جاتی ہے اور شبہ جاتا رہتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ اگر طبیعت میں سلامتی ہو تو بغیر پاس رہے صرف ان حضرات کو دیکھ لینا ہی کافی ہوتا ہے اور اگر اس درجہ کی سلامتی نہ ہو تو البتہ چند دنوں صحبت کی بھی ضرورت ہے۔ (تصوف و سلوک کلمات اشرفیہ۔ انعام عینی)

تصویرِ شیخ

اس کو برزخ۔ رابطہ اور وسیلہ بھی کہتے ہیں۔ اس کے یہ معنی تو آج تک کسی محقق نے نہیں فرمائے کہ خدائے تعالیٰ کو پیر کی شکل میں سمجھے یہ تو محض باطل ہے اگر ان اللہ خَلَقَ اِدْمَرَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ سے دھوکا ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ صورتِ ناک اور منہ ہی کو نہیں کہتے مثلاً یہ کہتے ہیں کہ اس سئلہ کی یہ صورت ہے حالانکہ اس سئلہ کی ناک اور منہ نہیں ہے بلکہ صورت کے معنی صفت کے بھی آتے ہیں تو انسان کو جو سمع و بصر وغیرہ عنایت ہو ہے اس لئے اس کو صورتِ حق کہا گیا۔ غرض یہ معنی تصویرِ شیخ کے بالکل غلط ہیں۔ کتب فن میں اس قدر مذکور ہے کہ شیخ کی صورت اور اس کے کمالات

کے زیادہ تصور کرنے سے اس سے محبت پیدا ہوتی ہے اور قوت نسبت سے طرح طرح کے برکات حاصل ہوتی ہیں اور بعض محققین نے تصور شیخ میں صرف یہ فائدہ فرمایا ہے کہ ایک خیال دوسرے خیال کا دافع ہوتا ہے اس سے یکسوئی میسر ہو جاتی ہے۔ خطرات دفع ہو جاتے ہیں۔ اصل مقصود تصور حق تعالیٰ کا ہے مگر اللہ تعالیٰ چونکہ مرنی نہیں ہیں اس لئے جن لوگوں کی قوت فکر یہ ضعیف ہوتی ہے ان کو یہ تصور جتنا نہیں اس لئے ان کے ذہن میں خیالات بہت آتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو یکسوئی حاصل کرنے کے لئے تصور شیخ تجویز کیا گیا کیونکہ علاج بصد ہوتا ہے یعنی خیال کے دفع کرنے کے لئے دوسرے خیال کو ذہن میں جمایا جائے گا خواہ وہ کوئی خیال ہو۔ پس ان خیالات مختلفہ کے دفع کرنے کے لئے ہر دیکھی ہوئی چیز کا تصور کافی ہے جس پر بھی خیال جم سکے لیکن ان سب خیالات میں سے شیخ کا تصور زیادہ مفید ہے کہ وہ محبوب ہونے کی وجہ سے ذہن میں زیادہ جمے گا اس لئے دفع خیالات میں زیادہ موثر ہوگا۔

تصور شیخ کوئی بالذات مطلوب نہیں، صرف توجہ الی اللہ کے وقت جو وسوسے مجرد کا ہجوم ہوتا ہے وہ قطع وسوسے کے لئے ہے اس سے یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے پھر اس یکسوئی سے توجہ الی اللہ کی استعداد ہو جاتی ہے۔ پھر اس استعداد کو مقصود میں صرت کرنا اور جب مقصود حاصل ہو جائے تو پھر ان ہنویات و قیود کی ضرورت نہیں ہوتی۔ غرض جب یہ بات حاصل ہو جائے تو شیخ کا تصور دل سے نکال دے۔ اور صرف ذات حق کی طرف متوجہ ہو جائے پھر اچھا نا اگر خیالات آجائیں تو پھر شیخ کا تصور کر لے جب خیالات دفع ہو جائیں پھر ذات حق کی طرف متوجہ ہو جائے کیونکہ مقصود حقیقتاً یہی ہے اور خود حق تعالیٰ کا براہ راست تصور کر لے تو بہتر ہے۔ یہ شغل خواص کو تو مفید ہوتا ہے اور عوام کو سخت مضر ہے کہ صورت پرستی کی نوبت آجاتی ہے اس لئے عوام کو تو بالکل اس سے بچنا لازمی ہے، اور خواص بھی کریں تو احتیاط کی حد تک محدود رکھیں۔ اس کو حاضر و ناظر اور ہر وقت اپنا معین و دستگیر نہ سمجھ لیں کیونکہ کثرت تصور سے کبھی صورت مثالیہ رو برو حاضر ہو جاتی ہے کبھی تو وہ محض خیال ہوتا ہے اور کبھی

کئی لطیفہ غیبی اس شکل میں تمثیل ہو جاتا ہے اور شیخ کو اکثر اوقات خبر بھی نہیں پہنچتی اس مقام پر اکثر ناواقف کو لغزش ہو جاتی ہے لہذا مجھ کو اس قصود شیخ سے سخت انقباض ہے۔ اس طرح انہماک کے ساتھ کسی مخلوق کی طرف توجہ کرنا توحید کے خلاف ہے اس سے غیرت آتی ہے کہ غیر کی صورت ایسے طریق پر ذہن میں جمائیں جو کہ حق تعالیٰ کے لئے زیبا تھا۔ (الکلام الحق - تعلیم الدین)

۳۔ حضرت والا حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ملفوظ کو نہایت تاکیر اور اہتمام کے ساتھ نقل فرمایا کرتے تھے کہ حب شیخ اور اتباع سنت کے ہوتے ہوئے اگر ظلمات بھی ہوں تو سب انوار ہیں اور اگر ان میں سے ایک چیز بھی کم ہو تو پھر گراؤ اور کجی ہو تو وہ سب ظلمات ہیں۔ (اشرف السوانح حصہ دوم ص ۲۱)

مشائخ بھی اپنی اصلاح سے مستثنیٰ نہیں

جو شیخ صاحب نظر صحیح ہو وہ اپنے واسطے کسی کو شیخ تجویز کر لے کہ اپنے احوال خاصہ میں اس کی رائے سے عمل کیا کرے۔ اپنی رائے سے عمل نہ کرے کیونکہ اپنے خیالات و واقعات میں اپنی نظر تو ایک ہی پہلو پر جاتی ہے، اور دوسروں کی نظر ہر پہلو پر جاتی ہے۔ اور جس شخص کو درمرا شیخ نہ ملے تو وہ اپنے چھوڑوں ہی سے مشورہ کیا کرے اس طرح بھی غلطی سے محفوظ رہے گا جب میں مشائخ کے لئے بھی اس کی ضرورت سمجھا ہوں کہ وہ بھی کسی کو اپنا بڑا بنادیں اور اپنے معاملات خاصہ میں محض اپنی رائے سے عمل نہ کریں تو غیر مشائخ کے لئے تو اس کی بہت زیادہ ضرورت ہے پس ہر شخص کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنی رائے اپنے کو نفع متعدی کا اہل سمجھ لے، ان کا تو یہ مذاق ہونا چاہئے کہ احمد تو عاشقی بہ مشیخت تراچہ کار دیوانہ باش سلسلہ شد شد شد نہ شد نہ شد

بیعت کرنے میں عورتوں کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینا ناجائز ہے
 حدیث :- حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عورت کا ہاتھ کبھی نہیں چھوا۔ البتہ صرف زبانی بیعت لے
 لیتے تھے۔ جب زبانی عہد لینے پر وہ عہد کر لیتی تو آپ فرماتے کہ جاؤ میں نے تم کو
 بیعت کر لیا۔ (بخاری و مسلم۔ ابوداؤد)

بعض نادانف یا بے احتیاط درویش عورتوں سے دست بدست بیعت لیتے ہیں۔
 علی بالکل ناجائز ہے بلا ضرورت اجنبی عورت کے بدن پر ہاتھ لگانا گناہ ہے۔ اس حدیث
 میں اس عمل کا ابطال اور رد ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون مرے
 اور عقیف ہو گا جب آپ نے اس میں احتیاط فرمائی تو دوسرے پیر کو باپ یا فرشتہ سمجھ کر
 ایسی بے تلفی اور بے پردگی کو کیونکر گوارا کیا جاسکتا ہے۔ حقیقت بیعت کی محض معاہدہ
 ہے سوز بانی کافی ہے مشائخ متاخرین نے تقویت اتصال کے لئے اور نیز تسکین قلب
 عوام کے لئے کپڑے کا ایک گوشہ خود لینا اور دوسرا گوشہ مریدہ کو دینا معمول کر لیا
 ہے اس کا مضائقہ نہیں بلکہ اگر مرد کے لئے بھی یہ ضرورت یا بلا ضرورت زبانی بیعت
 پر اکتفا کیا جاوے مضائقہ نہیں لیکن چونکہ ہاتھ میں ہاتھ لینا بیعت کی ایک سنون
 بیعت ہے اور مرد میں اس سے کوئی امر مانع نہیں ہذا معنی اور صورت کا جمع کر لینا
 اولیٰ ہے۔ (الستکشف ص ۳۱۸)

تقویٰ لازمہ طریق ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا
 مَعَ الصَّادِقِينَ
 (سورہ توبہ)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اعلیٰ میں (سچوں کے ساتھ
 رہو) یعنی جو نیت اور بات میں سچے ہیں ان کی راہ چلو
 تاکہ تم بھی صدق اختیار کرو۔

اس آیت میں عام مسلمانوں کو تقویٰ کے لئے ہدایت فرمائی گئی ہے اور
 کُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ میں اس طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ صفتِ
 تقویٰ حاصل ہونے کا طریقہ صالحین اور صادقین کی صحبت اور عمل میں ان
 کی موافقت ہے۔ اس جگہ قرآن حکیم نے علماء و صلحاء کے بجائے صادقین کا
 لفظ اختیار فرما کر عالم و صالح کی پہچان بھی بتادی کہ صالح صرف وہی شخص ہو سکتا
 ہے جس کا ظاہر و باطن یکساں ہو نیت و ارادے کا بھی سچا ہو اور عمل کا بھی سچا ہو۔
 (بیان القرآن)

دورِ حاضر میں اہل اللہ کی صحبت کی اہمیت

حضرت حکیم الامت مجدد الملت نے فرمایا کہ میں تو اس زمانے میں اہل اللہ کی صحبت کو
 فرض عین کہتا ہوں اور تقویٰ دیتا ہوں کہ اس زمانے میں اہل اللہ اور خاصانِ حق کی صحبت
 اور ان سے تعلق رکھنے کے فرض عین ہونے میں کسی کو کیا شبہ ہو سکتا ہے اور تجربہ سے
 معلوم ہوا کہ آج کل ایمان کی سلامتی کا ذریعہ صرف اہل اللہ کی صحبت ہے۔ اس تعلق
 کے بعد بفضلہ کوئی جادو اثر نہیں کرتا (الافادات الیومیہ)

مشقات طریق

دُعَاء

ضرورتِ دُعا

کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جس کو صلاح و فلاح کی ضرورت نہ ہو اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دین کی صلاح و فلاح کے واسطے اسباب و ابواب موضوع فرمادیئے، کہ اہل حاجت اس سے مدد لیں اور عقبات و مہالک سے نجات پائیں۔ ان اسباب میں بجز دُعائے جتنے اسباب ہیں ان کے مقدمات خاص خاص امور ہیں چنانچہ اسبابِ طبعیہ کا (مثل زراعت و تجارت و طبابت کے) اصلی مقصود فلاحِ دنیوی بنایا گیا ہے گو بواسطہ معینِ دین بھی ہو، اور اسبابِ شرعیہ کا (مثل صوم و صلوة و حج کے) مقصود بالذات فلاحِ دینی ٹھہرایا گیا ہے۔ گو بالعرض نافع دنیا بھی ہو۔ مگر صرف دُعائے ایسی چیز ہے کہ فلاحِ دین و دنیا کے لئے بالمسادات ایک مرتبہ میں مشروع و موضوع ہے۔ جس سے بوجہ اس جامعیت کے اس کی دعوت و عظمت ظاہر ہے اس لئے قرآن مجید و حدیث شریف میں نہایت درجہ اس کی ترغیب و فضیلت و تاکید جا بجا وارد ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص کو دُعائے کی توفیق ہوگئی اس کے لئے قبولیت کے دروازے کھل گئے اور ایک روایت میں ہے جنت کے دروازے کھل گئے۔

اور ارشاد فرمایا کہ قضا کو صرف دُعائے شادتی ہے۔ احتیاط و تدبیر سے نہیں ملتی اور دُعائے نازل شدہ بلا کیلئے بھی نافع ہے، اور اس بلا کیلئے بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئی۔ اور اگر کبھی بلا نازل ہوتی ہے اور ادھر سے دُعائے پہنچ کر اس سے ملتی ہے۔ تو دونوں میں قیامت تک گشتی ہوتی رہتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبل مصیبت

بھی دعا کرتا رہے۔ اس کی برکت سے مصیبت نہیں آتی۔ اور کبھی اس کی وجہ سے مصیبت ٹل جاتی ہے۔

اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے زیادہ کوئی چیز قدر نازل کی نہیں اور جس کو یہ بات پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ سختیوں کے وقت اُس کی دعا قبول فرمایا کریں اس کو چاہئے کہ خوشی اور عیش کے وقت کثرت سے دعا مانگا کرے۔ اور ارشاد فرمایا کہ دعا مسلمان کا ہتھیار ہے اور دین کا ستون ہے اور آسمان کا نور ہے۔

دعائیں خاصیت ہے کہ اس سے تدریجاً ضعیف بھی قوی ہو جاتی ہے۔ دعا کرنے سے بندہ کو حق تعالیٰ سے خاص تعلق ہو جاتا ہے۔ جس وقت آدمی دعا کرتا ہے اس وقت غور کر کے ہر شخص دیکھ لے کہ اس کو اللہ تعالیٰ سے خاص تعلق محسوس ہوگا بغیر اس کے خاص تعلق نہیں ہوتا بلکہ صرف ہوائی ہوتا ہے۔ دعائیں ایک نفع یہ ہے کہ یہ حق تعالیٰ کے یہاں معذور سمجھا جائے گا کیونکہ جب اس سے سوال ہوگا کہ تم نے حق کا اتباع کیوں نہیں کیا تو کہہ دے گا کہ میں نے طلب حق کے لئے بہت سعی کی اور اللہ تعالیٰ تو ایک ہی تھے۔ میں نے ان سے عرض کر دیا تھا کہ مجھ پر حق واضح ہو جاوے۔

بعض دفعہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت و عنایت سے نیک بندوں کی عاجزی اور دعا و زاری پر نظر فرما کر محض اپنی قدرت سے تھوڑے سے ناتمام اسباب سے بلا اسباب بھی اثر مرتب فرمادیتے ہیں۔

قبولیتِ دعا اور اس کا طریق کار

احادیث شریف میں دعا کی بڑی فضیلت آئی ہے اور عقلاً بھی یہ سب سے بڑی چیز ہے اور یہ ہر تدبیر سے بڑھ کر تدبیر ہے بلکہ حقیقت میں اس کا درجہ تدبیر سے بڑھ کر ہے۔ اس کو تقدیر سے زیادہ قرب ہے۔ کیونکہ اس میں اس ذات سے درخواست ہے جس کے قبضہ میں تقدیر ہے۔ سب تدبیریں کرتے ہیں مگر دعا نہیں کرتے بجز اس کے کہ دو تین دعائیں یاد کر لی ہیں۔ نماز کے بعد آموختہ کے طور پر ان کو پڑھ کے منہ پر ہاتھ پھیر لیتے ہیں (مخشوع ہے نہ خضوع) یہ تو عملی غلطی ہے، اور دوسری عملی غلطی یہ ہے کہ دعا کے قبول نہ ہونے سے شیطان یہ دھوکا دیتا ہے کہ یہ تدبیر تو سب تدبیروں سے کمتر ہے۔ دیکھو اتنا عرصہ دعا کرتے ہو گیا قبول ہی نہ ہوتی (مگر) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ کوئی ایسا مسلمان نہیں جو دعائیں اڑ جائے اور پھر عطا نہ ہو۔ خواہ سر دست اس کو دیدیں یا آئندہ کے لئے جمع کر دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعا قبول ضرور ہوتی ہے مگر صورتیں اس کی مختلف ہوتی ہیں۔ کبھی تو وہی مل جاتا ہے جو مانگا تھا اور کبھی اس سے افضل چیز عطا ہوتی ہے اور کبھی دنیا میں کچھ عطا نہیں ہوتا بلکہ اس کا اجر آخرت میں جمع کر کے اس کو دیا جائے گا۔ اس وقت ثواب کو دیکھ کر تمنا کریں گے کہ کاش! ہماری سب دعائیں آخرت ہی میں ذخیرہ رہتیں۔ دنیا میں ایک بھی نہ ملتی۔ پس یقین کر لینا چاہئے کہ ہماری سب دعائیں بالمعنی الاعم قبول ہی ہوتی ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی مصلحت کو تم سے زیادہ جانتے ہیں۔ پس اس بات کو بھی، خوب جانتے ہیں کہ یہ نعمت ہو ہو مہ (جس کی تم درخواست کر رہے ہو) تمہارے مناسبت ہے یا نہیں۔ اور مناسب ہے تو کس وقت اور کس حالت میں مناسب ہے۔ جیسے

اگر کوئی طبیب سے درخواست کرے کہ میرا علاج مہل سے کر دیجئے تو اصل منظوری
 تو علاج کا شروع کر دینا ہے گو مہل نہ دے، اور دوسری بات مہل دینا ہے۔
 اس میں شرط ہے کہ مصلحت بھی سمجھے پس اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَجِيبْ دَعْوَةَ
 السَّاعِ اِذَا دَعَاكَ اَنْ تَعِيْبَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْمُنْكَافِرِيْنَ اِنَّهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ
 اِلَّا سُرْمًا مَّحْمُومًا اور اس پر توجہ کرتے ہیں، بے توجہی نہیں کی جاتی، توجہ درخواست لے لی گئی ہے
 تو اگر اس کا کرنا ہماری مصلحت کے خلاف نہ ہو تو ضرور پوری ہوگی ورنہ اس کی جگہ
 کچھ اور مل جائے گا۔ سو یہ تو عین کامیابی ہے۔ پس اجابت جس کا وعدہ ہے اس کے معنی
 درخواست کا لے لینا اور اس پر توجہ کرنا ہے، یہ اجابت یعنی ہے اور اس میں کبھی تخلف
 نہیں ہوتا۔ آگے دوسرا درجہ ہے کہ جو مانگا وہی مل جائے گا اس کا وعدہ نہیں۔
 (اگر چہ ممکن ہے)

حدیث معتبرہ میں دعا کے لئے مفصلہ ذیل آداب کی تعلیم فرمائی گئی ہے جن کو ملحوظ
 رکھ کر دعا کرنا بلاشبہ کلید کامیابی ہے اور جن کی رعایت کے بعد دعا مقبول نہ ہونا عاقبت
 کے خلاف ہے لیکن اگر کوئی شخص کسی وقت ان تمام یا بعض آداب کو جمع نہ کر سکے تو یہ
 نہیں چاہئے کہ دعائی کو چھوڑ دے بلکہ دعا ہر حال میں مفید ہی مفید ہے اور ہر حال میں
 حق تعالیٰ سے قبول کی امید ہے۔

۱۔ وضو کرنا۔ ۲۔ قبلہ رخ ہونا۔ ۳۔ دو زانو ٹھینا۔ ۴۔ دعا کے لئے دونوں ہاتھ

پھیلانا۔ ۵۔ اخلاص اور آداب و تواضع کے ساتھ دعا کرنا۔ ۶۔ دعا کے اول اور آخر

حمد و ثنا اور درود شریف بڑھانا۔ ۷۔ حرام مال سے بچنا۔ ۸۔ اپنی محتاجی اور عاجزی

کا ذکر کرنا۔ ۹۔ دعا کے وقت انبیاء علیہم السلام اور دوسرے مقبول بندوں کے ساتھ

۱۔ الاصابہ صفحہ ۷ تا ۱۱۔ شریعت و طریقت

۲۔ احکام الدعاء و منسلکہ مناجات مقبول مطبوعہ دیوبند

توسل کرنا یعنی یہ کہنا کہ یا اللہ ان بزرگوں کے طفیل سے میری دعا قبول فرما۔ ۱۰۔ ان دعاؤں کے ساتھ دعا کرنا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ ۱۱۔ رغبت و شوق اور عزم کے ساتھ دعا کرنا۔ یعنی یوں نہ کہے کہ یا اللہ اگر تو چاہے تو میرا کام پورا کر دے بلکہ قبول دعا کی امید قوی رکھے۔ ۱۲۔ کسی ناجائز چیز۔ گناہ اور محال چیز کی دعا نہ کرے۔ ۱۳۔ اپنی سبب حاجات صرف اللہ تعالیٰ سے طلب کرے۔ اور مخلوق پر بھروسہ نہ کرے۔ دعا کے آخر میں آمین کہہ کر دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرے۔ مقبولیت دعا میں جلدی نہ کرے۔ یعنی یہ نہ کہے کہ میں نے دعا کی تھی اب تک قبول کیوں نہیں ہوئی۔ اعتدال اصل طریقہ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا توکل کے ساتھ اسباب کی رعایت فرمائی ہے کہ نہ دعا کے بھروسے اسباب کو چھوڑ دے اور نہ اسباب میں ایسا مہنک ہو کہ مسبب لاسباب پر نظر نہ رہے۔

معمولی چیز بھی خدا ہی سے مانگیں اور یہ نہ سمجھیں کہ چھوٹی چیز مانگنے سے حق تعالیٰ ناخوش ہوں گے، کیونکہ حق تعالیٰ کے نزدیک ہر بڑی چیز چھوٹی ہی ہے ان کے نزدیک عرش اور تک کی ٹلی برابر ہے۔

دعا میں اگر دل نہ لگتا ہو تو اس طرح سمجھا دیں کہ دنیا میں نفع موموم پر بھی ہمت سے کام لیتے ہیں گو آخر میں خسارہ ہی ہو جاوے اور خسارہ کا خطرہ بھی ہوتا ہے جیسے تجارت وغیرہ میں احتمال ہے اور دعا میں خسارے کا احتمال ہی نہیں پھر اس میں کوتاہی کیوں کی جاتی ہے۔

طریق تحصیل

اپنی احتیاجوں اور اللہ تعالیٰ کی عنایات کو سوچنا اور اس پر غور کرنا طریق تحصیل ہے۔ (شرعیہ و طریقیہ)

اذکار

اللّٰهُ تَعَالَىٰ نَے ارشاد فرمایا ہے :

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ
قِيَامًا وَقُعُودًا
وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ (الآیہ)
وہ لوگ (ہر حال میں، دل سے بھی اور
زبان سے بھی) اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے
ہیں کھڑے بھی، بیٹھے بھی، لیٹے بھی۔
(بیان القرآن ص ۸۲)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

كُلُّ شَيْءٍ صِقَالُهُ وَصِقَالُهُ
الْقُلُوبُ ذِكْرُ اللَّهِ -
ہر شے کا صیقل (چمکانے والا) ہے
اور قلوب کا صیقل اللہ تعالیٰ کا ذکر
ہے (التکفیت ص ۴۴۵)

ذکر کے معنی لغت میں - یاد رکھنا۔ اس کا مقابل نسیان یعنی بھول جانا ہے۔
یاد رکھنا دو طرح پر ہوتا ہے ایک صورتی اور ایک حقیقی۔ صورتی زبان سے ذکر کرنے
اور نام لینے کو کہتے ہیں۔ اور حقیقی، ادائے حقوق کو کہتے ہیں۔ ذکر سانی (یعنی زبان سے
یاد کرنا) بھی ذکر اللہ کا ایک فرد ہے مگر ناقص اور ذکر حقیقی، ذکر اللہ کا فرد کامل ہے
اگر دونوں جمع ہو جاویں۔ یعنی ادائے حقوق کے ساتھ ذکر سانی بھی ہو تو سبحان اللہ
درجہ اکمل ہے۔ غرض کوئی خیر دنیا و آخرت کی نہیں جو ذکر اللہ میں نہ آگئی ہو۔ کیوں کہ
حقوق اللہ کی بہت سی قسمیں ہیں جیسے عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات اور حقوق انسانی
وغیرہ اس میں تمام احکام شریعت آگئے۔ گویا ذکر اللہ کا اصل مطلب۔ اللہ تعالیٰ
سے پورا تعلق پیدا کرنا ہے۔ (وعظ تفصیل الذکر ص ۶۰۵)

اور تعلق کے معنی ہیں لگاؤ۔ اور لگاؤ سے مراد دل کا لگاؤ۔ اور دل کے لگاؤ

کے معنی یہی ہیں کہ دل اس کی طرف متوجہ رہے اور دل میں اس درجہ اس کی یاد رہے جس کو عرف میں ۰ دل میں بس جانا کہتے ہیں اور غفلت عن اللہ تمام امراض کی اصل ہے جو کہ ضد ہے۔ اس تعلق مذکور کی جو قلب کی غذا ہے اور غفلت کی ضد ہے یاد۔ تو یاد کو اختیار کرنا چاہئے، اور یاد سے (اصل) مراد کسی لفظ کو زبان سے رٹنا نہیں ہے۔ بلکہ ہر کام میں یاد رکھنا ہے جس کی علامت یہ ہے کہ کوئی کام اللہ کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔ (الباطن ص ۳۲-۳۹-۴۰، ۴۳)

پس ذکر کی دو قسمیں ہیں: ایک صورت ذکر ایک حقیقت ذکر (جو لوگ پورے اعمال شریعہ بجا نہیں لاتے اور صرف ذکر سانی یا قلبی کرتے ہیں ان کو صورت ذکر تو حاصل ہے لیکن حقیقت ذکر حاصل نہیں) مگر ذکر اسی بھی بیکار نہیں بلکہ نافع و مفید ہے جس کو کامل اور اعلیٰ درجہ حاصل نہ ہو وہ اسی کو غنیمت سمجھے کیونکہ

از صفت و ز نام چہ ز اند خیال

واں خیال شہت دلال وصال
اکبر الاعمال ص ۱۳

(اور ذکر زبان سے بھی ہوتا ہے اور دل سے بھی) اور اس کے متعلق مختلف احکام ہیں بعض لفظ کے ساتھ متعلق ہیں۔ ان میں ذکر سانی افضل ہے۔ باقی ذکر قلبی جس سے ہر وقت قلب میں یاد رہے۔ اجر اس پر بھی ہے مگر اس میں قلب سے ذہول کا اندیشہ رہتا ہے (کیونکہ یہ زیادہ دیر تک باقی نہیں رہتا۔ دل ادھر ادھر چلا جاتا ہے اور ذکر یہ سمجھتا ہے کہ میں ذکر میں مشغول ہوں اور ذکر سانی میں یہ اندیشہ نہیں اس لئے ذکر سانی کرنا چاہئے اور اس میں توجہ قلبی رکھنا چاہئے۔ اگر کچھ دیر ذکر قلبی نہ رہے گا تو سانی تو باقی رہے گا اور وقت ضائع نہ ہوگا اور اگر صرف قلب سے ذکر کرے گا تو زبان خالی رہے گی۔ اس اعتبار سے ذکر قلبی سے ذکر سانی افضل ہے) مگر اس ذکر سانی کا مقصد بھی یہی ہے کہ اس ذریعہ سے قلب میں مذکور کی یاد رہے بس جائے۔

اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روک دے اور سرماں برداری پر کمر بستہ چُست کر دے، یہی ذکر اللہ ہے، اور جس کو ایسا ذکر معاصی سے نہ روکے اس کے لئے یہ حقیقی ذکر نہ ہو گا، بلکہ ذکر کی صورت ہوگی۔ (تصرف و سلوک صفحہ ۵۷، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱)

محققین صوفیہ نے اس راز کو سمجھا ہے کہ اللہ اللہ کرنا گو ذکر نہیں مگر مقصود کے لئے تیار ہونا ہے اس واسطے حکم ذکر ہے اور اصل مقصود اس ذکر سے اس کے مدلول کا راسخ فی القلب ہے اور قاعدہ ہے کہ راسخ کے لئے تکرار موثر ہوتی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ راسخ کے لئے جو طریقہ اختیار کیا جائے وہ سنت سے ثابت ہو اس کے لئے تجسس بہ کافی ہوتا ہے۔

محققین کا قول ہے کہ حق تعالیٰ کی صفات و کمالات خود ایسے ہیں کہ اس کا کمال اس کا مقتضی ہے کہ ان کی طرف توجہ کی جائے اور ان کی یاد دل میں بسائی جاوے۔ کسی رقت ان سے غافل نہ ہو۔ اگرچہ وہ ہماری طرف توجہ بھی نہ فرمائیں۔ اگرچہ ہمارے ذکر پر کوئی ثمرہ عاجلہ مرتب نہ ہو۔ چہ جائیکہ ایک دوسرا مقتضی بھی موجود ہے۔ یعنی ان کا بندگی طرف توجہ فرمانا (ثابت ہے) چنانچہ ارشاد ہے :-

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ
کہ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا
(الغائب عینی ص ۱۷)

(مزید برآں) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

وَالذِّكْرُ لِلَّهِ أَكْبَرُ
اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے
یعنی ذکر اللہ ضرورت کی وجہ سے بھی بڑی چیز ہے۔ خود بھی فی نفسہ ضروری ہے۔ اور دیگر ضروریات کی جڑ بھی ہے۔ گو شعائر دین (یعنی دین کی کھلی علامات) سے نہ ہو۔ مگر حقیقت میں یہ شعائر کی بھی جڑ ہے۔ اور تمام اعمال کی بھی جڑ ہے۔ مگر (جس طرح) جڑ بدون شاخوں کے کارآمد نہیں ہو سکتی اسی طرح محض ذکر بدون دوسرے اعمال کے کارآمد نہیں۔

ذکر کے مراتب مختلف ہیں۔ جنت اور دوزخ اور عذاب و ثواب کا ایلا کرنا بھی اللہ تعالیٰ ہی کی یاد ہے، جیسے بعض لوگ باوجود تقاضے کے چوری نہیں کرتے۔ مالگداری ادا کرنے میں سستی نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کو ایک چیز یاد آتی ہے یعنی سزا و قید وغیرہ۔ اسی طرح ایسی چیز کو یاد رکھنا جو معاصی سے روک دے اور طاعات پر ہمت کو چست کر دے ذکر اللہ ہے۔ اب اگر کسی کو جنت و دوزخ کی یاد معاصی سے روکے اس کے لئے یہی ذکر اللہ ہے، اور جس کو مراقبہ ذات معاصی سے روکے اس کے واسطے یہی ذکر اللہ ہے اور جس کو یہ چیزیں معاصی سے نہ روکیں، اس کے واسطے یہ ذکر اللہ حقیقی نہ ہوں گی بلکہ صورت ذکر میں داخل ہوں گی۔ اس کو اپنے مناسب حال ذکر حقیقی کسی محقق سے تجویز کرانا چاہئے۔ مثلاً بعضوں کے لئے نفس پر جرمانہ مالی کرنا معاصی سے مانع ہوتا ہے ان کے واسطے یہی ذکر ہے۔ یہ ذکر کی حقیقت ہے۔ اور یہی تمام طریق کی بلکہ تمام شریعت کی جڑ ہے۔ (اکبر الاعمال صفحہ ۳۷-۲۹-۳۰)

مزید برآں ذکر کی کوئی حد نہیں۔ حالانکہ نازکے واسطے ایک حد ہے، کہ اوقات مکروہ میں حرام ہے۔ روزہ کے واسطے حد ہے کہ ایامِ خمسہ میں حرام ہے۔ زکوٰۃ صدقہ کے واسطے حد ہے کہ خیر الصدقہ ماکان عن ظہر غنی (یعنی بہترین صدقہ وہ ہے جو غنی کے بعد ہو) حج کے واسطے حد ہے مثلاً فرض ادا کرنے کے بعد ایسے شخص کے لئے حج نفل جائز نہیں جس کے اہل و عیال کے حقوق ضائع ہوں مگر ذکر حقیقی کے لئے کوئی حد نہیں چنانچہ حدیث شریف میں ہے کان یذکر اللہ فی کل احیاء کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے تھے۔ (اکبر الاعمال صفحہ ۳)

سَالِک کے لئے خاص اذکار

اور

دستور العمل

حضرت حکیم الامتؒ کتاب قصد السبیل میں اوقات نام فرماتے ہیں :-
 ذیل میں ایک مختصر سا دستور العمل ہے جو بیحد نافع ہے اور اس قابل ہے کہ اس
 کو علم تصوف کہا جاوے یہ طریقہ بہت ناک چھان کر ہاتھ لگاہے۔
 یہ دستور العمل درویشی کی راہ پر چلنے والوں کے لئے مفید ہے اور جو میرے
 دست ہیں ان کے لئے ہمیشہ عمل کرنے کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ سے قوی امید
 رکھنا ہوں کہ اس دستور العمل کے مطابق عمل کرنے والا محروم نہ رہے گا (البتہ اس
 دستور العمل پر عمل کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ شریعت و سنت کے تمام احکامات
 پر اس کا عمل ہو اور تمام حقوق العباد کو ادا کرتا ہو)

اب سمجھنا چاہئے کہ خلاصہ اس دستور العمل کا یہ ہے کہ اس راہ کا چلنے والا یا عامی
 ہوگا یا عالم اور پھر ہر عامی اور عالم یا تو روزی کمانے والا اور بیومی بچوں والا
 ہوگا یا پھر اس کے ذمہ ایسا کوئی کام نہ ہوگا اور آزاد ہوگا تو یہ چار قسم کے لوگ ہوتے
 ۱۔ عامی مشغول ۲۔ عامی فارغ ۳۔ عالم مشغول ۴۔ عالم فارغ

حفاظت کرے۔ جموٹ غیبت وغیرہ قطعاً نہ ہونے پائے۔ نماز باجماعت پڑھے اور اور فرصت کے وقت قرآن شریف کی تلاوت کرتا رہے اور مناجات مقبول کی ایک منزل پڑھ لیا کرے۔ نفل نماز بھی پڑھا کرے، استغفار اور دعوہ شریف پڑھتا رہا کرے اور دین کی کسب پڑھے یا کسی سے سنا کرے، اور اگر کہیں قریب کوئی اللہ اللہ کرنے والا ہو تو اس کی خدمت میں اپنا وقت صرف کرے اس سے دل میں نور بھی پیدا ہوتا ہے اور اپنی بڑائی بھی دل میں نہیں آتی۔ کبھی کبھی نفل روزہ بھی لگا لیا کرے اگر اس کا پیرا کوئی اللہ والا ایسے شخص میں شوق دیکھے اور اس کو اس قابل سمجھے تو تین ہزار سے چھ ہزار تک ذکر اللہ اللہ کا تہائی میں بیٹھ کر ہلکی آواز سے پڑھنے کو بتادے اس سے زیادہ مناسب نہیں۔ باقی دوسرے وظیفے اور نقلیں جس قدر چاہے پڑھے۔

۳۔ عالم مشغول کا دستور العمل

جس وقت سکون حاصل ہو اور معدہ میں ہلکا پن ہو ایک وقت مقرر کر کے بارہ ہزار سے لیکر چوبیس ہزار تک تہائی میں بیٹھ کر ذکر اللہ اللہ با وضو ہو کر ہلکی آواز اور ہلکی ضرب کے ساتھ کر لیا کرے اور تہجد کی پابندی کرے اور کسی وقت قرآن مجید کی تلاوت اور مناجات مقبول عربی عبارت کی پڑھا کرے اگر مددس ہو تو بہتر ہے ورنہ تھوڑا وقت علم دین سکھانے میں صرف کرے اور کبھی کبھی ضروری ضروری دین کی باتوں پر مدعا بھی کہا کرے۔

۴۔ عالم فارغ کا دستور العمل

چند روز جس قدر موقع میسر ہو شیخ کی خدمت میں رہ کر ذکر میں مشغول رہا اور اس کے لئے اذکار میں اس قدر کانی ہے کہ بعد نماز تہجد بارہ تسبیح پڑھے یعنی :-
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ (چند بار) بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بھی ایک بار کہے) اور اَلَا اللّٰهُ چار سو بار اور اَللّٰهُ اَللّٰهُ (پہلے اللہ پر پیش
دوسرا ہائے ساکن) چھ سو بار اور صرف اللہ اللہ سو بار۔ یہ تیرہ تسبیح ہیں مگر
اصطلاح میں بارہ کہلاتی ہیں۔ ان میں خفیف سا جہر اور معتدل ضرب قلب پر کرے۔
مگر جہر مقصود بالذات اور قربت فی نفسہا نہیں ہے، ایسا اعتقاد کرنا بدعت ہے۔
اور حدیث میں جو وارد ہے اربعوا علی انفسکم انکم لاتدعون
اصم ولا غائباً (بخاری شریف) میرے نزدیک اسی اعتقاد کی انہی پر محمول ہے
اور بعض نے جہر مفرد کو اس کا محل بنایا ہے جس سے دوسرے لوگوں کو اذیت نہ ہو مثلاً سونے
والوں کو تشویش ہو اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے منع کرنے کی بھی یہی توجیہات ہیں
ورد جہر فی نفسہ جائز ہے جیسا بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے
رفع الصوت بالتکبیر کا ناز سے نارغ ہونے کی علامت ہو تا عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
میں اور سنن میں وتر کے بعد بُسْحَانَ الْمَلِکِ الْقُدُّوسِ میں رفع صوت
مروی ہے اور حکمت جہر میں یہ بھی گئی ہے کہ اس میں وسادس و خطرات کم آتے ہیں کیونکہ
اپنی آواز جو کان میں آتی رہتی ہے قلب آسانی سے ادھر متوجہ رہ سکتا ہے، سو یہ فائدہ
خفیف جہر سے بھی حاصل ہے۔ اسی طرح ضرب بھی قربت کا سبب نہیں ہے اس میں
بھی ایسی ہی حکمت طبعیہ ہے وہ یہ کہ حرکت عینہ سے حرارت پیدا ہوتی ہے اور حرارت
سے رقت اور رقت سے تاثر اور تاثر معین ہوتا ہے۔ اطاعت و محبت میں اور
وہ مقاصد میں سے ہیں پس صرف ذریعہ مقصود ہونے سے مقصود بالتیرین جاتا ہے
لیکن زیادہ ضرب سے قلب میں خفقان پیدا ہونے کا ڈر ہے لہذا اعتدال سے تجاوز
نہ کرے یہ تو اس کے متعلق تحقیق علمی ہے اور ایک امر عملی اس میں قابل تنبیہ ہے۔
وہ یہ کہ اکثر تلب فن میں اس ذکر کے ساتھ گردن کو داہنے اور بائیں لے جانے کو لکھا
ہے سو جان لینا چاہئے کہ پہلے لوگوں کے مزاج اور دماغ قوی تھے وہ اس کے تحمل

ہوتے تھے بلکہ بوجہ قوت مزاج کے وہ بغیر اس کے متاثر نہ ہوتے تھے۔ اس سے ان کو اس کی ضرورت تھی اب خود ضعف غالب ہے۔ تھوڑے نعل سے قلب متاثر ہو سکتا ہے۔ اس لئے ایسا نہ کیا جاوے ورنہ دماغ کے مادّے ہونے کا اندیشہ ہے۔ صرف اسی قدر کافی ہے کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے ساتھ سارے بدن کو تدریجاً دہنی طرف ذرا حرکت دیدیں اور اَللّٰهُ کے ساتھ بائیں طرف لے آئیں اور یہ بھی محض اس لئے ہے کہ بدن کو ایک حالت پر قائم رکھنے میں تکلیف اور قید ہے اس حرکت سے قدم سے سہولت ہو جاتی ہے ورنہ اس کی بھی حاجت نہیں اور ضرب کے وقت بھی گردن کو جھکا دینے کی ضرورت نہیں صرف مخرج پر آواز کا زور ڈال دینا کافی ہے جگہ کے قریب ہونے کے سبب سینہ پر اس کا اثر پہنچ جاوے گا۔ علیٰ ہذا القیاس بقیہ اذکار میں بھی ضرب اسی طور پر کرے اور بدن کو حرکت دینا اس سے بھی کم کافی ہے۔ یہ کلام تاسر بارہ تسبیح کے متعلق تھا۔

اس ذکر کے بعد اگر نیند کا تقاضا ہو تو ذرا سو جائے ورنہ خواہ ان اذکار میں سے کسی خاص ذکر کو اور زیادہ کرے، یا یونہی فارغ رہے۔ پھر بعد نماز صبح تلاوت قرآن پاک اور ایک منزل مناجات مقبول پڑھنے کے بعد بارہ ہزار سے چوبیس ہزار تک جس قدر سہل ہو، اسم ذات (اللہ) خفیف جہر اور معتدل ضرب سے فلوت میں بیٹھ کر کرے اور دوپہر میں قبیلہ کرے، پھر بعد نماز ظہر اسی طرح بارہ ہزار سے چوبیس ہزار تک سہولت کے ساتھ ذکر کرے۔ یہ ذکر عصر تک کرے اور عصر کے بعد اگر شیخ فارغ ہو تو مغرب تک اس کی خدمت میں رہے اور اگر فارغ نہ ہو، یا وہاں موجود نہ ہو، یا خود زیادہ اشتیاق نہ ہو تو باہر میدان، باغ و نہرندی وغیرہ کی میر کو چلا جائے۔ اگر شیخ موجود ہو تو اس سے اجازت لے کر جائے اور اسی وقت میں کبھی کبھی عام مسلمانوں کی قبروں پر یا اولیائے کرام کے مزاروں پر ہوا یا کرے

پھر بعد مغرب گھنٹہ آدھ گھنٹہ جب تک دلچسپی ہو خلوت میں بیٹھ کر مراقبہ موت اور مابعد الموت اور یوم حساب کا کرے کہ یہ واقعات اس طرح ہوں گے بلکہ یہ تصور کرے کہ یہ سب ہو رہا ہے۔ کثرت ذکر اللہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس مراقبہ سے دنیا سے نفرت پیدا ہوگی۔ پھر یہی محبت اور نفرت اس کو کامیاب بنانے کے لئے انشا اللہ تعالیٰ کافی ہوں گی اور بقیہ اوقات میں چلتے پھرتے اور اٹھتے بیٹھتے درود شریف پڑھتا رہے یا اور جس ذکر سے دلچسپی ہو۔

پاس انفاس کی حقیقت بھی یہی ہے کہ کوئی دم غفلت میں نہ گزرے۔ خواہ کئی ذکر اپنا معمول بنائے۔ پاس انفاس کے مشہور معنی اس ذکر کی حقیقت نہیں بلکہ وہ بھی ایک طریق ہے جس طرح ذکر کے دوسرے طریقے ہیں۔ پھر اگر اس ذکر کے وقت قلب میں جمعیت و خشوع معلوم ہو اور وہ روزانہ بڑھتی جاتے اور وساوس و خطرات میں کمی ہونے لگے اور ذکر میں دل لگا کرے تب تو میرے نزدیک اشغال کی حاجت نہیں۔ تقویٰ کا اختیار کرنا اور یہ ذکر اور یہ مراقبہ بہت کافی ہے۔ عمر بھر اس پر مداومت رکھے۔ آخرت میں تو ثمرہ یقینی ہے اور اصل وعدہ عطلتے ثمرہ کا آخرت ہی میں ہے لیکن دنیا میں بھی اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہے تو اس کے قلب پر عجیب علوم و معارف داروں ہوں گے۔

بنی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب و بے معید و اوستا اور وارداتِ غریبہ اور مواجید مثل ذوق و شوق۔ محبت دُانس و ہیبت و انکشافات امر الاحکام و حسنِ معاملہ فیما بینہ و بین اللہ اور تنبہ علی ما یصلح للنتبہ و امثالہا فالنص ہوں گے جن کی لذت کے سامنے ہفت اہم کی سلطنت گرو ہے۔

یہ امور حالات کہلاتے ہیں۔ چونکہ اول تو ہر شخص کو جدا حالات پیشا

آتے ہیں ان کا احاطہ و ضبط مشکل ہے دوسرے بعض کچھ امور معاملات کے متعلق ہوتے ہیں جو بہت زیادہ نازک ہوتے ہیں جو تحریر میں نہیں آسکتے ایسے وقت میں شیخ کا قریب ہونا مزدری ہوتا ہے، وہی ان کو سمجھ سکتا ہے اور جو مناسب حال ہوتا ہے وہ معمولات معتر کر دیتا ہے۔ اور یہ بھی بوجہ فائدہ صحبت شیخ کے ایک فائدہ ہے اور اس کے علاوہ اور بہت سے فائدے ہیں۔

یہی علوم جن کا اوپر ذکر ہے کشف الہی کہلاتے ہیں جن کے مقابل میں کشف کوئی نہ اس کی لذت کو پہنچتا ہے اور نہ قرب حاصل ہونے میں کوئی روجہ رکھتا ہے، اور اگر اس کشف الہی دلے کے متعلق رشد و ہدایت و شیمت روحانی و تربیت خلق ہو جائے تو اس کو قطب الارشاد کہتے ہیں اور جس کے متعلق امور دنیاوی ہو جاویں اس کو قطب التکوین کہتے ہیں۔

اگر ایک مدت تک ذکر کرنے سے قلب میں یکسوئی و خشوع نہ ہو تو مناسب ہے کہ کوئی شغل بھی کر لیا جائے۔ اشغال بہت ہیں مگر میرے نزدیک سب سے زیادہ سہل اور مفید شغل نوحہ ہے، اور اچھا وقت اس کے لئے آخر شب ہے بعد بارہ تسبیح کے لیکن جس دم نہ کرے۔ آج کل بوجہ ضعف دل و دماغ دونوں ماؤف ہو جاتے ہیں۔ آنکھیں صرف ویسے ہی بند کر لے اور کانوں کو انگشت شہادت سے ذرا زور سے بند کر لے اس سے کان میں ایک آواز جس کی کوئی حد نہیں پیدا ہوگی اور غالباً ہی اس کی وجہ تسمیہ ہے کیونکہ 'اَنَّ' لغت ہندیہ میں کلمہ نفی کا ہے یعنی بجد۔ اور اس آواز کی طرف قلب کو متوجہ رکھے اور زبان سے یا قلب سے اسم ذات (اللہ) کا ورد رکھے تاکہ اتنا وقت غفلت میں نہ گزرے۔ کیونکہ اس صورت (شغل) میں مشغول ہونا ذکر نہیں ہے کیونکہ یہ آواز نعوذ باللہ حق تعالیٰ کی صفت تو ہے نہیں، جیسا کہ بعض کو دھوکا ہو گیا ہے بلکہ عالم غیب میں سے کسی مخلوق کی بھی نہیں ہے۔ صرف ہی کے دماغ میں ہو ابند ہو کر گونجنے لگتی ہے باوجود اس کے پھر اس کی

طرت مشغولی کرنا صرف اس لئے تجویز کیا جاتا ہے کہ وہ آواز محسوس ہوتی ہے، اور لذت ہے بلکہ بعض اوقات اس کے انور نہایت دلربا اور دل فریب آوازیں پیدا ہوتی ہیں کہ شغل کرنے والے کو محو کر دیتی ہیں اور محسوس اور لذت چیز کی طرف پوری توجہ کرنے سے طبعاً دوسرے خطرات ختم ہو جاتے ہیں۔ تو اس سے ذہن کو ایک طرف پوری توجہ کرنے کی عادت ہو جاتی ہے۔ پھر اس شغل کو چھڑا کر اس توجہ کو مقصود حقیقی کی طرف منصرف کر دیتے ہیں جس کی طرف ابتدا میں غائب عن المحو ہی ہونے کی وجہ سے متوجہ ہونا۔ اچھا نامتاج نکلے تھا۔ الحاصل، اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ شغل خود ذکر نہیں ہے۔ البتہ معین ذکر ہے اس کو بدعت نہیں کہہ سکتے کیونکہ مامور بہ کا ذریعہ ہے، بلکہ غور کرنے سے سنت سے بھی اس کی اصل نکل سکتی ہے چنانچہ نمازیں سجدے کی جگہ پر نگاہ رکھنا سنون ہے اور اس میں حکمت خردوں سے نبات اور جمعیت قلب حاصل ہونا ہے واللہ اعلم۔

اور جس طرح اس آواز کا محل دماغ ہے اسی طرح کبھی دوسرے اشغال میں اور کبھی افکار میں بھی مختلف رنگ کے جو اوزار نظر آنے لگتے ہیں وہ بھی اکثر داعی تصورات ہوتے ہیں۔ چنانچہ غیر مشاغل بھی اگر اسی طرح آنکھیں بند کر کے دیکھے تو بعض اوقات اس کو بھی مختلف رنگ نظر آیا کرتے ہیں، اس سے کبھی دھوکا نہ کھائے اور نہ ان چیزوں کی طرف کبھی توجہ کرے بلکہ اگر اس سے بھی زیادہ بہ ہو کہ واقعی غائبات کا بھی کشف ہونے لگے، چنانچہ بعض اوقات بوجہ یکسوئی کے ایسا بھی ہو جاتا ہے تب بھی ہرگز ان کی طرف متوجہ نہ ہونے ان سے لذت حاصل کرے، خواہ وہ مکشوفات ناسوت کے ہوں یا ملکوت کے، یہ سب غیر مطلوب ہیں بلکہ جیسا کہ حضرت حاجی صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ حجاب ظلمانی سے حجاب نورانی زیادہ اشد ہے۔ طالب کو سب کی نفی کرنا چاہئے اور اس مضمون پر نظر رکھنا چاہئے ۷

عشق آل شعلہ است کوچوں برفروخت
ہرچہ جز معشوق بانی جملہ سوخت
تبع لا در تمل غیر حق بر اند
در نگر آخر کہ بعد لا چه ماند
ماند الا اللہ ربانی جملہ رفت
مرحبائے عشق شرکت سوز رفت

اور اگر شیخ کامل کوئی مراقبہ یا مشغل مناسب تجویز کرے اس کا اتبلاع کرے لیکن اشغال میں مشغل رابطہ و تصور شیخ اور دیگر مراقبات میں مراقبہ وحدۃ الوجود بوجہ اس کے کہ اکثر خواص کو بھی مضر ہے، متروک ہے۔ قولہ تعلقے :-

يسئلونك عن الخمر والميسر قل فيهما اثم كبير
ومناجع للناس واثمهما اكبر من نفعهما
(البقرہ - رکوع ۲۴)

وگ آپ سے شرب و خوار کے متعلق دریافت کرنے میں آپ فرمادیجئے کہ ان دونوں کے استعمال میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں ہیں اور لوگوں کو (بعضے) خانہ بے بی ہیں اور مردہ گناہ کی باتیں ان فائدوں سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں۔

پھر ان اذکار و اشغال سے جو وقت بچے اس میں کچھ نہ کچھ ذکر زبان سے توجہ قلب کے ساتھ جاری رکھے۔ خواہ درود شریف اور میرے نزدیک یہ سب سے بہتر ہے خواہ استغفار۔ خواہ کلمہ طیبہ۔ خواہ کوئی اور ذکر جس سے دلچسپی ہو اور ان اوقات میں صرف ذکر قلبی پر اکتفا نہ کرے کیونکہ اس میں اکثر دھوکا ہوتا ہے کہ اپنی غفلت کا احساس نہیں ہوتا یا اس سے بڑھ کر یہ کہ غفلت کو کبھی استغراق و محویت سمجھ جاتا ہے جو صریحاً نقصان ہے اور دو چیزوں سے بچنے کا ہر وقت خیال رکھے۔ ایک غفلت جس کا علاج ذکر ہے جیسا ابھی بیان ہوا۔ دوسرے مصیبت صغیرہ ہو یا کبیرہ قلب سے ہو یا زبان سے۔ یا ہاتھ پاؤں آنکھ کان سے غفلت سے قلب کی نورانیت برباد ہو جاتی ہے اور مصیبت سے علاوہ نور قلب فوت ہونے کے مقبولیت عند اللہ بھی زائل ہو جاتی ہے اور یہ بڑا خسارہ ہے اور اگر اچانک غفلت سے یا نفس کی شرارت سے کوئی مصیبت قوی یا فعلی سرزد ہو جائے تو فوراً نہایت زامت اور عاجزی سے استغفار و توبہ کرے۔

اسی طرح بعضی غفلت بھی خصوصیت کے ساتھ زیادہ مضر ہے یعنی وہ غفلت جس کا

سبب ذمیوی تعلقات ہوں کیونکہ ایسی غفلت تجدید ذکر سے بھی ختم نہیں ہوگی۔ بار بار قلب اس طرف کشش کرے گا اور منجملہ اس دستور العمل کے ایک امر یہ بھی ہے کہ جب تک ایسے شخص کو جس کے تعلق ذکر ہو رہا ہے، کسی قدر صرخ و استحکام کے ساتھ نسبت باطنی نصیب نہ ہو جائے۔ اس وقت تک نہ تودہ افادہ باطنی میں مشغول ہو، نہ افادہ ظاہری میں یعنی نہ طلباء کو پڑھائے نہ عوام میں وعظ کیے، نہ تعویذ گنڈے کا شغل کرے، نہ پیری مریدی کرنے لگے۔ بلکہ کچھ عرصہ تک بالکل گنہامی کی زندگی بسر کرے۔ (جب تک ان باتوں کا شدید تقاضا نہ ہو۔)

اور علامت حصول نسبت باطنی کے دو امر ہیں۔ ایک تو یہ کہ ذکر اور یادداشت کا ایسا ملکہ ہو جائے کہ کسی وقت غفلت اور ذہم ل نہ ہو اور اس میں زیادہ تکلف نہ کرنا پڑے۔ دوسرے یہ کہ اطاعت حق یعنی اتباع احکام شرعیہ کی عبادات میں معاملات میں۔ اخلاق میں۔ اقوال میں اور انعام میں اس کو ایسی رغبت ہو جائے اور منہیات و مخالفت سے ایسی نفرت ہو جائے جیسی مرغوبات و مکروہات طبیعہ میں ہوتی ہے اور حرص دنیا کی قلب سے نکل جائے۔ کان خلقہ القرآن اس کی شان بن جاوے۔ البتہ کسل عارضی یا کوئی دوسرہ جس کے مقتضا پر عمل نہ ہو اس رغبت و نفرت کے منافی نہیں۔ اور یہی درجہ یادداشت اور فرماں برداری کا جو علامت ہے نسبت باطنی کا حاصل ہے محبت حق کا۔ اور اگر حصول نسبت کے ساتھ کچھ علوم و اسرار بھی قلب پر وارد ہونے لگیں تو یہ شخص عارف کہلاتا ہے۔ اب بعد حصول نسبت کے درس و وعظ یا تصنیف و تالیف کا مضائقہ نہیں بلکہ یہ خدمت دین افضل العبادت ہے۔ اور اگر شیخ تعلیم و تلقین۔ اذکار اور بیعت کرنے کی بھی اجازت دے تو بندگان خدا سے یہ افادہ بھی دریغ نہ کرے لیکن ہمیشہ اپنے کو خادمِ خلق سمجھے۔ مخدوم نہ سمجھے اور اگر اجازت نہ دے تو ہرگز ایسی جرات نہ کرے اور نہ از خود درخواست اجازت حاصل کرنے

کی کرے کہ محض ہوس ہے۔ ایسی رعایتی اجازت معتد بہ نہیں۔ بلکہ بڑے بننے سے
 چھوٹا بہ ضابطہ جہاں اسلام ہے۔ البتہ حکم ہو جانے پر اس کے خلاف کرنا مناسب نہیں دین
 آگے سلسلہ ہی نہ چلتا لیکن یہ احتیاط بھی لازمی شرط ہے کہ مریدوں سے ملل حاصل ہونے
 لا منتظر اور متوقع نہ رہے بلکہ اگر مرید کچھ نذرانہ وغیرہ دینے کا ارادہ بھی کریں تو بیعت کرنے
 کے وقت تو ہرگز قبول نہ کرے کہ یہ صورت مبادلہ و معاوضہ کی ہے (جو غیرت دین کے
 خلاف ہے) ہاں کسی اور دوسرے موقع پر اگر بطیب خاطر اپنی حلال کمائی میں سے
 گنجائش کے موافق دیں جس سے ان پر کوئی باریا گرائی نہ ہو تو ایسی صورت میں ہدیہ قبول
 کر لینا مستحسن ہے اور انکار کرنا ایک مسلمان کی دل شکنی کا باعث ہے اور حق تعالیٰ کی
 ناشکری ہے گو اس ہدیہ کی مقدار بہت ہی کم ہو اس کو قبول کر لے اور اگر وہ لوگوں کے
 سامنے بھی دے جب بھی تنگ و عار نہ کرے کہ یہ شعبہ تکبر کا ہے۔ (قصدا السبیل)

طریق ذکر دوازده تسبیح

بعد نماز تہجد کے توبہ و استغفار۔ عجز و انکسار سے کر کے اور ہاتھ
 اٹھا کے یہ دعا بحضور قلب پڑھے۔

اللَّهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِي عَنْ غَيْرِكَ وَتَوَمَّرْ قَلْبِي
 بِتَوَمَّرِ مَعْرِفَتِكَ يَا اللَّهُ يَا اللَّهُ يَا اللَّهُ ط

تین بار یا سات بار تکرار کرے اور گیارہ بار استغفار اور گیارہ بار درود شریف
 پڑھ کر چار زانو بیٹھے اور دلہنے پاؤں کے انگوٹھے سے اور جو انگلی اس کے پاس
 ہے اس سے رگ کیماں کو جو بائیں زانو کے اندر ہے محکم بکڑے اور مکر کو سیدھی لکھے
 پھر جمعی سے ہیبت و حرمت اور تعظیم تمام کے ساتھ خوش الحانی سے ذکر شروع کرے
 اس کے بعد اعوذ اور بسم اللہ باخلاص تمام تین بار کلمہ طیبہ اور ایک بار کلمہ شہادت

پڑھ کر سر کو قلب کی طرف جو زیر پستان چپ بفاصلہ دو انگشت کے واقع ہے جو کلمہ لآ کو قوت اور سختی سے دل کے اندر سے کھینچے اور اللہ کو دہنے موٹھے پر لے جا کر سر کو پشت کی طرف مائل کر کے تصدیق کرے کہ غیر اللہ کو دل سے نکال کر پس پشت ڈال دیا اور سانس کو چھوڑ کر لفظ اَلَا اللّٰه کو زور اور سختی سے دل پر ضرب مارے اور تصور کرے کہ عشق اور نور الہی کو دل میں داخل کیا۔ اسی طرح اس نفی و اثبات کو فکر و ملاحظہ اور واسطے کے ساتھ دوسو بار کہے اور اس ذکر میں نو بار لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه اور دسویں بار مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه (صلی اللہ علیہ وسلم) کہے۔ بعد اس کے بطور سابق تین بار کلمہ طیبہ اور ایک بار کلمہ شہادت کہے لیکن مبتدی کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه میں لَا مبعود خیال کرے اور متوسط لآ مقصود خیال کرے اور منتہی لآ موجود ملاحظہ کرے، اس کے بعد لحد و لحد مراقبہ کو تصور کرے کہ فیضانِ الہی عرش سے میرے سینے میں آتا ہے۔

پھر دو زون بیٹھے اور کر سیدی کرے اور سر کو دہنے موٹھے پر لے جا کر لفظ اللّٰه کو اعتدال کے ساتھ دل پر ضرب کرے۔ اس کو چار سو بار دوام کر کے پھر بطور سابق تین بار کلمہ طیبہ اور ایک بار کلمہ شہادت کہے اور لحد و لحد مراقبہ رہے۔ پھر ذکر اہم ذات اللّٰه اَللّٰه اَللّٰه کا کرے۔ اس طرح کہ اول حرف اللّٰه کی ہائے کو پیش اور دوسرے لفظ اللّٰه کی ہائے کو ساکن کرے یعنی جزم دے اور آنکھیں بند کر کے اور سر کو دہنے موٹھے پر لاکر لفظ مبارک اللّٰه اَللّٰه اَللّٰه کی دونوں ضرب جہر اعتدال سے دل پر مارے۔ اس ذکر اسم ذات دو ضربی کو چھ سو بار دوام کرے لیکن دسویں گیارہویں بار اللّٰه حَاضِرِي وَاَللّٰه نَاطِرِي اَللّٰه مَعِي . مع ملاحظہ معنی کے کہتا رہے، تاکہ کیفیت اور لذت ذکر کی اور دفع غفلت و خواب حاصل ہو۔ بعد اس کے بطور سابق تین بار کلمہ طیبہ اور ایک بار کلمہ شہادت کہے اور پھر اسی طرح سر کو دہنے موٹھے

کی طرف موزر لفظ مبارک اللہ کو دہرے سو بار کہے۔ بعد ازیں بار کلمہ طیبہ اور ایک بار کلمہ شہادت کہہ کر دوسرے شریف اور استغفار گیارہ گیارہ بار پڑھ کر دماغ لنگے اور مناجات کرے۔ (تعلیم الدین)

تشریح

دوازدہ تسبیح کے ذکر کا مذکورہ بالا طریقہ ان لوگوں کے لئے ہے جو عالم ہوں اور فارغ ہوں یعنی ان کے ذمے کسب معاش و غنیمت کی پابندی نہ ہو لیکن غیر عالم بھی یا ایسے عالم جن کو فرصت نہ ہو ان کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ مذکورہ طریقے ہی سے ذکر کریں بلکہ ذکر دوازدہ تسبیح سکون سے بیٹھ کر، ہلکی آواز سے بغیر کسی لہجے کے کر سکتے ہیں ان شاء تعالیٰ اس طرح بھی اس کا نفع ہوگا۔

ہر وقت کا معمول

ہر وقت اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پڑھتے رہیں، اور کبھی مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی پڑھا کریں۔ بس ہر وقت ذکر ہی کا دھیان رکھیں اور خالی وقت میں تسبیح ہاتھ میں رکھیں۔ یہ مذکورہ ہے اس سے ذکر یاد رہتا ہے (کمالات اثرنیہ)

ابتدا میں اسم ذات (اللہ اللہ) کی کثرت، دوسرے اذکار و اشغال سے زیادہ مناسب ہے۔ اگرچہ زیادہ قرب لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ میں ہے کہ یہ ماثور ہے اور دوسرے اذکارِ إِلَّا اللَّهُ یا اللَّهُ اللہ کی مصلحت کے لئے تجویز کئے جاتے ہیں۔ رات ہی ذکر ماثور لوگوں کے طبائع کے زیادہ موافق ہے۔ اس لئے اس میں سب سے زیادہ نفع بھی ہے۔ (کمالات اثرنیہ، انفاص عینی)

ذکرِ حبلی و خفی کے معنی

سوال :- ذکرِ حبلی اور ذکرِ خفی کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جو ابجد بعض کی اصطلاح میں ذکر قلبی کو خفی اور ذکر سالی کو جلی کہتے ہیں اور بعض کی اصطلاح میں ذکر سالی کے جہر کو جلی اور غمیر جہر کو خفی کہتے ہیں اور طریقے دونوں کے کتب سلوک میں مذکور ہیں مگر بغیر تعین شیخ کے خود کسی طریق کا اختیار کرنا مفید نہیں ہوتا۔ (تربیت السالک حصہ دوم)

سلطان الاذکار کے آثار

حال :- نماز پڑھنے کے وقت میں خصوصاً نماز مغرب میں۔ زیادہ تر التیحات میں قلب سے ایک قسم کی کشش پیدا ہو کر بدن میں لرزہ آجاتا ہے۔ اکثر وقت ذکر جاری ہو جاتا ہے قلب سے کبھی زبان سے بھی ذکر جہر جاری ہو جاتا ہے۔ اکثر اس قسم کی کشش سی محسوس ہوتی ہے۔

تحقیق :- مبارک ہو۔ یہ آثار غلبہ ذکر کے ہیں جس کو اصطلاح میں سلطان الذکر کہتے ہیں اور نماز کے متصل ایسا ہونا علامت ہے۔ نماز کے ساتھ نسبتاً تامہ ہو جانے کی۔ یہ دوسری کیفیت محمودہ مقبولہ ہے۔ اللہ تعالیٰ برکت و استقامت عطا فرماوے۔ (تربیت السالک حصہ اول)

ذکر شمار کے ساتھ اور بے شمار میں فرق

حال :- نماز تہجد کے بعد ذکر میں مشغول ہو جاتا ہوں۔ شمار یا دنہ رہنے سے کچھ حرج تو نہیں ہے جو مقصود ہے رضائے حق تو بہر حال حاصل ہوگی خواہ شمار سے ہو یا بلا شمار البتہ دل میں کچھ فرق معلوم ہوتا ہے جتنی دیر بلا شمار پڑھا ہوں اتنی دیر اگر شمار سے پڑھا ہوں تو اس میں کچھ اور یہی بات ہوتی ہے ایسا کیوں ہو تبے۔ بات تو ایک ہی ہے چاہے شمار سے پڑھی جائے یا بے شمار پڑھی جائے۔

جواب :- شمار یا دنہ رہنے میں کئی حرج نہیں اور شمار میں زیادہ اثر ہونا یہ خاصہ ہے بعض طابع کا ان سے تسلی ہوتی ہے کہ ہم نے اتنا کام کر لیا اور پریشانی نہیں ہوتی اور بے شمار

پڑھنے میں خیال ہوتا ہے کہ خدا جانے کچھ معتد بہ مقدار تک پہنچا یا نہیں، اور پریشانی نہ ہونے سے خاص آثار پیدا ہونے ہیں اور بعض کو شمار نہ کرنے سے محویت ہوتی ہے، اور شمار کرنے سے خیال ادھر ادھر مشغول رہتا ہے۔ غرض یہ طبائع کا اختلاف ہے جس کا کوئی حرج نہیں۔ (تربیت السالک حصہ اول)

ذکر میں دل نہ لگنا

حال :- جب ارشاد حضور اور دعا کی برکت سے ہم ذات روزمرہ چھ ہزار پڑھتا ہوں۔ مگر خیالات بجا نہیں رہتے اور دوسو سے بہت آتے ہیں۔ طبیعت گہرائی ہے اور کسی عبادت اور ذکر میں، جیسی کہ پہلے حالت تھی وہ اب نہیں ہے، نہ لذت ہے نہ دل کا لگاؤ۔ بعض وقت دین دنیائے خسارے کا پورا اندیشہ ہو جاتا ہے۔ سخت پریشان ہوں اگر یوں ہی حالت رہی تو آخر وقت کی کیفیت کیا ہوگی؟

جواب :- یہ تلوین کے آثار ہیں۔ نیز دنیاوی امور کی وجہ سے دل کا پریشان ہونا اس کا سبب ہو جاتا ہے۔ کیفیات و لذت کی طرف التفات نہ کریں۔ خود عمل کو مقصود سمجھ کر کرتے رہیں۔ انشاء اللہ محمدی نہ رہے گی۔ ثمرات پر نظر کرنا پریشانی کا اصل سبب ہے۔ یا بساط بعد عشاء، ایک ہزار مرتبہ پڑھ لیا کریں۔ دوسری جگہ اسی طرح کے مضمون کا یہ جواب دیا گیا۔

پریشان نہ ہو جائے اگر دل نہ لگے تو بے دل لگے ہوئے معمول ادا کر لیا کیجئے، اور اگر پورا نہ ہو سکے تو تھوڑی مقدار میں کر لیا کیجئے۔ بالکل ناغہ نہ کرنا چاہئے۔ تھوڑا سا بھی ہوتا رہے تو برکت رہتی ہے۔ کم و بیش کا خیال نہ کیجئے۔ جتنی کمی ہو جائے اس کا تدارک استغفار سے کر دیا کیجئے۔ پریشان ہرگز نہ ہوں اس سے ہمت اور بھی ضعیف ہو جاتی ہے۔ (تربیت السالک حصہ اول)

ذکر کے نافع ہونے کی ضروری شرط

حضرت والا ذکر کے نافع ہونے کی ایک یہ بھی نہایت ضروری شرط بڑے اہتمام سے بیان فرمایا کرتے تھے کہ خالی الذہن ہو کر محض تعداد ہی پوری کرنے کی نیت سے نہ کرے بلکہ اس نیت سے کرے کہ مجھے اس سے نفع اور برکت حاصل ہو اور برابر ہی نیت رکھے لیکن نفع کے حصول کی نگرانی اور انتظار میں نہ رہے کہ یہ موجب تشویش ہونے کے سبب مضر ہے۔ لوگ جو اکثر بركات ذکر سے محسوس رہتے ہیں اس کی یہ بھی ایک بڑی وجہ ہے کہ نفع اور برکت کی نیت سے ذکر نہیں کرتے۔ (اشرف السواخ، ص ۲۱۶، حصہ دوم)

مقدار ذکر

ملفوظ:- فرمایا کہ اپنے ذمے تو ذکر کے لئے صرف اتنی ہی مقدار رکھے جس پر دوام ہو سکے۔ باقی جب زہمت اور نشاط دیکھے تو زیادہ کر لے۔ اس میں یہ مصلحت ہے کہ ناغری بے برکتی اور قلق سے حفاظت رہے گی اور یہ دماغ چبیزی ضروری ہیں اور جب کبھی زیادتی توفیق ہوگی تو سرتہ ہوگی اور بہت بڑھے گی۔ (اشرف السواخ)

انوار و کشف قابل التفات نہیں

حال :- بارہ ہزار بار اسم ذات پڑھتا ہوں بارہ تسبیح صبح کو پڑھتا ہوں۔ دعا فرمائیے کیونکہ تہجد میں مجھ کو نیند آجاتی ہے۔ جب حضرت کا والا نامہ صادر ہوتا ہے تو قلب میں خاص کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ روشنی رات کو کبھی زرد معلوم ہوتی ہے اور کبھی سُرخ اللہ اللہ کرنے پر بھی معلوم ہوتی ہے، اور دن میں کبھی معلوم ہوتی ہے اور میرے قلب میں تو انہی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ حضرت میری طرف توجہ فرماتے رہئے۔ چھ ماہ سے محنت کرنا

ہوں، اور حضرت کی اجازت سے کر رہا ہوں۔ ایک شخص کا مرنا مجھ کو قبل ہی معلوم ہو گیا تھا میں ہر چند تردید کرتا ہوں لیکن قلب میں انگٹاف ہو جاتا ہے۔

تحتیق :- معمولات کافی ہیں فی الحال تفسیر و تبدل کی ضرورت نہیں ایسے انوار کا ہے ملکوتی ہوتے ہیں مگر اکثر ناسوتی اشتغال اُخلایہ سے ہوتے ہیں اور دونوں حالتیں قابل التفات نہیں گو نافع میں پس خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا جاوے مگر کمال نہ سمجھا جاوے اور کشف تو ناقص کے لئے فتنہ ہے ہرگز اس طرف التفات نہ کریں بلکہ اس کو مفر سمجھیں اور اس پر ناز یا نظر نہ کریں۔ ذکر کی مشغولی سے اس کو مغلوب کر دیں۔ معلوم ہوتا ہے تم کو اس پر ناز ہے۔ (تربیت السالک ص ۵۷)

انوارِ ذکر

ملفوظ :- فرمایا کہ اذکار و اشغال میں جو انوار وغیرہ منکشف ہوتے ہیں اور اپنی دلکشی سے سالک کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں وہ مانع وصول الی المقصود الحقیقی ہوتے ہیں۔ سالک کو ان کی طرف ہرگز التفات نہ چاہئے۔ مرشدی حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نے ائمہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ حجابات نورانیہ اشد ہیں حجابات ظلمانیہ سے (اصول الوصول ص ۷، اشرف المسائل)

آثارِ ذکر

سوال :- السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اگرچہ ہم ذکر برابر کئے جا رہے ہیں لیکن یہ معلوم نہیں ہے کہ حضور نے ذکر جہر ارشاد فرمایا ہے یا کیا اور ہم ابھی تک برابر ذکر جہر کئے جا رہے ہیں اور وہی حالت ہے لیکن نور نیلگوں بہت کثرت سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور حضور نے جو ذکر تعداد بارہ ہزار ارشاد فرمایا تھا وہی برابر کرتا ہوں۔

جواب :- عزیمت السلام علیکم درحمتہ اللہ۔ ذکر دونوں طرح مفید ہے لیکن جہرا جہرا معلوم ہوتا ہے، آپ بھی چہر کریں مگر اس قدر چہر نہ ہو کہ لوگوں کو تکلیف پہنچے۔ یہ نذر نیکیوں وغیرہ اہل طریقت کے نزدیک انوار لطائف کے ہیں جو ذکر سے منور ہو جاتے ہیں۔ گو یہ مقصود نہیں مگر علامت محمود ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ روز بروز ثمرات نیک مرتب ہوتے رہیں گے حتیٰ کہ مقصود حقیقی تک وصول میسر ہو جائے گا اپنے کام میں لگے رہیں۔ ان حالات میں غور و فکر نہ کریں کہ یہ کیا چیز ہے کیا بات ہے سب سے قطع نظر کر کے ذکر کو مقصود سمجھنا چاہئے اگر فرصت ہو تو چھ ہزار مرتبہ ذکر کریں۔ (التکشف)

ذکرِ لسانی کی ضرورت

حَال :- اب اس کے بعد معمولات میں صرف دعائیں رہ جاتی ہیں وہ بہت جمع ہو گئی ہیں۔ اور اکثر ہر وقت کی نماز کے بعد کرتا ہوں۔ بجز عصر کے کہ اس وقت حزب البحر کا معمول ہے۔ دیگر اذکار کی طرح یہ دعائیں بھی عجلت و ددخت ہی کے ساتھ پوری ہوتی ہیں۔ خیال ہوتا ہے گھاٹوں یا سب کا ہر وقت کی نماز میں التزام نہ کروں۔ مگر اندیشہ یہی ہے کہ چاہے جتنی گھاٹوں مگر ابہمال و تضرع ان میں بھی نصیب ہونا مشکل ہو گا یا زیادہ سے زیادہ دو چار دن کچھ اثر ہو گا۔ دلجمعی اور یکسوئی کے ساتھ تو کوئی کام ہوتا ہے۔ تحقیق :- جب عبد اس کا مکلف ہی نہیں تو پھر مشقت میں پڑنے کی کیا ضرورت کہیں اس مشقت کی تحصیل میں اصل ہی کی تعطیل نہ ہو جائے۔

ترتیب السالک حصہ دوم صفحہ ۳۸۴-۳۸۵

اسانے مفردہ کا ذکر تو کہیں کسی حجت سے منقول نہیں

حال :- حدیث شریف میں تو افضل الذکر لا الہ الا اللہ ہے۔ لیکن کلام مجید میں بجائے اس کے ذات اور اسم کا ذکر منصوص معلوم ہوتا ہے حالانکہ علماء کی ایک جماعت اس کو غیر مننون قرار دیتی ہے۔ پہلے مجھ کو کبھی یہی حق معلوم ہوتا تھا۔ اب شبہ ہوتا ہے کہ **وَ اذْکُرُ اللّٰهَ کَثِیْرًا** اور **وَ اذْکُرْ سَمَّ رَبِّکَ** کا کم از کم ایک مطلب تو اللہ اللہ کا ذکر بھی ہو سکتا ہے۔ تحقیق :- اگر یہ ہوتا تو کہیں تو کسی حجت سے منقول ہوتا۔

حال :- اسانے حتیٰ کے متعلق متن **اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ** کی روایت سے بھی اس کی تائید معلوم ہوتی ہے۔

تحقیق :- ان نصوص میں ہیئت ذکر تو نہیں معلوم ہوتی اس لئے دوسرے نصوص میں اس کی تفسیر ڈھونڈی جائے گی۔ جیسے اجالی ارشاد ہے **وَ اعْبُدْ رَبَّکَ** اور اس کی ہیئت کے لئے دوسرے نصوص کی حاجت ہے۔ اس کے بعد خیال آیا کہ حدیث احصاء میں تو تصریح ہے۔ ایسی ہیئت کی جس سے اسانے مفردہ کے ذکر کا احتمال ہی نہیں رہتا۔ **حیث ورد فی الصحیحین و سنن الترمذی بعد ذکر فضل الاحصاء هو اللہ الذی لا الہ الا هو الرحمن الرحیم۔ الخ**
(تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۸۳)

ذکرِ لسانی کو پاس انقاس پر ترجیح ہے

حال :- پاس انقاس اور ذکرِ قلب کو کبھی چھوڑا تو نہیں ہے لیکن بیٹھنا آدھ گھنٹہ ہی مصیبت ہو جاتا ہے اس لئے ان دونوں کو ایک گھنٹہ کی مشی میں بعد فجر پورا کرتا ہوں۔

تحقیق :- یہ دونوں ہیئت متعارفہ مقاصد میں سے نہیں اس لئے میں اس پر

ذکرِ لسانی کو ترجیح دیتا ہوں۔ مع احضار القلب بقدر الطاقۃ اور اسی کی تعلیم کا معمول کر رکھا ہے الباعراض خاص اور میرے نزدیک اس عارض سے آپ کا تلبس نہیں بلکہ آپ کے لئے بھی یہی رائے دیتا ہوں مگر وقت کم نہ ہونے پائے الا ان یضطر الی ذلك۔ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۷۹)

ذکر کے وقت زبان کا بند ہونا کہ یہ گنہگار منہ اور اس سے

اسم مبارک ادا ہو، دونوں حالتیں محمود ہیں

حال :- الحمد للہ کہ بفضل و توفیق الہی ذکرِ جاری، ایک دفعہ یہ واقعہ پیش آیا کہ زبان اس خیال سے بند ہو گئی کہ یہ گنہگار منہ اور اس سے یہ اسمِ عظم و اقدس ادا ہو۔ پھر یہ کیفیت جاتی رہی۔

تحقیق :- دونوں محمود ہیں پہلی کیفیت اس حال کا غلبہ ہے۔

احب مناجاة الحبيب بأوجه

ولكن لسان المذنبین کلیل

اور دوسری کیفیت غلبہ مقامِ کل ہے اور مظہر ہے اس حقیقت کا۔

در پس آیتہ طوطی صفتہ داشتہ اند

آنچه استاد ازل گفت بہاں می گوئم

و اثنان افضل تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۷۷

ناز اور ذکر کے متعلق یہ خیال آنا کہ زیادہ ذکر کی ضرورت نہیں

اس کا علاج

حل :- ناز اور ذکر کے قبل اور بعد اکثر یہ خیال آتا رہا کہ اتنی محنت بیکار ہے

میں کوئی بزرگ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ رہے احکام اس کی پابندی کر لی جاوے تو اس کے لئے زیادہ فکر کی کیا ضرورت ہے۔ کیونکہ بخشائش تو رحمت پر منحصر ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بڑے بڑے خیال آئے اور یہ خیال اب بھی آجائے ہیں جس کا جو لب میری طبیعت یہ دیتی رہتی ہے کہ یہی کیا کم ہے کہ بے فکری اور بخشائش کی امید تو رہتی ہے اور اس فکر میں بہت کچھ گناہوں سے بچت رہتی ہے اب جو کیفیت تھی اور ہے وہ عرض کی۔ جو حکم ہو اس کی تعمیل کی جاوے۔ کیونکہ گو طبیعت کو سکون ہو گیا ہے مگر طبیعت سست اور مضعف ہے۔

تحقیق :- ایک علاج یہ سوچنا ہے کہ اعمال صرف مغفرت ہی کے لئے نہیں بلکہ مالک کا حق ہے ملوک پر اور مغفرت مستقل تبرع اور عنایت ہے۔ (النور شعبان ۱۳۵۳ھ)
(تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۴۳)

نماز سے مقصود اصلی ذکر ہے

حال :- حضرت نے گذشتہ والا نامے میں جو ہدایت زمانی تھی کہ تمام افعال کے متعلق یہ تصور رکھے کہ سب عنقریب حق تعالیٰ کے اجلاس میں پیش ہوں گے۔ اس میں شبہ نہیں کہ نماز کے علاوہ دیگر افعال میں یہ بہت نافع معلوم ہوتا ہے لیکن حضرت نماز میں اس مراقبے سے جو کچھ خود نماز میں پڑھتا ہوں اس کے معانی سے بے اتقانی ہو جاتی ہے جو طبیعت پر شاق ہوتا ہے۔ پھر پیشی افعال کا معاملہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی دور ہے۔ البتہ اس سے کہ حق تعالیٰ دیکھ رہے ہیں ایک فوری ہیبت معلوم ہوتی ہے مگر ہر حال میں جو چیز فہم معانی میں مغل ہوتی ہے وہ باعث گرائی ہو جاتی ہے بلکہ خیال ہوتا ہے کہ مقصد نماز ہی سے بُعد ہو رہا ہے، بہر کیف جیسا ارشاد ہو۔
تحقیق :- قرآن مجید میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کا اصل

مقصود خود ذکر ہے۔ قال اللہ تعالیٰ اَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي و قال اللہ تعالیٰ اِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ثُمَّ عَلَّمَهُ بِقَوْلِهِ وَلِذِكْرِ اللّٰهِ الْكَبْرُ و حضور بی بیٹ جس ذریعہ سے بھی حاصل ہو جاوے وہ ذکر کی فرد ہونے کے سبب استحضار مرکب مقصودیت میں اقویٰ ہے البتہ نماز سے باہر خواہ اس مرکب استحضار میں مقصودیت زیادہ ہے جس کا راز یہ ہے کہ قراءت نماز میں تابع نماز ہے۔ سو نماز کی روح زیادہ قابل اعتناء ہے وَهُوَ الذِّكْرُ اور خارج صلوة میں وہ قراءت خود مقصود ہے۔ لہذا اس کا زیادہ اعتناء کیا جائے گا و ہو بالا استحضار مرکب پس اگر مراقبہ رویت حق للعبد سے حضور میں زیادہ میسر ہو تو وہ استحضار معانی سے مقدم ہے۔ رہا ذوقی (التور۔ رجب ۱۳۵۴ھ۔ تربیت السالک حصہ دوم صفحہ ۲۲۳-۲۲۴)

ذکر اور نماز میں فرق کہ ذکر میں بساطت ہے اور نماز میں ترکیب

حال : عرض یہ ہے کہ نماز میں پورا پورا نشاط حاصل نہیں ہوتا۔ جبکہ ذکر کرنے میں طبعاً ہوں تو سرور اور نشاط کی حالت ہوتی ہے۔ نماز میں یہ کیفیت نہیں ہوتی۔ پھر یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ تو منافقین کی عادت تھی۔ انہیں بھی نماز میں نشاط نہیں حاصل ہوا کرتا تھا اس کے بعد اپنے دل کو یوں سمجھاتا ہوں کہ مقصود تو احکام کی بجا آوری ہے نشاط مقصود نہیں مگر تاہم جی چاہتا ہے۔

تحقیق :- منافقین کا کسل سادا عقاد سے تھا اور یہ کسل یا تشتت طبعی ہے ناین ہذا من ذاك باقی وجہ فرق یہ ہے کہ ذکر میں بہ نسبت نماز کے ایک شان بساطت کی ہے اور نماز میں بہ نسبت ذکر کے شان ترکیب کی ہے اس لئے ذکر میں اجزائے مختلفہ کی طرف توجہ نہیں ہوتی اس لئے یکسوئی جلد حاصل ہو جاتی ہے اور نماز میں توجہ

اجزائے مختلفہ کی طرف ہوتی ہے اس لئے تشقت رہتا ہے اس کا علاج یہی ہے کہ نماز میں توجہ ایک طرف رکھی جاوے جس کی صورت یہ ہے کہ قیام کے وقت اس طرف انفات ذکرے کہ اس کے بعد رکوع کرنا ہے، رکوع میں اس طرف انفات ذکرے کہ اس کے بعد قیومہ کرنا ہے وعلیٰ ہذا۔ بلکہ ہر رکن میں صرف اسی رکن کو مقصود بالاداء سمجھے اور اسی طرف متوجہ رہے۔ اسی طرح پھر دوسرے رکن میں الیٰ آخراصلوٰۃ۔ اگر ایسا کیا جاوے تو نماز میں اس قدر یکسوئی ہوگی کہ ذکر میں بھی نہ ہوگی۔ کیونکہ ذکر میں گو یکسوئی ہے مگر ہر وقت خطرہ رہتا ہے کہ دوسرا شخص آکر اس یکسوئی کو فوت کر سکتا ہے یا خود ہی ذکر ترک کر کے شغل میں لگ سکتے ہیں اور نماز میں اطمینان ہے کہ سلام پھیرنے تک کوئی شخص ہم کو اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکتا۔ نہ خود کوئی کام کر سکتے ہیں۔ وهذا الذی کتبت وورد علی قلبی فی فرض الظهر وجربتہ فیہ وفی ستۃ البعدیۃ ولله الحمد۔ (النور ربیع الاول ۱۳۵۳ھ تہ تبریت لساک حصہ دوم صفحہ ۲۲۳-۲۲۴)

ترک مستحبات کا انجام اچھا نہیں

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے ۔
سنن زوائد مستحبات کے متعلق یہ اعتقاد جاہل ہے کہ ان کے کرنے میں ثواب اور نہ کرنے میں گناہ نہیں۔ اس لئے ان کے ناعہ ہونے کو سہل بات سمجھتے ہیں حالانکہ نصوص میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سنن زوائد اور مستحبات کا یہ حکم قبل شروع عمل کے ہے اور شروع عمل کے بعد ان کا حکم بدل جاتا ہے چنانچہ ایک حکم تو عین وقت اشتغال کے ساتھ مختص ہے وہ یہ کہ عمل شروع کرنے کے بعد مستحب کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے اور ایک حکم عام ہے جو وقت اشتغال کے ساتھ

مقص نہیں وہ یہ کہ جس منتخب کو معمول بنا لیا جائے اور کچھ عرصہ تک اس پر موافقت
 کرنی جاوے اب اس کا ناغہ کرنا اور موافقت کو چھوڑ دینا مکروہ ہے اور اس کی
 دلیل ایک حدیث بخاری کی ہے جو عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا یا عبد اللہ لا تکن مثل
 فلان کان یقوم من اللیل ثم ترکہ یعنی اے عبد اللہ تم فلاں
 شخص کی طرح نہ ہونا جو رات کو (نازکے لئے) اٹھا کرتا تھا پھر چھوڑ دیا۔ اس میں
 حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی اس حالت پر ناگواری اور کراہت
 ظاہر فرمائی ہے۔ معلوم ہوا کہ ایک مستحب کو معمول بنا کر ترک کر دینا مذموم و مکروہ ہے۔
 اسی لئے بزرگوں کا ارشاد ہے کہ فرائض و واجبات کے علاوہ نوافل وغیرہ کا
 اتنا ہی پابند ہو جس کو نباہ سکے۔ ورنہ شروع ہی نہ کرے۔ اس سے بڑی بے برکتی
 ہوتی ہے اور انسان کی عادت یہ ہے کہ جب ایک کام کا پابند ہو پھر اس میں فتور ہونے
 لگے تو اس کا خلل تمتد ہو جاتا ہے چنانچہ اس عمل پر تو پھر عمر بھر بھی پابندی نصیب نہیں
 ہوتی اور اس سے گذر کر دوسرے اعمال میں بھی اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے کہ آج تو تہجد میں
 فتور ہے، کچھ دنوں میں صبح کی نماز کی پابندی بھی نہ رہے گی۔ پھر وقت کی پابندی بھی نہ
 رہے گی۔ نماز قضا ہونے لگے گی اور سارا نفاذ ایک مستحب کی پابندی چھوڑنے سے ہوا
 اس کے علاوہ ترک پابندی میں ایک اور حشر ابی اس سے بھی سخت ہے، وہ یہ کہ
 شریف طبائع کا خاصہ ہے اور مسلمان سب شریف ہی ہیں کہ جب وہ کسی سے ایک
 خاص قسم کا برتاؤ شروع کرتے ہیں تو جب تک اس برتاؤ کا نباہ ہوتا رہے گا اس
 وقت تک تو ان کے دل میں تعلق بھی بڑھتا رہتا ہے اور جب وہ برتاؤ چھوٹ
 جاتا ہے تو سب سے پہلے اس صاحب برتاؤ ہی کے دل میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے
 پھر جب دوسرے کو بھی اس کی رکاوٹ کا احساس ہو جاتا ہے وہ بھی رکنے لگتا ہے۔

مثلاً ایک دوست کے ساتھ آپ کا ہمیشہ سے یہ برتاؤ ہو کہ جب آپ اس سے ملنے جائیں کچھ دیر اور تمہارے ساتھ لے جائیں پھر کبھی ایسا اتفاق ہو کہ خالی ہاتھ چلے گئے تو ہر شخص اپنے دل میں خود کرے کہ اس وقت اس کی کیا حالت ہوگی یقیناً خالی ہاتھ جاتے ہوئے دل رکے گا اور ایک قسم کی شرمندگی اس پر طاری ہوگی۔ گو دوسرے کو اس کے خالی ہاتھ آنے کی طرف التفات بھی نہ ہو، مگر اس کے دل میں خود بخود یہ دوسرے دوڑیں گے کہ آج میرے خالی ہاتھ آنے سے دوست کو ضرور کچھ خیال ہوا ہوگا، وہ اپنے دل میں کہتا ہوگا کہ بس اب وہ تعلق نہیں رہا وہ محبت نہیں رہی۔ چاہے اس کے دل میں کچھ خیال بھی نہ آیا ہو مگر وہ اپنے معمول کے خلاف کرنے سے ان اوہام میں ضرور مبتلا ہوتا ہے اور یہ طبعی بات ہے۔ بس رکاوٹ کا بیج تو آج ہی سے بویا گیا۔ اس کے بعد یہ ہوگا کہ ایک دفعہ تو خالی ہاتھ بھی چلا گیا تھا اب مہینے گزر جاتے ہیں کہ جانے کا نام بھی نہیں لیتا۔ دور ہی سے خط کے ذریعہ سے بات چیت کر لیتا ہے۔ پھر عرصہ کے بعد خط کتابت کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے اور دوسرے کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ شخص مجھ سے رکنے لگا۔ اب وہ بھی اس سے رکنے لگتا ہے اور پھر یہ حالت تبدیل بعدم محبت ہو جاتی ہے۔ پھر عدم محبت کے بعد کبھی عداوت تک ذمت پہنچ جاتی ہے۔ اسی طرح جب کوئی تہجد یا ذکر و شغل شروع کرتا ہے تو جب تک وہ ان کا پابند رہے اس وقت تک اس کے دل میں حق تعالیٰ سے تعلق اور محبت کی ترقی ہوتی رہتی ہے اور جب پابندی چھوٹی تو پہلے اس کی طبیعت میں افسردگی اور پھر مردگی پیدا ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ سے اس کو ایک قسم کی ندامت سی آتی ہے اور یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اب حق تعالیٰ کے یہاں میرا وہ مرتبہ نہیں رہا ہوگا جو پابندی اعمال کے وقت تھا یہاں تک کہ بعض دفعہ یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ میں مردود اور مطرود ہو گیا تو پہلے خود اس کے دل میں حق تعالیٰ سے حجاب

اور رکاوٹ پیدا ہوتی ہے پھر سچ محج ادھر سے بھی بعد و حجاب ہو جاتا ہے جس
 ترک معمول سے اول اس کے دل میں افسردگی کا پیدا ہونا یہ پہلا حجاب ہے اور
 محبت کا خاصہ ہے کہ اس کو نشاط و انبساط سے ترقی پیدا ہوتی ہے اور افسردگی سے
 اس میں کمی آتی ہے جب ایک دفعہ دل میں افسردگی اور پھر مردگی پیدا ہو جاتی ہے تو
 تعلق سابق میں ضرور کمی آتی ہے۔ پھر یہ خیال پیدا ہونا کہ میں مردود و مسطرود ہو گیا
 یہ دوسرا حجاب ہے۔ اس وقت اس کے دل سے محبت نکل جاتی ہے اور قلب خالی ہو جاتا
 ہے پہلے درجہ میں توحق تعلق کی طرف سے حجاب نہ ہوا تھا مگر اب ادھر سے بھی
 حجاب ہو گیا۔ پھر جب مردودیت کا خیال جم کر اس کے قلب سے محبت حتی نکل جاتی
 ہے تو واجبات و فرائض میں بھی کوتاہی کرنے لگتا ہے اور معاصی پر اقدام کرنے لگتا ہے۔
 دل میں بھتا ہے کہ میں مردود تو ہو ہی گیا۔ پھر لذات میں کمی کیوں کروں۔ یہ تیسرا
 حجاب ہے، اس سے محبت مبدل بعداوت ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد بعض اوقات
 کفر کی مرحلہ سے قریب ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ ایمان سلب ہو جاتا ہے اس لئے
 مستحبات معمولہ کو ترک کرنا سہل بات نہیں اس کا اثر بہت دور تک پہنچ جاتا ہے۔
 اور اس میں راز یہ ہے کہ آدمی جس قدر مستحبات و نوافل زیادہ کرتا ہے وہ اسی
 قدر مقرب ہوتا ہے پھر تقرب کے بعد حق تعلق سے بے التفاتی کرنا سخت
 بات ہے۔ حق تعلق ہمارے ساتھ ہمارے مذاق کے موافق معاملہ فرماتے ہیں۔ عالم
 ظاہر عالم غیب کا نمونہ ہے۔ پس جیسے ہمارا مذاق یہ ہے کہ جس کو اپنے سے تعلق زیادہ نہیں
 ہوتا اس کی بے التفاتی زیادہ ناگوار نہیں ہوتی اور تعلق بڑھا کر جو بے التفاتی دے اعتنائی
 کرتا ہے اس پر زیادہ غصہ آتا ہے۔ ایسے ہی حق تعلق کے ساتھ جن کو معمولی تعلق ہے
 ان کی غفلت دے اعتنائی پر زیادہ قہر نہیں ہوتا، اور جو تعلق بڑھا کر مقرب بن کر
 غفلت دے التفاتی کا برتاؤ کرتے ہیں ان پر زیادہ قہر ہوتا ہے۔ پس جو لوگ مستحبات

وزائنل پر مواظبت کر کے پھر ترک مواظبت اختیار کرتے ہیں وہ درباری بن کر
 دربار سے غیر حاضر ہوتے ہیں اور بادشاہ کا درباری اگر دربار سے بلا وجہ بلا عذر
 کے غیر حاضر ہونے لگے تو اس پر بہ نسبت غیر درباری کے زیادہ عتاب ہوگا، اور
 ترک مواظبت علی مستحبات سے گذر کر وہ فرائض و واجبات میں بھی کوتاہی کرنے
 لگے معاصی پر بھی اقدام کرنے لگے تو اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی مقرب شاہی بن
 کر نافرمانی اور گستاخی کرنے لگے۔ اور ظاہر ہے کہ مقرب کی گستاخی پر جس قدر عتاب
 ہوگا ایک غیر مقرب مثلاً دیہاتی یا گنوار کی گستاخی پر اتنا عتاب نہ ہوگا۔ (ماخوذ البدائع)

مسئلہ ذکر جہر و خفی

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم
 نے سب میں اعتکاف فرمایا اور لوگوں کو ستر آن پکار کر پڑھتے ہوئے سنا۔ پس آپ نے
 پردہ اٹھایا اور ستر آیا کہ سن لو۔ تم میں ہر شخص اپنے رب سے عرض معروض
 کر رہے (اور وہ آہستہ اور پکار کے ہر طرح سن لیتا ہے) پس ایک
 دوسرے کو پریشان مت کرو یعنی ستر آن پڑھنے میں یا نماز میں ایک
 دوسرے پر آواز بلند مت کرو۔ (البدائع)

فہ: اس حدیث میں آپ نے نبی عن الجہر کو معلل ستر آیا۔ عدم ایذا کے
 ساتھ اس سے دو امر مستفاد ہونے، ایک یہ کہ ذکر جہر فی نفسہ مشروع
 ہے، اور دوسرے یہ کہ اس کی مشروعیت مشروط ہے، اس لئے کہ
 کس کو ایذا اور تشویش نہ ہو۔ پس اس میں فعل ہے درمیان انہما
 تفریط کے، اس مسئلہ میں جو اس وقت واقع ہو رہے ہیں کہ بعض
 مطلقاً جہر بالذکر کو خلاف سنت کہتے ہیں اور بعض اس پر اس قدر
 ٹھہرے ہیں کہ گو اہل محدثہ کو تکلیف ہو۔ غنڈیں برباد ہو جائیں۔ نازی بھولنے
 لگیں لیکن وہ اس طرف اصلاً التفات نہیں کرتے۔ اصل یہ ہے کہ
 عبادت مقصودہ تو نفس ذکر ہے، اور جہر فی نفسہ عبادت نہیں۔ ہر
 اس میں بعض مصالح ہیں۔ تاثر قلب، تقلیل خطرات و نحو ذالک
 لیکن اگر کس کو ایذا پہنچے تو ایذا رسانی سے جو معرفت باطنی ہوتی ہے
 وہ اس مصالحت سے زیادہ اشد ہے لہذا اس وقت اخفا ضروری ہے
 رہا یہ کہ اگر مصالح و فوائد قسم کے عوارض نہ ہوں۔ تو
 فی نفسہ جہر اولیٰ ہے یا خفی یا اعلیٰ ہمیشہ اولیت خفی کی معلوم
 ہوتی ہے۔ (المتکشف)

ریاضت و مجاہدہ کا بیان

عن فضالة الكامل قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم المجاهد من جاهد من نفسه في طاعة الله.

حضرت فضالہ کامل سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجاہد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے نفس سے جہاد کرے

(رواہ البیہقی)

مجاہدہ نفس کو بزرگوں کے موقوفات میں جہاد اکبر کہا گیا ہے۔ اس حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے کیونکہ اس قسم کی ترکیب المجاہد الخ جس سے ظاہر اخص میں استفاد ہوتا ہے جو ہر کمال کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ کما لا یخفی علی اہل العلم (ترجمہ: جیسا کہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں) پس معنی یہ ہونے کہ مجاہد کامل و مجاہد نفس ہے۔ تو ظاہر بات ہوتی کہ جہاد کامل جہاد نفس ہے اور کامل اور اکبر کے ایک ہی معنی ہیں۔ (التکلیف ص ۲۹)

ریاضت و مجاہدہ کی حقیقت

مجاہدہ امور مقاصد (یعنی ضروری کاموں) میں سے ہے۔ کیونکہ ماور بہ فی الشرع ہے (یعنی شریعت میں اس کا حکم ہے) نصوص میں جا بجا مجاہدہ کا ذکر ہے پس اس کی تفسیر وہی ہونی چاہئے جو شریعت نے بتلائی ہے۔ (اس لئے) مجاہدہ تمام عبادات بلکہ تمام شریعت کی روح ہے۔ کیونکہ سارے دین کا خلاصہ مجاہدہ ہی ہے

وہ اس کی یہ ہے کہ مجاہدہ لغت میں مشقت کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں مخالفت
 نفس کا نام مجاہدہ ہے۔ ————— کیونکہ مخالفت
 نفس میں تعب ضرور ہوتا ہے اور دین کا خلاصہ بھی مشقت ہی ہے۔ کیونکہ اس میں
 ایک گونہ نفس کے اور پر پابندی لازم ہوتی ہے، اور نفس پر پابندی گراں ہے۔ وہ تو
 طبی طور پر آزادی کا طالب ہے۔ اس لئے نفس کے اعمال دینیہ شاق ہوتے ہیں۔
 اور اس لئے دین کا نام تکلیف ہے اور احکام شرعیہ کو احکام تکلیفیہ کہا جاتا ہے اور
 عبد کو مکلف کہتے ہیں۔ تو مجاہدہ کی حقیقت نفس کی مخالفت کی مشق و عادت ہے
 کہ حق تعالیٰ کی رضا و طاعت کے مقابلے میں نفس کی جانی و مالی اور جاہی خواہشات
 و مرغبات کو مغلوب رکھا جائے جس کی قرآن نے جامع تعبیر جہاد بالنفس والاہوال سے
 زبانی ہے اور اسی مجاہدہ پر ہدایت کا قطعی وعدہ ہے۔

الَّذِينَ جَاهَدُوا فِيْنَا
 لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا.
 جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت
 کرتے ہیں ہم ان کو قرب و ثواب یعنی جنت
 کے راستے ضرور دکھا دیں گے۔
 (سورہ عنکبوت)

(اشرف المسائل ص ۳۴)

تو مجاہدہ کی حقیقت ہے۔ نفس کے اقتضاء کو روکنا تفصیل اس میں یہ ہے کہ
 اقتضائے نفس کی تمن نہیں ہیں۔ ایک وہ جو یقیناً مذموم ہیں یعنی خلاف شرع ہیں
 ان کی مخالفت تو ضروری ہے، اور بعض وہ ہیں جو یقیناً محمود ہیں جیسے فرض نماز
 روزہ اور بقرہ ضرورت کھانا۔ پینا۔ کپڑا پہننا۔ ان کی مخالفت ضروری کیا ہوتی
 بلکہ موافقت ضروری ہے (اس قسم کے تمام ضروری امور بجا لانا ضروری ہے)
 اور بعض وہ ہیں جو یقیناً مذموم ہیں نہ یقیناً محمود ہیں بلکہ دونوں کو محتمل ہیں۔
 جیسے بیاعت بلکہ بعض دفعہ مستحبات بھی ان میں تسلیماً مخالفت کرے یہ مخالفت

مستحب ہے مگر ایسا مستحب ہے کہ مخالفت واجبہ کا حصول کامل اسی مخالفت منہ پر موقوف ہے جیسے بہت سونا بہت کھانا بہت عمدہ کپڑے پہننا بہت باتیں کرنا۔ لوگوں سے بہت ملنا جلنا۔ پس ان میں تعلیل کرے اور اگر تقاضا زیادہ ہو تو ان میں شیخ مفتح سے رجوع کرے اگر وہ کہے کہ تقاضا محمود ہے تب تو مخالفت کی ضرورت نہیں اور اگر وہ کہے کہ یہ تقاضا مذموم ہے تو اس کی مخالفت کی جائے اس لئے مطلقاً مخالفت نفس کا نام مجاہدہ نہیں بلکہ جہاں مغرب نفس مامور بہ ہو۔ ورنہ نفس مطمئنہ (خواہ وہ کامل درجہ کا مطمئنہ نہ ہو) کو بعض اوقات مامور بہ کی رغبت ہوتی ہے۔ حالانکہ اس کی مخالفت مجاہدہ نہیں (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں) جُعِلَتْ قُرَّةَ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے) یعنی مرغوبیت صلوة پر دلیل ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا ترک مطلوب نہیں اور مامور بہ ہونا یہ وحی سے معلوم ہو گا تو مجاہدہ کا عمل وحی سے متعین ہو گا نہ کہ محض رغبت یا عدم رغبت سے (کمالات اشرفیہ)

منافع دو قسم کے ہیں۔ ایک حقوق جس سے توام بدن اور بقلے جیات سے دوسرے حظوظ جو اس سے زائد ہیں۔ سو مجاہدہ دریاضت میں حظوظ کی تعلیل یا ترک کرایا جاتا ہے اور حقوق کو ضائع نہیں کیا جاتا کہ یہ خلاف سنت بھی ہے، حدیث شریف میں ہے ان لنفسك عليك حقاً (بے شک تمہارے نفس کا تم پر حق ہے) کیونکہ اس سے ضعف بڑھ جاتا ہے صحت میں خلل پڑتا ہے پھر ضروری اشغال و عبادات سے بھی عاجز ہو جاتا ہے۔ اس لئے ترقی باطن سے محروم رہتا ہے دوسرا امر یہ ہے کہ بزرگوں نے جو ریاضات و مجاہدات میں ترک لذات کیا ہے وہ بطور علاج کیلئے جیسے کوئی ظاہری مریض بطور پرہیز کے کوئی قوی غذا چھوڑ دیتا ہے کہ بضر ہوگی اس کو عبادت اور موجب قرب الہی نہیں سمجھتا، اب ان پر اعمتراض نہیں

ہو سکتا کہ یہ بدعت ہے۔
 "اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ جو پاک چیزیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے تمہارے
 لئے حلال کی ہیں ان کو حرام مت کرو اور نہ حد سے بڑھو۔"
 کیونکہ بدعت اس وقت ہوتی ہے جب بطور تقرب ہو اور نہ خود حضرت عباس
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے۔
 • یہ اسراف میں ہے کہ جس چیز کی نفس خواہش کرے اس کو کھلے؟
 پس منصور ان حضرات کا یہ تھا کہ تکثیر لذات سے نفس کی قوت بہیمیہ کو غلبہ ہوتا ہے
 اور طاعات میں سستی اور کاہلی ہوتی ہے۔ یا معاصی کا تقاضا کرنے لگتا ہے،
 بعض اوقات اس وجہ سے لذات متردک ہو جاتی ہیں کہ غلبہ محبت الہی میں لذات کی
 دن انعامات نہیں ہوتا سو یہ ترک غیر اختیاری ہے نہ سنت ہے نہ بدعت (التکشف)

مجاہدات و ریاضات کی ضرورت

صحابہ کرامؓ کو مجاہدات و ریاضات کی ضرورت نہ ہوتی تھی اور یہ قوت بغض
 نبوی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ میں تھی۔ مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم اور
 تابعین میں تھی مگر صحابہ سے کم لیکن تبع تابعین میں یہ قوت بہت ہی کم ہو گئی اور کمی کی
 تلافی کے لئے بزرگوں نے مجاہدات و ریاضات ایجاد کئے (ارواحِ ثلاثہ)
 اعمال صالحہ میں مشقت ہمیشہ رہتی ہے کیونکہ اعمال نفس کی خواہش کے خلاف
 ہیں نفس اس میں منازعت ضرور کرتا ہے۔ قلیل یا کثیر۔ اس لئے مخالفت نفس کی عمر
 بھر ضرورت ہے۔ مبتدی کو کبھی اور منتہی کو کبھی اور دونوں کو کبھی نہ کبھی اعمال میں منازعت
 نفس کی وجہ سے کسل بھی پیش آتا ہے مبتدی کو زیادہ اور منتہی کو کم۔ اس کسل کو بھی رفع
 کرنے کے لئے مجاہدے کی ضرورت ہے نیز کسی وقت دونوں کا نفس معاصی کا تقاضا کرتا

ہے اس کے مقابلے کے لئے بھی مجاہدہ کی دونوں کو ضرورت ہے۔ ایک غلطی تو مبتدی کرتا ہے کہ وہ اپنے کو مشقت سے بچانا چاہتا ہے اور مجاہدہ کرتا ہی نہیں بلکہ ہی انتظار میں رہتا ہے کہ سارا کام بغیر مشقت کے ہو جائے اور ایک غلطی منتہی کرتا ہے کہ وہ ابتدا میں مجاہدہ کر کے آئندہ کے لئے مجاہدے سے اپنے کو مستغنی سمجھتا ہے اور یہ سخت غلطی ہے کیونکہ طبائع بشریہ پھر عود کرتے ہیں اور اس وقت منتہی کو مٹانا کا تقاضا ہوتا ہے اور اس کا نفس بھی طاعات میں بعض دفعہ کسل کرنے لگتا ہے اس وقت اس کو بھی مجاہدے کی ضرورت ہے مگر مبتدی اور منتہی کے مجاہدے میں بڑا فرق ہے جیسے ایک تڑوہ سوار ہے جس کے پیچھے ایسا گھوڑا ہے جس پر ابھی سوار ہی شروع کی ہے۔ اس کو زیادہ ہوشیاری کی بھی ضرورت ہے اور زیادہ مشقت کا بھی سامنا ہے کیونکہ نیا گھوڑا بہت شرارت کرتا ہے اور قابو سے باہر ہو جاتا ہے۔ دوسرا وہ شخص ہے جو ایسے گھوڑے پر سوار ہے جو سواری میں شائستہ ہو چکا ہے اس کو زیادہ مشقت کا تو سامنا نہیں مگر ہوشیار بیٹھنے کی اس کو بھی ضرورت ہے کیونکہ شائستہ گھوڑا بھی کبھی کبھی بے اعتنائی حیوانیت شوخی کرنے لگتا ہے۔ مگر سواری کی ذرا سی دھمکی اس کے دفع کرنے کے لئے کافی ہے لیکن اگر سوار بالکل غافل رہا تو کسی وقت یہ شائستہ گھوڑے کے اوپر سے بھی ضرور گرے گا پس نفس کی نگہداشت کا مجاہدہ منتہی کو بھی لازم ہے۔ (وعظ المجاہدہ)

مجاہدے میں اعتدال

مجاہدے سے مقصود نفس کو پریشان کرنا نہیں ہے بلکہ نفس کو مشقت کا عادی بنانا ہے اور راحت و تنعم کی عادت نکالنا ہے اور اس کے لئے اتنا مجاہدہ کرنا ہے جس سے نفس پر کسی قدر مشقت پڑے۔ نفس کو بہت زیادہ پریشان کرنا اچھا نہیں ورنہ وہ بالکل معطل (اور بیکار) ہو جائے گا۔ تو خوب سمجھو کہ محنت ہمیشہ مستحسن نہیں بلکہ جب اعتدال سے ہو اور اس پر نتیجہ اچھا

ربیب ہو اسی وقت مستحسن ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-
 یعنی خدا کے بندے وہ ہیں جب وہ حشرِ جح کرتے ہیں تو نہ امرات
 کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں بلکہ وہ خرح اس کے درمیان
 میں معتدل ہوتا ہے :-

پس مجاہدہ میں بھی اعتدال کی رعایت کرنا چاہئے مگر اس اعتدال کو بھی اپنی
 رائے سے تجویز نہ کریں بلکہ کسی محقق سے درجہ اعتدال اور طریق مجاہدہ
 معلوم کریں۔ (وعظا لمجاہدہ)

مجاہدہ و ریاضت کے اقسام

مجاہدہ اور ریاضت کی دو قسمیں ہیں ایک مجاہدہ اختیاریہ۔ دوسرا مجاہدہ
 اضطراریہ۔ جب کسی پر حق تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے تو اس کو مجاہدہ اضطراریہ
 میں مبتلا کر دیتے ہیں اور صبر عطا فرما دیتے ہیں جس سے رفع درجات ہوتا
 ہے۔ پس ایک مجاہدہ تو یہ ہے کہ خود تفسیل لذات کو اختیار کرے (اس کو
 مجاہدہ اختیاریہ کہتے ہیں) اور ایک یہ کہ خود تفسیل لذات نہیں کیا لیکن
 حق تعالیٰ نے اس کو کسی مصیبت میں مبتلا کر دیا (اس کو مجاہدہ اضطراریہ کہتے
 ہیں) مثلاً کسی کا بچہ مر گیا پھر اس نے صبر کیا اس سے رفع درجات ہوا۔ اس
 آیت میں اسی کا ذکر ہے۔ "وَلَسَبُلُوْا نَكَرٌ..... الثَّمَرَاتِ" الخ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تم کو خوف۔ بھوک۔ مال۔ جان اور
 پھلوں کی کمی میں سے کسی چیز کے ساتھ آزماؤں گے :-
 تو اس مجاہدہ اضطراریہ میں بھی ثواب ملتا ہے۔ اس سے زیادہ کیا ہے، کہ
 فرماتے ہیں :-

اُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ
 یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کا انعام اور رحمت ہے (کمالات الشریفہ)
 ان مجاہدات اضطراریہ سے نفس کی تہذیب و تہیج ہو جاتی ہے، چنانچہ ریح دغم
 میں اخلاق درست ہو جاتے ہیں۔ ساری قوں فاں اور فرعون بے سامانی
 رخصت ہو جاتی ہے، جو بات مجاہدہ اختیار یہ سے برسوں میں حاصل نہ ہو وہ
 ان مجاہدات اضطراریہ سے ایک دن میں حاصل ہو جاتی ہے اور نفس ڈھیلا
 ہو جاتا ہے۔ مجاہدہ اختیار یہ میں توفیق کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے اس میں انوار
 زیادہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ انوار کا ترتب عمل پر ہوتا ہے اور مجاہدہ اضطراریہ میں
 فصل کم ہوتا ہے۔ اس میں نورانیت کم ہوتی ہے، لیکن اس میں انفعال کا غلبہ
 ہوتا ہے، اس سے قابلیت میں قوت بڑھتی ہے اور اس انفعال اور قوت
 کی خود اعمال اختیار یہ کے راسخ ہونے میں سخت ضرورت ہے اس لئے
 بزرگوں نے ایسے مجاہدات بہت کرائے ہیں اور بعض اوقات مجاہدات اختیار
 اور مجاہدات اضطراریہ دونوں موجود ہوتے ہیں تو یہ :-

نُورٌ عَلَىٰ نُّورٍ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ (النور)
 یعنی نور پر نور ہے خدا جس کو مناسب سمجھتا ہے نور سے راہ دکھاتا ہے
 اور اللہ تعالیٰ دونوں قسم کے مجاہدوں کو جمع فرماتے رہتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے
 الْمَدَّ أَحَبَّ النَّاسِ أَنْ يُتْرَكُوا وَلَيَعْلَمَنَّ
 الْكَذِبِينَ (العنکبوت)

کیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اتنا کہہ کر چھوٹ جائیں گے ہم یقین لائے
 اور ان کی آزمائش ایسا نہ ہوگی اور جو ان سے پہلے نئے ہم نے ان کی
 بھی آزمائش کی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ (ظاہر اور پُہی) معلوم کر لگا

ان کو چہنچہ ہے اور ان کو جو جھوٹے ہیں۔
 یعنی تم کو محض امتنا کہنے پر نہ چھوڑا جائے گا بلکہ مجاہدات اضطراریہ سے
 تمہارے مدد و کذب کا امتحان کیا جائے گا۔ ایک دوسرے تمام پر ارشاد ہے
 آمَحْسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ... مَتَى نَصْرُ اللّٰهِ۔ (البقرہ)
 کیا تم کو یہ خیال ہے کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ تم پر ان
 لوگوں جیسے حالات نہیں گزرے جو تم سے پہلے ہو چکے کہ ان کو سختی اور
 تکلیف پہنچی اور جبر جھڑنے گئے حتیٰ کہ رسول بھی،
 اور وہ بھی جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے، کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ
 کی مدد کب آئے گی؟

اس میں بتا دیا کہ مجاہدہ اختیاریہ کے ساتھ اضطراریہ کو جمع کیا کرتے ہیں، اور
 زلمتے ہیں يُسْفِقُونَ فِي الشَّرَاءِ وَالصِّرَآءِ یعنی فراغت میں
 اور تنگی میں خرچ کرتے ہیں۔ اس میں حالت صِرَآءِ (تنگی) میں انفاق یعنی خرچ
 کرنے کی ترغیب ہے جس میں دو مجاہدوں کا جمع ہے کہ فقر بھی ہے اور انفاق بھی
 ہے۔ ایک اضطراری مجاہدہ ہے ایک اختیاری۔ بہر حال یہ بات ثابت ہو گئی کہ
 مجاہدہ اضطراریہ و اختیاریہ کا جمع ہونا شریعت میں محمود اور مطلوب ہے۔ پھر
 اگر مجاہدہ اضطراریہ سے عمل میں قلت بھی ہو جائے اور محض فرائض و واجبات
 ہی پر اکتفا ہوتا ہے تب بھی مجاہدے کا ثواب ملتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے
 کہ مسافر و مریض کے لئے ان اعمال کا ثواب لکھا جاتا ہے جو وہ سفر و مرض سے پہلے
 کرتا تھا۔

(بلحاظ ارکان) مجاہدے کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مجاہدہ جسمانی کہ نفس کو مشقت
 کا عادی کیا جائے مثلاً تکبیر و افسل سے نماز کا عادی کرنا اور روزہ کی کثرت سے
 کھانے کی حصر و غیرہ کو کم کرنا۔
 اور ایک مجاہدہ یعنی مخالفت نفس ہے کہ جس وقت نفس معصیت کا تقاضا کرے

اس وقت اس کے تقاضے کی مخالفت کرنا۔

اصل مقصود یہ دوسرا مجاہدہ ہے اور یہ واجب ہے اور پہلا مجاہدہ بھی اسی کی تحصیل کے واسطے کیا جاتا ہے کہ جب نفس مشقت برداشت کرنے کا عادی ہوگا تو اس کو اپنے جذبات کے ضبط کرنے کی بھی عادت ہوگی لیکن اگر بغیر مجاہدہ جسمانی کے کسی کو نفس پر قدرت ہو جائے تو اس کو مجاہدہ نفسانیہ کی ضرورت نہیں مگر ایسے لوگ بہت کم ہیں اسی واسطے صرفی نے مجاہدہ جسمانیہ کا بھی اہتمام کیا ہے اور ان کے نزدیک اس کے چار ارکان ہیں۔ قلت کلام، قلت طعام، قلت منام اور قلت اختلاط مع الا نام۔ جو شخص ان چاروں کا اعلائی ہو جائے گا وہ آہی وہ اپنے نفس پر قابو پاتا ہو جائے گا کہ تقاضائے معصیت کو ضبط کر سکے گا اور مجاہدہ نفسانیہ یہ ہے کہ جب نفس گناہ کا تقاضا کرے اس کی مخالفت کرنا۔ یہ بات اس وقت حاصل ہوگی جبکہ نفس کی جائز خواہشوں کی بھی کسی حد تک مخالفت کیا کریں۔ مثلاً کسی لذت چیز کو چھیلا تو فوراً اس کی خواہش کو پورا نہ کیا جائے بلکہ اس کے تقاضے کو روک دیا جائے اور کسی بھی سمت تقاضے کے بعد اس کی جائز خواہش پوری کر دی جائے تاکہ نفس پریشان نہ ہو جائے بلکہ اس کو خوش رکھا جائے اور اس سے کام بھی لیا جائے اس لئے ع

کہ مرد و زن خوش دل کند کار بیش

تو جب مباحات میں مخالفت نفس کے عادی ہو گئے، اس وقت معاصی کے تقاضے کی مخالفت پر آسانی سے قادر ہو گئے اور جو شخص مباحات میں نفس کو بالکل آزاد رکھتا ہے وہ بعض اوقات تقاضائے معصیت کے وقت اس کو دبا نہیں سکتا۔

ریاضت نفسانی کی دو قسمیں ہیں۔ قسم اول اخلاق حمیدہ ہیں اور وہ چند مقامات ہیں مثل توبہ، صبر و شکر وغیرہ۔ قسم دوم اخلاق ذمیمہ ہیں اور وہ چند چیزیں ہیں مثل شہوت، حرص و غضب وغیرہ۔ (تعلیم الدین)

مجاہدہ نفس

نصوص میں جا بجا مجاہدے کا ذکر ہے کہیں بصورت خبر کہیں بصیغہ امر چنانچہ ارشاد ہے **وَمَنْ جَاهَدْنَا مَا جَاهَدْنَا لِنَفْسِهِ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا** جَاہِدُوا وَافِيَ اللّٰهُ حَقَّ جِهَادِهِ وغیرہ وغیرہ پس اس کی تفسیر وہی ہوتی چاہئے، جو شریعت نے بتلائی ہے کیونکہ میں کہہ چکا ہوں کہ مقاصد میں تصوف کی اصطلاحات شریعت کی اصطلاحات سے جدا نہیں ہیں پس اب اس غلطی کا منشا جہل کے سوا کچھ نہیں۔ لوگوں نے کتابوں میں خاص خاص لوگوں کے مجاہدات کا ذکر دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ بس یہی اس کی حقیقت ہے حالانکہ حقیقت شے اور چیز ہے اور اس کا طریق تحصیل دوسری شے ہے۔ حقیقت ایک ہوا کرتی ہے اور طریق تحصیل مختلف بھی ہو سکتے ہیں۔ پس لوگوں نے ایک غلطی تو یہ کی کہ مجاہدہ کی تفسیر اپنی طرف سے گھڑ لی، دوسری غلطی یہ کی کہ اس تفسیر مخترع کو نصوص میں جاری کیا اور یہ سمجھے کہ **وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا** وغیرہ میں یہ ہی مجاہدہ مراد ہے جو ہمارے ذہن میں ہے اور یہ معنی طاق سے باہر تھے تو کہنے لگے کہ دین پر عمل مشکل ہے چنانچہ یہ بات عام طور پر لوگوں کی زبان پر ہے حالانکہ اس میں تکذیب ہے نصوص صریح کی حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ **لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اَلًا وَّسَعَهَا** جس میں تصریح ہے کہ دین میں طاقات سے زیادہ تکلیف نہیں دی گئی۔ حدیث شریف میں ہے :-

اَلدِّينُ يُسْرٌ كَمَا دَانَ اللّٰهُ تَعَالٰی فَرَمَاتے ہیں۔ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ خدا نے تم پر دین میں کچھ بھی تنگی نہیں کی مگر

عوام اس غلطی کی بنا و پران نصوص کی حقیقت سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ دین آسان ہے پس یوں خیال کرتے ہیں کہ یہ خاص لوگوں کے واسطے آسان ہو گا۔ سب کے واسطے آسان نہیں حالانکہ نص میں نفساً عام ہے جس سے معلوم ہوا کہ کسی کو بھی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی گئی جس میں عام و خاص کا کوئی تفرقہ نہیں نیز مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ میں خطاب سب کو عام ہے۔ مگر لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی، کیونکہ وہ تو مجاہدہ والا اس کو سمجھتے ہیں جو بیوی بچوں کو چھوڑ دے اور نص کے ضروری حقوق کو بھی ادا نہ کرے حالانکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا مِنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ آرَافًا وَذُرِّيَّةً اَوْ رِجَالًا مِمَّنْ تَرَى ظَالِمِينَ . . وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا أَنْهُمْ لِيَاكُلُوا الطَّعَامَ الَّذِي بَخَسُوا فِي الْأَسْوَاقِ ط اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے بیوی بچے بھی ہوتے تھے اور وہ کھاتے پیتے بھی تھے اور بازار میں ضروریات کے لئے چلتے پھرتے بھی تھے اور ظالم ہے کہ تمام ضروریات کی جزا دلاد و ازواج ہی ہیں۔ ان کے لئے انسان کو سب سامان کرنا پڑتا ہے مگر بایں ہمہ انبیاء علیہم السلام ان سے الگ نہ تھے اور یہ سب متفق علیہ ہے کہ مجاہدے میں انبیاء سے زیادہ کامل کوئی نہیں ہو سکتا۔ پس ثابت ہو گیا کہ مجاہدے کی یہ حقیقت ہرگز نہیں کہ بیوی بچوں سے الگ ہو جائے اور ایک بڑی بٹی اس غلطی سے یہ پیدا ہوتی ہے کہ اس مجاہدہ فخر سے میں اگر کوئی کامیاب ہو جائے تو پھر وہ اپنے کو دوسروں سے اکمل و افضل سمجھنے لگتا ہے اور جو لوگ اس کی طرح مجاہدہ نہیں کرتے ان کو حقیر سمجھنے لگتا ہے، حالانکہ اول تو اسی امتیاز کا منشا و غلطی ہے جو اس نے مجاہدے کی حقیقت سمجھنے میں کی ہے۔ پھر دوسروں کو اس غلطی میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ مجاہدہ

کی حقیقت اس نے صحیح سمجھی پھر اسے اپنے کو افضل و اکمل سمجھنے کا کوئی حق نہیں
 پس خلاصہ مجاہدے کا یہ ہوا کہ محرمات و مباحات میں نفس کی مخالفت کی جائے
 مباحات میں تو اس طرح کہ ہر بات پر عمل نہ کیا جائے بلکہ تقلیل کی جائے اور محرمات
 میں اس کی مخالفت اس طرح کہ ان کو بالکل ترک کیا جائے اور مجاہدہ کا یہ درجہ تو
 سب کے نزدیک واجب ہے یعنی محرمات سے بچنا اور اس کی ضرورت ہر مسلمان کے
 نزدیک مسلم ہے، بلکہ اصل حالت کے اعتبار سے تو اس کو مجاہد میں داخل کرنا
 بھی ٹھیک نہیں بھلا زہر سے بچنا بھی کچھ مجاہدہ ہے۔ مجاہدہ تو اسے کہتے ہیں جس میں
 نفس پر مشقت و گرانی ہو اور ظاہر ہے کہ اصل مشقت فطرت میں ان ہی کاموں
 کے ترک میں ہوتی ہے جن کی من جملہ اجازت ہے اور جن کا حرام ہونا معلوم ہے
 ان کے ترک میں مجاہدہ ہی کیا ہوتا مگر چونکہ قریب قریب ہر شخص محرمات میں مبتلا
 ہے اس لئے ترک محرمات میں بھی مجاہدہ ہو گا ورنہ اصل فطرت کے اعتبار سے
 زاصل مجاہدہ یہی ہے کہ مباحات میں بھی نفس کی مخالفت کی جائے کہیں انہماک
 میں اور کہیں نفس فعل میں بھی کیونکہ بعض مواقع پر جب نفس کو مباحات سے رُکا
 جا رہے گا اسی وقت وہ محرمات سے بچ سکیگا کیونکہ مباحات کی سرحد محرمات سے
 ملی ہوئی ہے اور قاعدہ ہے کہ جس جنگل میں شیر رہتا ہو اس سے بچنے کا طریقہ
 یہی ہے کہ اس سرحد کے پاس ہی نہ جاؤ اگر کوئی شخص جنگل کی حدود میں رہ کر شیر سے
 بچنا چاہے یہ اس کی حماقت ہے ممکن ہے کہیں غلطی سے حد کے اندر داخل ہو جائے اور
 شیر کا سامنا ہو جائے اس لئے سالکین کو مباحات میں انہماک سے بہت ہی احتراز
 چاہئے، اور یہاں سے معلوم ہو گیا کہ بیوی بچوں کو چھوڑنا اور گھر کو تالا لگانا یہ
 مجاہدہ نہیں ہے کیونکہ بیوی بچوں کی خبر گیری شرعاً فرض ہے اور مجاہدہ ترک فرض
 کا نام نہیں بلکہ ترک محرمات اور کہیں ترک مباحات کا نام ہے اگر کسی شخص کو بیوی

سے محبت ہو جائے تو اس کے ازالہ کا حکم نہ کیا جائے گا کیونکہ یہ محبت خلاف شرع نہیں بلکہ شرعاً مطلوب ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا
لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً
إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۸۲﴾ (الروم: آیت ۸۲)

(دعوت العبرہ صفحہ ۸۲-۸۳- اثرات المائل)

مجاہدہ ثانیہ

حال :- علاوہ ازیں عرض یہ ہے کہ پچھلی حالت جس میں توجہ الیٰ زیادہ تھی ان ایام میں تقاضائے معصیت بہت مغلوب تھا اور ایک گونہ جمعیت اور سکون اور یکسوئی حاصل تھی لیکن اب وہ حالت نہیں رہی۔ بعض اوقات تقاضائے معصیت کا بہت غلبہ ہوتا ہے اور وہ پہلی یکسوئی نہیں رہی۔

مرغ دل را صید جمعیت برام افتادہ بڑ
زلف بکشادی دبا ز دست شد پیر ما
اور معاصی کے غلبہ کی یہ حالت ہے

فغان از بیدیا کہ در نفس ماست کہ ترسم شود ظن ابلیس راست
اس حالت سے جی بہت کڑھا ہے اور جان گھلتی جاتی ہے۔ خدا کے لئے
دعائے استقامت علی الصراط المستقیم فرمادیں ورنہ یہاں کچھ حال نہیں
ع چہ بر خیزد از دست دستدیر ما

تحقیق :- یہ ہے وقت مجاہدہ ثانیہ کا۔ بعد مجاہدہ اولیٰ کے اور یہاں
جس کے نہ جاننے سے ایک سالک کو شبہ رجعت کا ہو جاتا ہے اور
بعض اوقات مایوس ہو کر نسبت تعطل تک کی آجاتی ہے۔ حالانکہ یہ کمال سلوک

کہ لازم عادیہ سے ہے۔ حقیقت اس کی یہ ہے کہ ابتداء میں جوش کی زیادتی سے اولیٰ طبع مغلوب ہو جاتے ہیں تو توسط یا انتہا میں جوش کم ہونے سے وہ امور طبعیہ پھر نمودار آتے ہیں کیونکہ ان کا زوال نہیں ہوا تھا صرف مغلوب ہو گئے تھے۔ اس وقت پھر مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اس مجاہدہ میں تعب و غم نہ ہوتا ہے مگر عزم و توجہ و ہمت و ضبط کی حاجت ہوتی ہے (ابو ادر النوار)

مجاہدہ — فاعلہ مفید بلا خطر

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ لہذا میں دیکھا۔ سوال کیا کہ کیوں حضرت آپ کے زمانے کی نسبت اور اس زمانے کی نسبت میں کیا فرق ہے؟ ارشاد فرمایا کہ ہمارے زمانے میں تین چیزوں کی کثرت کرتے تھے نماز۔ تلاوت قرآن اور ذکر۔ اور اس وقت لوگوں نے صرف ذکر پر اکتفا کر لیا ہے۔ انتہی

راقم نے غور کیا تو قرآن مجید کی آیت میں تینوں چیزوں کو جمع پایا ہے :-
 اِنَّ مَا اَرْجُوْا اِلَيْكَ مِنَ الْكُتُبِ وَ اَقِيْمِ الصَّلٰوةَ ۗ وَاِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ۗ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۗ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۗ (العنکبوت)

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھ جو کچھ وحی کی گئی تیری طرف کتاب سے اور قائم کر نماز کو بیشک نماز بے حیائی اور بُری چیزوں سے روکتی ہے، اور بیشک اللہ (تعالیٰ) کا ذکر بڑی چیز ہے اور اللہ (تعالیٰ) جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

بلکہ بقول حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ غالباً صحابہ و تابعین میں حصول نسبت کے لئے اس نماز و تلاوت و دیگر اوراد کی کثرت بشرط خشوع و تدبر کافی تھی۔ ان اشغال متعارفہ کی ان کو حاجت نہ تھی۔ (تعلیم الدین)

تخلیہ و تخلیہ

(طریق تکمیل) تکمیل کے دو درجے ہیں ایک تخلیہ اور ایک تخلیہ۔ یا ایک تخلیہ اور ایک تخلیہ۔ تخلیہ میں بھی تخلیہ ہی ہوتا۔ جیسے برتن کی پہلے پہل کچیل سے صاف کرنے میں پھر اس پر قلعی اور دوسرا کام کرتے ہیں۔ تخلیہ کے معنی لغت میں آراستہ کرنا ہے۔ اور اصطلاح صوفیہ میں یہ ہے کہ سالک اپنے کو اخلاق حمیدہ اور تعلق مع اللہ سے آراستہ کر لے جس کا طریقہ طاعات و ذکر میں مشغول ہونے ہے اور تخلیہ کے معنی لغت میں خالی کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں سالک کا اپنے آپ کو اخلاق ذمیمہ سے پاک کرنا ہے اور غیر اللہ سے تعلق منقطع کرنا ہے۔

اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ سلوک کے لئے تخلیہ اور تخلیہ دونوں کی ضرورت ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ تخلیہ کو مقدم کیا جائے یا تخلیہ کو۔ مشائخ میں دونوں طریقے مستعمل ہیں بعض تخلیہ کو مقدم کرتے ہیں اس کے بعد تخلیہ کرتے ہیں بعض تخلیہ کو مقدم کرتے ہیں اس کے بعد تخلیہ کرتے ہیں اور ہر دو طریقے سے کامیابی ہوتی ہے، اگر اب صوفیاء کی رائے مختلف ہو گئی ہے بعض کے یہاں صفات حمیدہ اور تعلق مع اللہ پہلے پیدا کیا جاتا ہے پھر ذمیمہ کی اصلاح کی جاتی ہے اور بعض کے یہاں صفات ذلیلہ اور تعلق غیر کو اول قطع کیا جاتا ہے پھر صفات حمیدہ اور تعلق مع اللہ پیدا کیا جاتا ہے اور ہر فریق نے اپنی تائید کے لئے قرآن سے بھی استنباط کیا ہے فریق اول اس آیت کو اپنی تائید میں پیش کرتا ہے **وَ اذْکُرْ اِسْمَ رَبِّکَ وَ تَبَتَّلْ اِلَیْهِ نَبْتًا لِّاَدِّ وِ دِکْھِ** اس آیت میں ذکر اللہ کا حکم مقدم کیا گیا ہے جو تخلیہ ہے اور تبتل یعنی قطع تعلقاً غیر کو موخر کیا گیا ہے اور یہی تخلیہ ہے تو اس آیت میں تخلیہ کو تخلیہ پر مقدم کیا گیا۔ دوسرا فریق یہ آیت پیش کرتا ہے **وَ اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوۃِ** کہ اس آیت میں استعانت بالصبر کو مقدم کیا گیا ہے اور صبر کے معنی ہیں کف النفس

عن المعاصی یعنی نفس کو معاصی سے روکنا اور یہی حاصل ہے تخلیہ کا، اور استغنا
بالصلوٰۃ کو موخر کیا گیا ہے جو کہ تخلیہ کی قسم میں سے ہے تو اس آیت میں تخلیہ کو تخلیہ
پر مقدم کیا گیا ہے۔ مگر اس میں قول فیصل یہ ہے کہ نہ تخلیہ کو مطلقاً مقدم کیا جاتے
اور نہ تخلیہ کو۔ بلکہ دونوں کو دردمش بدوش چلنا چاہئے تاکہ ساتھ ساتھ تخلیہ اور
تخلیہ دونوں ہوتے رہیں۔ اگر تخلیہ کو مطلقاً مقدم کیا گیا تو بعض دفعہ
رذائل ایسے قوی ہوتے ہیں کہ سارا تخلیہ بیکار ہو جاتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص
سر سے پاؤں تک گندگی میں بھرا ہوا ہو، تو اس کے بدن پر عطر لگانا بیکار
ہے، وہ عطر کو بھی لے ڈوبے گا۔ اسی طرح اگر تخلیہ کو مقدم کیا گیا تو اتنا زمانہ تخلیہ
کے برکات سے خالی جائیگا۔ پھر ممکن ہے کہ تخلیہ میں دیر لگ جائے اور کوتاہی عمر کی
درجہ سے تخلیہ کی نوبت ہی نہ آئے۔ تو یہ شخص تعلق مع اللہ سے بالکل ہی محروم رہے گا اس لئے
تحقیق کی اب یہ رائے ہے کہ تخلیہ اور تخلیہ ساتھ ہونا چاہئے۔ چشتیہ کے یہاں پہلے تخلیہ مقدم تھا اور
اب ان کے یہاں تخلیہ کے ساتھ ساتھ تخلیہ کا اہتمام زیادہ ہوتا ہے، مگر پہلے یہ حالت تھی کہ برسوں
مجاہدات کراتے تھے پھر مدت کے بعد بارہ تسبیح وغیرہ تعلیم کرتے تھے اور نقشبندی پہلے ہی دن
ذکر تعلیم کر دیتے تھے ان کے یہاں تخلیہ مقدم تھا۔ بعد میں تخلیہ کراتے تھے اور اب گودونوں سلسلہ
کے تحقیق کی رائے بدل گئی مگر چشتیہ کے مذاق پر تخلیہ غالب ہے اور نقشبندی کے مذاق
پر تخلیہ غالب ہے۔ مگر باوجود اس کے اہل تربیت جو محقق ہیں اس میں طالب کے مذاق پر
زیادہ مدار رکھتے ہیں جس کو وہ اپنی خداداد بصیرت سے تشخیص کر لیتے ہیں۔

تو اب الحمد للہ جو محقق ہیں وہ تخلیہ اور تخلیہ ساتھ ساتھ کرتے ہیں چشتی و نقشبندی
دونوں طریقوں کو ملا دیا۔ بس اب وہ حال ہو گیا۔ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ
دونوں دریاؤں کو ساتھ ساتھ لئے جا رہے ہیں اب جس دن یہ شخص فارغ ہوگا، وہ
نقشبندی بھی ہوگا اور چشتی بھی۔ دونوں طریق کا فاضل ہوگا۔

(تقلید الکلام۔ اشرف المسائل ص ۷)

نازکسل کے ساتھ ادا کرنا بھی مجاہدہ ہے

اعمال صالحہ میں مشقت ہمیشہ رہتی ہے کیونکہ وہ اعمالِ نفس کی خواہش کے خلاف ہیں۔ نفس ان میں منازعت ضرور کرتا ہے قلیل یا کثیر۔ اس لئے مخالفتِ نفس کی عمر بھر ضرورت ہے اور یہی مجاہدہ کی حقیقت ہے اور یہاں سے بعض دغظین کی غلطی معلوم ہو گئی کہ وہ یہ آیت یعنی **وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالَىٰ** (اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں) کو مسلمانوں کے حق میں پڑھ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو نماز میں کسل کرے وہ منافق ہے۔ بات یہ ہے کہ ان لوگوں کو قرآن کے معنی سمجھنے میں غلطی ہوئی حقیقت منہ کی یہ ہے کہ کسل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ عمل میں مشقت کا سامنا ہو مگر عقیدہ میں ضعف یا شک نہ ہو تو پھر بھی یہ کسل وہ کسل نہیں ہے جو دنیا کی شان تھی یہ تو کسلِ طبعی ہے۔ اور طبعی کسل اعمالِ شرعیہ میں مخلصین کو بھی ہو سکتا ہے کیونکہ یہ اعمالِ نفس پر گراں ہیں نفس ان میں بعض دفعہ کسل کرنے لگتا ہے اور اعمالِ شرعیہ میں مشقت کا سامنا ہوتا آیت **وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ** اور (اس نے تم پر دین کے احکام میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی) کے خلاف نہیں کیونکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ دین فی نفسہ آسان ہے دشوار نہیں، یا اور بات ہے کہ منازعتِ نفس کی وجہ سے اس میں دشواری آجائے؛ کیونکہ یہ ضرور ہے کہ اعمالِ شرعیہ میں نفس کی خواہشوں کو پامال کیا جاتا اور اس کی مخالفت کی جاتی ہے اور یہ نفس کو ضرور گراں ہے، تو اس منازعت و کشاکش کی وجہ سے دشواری آجانا یسرفی نفسہ کے خلاف نہیں، اسی لئے قرآن میں **وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ** سے پہلے **وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ** (اور اللہ کے کام میں خوب کوشش کیا کرو) بھی آیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ دین میں مجاہدہ کی بھی ضرورت ہے پس ایک ہی جزو کو مت دیکھو۔ دونوں جزو کو ملاؤ۔

تو حاصل وہی نکلے گا جو میں نے عرض کیا ہے۔ اب سنئے ایک تو طبی کسل ہے جس کا منشاء منازعت نفس ہے، یہ منافقین کے ساتھ خاص نہیں اور ایک اعتقادی کسل ہے کہ اس شخص کو نماز کی فرضیت پر اور خدا و رسول پر ہی ایمان نہیں ہے، محض کسی مصلحت کی وجہ سے نماز پڑھ رہا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ دل سے نماز نہ پڑھے گا، بلکہ بیگاری سے ٹلے گا اور کسل کے ساتھ نماز ادا کرے گا۔ یہ کسل منافقین کی شان ہے، اور خدا نہ کرے کہ کسی مسلمان کی ایسی شان ہو۔

بہر حال اعمال شرعیہ میں مجاہدے کی ضرورت عمر بھر کے لئے ہے مبتدی کو کبھی اور منہی کو کبھی اور دونوں کو کبھی نہ کبھی اعمال میں منازعت نفس کی وجہ سے کسل پیش آتا ہے۔ مبتدی کو زیادہ منہی کو کم۔ اس کسل ہی کے رفع کے لئے مجاہدے کی ضرورت ہے۔
(السدائع)

مقاومت نفس میں سہولت کا طریقہ

ارشاد بعض کو یہ دیکھ کر کہ استعمال اختیاری میں اپنی سی پوری کوشش کر رہے ہیں سہولت مقاومت نفس کی تدبیر لوجھے ہیں اس پر ارشاد فرمایا کہ گو سہولت کی تدبیر بتانا مصلح کے ذمہ نہیں لیکن تبرعاً بتاتا ہوں وہ یہ ہے کہ بتکلف نفس کی مخالفت کرتے رہنے سے پھر رفتہ رفتہ داعیہ ضعیف ہو جاتا ہے اور اس کی مقاومت سہل ہو جاتی ہے غرض جو تدبیر تحصیل ہے وہی تدبیر تسہیل بھی ہے لیکن یہ قاعدہ اکثری ہے کلی نہیں بعض کو عمر بھر مجاہدہ ہی کرنا پڑتا ہے۔ غرض طالب کو اپنی طرف سے عمر بھر مجاہدے ہی میں گزارنے کے لئے تیار رہنا چاہئے اور مجاہدے ہی کے لئے تو یہاں بھیجے گئے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَيْدٍ اور مجاہدے ہی سے تو اجر اور قرب بڑھتا ہے اور جن کو مجاہدات کی سہولت ہو جاتی ہے ان کو کبھی برابر مجاہدے کا اجر ملتا رہتا ہے کیونکہ یہ سہولت مجاہدات ہی کے سبب سے تو ہوتی ہے۔ (ارشاد السوانح حصہ دوم ص ۱۱۱)

مراقبہ

ماہیت و حقیقت
حق تعالیٰ کی ذات و صفات، یا کسی مضمون کا دل سے اکثر احوال میں یا ایک محدود وقت تک اس غرض سے کہ اس کے غلبہ سے اس کے مقتضاء پر عمل ہوسنے لگے تدبیر تام سے متوجہ ہونا اور اس کا تصور مواظبت کے ساتھ رکھنا مراقبہ کہلاتا ہے جو اعمال مقصودہ قلب میں سے ہے (التکلیف صفحہ ۳۲۳-۳۲۷)

ان مراقبات سے ناقص تصور راسخ ہو جاتا ہے اور اسی رسوم میں مشائخ عوام سے ممتاز ہیں۔ (انفاس عیسیٰ ص ۱۸۷)

مراقبہ کے متعلق دو چیزیں اور ہیں۔ ایک مشارطہ کہ مراقبہ سے پہلے ہے دوسرے محاسبہ جو مراقبہ کے بعد ہے۔ مشارطہ یہ کہ روزانہ صبح کو اٹھ کر تھوڑی دیر تنہائی میں بیٹھ کر اپنے نفس کو خوب نہایتش کرے کہ دیکھو سنلاں فلاں کام کیجیو،

فلاں فلاں مت کیجیو۔ اس کے بعد مراقبہ یعنی نگہداشت اس معاہدے کی رکھنا۔ جب دن ختم ہو۔ پھر سوتے وقت محاسبہ کرے۔ یعنی صبح سے شام تک جو اعمال کئے ہیں ان کو تفصیلاً یاد کرے جو نیک کام کئے ہوں ان پر شکر الہی بجالائے، جو بُرے کام کئے ہوں یا نیک کاموں میں کوئی آمیزش ہو گئی ہو اس پر نفس کو ملامت و زجر توبیح کرے اور اگر خالی زجر و توبیح کافی نہ ہو تو کچھ سزا بھی تجویز کر کے عملد رآمد کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

چاہئے کہ دیکھ بجالے ہر شخص کہ کل
قیامت کے لئے کیا چیز آگے بھیجی ہے۔

وَلتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ
لِغَدٍ۔

(تعلیم الدین ص ۸۴)

مراقبہ محبتِ حق

یہ مراقبہ کیا کرے کہ حق تعالیٰ کو مجھ سے محبت ہے اور حق تعالیٰ مجھ کو چاہتے ہیں۔ یہ مراقبہ بچہ مفید ہے اس سے بندے کے قلب میں بھی حق تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جائے گی اور بندہ خواہ کسی ہی مصیبت اور پریشانی میں ہو مگر جہاں یہ مراقبہ کیا ساری پریشانی رُو چکر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جب یہ یقین کرے گا کہ جب اللہ تعالیٰ کو مجھ سے محبت ہے تو اس مصیبت میں ضرور میرا کچھ فائدہ ہی ہو گا ورنہ محبت میں محبوب کو کون تکلیف دیتا ہے۔ (القول الجلیل ۱۹ ج ۲ - شریعت و طریقت)

حدیث اَعْبُدُ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ كَمَا يَصِحُّ مَطْلَب

سوال (الف)۔ دس اوں نماز میں جو بندہ کے دل میں آتے ہیں اکثر وقت میں تو بلا اختیار دل اُدھر لگا رہتا ہے پھر جب معلوم کر لیتا ہوں اس سے پھر جاتا ہوں پھر کچھ دیر کے بعد ایسا ہو جاتا ہے پھر تپہ لگا اس سے پھر جاتا ہوں اس طرز سے اکثر وقت گذرتا ہے، اور بعض وقت اختیار سے بھی ہو جاتا ہے یعنی جب کوئی خیال دل میں آیا دل کو اس سے سنبھال نہ سکا۔ بار بار دل اس طرف رجوع ہو جاتا ہے۔

(ب) دیگر یہ کہ حدیث اَعْبُدُ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ الحدیث کا مطلب بندہ گندہ کے سمجھ میں یہ آیا کہ خدا کی عبادت کر دہم اس طریقے سے کہ خدا کو نہ دیکھتے ہو۔ جناب من، میں خدا کو کس طرح سے دیکھوں۔ خدا تو ہمارے دیکھنے اور جسم و صورت کبھی تک نہ جہر کو میں تصور کر سکتا ہوں۔ جیسا کہ حاکم کے اجلاس وغیرہ میں حاکم کے سامنے کھڑے ہو کر رو برو بات کی جاتی ہے اور عرض کیا جاتا ہے تو اس خیال میں تو اشکال ہے اور اگر یہ خیال دل میں نہ آئے کہ یہی تو خدا ہے ہمارا، ہمارے سامنے موجود ہے، ہم کو دیکھتا ہے کہ کیا کرتا ہوں اور

کیا کہتا ہوں (دیکھتا سنتا ہے)۔ تب خدا کی رغبت اور ہیبت دل میں نہیں آتی۔ دیگر یہ کہ خلوص کے معنی بندہ کی سمجھ میں یہ آئے کہ سرانگندہ جو خدا کے سامنے کھڑا ہوا ہوں اس میں خدا کے علاوہ کسی قسم کا خیال اور کسی طرح کی بات اور کسی صورت کا خدشہ دل میں نہ آئے۔ بس میں ہوں اور خدا ہے گویا کہ دنیا میں اب کوئی اور کچھ نہیں۔ بندہ کے حال پر کرم کر کے نورِ اصلاح سے منور فرمائیں۔

تختہ۔ (الف) بعد اپنے حق اختیار ہی تک مکلف ہے: ۱۔ اختیار اسی قدر ہے کہ حدیث انفس کو تصد و ارادہ سے نہ لادے اور جب بلا قصد ارادہ آجاوے اس کو دفع کر دے اور دفع کی سہل صورت یہ ہے کہ کسی دوسری ایسی چیز کی طرف متوجہ ہو جاوے

جس کو عبادت سے تعلق ہے۔ اس کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ذات حق کی طرف متوجہ ہو جاوے۔ خواہ تصور کے درجہ میں خواہ کسی تصدیق کے درجہ میں مثلاً اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ حساب و کتاب کے آنے والے وقت کو مثل حاضر کے فرض کر لیا جائے کہ گویا میں حق تعالیٰ کے روبرو حساب کے لئے کھڑا ہوں اور مجھے علم ہوا ہے کہ عبادت مطلوبہ کا نمونہ پیش کر دو۔ وہ اگر پسند کے موافق ہوئی تو حساب میں رعایت کا سبب ہو جائے گی۔ تیسرے یہ کہ یہ فرض کرنے کہ یہ گویا بالکل آخری نماز ہے۔ شاید اس کے بعد عمر ختم ہو جاوے اور پھر نماز نصیب نہ ہو۔ چوتھے یہ کہ گویا غانہ کعبہ میرے سامنے ہے۔ اور اس پر تجلیات نازل ہو رہی ہیں اور اس سے وہ تجلیات میری طرف آ رہی ہیں اور جتنی ابھی نماز پڑھوں گا وہ تجلیات زیادہ قاتر ہوں گی۔ پانچویں یہ کہ جو الفاظ منہ سے نکلتے ہیں ان کی طرف توجہ رکھے۔ خواہ بلا تصور معانی کے خواہ مع تصور معانی کے اور اس توجہ کی سہل صورت یہ ہے کہ کوئی لفظ یا د سے نہ پڑھے بلکہ مستقل ارادے سے پڑھے یا شیخ کامل اللہ کسی ایسی ہی چیز کا تصور بخوبی کر دے اس کا استعمال کرے۔ ان تدابیر سے وہ وسوسا جو بلا اختیار آئے تھے دفع ہو جائیں گے اور اول اول جب تک اس طریق کی مشق نہ ہو۔ کبھی کبھی یہ تصورات زائل اور وسوسا پھر حاضر ہو جاتے ہیں۔ اس کا علاج

ہے کہ جب تشبیہ ہو فوراً اس توجہ کی تجدید کر لی جاوے۔ شدہ شدہ توجہ الی العبادات کو رسوخ ہو جائے گا اور اگر اس رسوخ میں دیر ہو تو گھبرائے نہیں۔ اس عمل کو جاری رکھے کیونکہ بندہ رسوخ کا مکلف نہیں۔ عمل کا مکلف ہے۔ حتیٰ کہ اگر عمر بھر بھی رسوخ نہ ہو تو مقصود میں کوئی خلل نہیں کمال عبادت اور اجر اور قرب میں ذرا کمی نہ ہوگی۔

(ب) یہ مطلب نہیں کہ تم یہ تصور کرو کہ میں خدا تعالیٰ کو دیکھتا ہوں تاکہ یہ اشکالات لازم آئیں۔ اگر یہ مطلب ہوتا تو عبارت حدیث کی یوں ہوتی۔ ان تعبد اللہ و تقدر انک تراہ۔ مگر عبارت یہ ہے کہ ان تعبد اللہ۔ کانک تراہ اور کان تشبہ کے لئے ہوتا ہے تو معنی یہ ہوئے ان تعبد اللہ حال کانک شاہراً بانک تراہ یعنی گو تم خدا تعالیٰ کو دیکھ

نہیں سکتے لیکن اگر فرض کر لیا جاوے کہ تم خدا تعالیٰ کو واقع میں دیکھتے تو اس وقت عبادت کیسی کرتے ظاہر ہے کہ نہایت مکمل عبادت کرتے اور عبادت کے پورے حقوق ادا کرتے جیسا کہ حاکم کو دیکھنے کا طبعی مقتضا ہے بس اب نہ دیکھنے کی حالت میں بھی اسی حالت مذکورہ کے مشابہ عبادت کرو۔ اب ایک اشکال تھا کہ جب خدا کو ہم دیکھتے نہیں تو دیکھنے کے مشابہ عبادت کیسے ہو سکتی ہے وہ تو مخصوص اسی حالت کے ساتھ ہے۔ آگے اس حکم کی ایک علت بیان فرما کر جواب دیدیا کہ ایسی مکمل عبادت صرف حاکم کے دیکھنے ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اس حالت کو اور ایک دوسری حالت کو دونوں کو عام ہے اور دوسری حالت یہ ہے کہ حاکم تم کو دیکھتا ہو تب بھی ایسی ہی عبادت ہوگی چنانچہ مشابہہ شاہراً ہے کہ اگر حاکم کسی کام کا حکم دے اور خود ایسی جگہ گھڑا ہو کہ کام کرنے والا تو اس کو نہ دیکھے اور وہ اس کو دیکھے اور اس دیکھنے کی اس کو خبر بھی ہو تب بھی ایسا کام کرے گا۔ اس جواب کی طرف اشارہ کرنے کے لئے فاتے علت کے ساتھ فرمایا فان لم تکن تراہ فانہ یراک یعنی ایسی عبادت کا حکم جو کہ مشابہہ اس حالت کے ہو کہ حاکم کو دیکھتے ہو اس لئے کہا گیا ہے کہ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے اور تکمیل عمل و ادائے حقوق میں اس کا بھی وہی اثر ہے جو اس پہلی حالت کا ہے۔ اب سوال کے اشکالات میں سے ایک اشکال

بھی متوجہ نہیں ہوتا اور سوال میں جس خیال کو رغبت و بیعت کی شرط ٹھہرایا ہے یہ اس کے منافی بھی نہیں بلکہ وہی خیال ہے جس کو جواب میں پہلی صورت قرار دی گئی۔ اسی طرح سوال میں جو غلوں کی تفسیر کی ہے وہ بھی یہی صورت اولیٰ ہے۔ کسی قدر عنوان کے اختلاف سے اور اصل معنوں احسان ہے جو مترادف ہے اخلاص کا یعنی نیکو کار کی عبادت، کیونکہ اخلاص ہی نیکو کاروں دو ہوتا گذاروں کا ہے۔ (النور صفحہ ۱۳۵، تربت اسالک جلد دوم صفحہ ۳۷۰-۳۷۱)

مراقبہ موت

لذات کو مٹانے والی شے یعنی موت کو بہت یاد کیا کرو۔ (حدیث شریف)
 آدمی تھوڑا دیر بیٹھ کر سوچ لیا کرے کہ مجھے مرنا ہے اور مرنے کے بعد قبر میں جاتا ہے وہاں سانپ بچھو یا جنت کے باغ ہیں۔ اگر اچھے عمل ہیں تو قبر بلخ ہے اور اگر بُرے عمل ہیں تو بھر عذاب ہے۔ اس کے بعد پھر قبر سے زندہ ہو کر اٹھتا ہے، اور حشر میں حساب کتاب کے لئے پیش ہوتا ہے اور ریل صراط پر چلتا ہے۔ اس طرح تمام واقعات قیامت کے یاد کر لیا کرے۔ جب یہ مراقبہ صحیح ہو جائے گا تو پھر بھول کر بھی گناہ نہ کرے گا انشاء اللہ تعالیٰ، (وعظ ذکر الموت)

مراقبہ موت اور بعد الموت حالات قبر و قیامت کے سوچنے سے جو دل میں خوف پیدا ہوتا ہے وہ عین مطلوب ہے کیونکہ معین آخرت ہے لیکن اگر اس کے قصد استحضار سے کوئی جہانی مرض ہو جانے کا اندیشہ ہو تو روزانہ یہ مراقبہ نہ کرے جب کبھی غفلت زیادہ ہو اس وقت کر لیا کرے۔ (انفاس عیسیٰ)

اگر موت کے سوچنے سے دل گھبرائے تو پھر حیات کا مراقبہ کرے۔ اس دنیا کی حیات سے آخرت کی حیات جو خیر بھی ہے، باقی رہنے والی بھی ہے اور زیادہ لذت و لطیف ہے۔ (کمالات اشرفیہ)

عذاب آخرت کا سوچنا تمام پریشانیوں سے نجات دینے والا ہے۔ اس سے کلفت اور دکھ دور نہیں ہوتی بلکہ اس فکر سے قلب میں نورانیت اور انشراح ہوتا

ہے، جس کا راز یہ ہے کہ اس فکر سے قلب کو اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور تعلق ہو جاتا ہے اور تعلق مع اللہ تمام پریشانیوں سے نجات دینے والا ہے۔ حدیث شریف میں ہے: جس نے تمام غموں کو ایک غم بنا لیا اور وہ ہے آخرت کا غم، تو اللہ تعالیٰ اس کے دنیوی غموں میں کافی ہو گا (یعنی صبر کرنے پر اجر کا وعدہ ہے) اور جس نے مختلف غموں کو اپنے اوپر سوار کر لیا تو اللہ تعالیٰ کو کوئی پروا نہیں کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہوتا ہے۔ (انفاس عیسیٰ)

مراقبات محض علاج ہیں

حال :- یہ جو انواع و اقسام کے مراقبات توحید و تصورات و تمثیلات تشبیہی مارفین نے مقرر فرمائے ہیں اس سے محض استحضار اور توجہ الی اللہ مقصود ہے یا اور کچھ۔ احقر کا گمان ہے کہ غرض ان مراقبات توحید اور ممہ اوست وغیرہ سے اپنی ہستی کی فنا اور اضمحلال اور حق تعالیٰ کا اثبات اور استحضار ہے۔

جواب :- جو کچھ لکھا ہے صحیح ہے یہ سب حیل اور علاج ہیں، مقصود صرف توجہ الی اللہ ان تمام اشغال سے ہے اور جب توجہ الی اللہ میسر ہو جائے تو پھر ان تصورات کی حاجت بھی نہیں چونکہ مجرد تصور ہر شخص سے ہو نہیں سکتا اس لئے یہ سب طریق مقرر فرمائے گئے ہیں۔ (تربیت السالک حصہ دوم)

تفکر

حقیقتِ تفکر

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ :-

وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ
لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (ابراہیم)

اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ کچھ تفکر کریں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

فَأَشْرُوا مَا بَقِيَ عَلَيَّ مَا بَقِيَ لِي (رواہ احمد)

بس باقی رہنے والی چیزوں کو فانی چیزوں پر اختیار کرو

دو معلوم چیزوں کا ذہن میں حاضر کرنا جس سے تیسری بات ذہن میں آجائے اس کا نام تفکر ہے مثلاً ایک بات یہ جانتا ہے کہ آخرت باقی ہے۔ دوسری بات یہ جانتا ہے کہ باقی قابلِ ترجیح ہے۔ ان دونوں سے تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آخرت قابلِ ترجیح ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :-

إِنِّي خَلَقْتُ السَّمَوَاتِ عَذَابَ النَّارِ (الآیۃ)

بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات دن کے آنے جانے میں

اہل عقل کے لئے دلائل ہیں جن کی حالت یہ ہے کہ وہ لوگ (ہر حال میں دل سے بھی اور زبان سے بھی) کھڑے بھی بیٹھے بھی لیٹے بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور آسمان اور زمین کے پیدا ہونے میں غور و فکر کرتے ہیں کہ ہمارے پروردگار اپنے اپنی اس مخلوق کو (یعنی پیدا نہیں کیا) بلکہ ان میں حکمتیں رکھی ہیں ہم آپ کو پاک اور منزه سمجھتے ہیں سو ہم آپ کو روزخ کے عذاب سے بچا لیجئے۔

اس سے صاف تعلیم ہے کہ قطن السموات والارض میں اس غرض سے تفکر کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور قدرت کا علم ہو کہ یہ فضول پیدا نہیں کئے گئے پھر اس سے امکان وقوع معاد (آخرت پر استدلال کر کے جنت کی طلب اور جہنم سے پناہ مانگنا چاہئے) یعنی اعمال صالحہ کرنے اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ اسی لئے حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اس باب میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

كان دائم الفكرة متواصل الاحزان

کہ آپ ہمیشہ فکر و سوچ اور غم میں رہتے تھے اس فکر و غم کا یہ اثر تھا کہ آپ کبھی کھل کر نہ ہنستے تھے۔ حدیث شریف میں ہے کہ کان جل ضحکہ التسم کہ آپ کا بڑا ہنسنا یہ ہوتا تھا کہ آپ تسم فرمالتے تھے اور یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حوصلہ تھا کہ ہماری خاطر سے تسم فرمالتے تھے۔ ورنہ جس کے سامنے وہ احوال شدید ہوں، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف تھے اس کو تسم بھی نہیں ہو سکتا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اگر تم وہ باتیں جانتے جو مجھے معلوم ہیں، تو بہت کم ہنستے اور زیادہ رویا کرتے یعنی بالکل نہ ہنستے۔ (شریعت و طریقت)

تفکر کی ضرورت

حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا
 عن علی قال لا خیر فی قراءۃ
 ایسے قرآن مجید پڑھنے میں
 لیس فیہا تدبر ولا عبادۃ
 کوئی (معتدبہ) نفع نہیں جس میں فکر نہ ہو
 لیس فیہا فقہ
 اللہ نے ایسی عبادت میں جسمیں معرفت نہ ہو
 صوفیا کے طریق کا مدار اعظم یہی فکر ہے (ہذا) خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اکابر کو
 ۴۷۶ - ۴۷۷

(بھی) فارغ ہو کر بیٹھنا نہ چاہئے۔ مثل متبدی کے اہتمام اصلاح اعمال اور اندیشہ تغیر حال میں لگا رہنا چاہئے۔ فکر کی وجہ سے راستہ خود بخود منکشف ہونے لگتا ہے سوچنے کی مثال ایسی ہے جیسے گھڑی کی بال کمائی۔ کہ ہے تو مختصر مگر تمام پرزوں کی حرکت اسی سے ہوتی ہے۔ اسی طرح سوچنے سے دین کے قلعے فتح ہوتے ہیں۔

سار اقران مجید فکر کی تاکید سے بھرا ہوا ہے۔ قیامت کے بارے میں ارشاد ہے کہ ان کو قیامت کے امکان کو سمجھنے کے لئے ملکوت السموات والارض میں نظر کرنا چاہئے ایک جگہ ارشاد ہے لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ اللہ تعالیٰ یہ احکام صاف صاف اس لئے بیان فرماتے ہیں تاکہ تم دنیا و آخرت میں فکر کرو۔ یعنی دنیا و آخرت میں موازنہ کے لئے تفکر کرو کہ ان میں اختیار کرنے کے قابل کون ہے اور کون قابل ترک ہے۔ اہل اللہ نے دنیا میں فکر کر کے ہی اس کی حقیقت کو سمجھا ہے اسی لئے دنیا سے ان کو نفرت ہے۔

طریق فکر

نور ایمان کے کامل کرنے کا طریقہ ذکر و فکر ہے جس کو (اللہ تعالیٰ) نے اس عنوان سے ارشاد فرمایا ہے۔

وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ
بِغَدٍ۔

یعنی اپنے اعمال کا محاسبہ کرتا رہے کہ آج دن میں کتنے نیک کام ہوئے جو نیک کام ہوئے ہیں ان پر خدا کا شکر کرے اور جو گناہ ہوئے ہیں ان سے توبہ استغفار کرے۔ جو بات کہے سوچ کر کہے جو کام کرے پہلے اس کے انجام کو سوچ لے مراقبات کرے (بالخصوص مراقبہ موت) اور اگر موت کے سوچنے سے کسی کا دل گھبرا دے

زوجات کو سوچے کہ اس حیات سے اچھی ایک دوسری حیات ہے جو خیر بھی ہے۔ البتہ
 (باتی رہنے والی) بھی ہے الذ (بہت لذیذ) بھی ہے۔ اشہی (بہت زیادہ
 پسندیدہ) بھی ہے۔ یوں تصور کرے کہ میں آسمان پر پہنچا ہوں۔ حوریں ہیں۔ باغ و
 شہر کی سیر کر رہا ہوں۔ پھر یہ خیال کرے کہ یہ چیزیں جب ملیں گی جب خدا کے حکم
 کی پابندی کروں گا اس سے الپج اور رغبت پیدا ہوگی اور اعمال صالحہ سرزد ہوں گے۔
 طریق تحصیل

دونوں چیزوں (یعنی دنیا اور آخرت کی حقیقت) کا ذہن میں حاضر کرنا
 (تفکر کی تحصیل کا طریق ہے۔ - ماخوذ شریعت اور طریقت صفحہ ۱۰۷-۱۰۸ و تعلیم الدین)

فکر اور مراقبہ دونوں مطلوب ہیں

حال :- دوسری بات یہ ہے کہ گاہ گاہ جب دماغ پر تعب کا زیادہ اثر ہوتا ہے،
 اس وقت نفس پر گراں بھی گزرتا ہے کہ زبان سے آہستہ آہستہ لفظ اللہ یا
 لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا جاوے بس ذکر کا تصور تو رہتا ہے مگر زبان کو حرکت
 نہیں ہوتی۔ کیا ایسا ذکر بھی مفید اور موجب اجر ہے۔

تحقیق :- یہ ذکر نزد ہے فکر کی یا مراقبہ کی اور دونوں شرعاً مطلوب ہیں فکر تو جا بجا
 نصوص میں مذکور ہے اور مراقبہ بھی ایک حدیث میں ہے راقب اللہ تجده
 تجاھک۔ گو اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ فکر اور مراقبہ قضا یا کے ساتھ خاص
 ہو مگر اطلاق سے ظاہراً عموم معلوم ہوتا ہے۔ (ترتیب السالک جلد دوم صفحہ ۲۵)

استغراق

لوگوں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ یہ لڑکی (آپ کی
 صاحبزادی کی طرف اشارہ کر کے جو آپ کے ساتھ جا رہی تھیں) آپ کی ہے۔ تو آپ

بہت غور سے اس کو دیکھ کر فرماتے ہیں کہ ہاں گھر والے کہتے تو تھے کہ یہ میری لڑکی ہے
یعنی یہ بھی یاد نہیں رہا کہ یہ میری لڑکی ہے گھر والوں کے قول سے استدلال کیا۔
(طریق القلندر ص ۳۹)

کیفیت استغراقیہ جو حضرات صوفیہ سے متوسطین کو حاصل ہوئی ہے کوئی بڑا
کمال نہیں ہے۔ جیسا کہ عام لوگ سمجھ رہے ہیں اگر استغراق بڑا مرتبہ ہوتا تو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد صادر نہ ہوتا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ نماز کو طول دوں
مگر نماز میں کسی بچے کی آواز سن کر تخفیف کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں پریشان نہ ہو اس
سے معلوم ہوا کہ اس وقت آپ کو استغراق نہ ہوتا تھا البتہ محمود ضرور ہے (بشرطیکہ اس
استغراق سے کوئی شرعی عیب پیدا نہ ہو) (مقالات حکمت صفحہ ۸۷)

توجہ و تصرف

توجہ (تصرف) کے دو درجے ہیں۔ ایک درجہ تو غیر اختیاری ہے وہ یہ کہ
دل چاہتا ہے کہ فلاں شخص میں ذوق و شوق، محبت حق، خوف وغیرہ پیدا ہو جائے
اس کے واسطے دعا کر دے۔ اس کا تو کچھ مضائقہ نہیں۔ دوسرا درجہ توجہ کا متعارف
مصطلح ہے۔ وہ یہ کہ شیخ اپنے قلب کو سب خطرات سے خالی کر کے خاص توجہ کرتا،
اس میں تصور بقصد تصرف ہوتا ہے یہ گوجا تر ہے مگر ذوقاً پسند نہیں اور اس میں
فاعل قوت برقیہ ہوتی ہے جو انسان کے اندر ودیعت رکھی گئی ہے۔ جیسا کہ زمین میں
بھی یہ قوت بہت ہے۔ نظر لگنے میں بھی اسی کا اثر ہوتا ہے مسموم نیرم اور توجہ متعارف
کا منشا و ماخذ ایک ہے۔ ایک بڑی جگہ صرف ہوتا ہے اور ایک اچھی جگہ۔ صرف اتنا
ہی فرق ہے اور یہ مشق پر ہو تو نہ ہے اس لئے مشق کی جانی ہے کہ دوسروں پر

نیت کا القاء کریں گے بعض مشائخ کے یہاں اس سے بہت کام لیا جاتا ہے، مگر اس کا نفع باقی نہیں رہتا۔ طالب کیفیت کو نفع سمجھ کر اس کو کافی جانتا ہے اس لئے کام چھوڑ دیتا ہے۔ اس میں چند خلیجان ہیں۔ اول تو سنت میں منقول نہیں دوسرے اس سے اکثر کو کام میں سُستی ہونے لگتی ہے اگر خود دوسرے پر اثر پڑے اس کا مضائقہ نہیں۔ باقی خود توجہ کرنے میں تو اس وقت قلب میں خدا تعالیٰ کی طرف توجہ مطلق نہیں رہتی۔ اگر یہ کہا جائے کہ یوں معمولی بات چیت میں بھی توجہ الی اللہ نہیں ہوتی تو جواب یہ ہے کہ یہ اس سے اشد ہے، کیونکہ اس سے قلب کو قصداً خالی کیا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے توجہ ہٹانا غیرت کی بات معلوم ہوتی ہے حلقہ متعارف میں یہی ہوتا ہے بس مسنون طریقہ اصلاح کا وعظ، نصیحت دُعلیٰ ہے اور توجہ نام حق تعالیٰ کا حق ہے البتہ اس کے کچھ آداب ہیں۔ (تصوف و سلوک)

توجہ متعارف کے متعلق

ارشاد فرمایا کہ مجھے تو اپنے ہی فکر سے فرصت نہیں دوسروں کی طرف ہر وقت متوجہ رہنے کی مجھے کہا تو فوق اور میں تو اس توجہ متعارف کو تکلف ہی سمجھتا ہوں اور اس کے خلاف تفسیریں بھی کیا کرتا ہوں اور اگر اس میں نفع رسائی کی نیت ہو تو میں اس کو جائز سمجھتا ہوں اور اسی بنا پر توجہ دینا بعض بزرگوں کا معمول بھی رہا ہے لیکن جس طریق سے رائج ہے وہ طریق سنت میں منقول نہیں۔ اور مجھے تو باوجود جائز سمجھنے کے توجہ متعارف سے طبعی توجہ ہے جیسے ادبھڑی سے کہ گو حلال ہے لیکن بعض طبیعتیں اس کو قبول نہیں کرتیں مجھے تو اپنی توجہ کو سب طرف سے ہٹا کر ایک خاص شخص کی جانب جو مخلوق ہے ہمدن متوجہ ہو جانے میں غیرت آتی ہے کیونکہ حق تو خاص اللہ تعالیٰ ہی کا ہے کہ سب

طرف سے توجہ کو ہٹا کر بس اسی ایک ذات و لحد کی طرف ہمہ تن متوجہ رہا جائے البتہ دوسری اور خصیہ خواہی کے ساتھ تعلیم کرنا اور دل سے یہ چاہنا کہ طالبین کو نفع پہنچے اور ان کی دینی حالت درست ہو جائے یہ توجہ کا ماثر طریق ہے اور یہی حضرات انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اور نفع اور برکت میں بھی توجہ متعارف سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اس کے اثر کو بعد ہے یہ خلافت توجہ متعارف کے کہ اثر بس اسی وقت ہوتا ہے پھر کچھ نہیں۔ جیسے تنور کے پاس جب تک بیٹھے رہے بدن گرم رہتا ہے اور جب ذرا دہاں سے اٹھے اور ٹھنڈی ہوا لگی بس بدن پھر وہی ٹھنڈے کا ٹھنڈا۔ اور جو توجہ کا مسنون طریق ہے اس کے اثر کی ایسی مثال ہے جیسے کسی نے کشتہ طلا یا سنگیاد بر استعمال کر کے اپنی حرارت غریزی کو بڑھالیا ہو، تو اگر وہ شملہ پہاڑ پر چلا جائے تب بھی وہ حدت بدستور باقی رہے گی۔

(اثر الفسوخ ص ۱۹ حصہ دوم)

کشف

حقیقت کشف

کثرت ذکر اور اجتناب عن المعاصی۔ اتباع احکامات الہیہ اور اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کیفیت باطنی میں لطافت پیدا ہوتی ہے اس سے تلب سالک پر سے حجابات مرفوع ہو جاتے ہیں۔ اس کو کشف کہتے ہیں۔

کشف دو طرح سے ہے کشف کوئی اور کشف الہی۔ کشف کوئی یہ کہ بعد مکانی یا زمانی اس کے لئے حجاب نہ رہے مستقبل کا حال معلوم ہو جائے۔ پوشیدہ چیزوں کا راز معلوم ہو جائے یا جو بات آئندہ ہونے والی ہے وہ ظاہر ہو جائے کشف الہی یہ کہ علوم و اسرار و معارف متعلق سلوک کے یا متعلق ذات و صفات کے اس کے تلب

ہر وارد ہوں۔ یا عالم مثال میں یہ چیزیں متمثل ہو کر مکشوف ہوں۔ (تعلیم الدین ص ۱۱۱)
 اور واردات غریبہ و مواجید مثل ذوق و شوق و محبت و انس و ہیبت و
 انکشاف امر اور احکام و حسن معاملہ فیما بینہ و بین اللہ وغیرہ فائز ہوں۔
 جن کی لذت کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت گروہے (اور یہ امور حالات کہلاتے
 ہیں یہی علوم کشف الہی کہلاتے ہیں) کشف کوئی نہ لذت میں اس کی گرد کوہ پہنچتا ہے نہ
 ذہب میں اس کو اس کا سادہ داخل ہے۔ (نصرت و سلوک ص ۶۲)
 عالم غیب کی اشیاء کا منکشف ہونا ایک حال رفیع ہے جبکہ اتباع شرع کے ساتھ
 ہو۔ حدیث کی دلالت سے ظاہر ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام دیکھا گیا ہے کہ اگر
 حضرت محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نظر آجانا حدیث میں صریحاً مذکور ہے اور ظاہر ہے کہ اگر
 یہ فرشتے ادروں کو بھی نظر آتے تھے۔ تب مدلول حدیث مسئلہ تمثیل ہے اور اگر ادروں
 کو نظر نہ آتے تھے تو مدلول حدیث کشف ملائکہ ہے۔ (المتکشف)
 بعض اوقات اہل کشف کو خدا اپنے کشف کی حقیقت کا ادراک نہیں ہوتا۔
 چنانچہ حدیث بخاری شریف میں حضرت اُسید بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملائکہ کا کشف
 تو ہوا مگر یہ اطلاع نہ ہوئی کہ یہ ملائکہ ہیں۔ محققین نے بھی اس کی تصریح کی ہے جو شخص
 اس تحقیق سے آگاہ ہو جائے گا۔ وہ کشف میں اپنی فہم و رائے پر ہرگز اعتماد نہ کرے گا
 اور ایسا شخص بہت سی غلطیوں سے محفوظ رہے گا۔ (المتکشف)
 بزرگوں کو جو کشف ہوتا ہے یہ ان کے اختیار میں نہیں دیکھو حضرت یعقوب
 علیہ السلام کو مدت تک حضرت یوسف علیہ السلام کی خبر نہ ہوئی حالانکہ اس بے خبری سے
 جو کچھ ان کو رنج و غم پہنچا وہ مشہور ہے کہ روتے روتے نابینا ہو گئے۔ تو اگر امر اختیار
 تھا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو کیوں خبر نہ ہوئی اور جب خبر ہونے کا وقت آیا تو
 میلوں دور سے حضرت یوسف علیہ السلام کے کروتے کی خوشبو آنے لگی پس جبکہ کشف
 اختیاری چیز نہیں تو یہ بھی ضروری نہیں کہ بزرگوں کو ہر وقت کشف ہو ہی کرے۔ بلکہ

حقیقت تو یہ ہے کہ کشف ہونا کوئی بڑا کمال نہیں۔ اگر کافر بھی ریاضت و مجاہدہ کرے تو اس کو بھی کشف ہونے لگتا ہے، نیز مجنوں کو بھی کشف ہوتا ہے۔ (و عظم علم و عمل کشف و الہام سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے اگر موافق قواعد شرعیہ کے ہے تو قابل عمل ہوگا ورنہ واجب الترتیب ہے اور اگر قواعد شرعیہ کے خلاف نہ ہو لیکن کشف میں باہم اختلاف ہو تو اگر وہ دونوں کشف ایک ہی شخص کے ہیں تو تباہ و خیر کشف کا اعتماد ہوگا اور اگر وہ دونوں کشف دو شخصوں کے ہیں تو صاحب صحو کا کشف بہ نسبت صاحب سکر کے قابل عمل ہوگا اور اگر دونوں صاحب صحو ہیں تو جس کا کشف اکثر شرع کے موافق ہوتا ہو و قابل اعتبار ہے اور اگر اس میں بھی دونوں برابر ہیں تو جس شخص میں آثار قرب الہی و مقبولیت کے زیادہ پائے جائیں اس کے کشف کو ترجیح ہوگی اور اگر اس میں بھی برابر ہیں تو جس کو اپنا دل قبول کرے اس پر عمل جائز ہے اور اگر ایک کشف ایک شخص کا اور دوسرا کشف کسی شخصوں کا ہو تو جماعت کے کشف کو قوت ہوگی۔ البتہ اگر وہ تنہا سب سے اکمل ہے تو اس کے کشف کو ترجیح ہوگی۔ (تعلیم الدین)

اور جس کو کشفِ الہی ہوتا ہے اگر اس کے متعلق پیری مریدی کی خدمت اور مخلوق کے باطن کی اصلاح ہو جائے تو وہ قطب الارشاد کہلاتا ہے اور کشف کوئی دالے کے متعلق اگر خلق کی دنیاوی اصلاح و درستی ہو جائے تو وہ قطب التکوین کہلاتا ہے۔ (تصرف و سلوک)

کشف و کرامات کی حقیقت

ملفوظ: فرمایا کہ لوگ کشف کو بڑا کمال سمجھتے ہیں حالانکہ اس کو قرب میں کچھ دخل نہیں بعضوں کو کشف سے فطری مناسبت ہوتی ہے بعضوں کو نہیں

جیسے بعضوں کی نظر سید الشی طور پر دور بین ہوتی ہے۔ بعضوں کی نزدیک بین۔ سید کے سقاہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ فرض کیجئے ایک شخص کی نظر صرف سقاہ سے ہی تک پہنچتی ہے اور ایک کی باہر سڑک تک تو کیا جس کی نظر سڑک تک پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ مقرب ہوگا۔ یہ تو محض نظر کی ایک قسم ہے اس کو قرب سے کیا علاقہ۔

بعضوں کو کشف سے فطرۃً مناسبت نہیں ہوتی لاکھ مجاہدہ و ریاضت کریں عمر بھر کشف نہیں ہوتا۔ اصل چیز تو عبادت ہے واللہ اگر کسی کو لاکھ کشف ہوں اور پھر وہ اپنے وجدان کی طرف رجوع کرے تو محسوس کرے گا کہ ذرہ برابر تڑپ نہیں ہوتی برخلاف اس کے اگر وہ دو چار مرتبہ بھی سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھ کر اپنے وجدان کو دیکھے تو صاف محسوس ہوگا کہ کچھ نہ کچھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب بڑھ گیا اہل ذوق جب چاہیں اس کا تجربہ کر لیں۔ (اشرف السوانح)

کرامت

کرامت سے متعلق تحقیق اہل حق

مقدمہ مسئلہ اول

جاننا چاہئے کہ خلاصہ کلام محققین کا اس باب میں یہ ہے کہ کرامت اس امر کو کہتے ہیں جو کسی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی منجہ کامل سے صادر ہو اور قانون عادت سے خارج ہو پس اگر وہ امر خلاف عادت نہ ہو تو کرامت نہیں ہے اور جس

شخص سے وہ امر صادر ہو ہے اگر وہ کسی نبی کا متبع اپنے کو نہیں کہتا وہ بھی کرامت نہیں ہے جیسے جو گیوں ساحروں وغیرہم سے بعض امور ایسے واقع ہو جلتے ہیں اور اگر وہ شخص مدعی اتباع کا تو ہے مگر واقع میں متبع نہیں ہے خواہ اصول میں خلاف کرتا ہو جس طرح اہل بدعت یا فرودع میں جیسے فاسق و فاجر اس سے بھی اگر ایسا امر صادر ہو تو وہ بھی کرامت نہیں ہے بلکہ استدراج ہے جس کا فریہ ہے کہ یہ شخص بوجہ حشرق عادت کے اپنے کو کامل سمجھتا ہے اور اس دھوکے میں گمبھی حق کے طلب کرنے اور اتباع کرنے کی کوشش نہیں کرتا نعوذ باللہ کس قدر خسران عظیم ہے پس کرامت اس وقت کہلائے گی جبکہ اس کا صدور مومن متبع سنت کامل التقویٰ ہو اب ہمارے زمانے میں کسی شخص کے کیسے ہی عقاید ہوں اور کیسے ہی اعمال و اخلاق ہوں اس کو صاحب کرامت کہتے ہیں، یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ بزرگوں نے تصریح فرماتی ہے کہ اگر کسی شخص کو ہو میں اڑتا ہوا دیکھو مگر وہ شریعت کا پابند نہ ہو تو اس کو بالکل ایچ سمجھو۔

مسئلہ دوم

اور جانتا چاہئے کہ کرامت کے لئے نہ اس ولی کو اس کا علم ہونا ضروری ہے اور نہ اس کے قصد کا متعلق ہونا ضروری ہے اور احیاناً علم ہوتا ہے اور قصد نہیں ہوتا اور کبھی علم و قصد دونوں امر ہوتے ہیں۔ اس بنا پر کرامت کی تین قسمیں ٹھہریں۔ ایک قسم وہ جہاں علم بھی ہو اور قصد بھی، جیسے نیل کا جاری ہونا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان مبارک سے اور دوسری وہ جہاں علم ہو اور قصد نہ ہو جیسے حضرت مریم علیہم السلام کے پاس بے فصل میوؤں کا آجانا۔ تیسری قسم وہ جہاں نہ علم ہو نہ قصد جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مہانوں کے ساتھ کھانا کھانا اور کھانے کا دو چند نہ چند ہو جانا چنانچہ خود حضرت صدیق اکبر رضی اللہ

کو تعجب ہوا جس سے ان کے علم و قصد کا پہلے سے متعلق نہ ہونا ثابت ہوتا ہے اور ایک احتمال عقل کے اعتبار سے خلاف واقع ہے کہ قصد ہو اور علم نہ ہو کیونکہ بغیر علم کے قصد ممکن نہیں اور لفظ تصرف و ہمت کا صرف قسم اول پر اطلاق کیا جاتا ہے۔
 قسم ثانی و ثالث کو تصرف نہیں کہتے۔ البتہ برکت و کرامت کہلاتی ہے۔

مسئلہ سوم

اور جاننا چاہئے کہ ایک اور اعتبار سے کرامت کی دو قسم ہیں ایک حسی ایک معنوی۔ عام لوگ اکثر حسی کو جانتے ہیں اور اسی کو کمال شمار کرتے ہیں، جیسے مانی الضمیر پر مطلع ہو جانا پانی پر چلنا، ہوا پر اڑنا وغیرہ خواص کے نزدیک بڑا کمال کرامت معنوی ہے یعنی شریعت پر مستقیم رہنا۔ مکارم اخلاق کا خوگر ہو جانا نیک کاموں کا پابندی و بے تکلفی سے صادر ہونا۔ حسد و کینہ و دیگر صفات مذمومہ سے قلب کا ظاہر ہو جانا۔ کوئی سانس غفلت میں نہ گزرتا یہ وہ کرامت ہے جس میں استدراج کا احتمال نہیں۔ بخلاف قسم اول کے کہ اس میں یہ احتمال موجود ہے اس واسطے کا ملین صدور کرامت کے وقت بہت ڈرتے ہیں کہ یہ استدراج نہ ہو باخدا خواستہ اس سے نفس میں عجب نہ پیدا ہو جاوے یا اس کی وجہ سے عوام میں شہرت و امتیاز پیدا ہو کر موجب ہلاکت ہو بلکہ بعض نے فرمایا کہ بعض اولیائے مرتے وقت تمنا کی ہے کہ کاش دنیا میں ہماری کوئی کرامت صادر نہ ہوتی تاکہ اس کا عوض و اجر بھی آخرت میں ملتا۔ کیونکہ یہ امر مقدر ہے کہ جس قدر دنیا میں کسی نعمت میں کمی رہے گی اس کا بدلہ آخرت میں عنایت ہوگا۔

مسئلہ چہارم

اور جاننا چاہئے کہ بعض علمائے کرامت کی قوت ایک حد خاص تک معین کی ہے اور جو امور نہایت عظیم ہیں جیسے بدون والد کے اولاد پیدا ہونا

یا کسی جادو کا حیوان بن جانا یا ملائکہ کا بانی کرنا اس کا صدور کرامت سے متمتع قرار دیا ہے مگر محققین کے نزدیک کوئی حد نہیں کیونکہ وہ فعل پیدا کیا ہوا اللہ تعالیٰ کا ہے، صرف ولی کے ہاتھ پر اس کا ظہور ہو گیا ہے۔ تاکہ اس ولی کی کرامت و قرب و مقبولیت عند اللہ ظاہر ہو۔ سو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی جب کوئی حد نہیں تو پھر کرامت کیسے محدود ہو سکتی ہے۔ رہا یہ شبہ کہ معجزے کے ساتھ مساوات لازم آنے کا احتمال ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ جب صاحب کرامت خود کہتا ہے کہ میں نبی کا غلام ہوں تو جو کچھ اس سے ظاہر ہوا ہے یہ تبعیت اس نبی کے ہے استقلالاً نہیں جو اس شبہ کی گنجائش ہو البتہ جس خرق عادت کی نسبت نبی کا ارشاد ہو کہ اس کا صدور مطلقاً محال ہے وہ بطور کرامت کے سرزد نہیں کر سکتے، جیسے قرآن مجید کا مثل لانا۔

مسئلہ پنجم

اور جانا چاہتے کہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اپنی کرامت کا اخفا واجب ہے مگر جہاں اظہار کی ضرورت ہو یا غیب سے اذن ہو یا حالت اس قدر غالب ہو کہ اس میں تصدو اختیار باقی نہ رہے یا کسی طالب حق و مرید کے یقین کا تو یہی کرنا مقصود ہو وہاں اظہار جائز ہے۔

مسئلہ ششم

اور جانا چاہتے کہ بعض اولیاء کا ملین کا مقام غلبہ عبودیت و رضا کا ہوتا ہے اس لئے کسی شے میں وہ تصرف نہیں کرتے اس وجہ سے ان کی کرامتیں نہیں معلوم ہوتیں اور بعضوں کو تو تصرف ہی عنایت نہیں ہوتی تسلیم و تفویض ہی ان کی کرامت ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ولایت کے لئے کرامت کا وجود با

ظہور ضروری نہیں۔

مسئلہ ہفتم

اور جانا چاہئے کہ بعض اولیاء اللہ سے بعد انتقال کے بھی تصرفات و خوارق
مہرزد ہوتے ہیں اور یہ امر معنی حد تو اتر تک پہنچ گیا ہے۔

مسئلہ ہشتم

اور جانا چاہئے کہ کرامت کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ اسباب طبعیہ سے وہ اثر
پیدا نہ ہو اور خواہ وہ اسباب جلی ہوں یا خفی۔ اس مقام پر لوگوں سے دو غلطیاں
واقع ہو جاتی ہیں بعض تو مطلق عجیب امور کو کرامت سمجھتے ہیں اور عامل کے معتقد
کمال بن جلتے ہیں آج کل اس قسم کے بہت قصے واقع ہو رہے ہیں۔ مسمریزم
زین ماضرات و ہمزاد کا عمل عملیات و نقوش طلسمات و شہدات تاثرات عجیبہ
اور بات سحر چشم بندی وغیرہا کہ اس میں بعض کے آثار تو محض خیالی ہیں اور بعض کے
واقعی بھی ہوں تو اسباب طبعیہ خفیہ سے مربوط ہیں کرامت ان سب خرافات سے
منزہ ہے اور بعض لوگ کرامت کو بھی قوت طبعیہ پر محمول کر کے سب کو ایک لکڑی سے
ہانٹتے ہیں۔ صاحب بصیرت طالب حق کو قرآن قویہ سے بنظر انصاف فرق معلوم ہو جاتا
ہے اور اس فعل میں قوت طبعیہ کو دخل ہے یا محض قوت قدسیہ ہے یا کسی قوت کو بھی منہل
نہیں محض کائنات عن الغیب ہے۔

مسئلہ نہم

اور جانا چاہئے کہ جس فعل کا ظاہری قومی سے کرنا منع ہے باطنی قومی سے کبھی منع ہے
جیسے کسی بے گناہ کو قتل کر دینا یا کسی قلب پر زور ڈال کر اس سے کچھ روپیہ لے لینا یا کسی کارزنہا
معلوم کرنا یا تصدقاً نامحرم کی طرف التماس کرنا بعض لوگ مطلقاً خرق عادت کو

شعبہ ولایت کا سمجھ کر ان سب تصرفات کو حلال اور داخل کرامت سمجھتے ہیں یہ سنت غلطی ہے۔

مسئلہ دہم

اور جانتا چاہئے کہ ولی سے ایسا ناگوئی امر ناجائز صادر ہونا بشرطیکہ اس پر اصرار نہ ہو اور تنبیہ کے وقت توبہ کرے یا کسی اختلافی مسئلہ میں غلط شق کو اختیار کرنا ولایت و کرامت میں خارج نہیں ہے یہ کل دس مسئلے ضروری اس باب کے متعلق ہیں۔ (التکشف ص ۱، تربیت السالک ص ۵۰۰)

معارف و حقائق

اقسام علوم اور اس کی حقیقت معلوم ہونے کے بعد یہ معلوم ہونا چاہئے کہ معارف و حقائق میں ہر شخص کا جدا گانہ مذاق ہے مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حقائق و معارف

وہ مقبول ہیں جن کو شریعت رد نہ کرے۔ سیرہ میں ابوسلمان داوانی کا قول منقول ہے

رُبَّمَا يَتَّعُ فِي قَلْبِي الشُّكَّةُ
مِنْ نِكْتِ الْقَوْمِ أَيَّامًا فَلَا
أَقْبَلُ مِنْهُ إِلَّا شَاهِدَيْنِ
عَدِلَيْنِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ

اکثر میرے دل میں کوئی نکتہ امرار صوفیہ
میں سے آتا ہے مگر میں اس کو بلا دو
عادل گواہوں کے کہ وہ کتاب اللہ اور
سنت (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے
قبول نہیں کرتا۔

ابوخداد کا قول ہے۔

كُلُّ بَاطِنٍ يُخَالِفُهُ ظَاهِرٌ
نَهْوٌ بَاطِلٌ

جو باطن کہ ظاہر کے خلاف ہو وہ باطل
اور مردود ہے۔

اور ان علوم کی دلیل محض کشف ہے اور قرآن و حدیث کے اندر ان مسائل کا داخل کرنا

منکشف سے خالی نہیں البتہ اگر کسی کو شوق ہو تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں لگ جائے تو خود ہی سب حقائق و معارف
منکشف ہو جائیں گے اور یہ حال ہوگا ۔

بینی اندر خود علوم انبیاء

بے کتاب و بے معید و اوستا

(بذکر کسی تعلیم و معلم کے انبیاء علیہم السلام کے علوم منکشف ہو جائیں گے)
اور جن کو یہ حقائق حاصل ہوئے ہیں بعض عمل اور اطاعت ہی سے حاصل
ہوئے ہیں ۔

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ

جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

(بہ اسرار عقل پرستی اور فہم کے تیز کرنے سے معلوم نہیں ہونے بلکہ شکستگی اور انقباض
سے خدا تعالیٰ کا فضل متوجہ ہو جاتا ہے) یعنی ان حقائق و معارف کی معرفت اطاعت
اور جہدیت ہی سے حاصل ہوتی ہے عقل پرستی اور زیادہ قیل و قال سے حاصل
نہیں ہوتی۔ (تعلیم الدین۔ وعظ تفضیل الدین)

البہام

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا
میں عمر ہوں اور تم پر حاکم بننے کی مجھ کو
خواہش نہ تھی لیکن مجھ کو متوفی (حضرت ابو بکر
صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اس کی وصیت
کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب

تَالَا أَنَا عَمْرٌ وَلَمْ أَحْرِصْ
عَلَىٰ أَمْرِكُمْ وَلَكِنَّ الْمُتَوَفَّى
أَوْضَىٰ إِلَيَّ بِذَلِكَ وَاللَّهُ
الْهَمَّةُ ذَاكَ

(الحديث از درجہ مالک)

میں اس کا الفاظ مانتا تھا ۔

بعض اولیاء کا صاحب الہام ہونا منقول ہے اس سے اس کا اثبات ہوتا ہے حقیقت
اس کی یہ ہے کہ بلا واسطہ فکر و کتاب کے کوئی حقیقت طلب میں القا ہو جائے (یاد آتے
نبی کی آواز آئے)

الہام کی مخالفت سے گناہ تو نہیں ہوتا مگر دنیا کا ضرر ہو جاتا ہے اور دنیا کے ضرر
کی دو قسمیں ہیں ایک قسم تو یہ ہے کہ مال یا جان کا ضرر ہو جائے۔ سو الہام کی مخالفت میں
کبھی یہ ضرر بھی ہو جاتا ہے، دوسری قسم دنیا کے نقصان کی یہ ہے کہ ذوق و شوق
میں کمی آجائے اور الہام کی مخالفت سے زیادہ اسی نوع کا نقصان ہوتا ہے، اور
ذوق و شوق کو جو دنیا کی شے کہا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک نفسانی کیفیت ہے جو اہل حق
کے ملک کے خلاف ہے گو وہ بعض احوال میں معین دین بھی ہو مگر مطلوب بالذات نہیں،
بلکہ بعض اوقات اس کا نہ ہونا اس کے ہونے سے زیادہ نافع ہوتا ہے (شریعت اور طریقت ص ۴۲)

الہام حق

حالیہ - گذشتہ جمعرات کو بعد عشاء، احقر درود شریف کا ورد کر رہا تھا اچانک ایک
آواز عالم غیب سے آئی کہ قسم ہے خدا تعالیٰ کو بجز آخرت کے دنیا میں نہیں دیکھو گے تم
بے فکر خدا کی عبادت کرو۔ یہ کیا چیز ہے معلوم نہیں؟

تحقیق - یہ الہام حق ہے اس میں اسی کی تعلیم ہے جو اہل حق و اہل تحقیق فرمایا
کرتے ہیں مقصود اس سے یہ ہے کہ کام کرتے رہو ثمرات کی فکر میں مت پڑو وہ اپنے
وقت پر آپ ہو رہیں گے ان میں سے جو آخرت میں ہونے والے ہیں ان کی دنیا میں
ہوس مت کرو (ترتیب السالک جلد اول ص ۳۹۵، النور ص ۳۹۱)

خواب

ارشاد - سچا خواب ایک حال محمود ہے حدیث سے اس کا وقوع ثابت ہوتا ہے

محمد بن یسریں سے روایت ہے کہ خواب کی تین قسمیں ہیں ۔

۱۔ حدیث النفس (خیالات)

۲۔ تحریف الشیطان (شیطان بوجہ عداوت کے غمزہ کرنے کیلئے مکروہ امور دکھلاتا،)

۳۔ بشارت من اللہ۔ روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے ۔

اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں کوئی بُرا خواب دیکھے تو بائیں طرف تین بار تھکاردے اور تین بار غوز باللہ پڑھے اور جس کروٹ پر تھا اس کو بدل دے، اس کو مسلم نے روایت کیا۔
(مشکوٰۃ شریف)

بعض نادانان سلوک کو دیکھا ہے کہ خواب پران کو بہت ہی نظر ہوتی ہے، اچھے خوابوں کی کمی ہو جاتی ہے تو اس کو علامت بُعد من اللہ کی سمجھ کر منہموم اور متفکر ہوتے ہیں۔ اچھے خواب نظر آجاتے ہیں تو اس کو منتہلئے مقصود سمجھ کر ناز کرتے ہیں کوئی واقعہ نظر آجاتا ہے تو اس پر پورا اعتماد کر لیتے ہیں حدیث سے ان سب خیالات کا غلط ہونا صاف معلوم ہو گیا اور بڑے خواب کے فز سے بچنے کا طریقہ بھی بتلا دیا گیا۔ غرض خواب اتنی بڑی چیز نہیں بنا لوگوں نے سمجھ رکھا ہے اہل فکر حالت بیداری کی چلے گئے کہ وہ مرضی عند اللہ ہے یا غیر مرضی ہے۔ نیز بات بھی اچھی طرح سمجھ لیں کہ خواب موثر تو ہوتا نہیں (کہ قرب یا بُعد میں اس کو دخل ہو) البتہ اگر واقعی خواب ہو تو اثر یقینی کسی فعل نیک و بد کا ہو سکتا ہے اور ہم حیل کے خواب، خواب ہی نہیں ہونے، چونکہ وہ موثر نہیں ہند اصلاً قابل اتہات نہیں۔ (شریعت اور طریقت ص ۲۲۵)

ریاضت میں غلو کی ممانعت

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں کوئی شخص رات کو ٹھے پھر (غلبہ نوم سے) قرآن اس کی زبان سے صاف نہ نکلے اور (نوم کے غلبہ سے) کچھ خبر نہ ہو کہ زبان سے کیا نکل رہا ہے تو اس کو لیٹ جانا چاہئے تاکہ نیند آنے سے طبیعت ہلکی ہو جائے اس کے بعد پھر پڑھنا شروع کر دے (مسلم - ابوداؤد)

ف۔ بعض لوگ تغلیل طعام یا تغلیل منام وغیرہ اسباب مجاہدہ میں بہت زیادہ غلو کرتے ہیں کہ ضرر لاحق ہو جائے اس کی طرف بھی التفات نہیں کرتے اس حدیث میں اس کی اصلاح ہے اور اس میں دورانہ میں ایک یہ کہ غلو سے بعض اوقات ضرر جسمانی لاحق ہو جاتا ہے پھر ضروری عبادت بھی نہیں ہو سکتی۔ دوسرے یہ کہ جب غلبہ نوم سے الفاظ صحیح نہیں نکلیں گے تو جو ثواب خاص ان الفاظ کے متعلق ہے وہ حاصل نہ ہو گا پھر زہرے جلگنے سے کیا فائدہ۔ (الکشف)

فراستِ مومن

حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن کی فراست سے ڈرو۔ کیونکہ وہ نور الہی سے دکھتا ہے۔ (ترمذی)

ف۔ صفا و قلب کی بدولت جو کہ مواظبت ذکر اللہ و ملازمت تقویٰ سے حاصل ہوتا ہے اکثر وجدانی طور پر حقائق و واقعات کے مدد رک ہونے لگتے ہیں۔ اس کو فراست کہتے ہیں گویا کہ کشف کا ایک شعبہ ہے۔ حدیث صراحتاً اس کی مثبت ہے اور حدیث میں نور اللہ عبارت اسی صفا سے ہے جس کا سبب ذکر و تقویٰ ہے۔ (الکشف)

بعض



اصطلاحات کی تشریح

اصطلاحات سے بے علمی مضر نہیں

حال :- سوال حضور شاہدہ - معائنہ - فنا - بقا - صرف یہ ترقی ملکہ یادداشت اور رسوخ نسبت مع اللہ کا نام ہے یا کوئی اور چیزیں ہیں ؟
تحقیق :- ان ہی کے آثار ہیں یہ سب اصطلاحیں ہیں جن کی تفسیر تعلیم الدین میں موجود ہے استعداد کے اختلاف سے مختلف حالات پیش آتے ہیں جن کے لئے کوئی ضابطہ نہیں۔ حالات کی اطلاع ہونے سے معلم تشخیص کر لیتا ہے لیکن اگر تشخیص بھی نہ کیا جاوے تو ان کے جو منافع ہیں وہ کام کرنے سے حاصل ہوتے رہتے ہیں جیسے دوا سے صحت ہوتی رہتی ہے۔ گو مراتب صحت کے درجوں کو معلوم نہ ہوں طبیب ان درجات کو سمجھ کر تدبیر کرتا رہتا ہے۔
(تربیت السالک جلد دوم صفحہ ۳۳۵)

قرب نوافل

ارشاد - تصرف کی اصطلاح میں وہی وحدۃ الوجود ہے وہی وحدۃ الشہود ہے وہی فنا ہے وہی قرب ہے وہی وصال ہے جو شریعت کی اصطلاح میں عبدیت یا بندگی ہے اور جس کو مشہور احادیث کے اتباع میں قرب نوافل اور قرب فرائض کے عنوانات سے صوفیائے تعمیر فرمایا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ

جب بندہ ریاضت و مجاہدہ کرتا ہے تو اس کے صفاتِ رذیلہ اور شہوت و غضب کے دعاوی یا محرکات زائل ہو جاتے ہیں اور نفس میں مرضیات الہیہ سے محبت اللہ نامرضیات سے نفرت کا ایک راسخ ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے اعمالِ حسنہ و افعالِ محمودہ بے تکلف صادر ہوتے ہیں اور اعمالِ قبیحہ و افعالِ ذمیرہ قریب قریب معدوم ہو جاتے ہیں۔ ایسے شخص کی نسبت حدیث میں آیا ہے ناذا جب بندہ

كنت سمعه الذي يسمع الذي يبصر به ويدا التي يبطن بها
 ورجله التي يمشي بها (رواه البخاري)
 یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اس کے کان اور آنکھ اور ہاتھ
 اور پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا دیکھتا پکڑتا اور چلتا ہے۔
 جب وہ مرضی حق کے خلاف نہ کان سے کچھ سنتا ہے نہ آنکھ سے دیکھتا ہے
 نہ اس کے خلاف ہاتھ پاؤں ہلاتا ہے بلکہ جو کچھ بھی دیکھتا سنتا یا کرتا ہے بالکل
 حق تعالیٰ ہی کی مرضی اور حکم کے تابع رہ کر کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے
 کان آنکھ ہاتھ پاؤں اپنے کیا رہے عملاً خدا ہی کے ہو گئے۔ ورنہ ظاہری معنی
 عقلاً و مشرعاً محال ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ چونکہ اس کے اعضاء جو ارح سے ملے
 افعال اللہ ہی کی مرضی کے موافق سرزد ہوتے ہیں اس لئے یوں فرمایا کہ گویا میں
 ہی اس کے اعضاء (یعنی کان آنکھ ہاتھ پاؤں) بن جاتا ہوں۔

چونکہ مجازاً اس حدیث میں حق تعالیٰ کو آلہ اور عبد کو فاعل کہا گیا ہے
 اس لئے صوفیائے کرام نے اس کا اتباع کر کے یہ عنوان مقرر کیا ہے کہ بندہ فاعل
 اور حق تعالیٰ آلہ بن جاتے ہیں اور چونکہ حدیث میں اس مرتبہ کا حصول تکثیر و نوافل
 بردارد ہے اور مجاہدہ و ریاضت میں تکثیر و نوافل لازم ہے خواہ نماز ہو یا روزہ یا
 کثرت مراقبات یا تقلیل شہوات اس لئے صوفیاء حدیث کی پیروی میں اس مرتبہ
 کو قرب نوافل کہتے ہیں اور چونکہ اس میں صفات و افعال رذیلہ کا ازالہ ہوتا ہے
 اس لئے فنائے صفات سے تعبیر کرتے ہیں۔

ترب فرايض

اس کا درجہ قرب نوافل سے بھی اعلیٰ ہے اور مطلب یہ کہ عبد کی ہستی ایسی مضحل
 ہو جائے کہ اپنی قوت و ارادہ کو حق کی قدرت و ارادہ کے سامنے ذوقی طور پر
 کالعدم جلنے لگے اور افعال و اعمال میں محض بمسزلہ آلہ حق کے ہو جائے اور

حق کے مستقل موثریت پیش نظر ہو جائے۔ یہ اہل سے اعلیٰ ہے کیونکہ اول میں صرف قتائے رذائل تھا قتائے اختیار نہ تھا اس لئے یہ اس سے اعلیٰ ہوا۔ اور حدیث میں تقرب بالفرائض کو تقرب بالنوافل سے اعلیٰ و افضل کہا گیا ہے چنانچہ اس حدیث کا سب سے اول جزو یہ ہے وما تقرب الی عبدی بشی من احب الی مما افترضت علیہ۔ اس لئے حدیث ہی کی نکتہ میں صوفیا اس کو قرب فرائض کہتے ہیں اور چونکہ اس میں سالک کو اپنے ذاتی صفات قدرت و اختیار پر بھی نظر نہیں ہوتی اس لئے اس کو قتائے ذات سے تعبیر کرتے ہیں۔ (التکشف)

حقیقتِ قرب

قرب نامہ کمال دین کا

قریباً کہ قرب نام ہے کمال ایمان اور عمل صالح یا کمال دین کا خصوصاً جب وہ امر طبعی کا حال بن جائے کہ دینی زندگی اور دینی احکام کی اطاعت طبیعت بن جائے اور زندگی کی ہر حرکت و سکون میں وہی بات بالطبع مرغوب و پسند ہو اور ادا کرنے کو جی چاہے جو خدا اور رسول کو پسند اور اس کی مرضی ہو۔ ایسی صورت میں نہ دین سے کسی قسم کی رجعت کی قدرت ہے اور نہ ارتداد کا اندیشہ ہے اور نہ اس کی راہ میں ترقی کے کسی مقام پر ٹھہر جانے کا بلکہ طبعی مطلوبات و مرغوبات کی طرح اس میں بھی مزید کی طلب اور برابر آگے بڑھنے ہی کی دھن لگی رہے گی۔ دین کی لازم یا استعدادی کسی زندگی میں کسی درجہ پر قناعت نہ ہوگی جس طرح طبعی و نفسانی مرغوبات و مطلوبات یا دنیاوی ترقیوں میں آدمی کسی درجہ پر نہ ٹھہرتا ہے نہ قانع ہوتا ہے، پھر خدا ہی کے درجات کی توجیائے خود بھی حد و نہایت نہیں۔

اے برادر بے نہایت درگے ست

ہرچہ بروے می رسی بروئے مایست

پس علم اور عمل اور حال کا جمع کرنا یہ طریقہ ہے قرب و رضا کا جو بہت بڑی دولت ہے کیونکہ دولت کا مقصود راحتِ قلب ہے تو اس سے بڑھ کر کیا راحت ہوگی کہ محبوبِ حقیقی راضی ہو اور قریب ہو۔

قرب کے مختلف درجات ہیں۔ ایک قرب تو حقیقی ہے جس کا ترجمہ "ملجانا" کر لیا اور اک حقیقت، یا اسی کے ہم معنی جس لفظ سے چاہو کر لو۔ سو قرب حقیقی تو کسی کو حق تعالیٰ کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حق تعالیٰ جسم اور مکان سے پاک ہے۔ تو ملجانے کے تو کوئی معنی ہی نہیں ہو سکتے۔ اور ادراک حقیقت بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ ادراک احاطہ کو چاہتا ہے اور بندہ ممکن ہے اور حق تعالیٰ واجب، اور ممکن متناہی ہوتا ہے اور واجب لا متناہی۔ پھر لا متناہی کو متناہی کیسے محیط ہو سکتا ہے۔ اس لئے قرب بایں معنی تو ہو نہیں سکتا کہ اتصال ہو جاوے۔ یا ادراک حقیقت ہو جاوے۔ اور ایک قرب مجازی ہے جس کا اصل رفع یا تغلیلِ حجب ہے (حجاب) اور (ان کے علاوہ) ایک قرب علمی ہے جو خدا تعالیٰ کے ساتھ ہر چیز کو حاصل ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تَبْصُرُونَ يَا نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ۔

دوسرا قرب تعلقِ خصوصیت ہے۔ جیسے اردو میں ہم کہیں یوں کہتے ہیں کہ میں پاس ہوں۔ کہو۔ کیا کہنا ہے؟ یعنی سُن رہا ہوں۔ اس میں تو پاس ہونے سے قربِ علی و قربِ ملامت کا بیان مقصود ہے۔ اور کہیں ہم یوں کہتے ہیں کہ فلاں ہمارا قریب ہے یعنی ہاں کو ہم سے خاص تعلق ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ تم تو دور رہ کر بھی پاس ہی ہو یعنی تم سے ہمارے دل کو خاص تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي
تُقَرَّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفَىٰ إِلَّا مَن
وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ
الضَّعِيفِ بِمَا عَمِلُوا. وَهُمْ
فِي الْعُرْفَاتِ آمِنُونَ. (الآیہ)

اور تمہارے اموال اور اولاد ایسی چیز نہیں
جو تم کو ہمارے قریب بنائے۔ ہاں مگر جو ایمان
لاوے اور اچھے کام کرے (یہ دونوں
چیزیں البتہ سبب قرب ہیں) سوائے لوگوں
کے لئے ان کے نیک عمل کا دو ناصلہ ہے اور
وہ بہشت کے بالا خانوں میں چین سے ہوں گے۔

اس آیت میں قرب سے مراد قربِ رضیہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا جو بعض کو حاصل
ہوتا ہے۔ قربِ علم مراد نہیں۔ کیونکہ وہ مومن و صالح کے ساتھ خاص نہیں۔ نیز اس آیت
میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایک بڑی دولت (قرب) کا پتہ اور اس کے حصول کا طریقہ
بتلایا ہے۔ اور جو غلطیاں اس میں واقع ہوتی ہیں ان پر تنبیہ فرماتی ہے یعنی مال و اولاد
جس کی تحصیل کے پیچھے لوگ پڑے ہیں۔ یہ قرب کا ذریعہ نہیں ہو سکتے۔ بلکہ اس کے
ذرائع ایمان و عمل صالح ہیں اور ظاہر ہے کہ ایمان و عمل صالح میں وہی درجہ مطلوب ہوگا
جو کامل ہو۔ کیونکہ ناقص تو ادنیٰ سے ادنیٰ مومن کو بھی حاصل ہے وہ پورا پسندیدہ نہ ہوگا۔
اور جو پورا پسندیدہ نہ ہو وہ پسند یا رضا کا ذریعہ کیسے بن سکتا ہے۔ (مطلب یہ کہ قرآن
مجید کی رو سے جو قرب مطلوب ہے اور جس کو اُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ میں نسبتاً
کا بلند ترین مقام قرار دیا گیا ہے۔ وہ کمال ایمان یا بالفاظ دیگر کمال دین ہی کا نام
ہو سکتا ہے۔ اس لئے اصطلاحاً علم احسان کی طرح تصوف کا دوسرا نام علم قرب رکھ
لیا جائے تو مضائقہ نہیں بلکہ اس اعتبار سے بالکل صحیح ہے کہ اسلامی تصوف چونکہ نام ہی
احسان یا کمال دین کا ہے اور اسی کمال دین کے درجہ کا قرآنی نام قرب ہے۔ یعنی کامل
ایمان و عمل صالح۔ یا کمال دین خصوصاً جب وہ امر طبعی کا حاصل بن جائے کہ دینی زندگی
اور دینی احکام کی اطاعت طبیعت بن جائے اور زندگی کی ہر حرکت و سکون میں وہی بات

باطح پند ہو اور کرنے کو جی چاہے جو خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہو اور ان کی مرضی ہو۔ (شرعیات اور طریقت ص ۲۴۶)

نسبت و مقام کی تفصیل

حال۔ ایک بات دریافت کرنا ہوں۔ اگر حضور کسی مصلحت علاج کے خلاف خیال فرمادیں، تو جواب سے سرفراز فرمایا جاؤں وہ یہ ہے کہ میں امراض نفس کا سخت مریض ہوں۔ آسان علاج کے لئے وہ کیا چیز ہے جس کی تحصیل کا طالب مکلف ہے تاکہ ہر وقت اس کا خیال دل میں جا رہے۔

تحقیق :- ایک غلبہ ذکر کہ غفلت میں وقت کم گزرے، دوسری دوام طاعت کہ نافرمانی بالکل نہ ہو۔ اصل مقصود بالتحصیل یہی چیزیں ہیں اور اسی کے لئے مجاہدات و معالجات اختیار کئے جاتے ہیں جن پر سنت اللہ وہ مقصود مرتب ہو جاتا ہے اولاً درے تکلف ہوتا ہے بعد چندے (جس کی مدت معین نہیں یہ متعدد پر ہے مثل ارضی کے ہو جاتا ہے، گواہی نا ضد کا تقاضا بھی ہو جاتا ہے مگر ادنیٰ توجہ سے وہ ضد غلبہ ہو جاتی ہے اس رسوخ و ثبات کو مقام کہتے ہیں پس یہ فی نفسہ غیر اختیاری ہے اور باعث بار اسباب کے اختیاری ہے اور یہی رسوخ و ثبات اس حیثیت سے کہ غلبہ ذکر دوام طاعت کا ملزوم ہے۔ نسبت کہلاتا ہے،

یعنی حضرت حق سے ایسا قوی تعلق جس پر غلبہ و دوام مذکور کا ترتیب لازم ہو اور اس نسبت من العبد پر ایک دوسری نسبت من الحق موعود ہے یعنی رضا و قرب، پس اہل طریق جب لفظ نسبت کا اطلاق کرتے ہیں۔ مراد ان ہی دو نسبتوں کا مجموعہ ہوتا ہے نہ کہ صرف ملکہ یا دداشت جس میں بہت سے غیر محقق دھوکے میں ہیں (ما خود تربیت السالک روم)

نسبت باطنی کی علامت

ملفوظ - علامت نسبت باطن کے حاصل ہونے کے دو ہیں ایک یہ کہ اللہ کی یاد دل میں ایسی جم جائے کہ کسی دم دل سے دور نہ ہو دوسرے یہ کہ اللہ کے حکموں پر چلنے کی توفیق چاہے وہ احکام ایسے ہوں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے طریقے بتلائے ہیں اور چاہے وہ احکام ہوں جن میں نشست و برخاست اور تمام کاموں کا طریقہ بتلایا ہے۔ ان سب حکموں کی طرف ایسی رغبت ہو جائے اور جس سے منع فرمایا ہے ان باتوں سے ایسی نفرت ہو جائے جیسی کہ ان چیزوں کی طرف رغبت ہوتی ہے جو اپنے جی کو اچھی معلوم ہوتی ہیں اور جیسی ان چیزوں سے نفرت ہوتی ہے جو اپنے جی کو بُری معلوم ہوتی ہیں اور اس کی سب عادتیں مطابق قرآن شریف کے ہو جائیں۔ (اشرف السواخ)

نسبت سلب نہیں ہوتی

سوال :- کیا نسبت سلب کرنے سے سلب ہو جاتی ہے یا نہیں ؟
جواب :- اصل نسبت جو عبارت ہے حضور مع اللہ سے، وہ کسی کے سلب کر لینے سے سلب کس طرح ہو سکتی ہے ہاں حدود و معصیت سے سلب ہو جاوے تو یہ دوسری بات ہے البتہ کیفیت شوقیہ جو ایک نوع کی حق تعالیٰ کے ساتھ ہے وہ سلب ہو جاتی ہے جو لوگ اس سلب کی مشق کرتے ہیں وہ اس کو سلب کر سکتے ہیں جس طرح نشاط کے وقت اگر طبیعت کو خزن پیدا ہو جاوے تو وہ کیفیت نشاط کی جاتی رہتی ہے اس طرح تصرف سلب سے وہ کیفیت شوقیہ جاتی رہتی ہے اور ایک قسم کی انفرادی عبادت ہو جاتی ہے مگر پھر ذکر کی برکت سے عود کر آتی ہے۔ (ترتیب اسماکٹ اول)

سیر الی اللہ و سیر فی اللہ

ارشاد تعلق مع اللہ کے دو درجے ہیں ایک سیر الی اللہ تو محدود ہے ایک سیر فی اللہ یہ غیر محدود ہے۔ سیر الی اللہ یہ ہے کہ نفس کے امراض کا علاج شروع کیا یہاں تک کہ امر میں سے شفا ہوگئی اور ذکر و شغل سے تعمیر شروع کی یہاں تک کہ وہ انوار ذکر سے معمور ہو گیا یعنی تکلیف و تکلیف کے تو امد جان گئے۔ موانع مرتفع کر دیئے۔ معالجہ امراض سے واقف ہو گئے نفس کی اصلاح ہوگئی، اخلاق رذیلہ زایل ہو گئے اور اخلاق حمیدہ سے، انوار ذکر سے قلب آراستہ ہو گیا۔ اعمال صالحہ کی رغبت طبیعت ثانیہ بن گئی۔ اعمال و عبادات میں سہولت ہوگئی نسبت و تعلق مع اللہ حاصل ہو گیا تو سیر الی اللہ ختم ہوگئی۔ اس کے بعد سیر فی اللہ شروع ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کا حسب استعداد انکشاف ہونے لگا تعلق سابق میں ترقی ہوئی۔ امر اور حالات کا درود ہونے لگے یہ غیر محدود ہے۔ یہ وہ تعلق ہے جس کی نسبت کہا گیا ہے

بحریت بحر عشق کہ، میچش کنارہ نیست

اینجا جز آنیکہ جاں بسا رند چارہ نیست (انفاس صبی)

مقام فنا کی تحقیق

سوال :- فنا میں بے خودی اور بے شعوری ہوتی ہے یا نہیں ؟

جواب :- ارشاد فرمایا کہ فنا میں اپنی اور مخلوق کی جانب سے بے التفاتی ہو جاتی

ہے۔ خواہ استغراق ہو یا نہ ہو اس کے لئے استغراق لازم نہیں اور اس کی دو قسم ہیں ایک یہ کہ سالک کی صفات ذمہ جس قدر ہیں سب تبدیل بہ صفات حمیدہ ہو جاویں مثلاً کسی میں صفت نخوت، کبر، بخل، غضب اور ریا، حرص و طمع وغیرہ

کی ہے تو بجائے اس کے صفت تو اضع سخاوت تجمل قناعت، اخلاص اور توکل وغیرہ کی پیدا ہو جاوے۔ جہاں اس کا صرت کرنا مذموم اور بے محل ہو مثلاً کوئی محصیت کی جگہ ہے تو ایسی جگہ تو اضع سخاوت تجمل وغیرہ کرنا مذموم ہو گا اور معصیت ہوگی اور جہاں معصیت کا احتمال نہ ہو وہاں اس کا صرت کرنا محمود ہے علیٰ ہذا القیاس بابقی صفات کو بھی سمجھ لو بس اس فتا میں سالک کی صفات ذمیمہ نخوت، بکبر، غضب، شہوت وغیرہ واقعی فنا ہو جاتی ہیں اور اس کا ازالہ اور ازالہ واقع میں ہو جاتا ہے اور باقی رہتا ہے۔ صفات حمیدہ اخلاص تو اضع صبر و شکر، علم، علم توکل، رضا وغیرہ کے ساتھ باقی معنی اس صفات ذمیمہ کے فنا کو فنائے حسی اور بجائے اس کے صفات حمیدہ پیدا ہو جانے کو بقیانہ کی اصطلاح میں کہتے ہیں اور دوسری قسم فنا کی یہ ہے کہ غلبہ شہود ذات اور صفات حق کی وجہ سے سالک اپنے اور مخلوق کے علم اور التفات سے فنا ہو جاتا ہے۔ اور علم اور التفات حق کے ساتھ باقی دنیا سے، اور واقع میں سالک اور مخلوق فنا نہیں ہو جاتے بلکہ علم اور التفات فنا ہو جاتا ہے۔ باقی معنی اس فنا کو فنائے علمی فن کی اصطلاح میں کہتے ہیں کیا معنی کہ جیسا علم اور التفات سالک کو اپنے اور دوسروں کی جانب پہلے تھاب دیا نہیں رہا۔

فنا ہو گیا سے فانی شوی و بد دست باقی

ایں طرہ نیستند دستند

اس فنا کے بعد جو کیفیت سالک حاصل کر لیا ہے اس کو بقیانہ کہتے ہیں۔ اور اگر اس علم فنا سے بھی فنا حاصل کر لیا ہے اس کو فنا در فنا اور فنا، انقافن کی اصطلاح میں کہتے ہیں مطلب یہ کہ اس فنا میں اپنی فنا کا بھی سالک کو علم نہیں ہوتا کہ میں فنا ہو گیا ہوں۔ باقی معنی اس کو فنا در فنا اور فنا، انقافن کہتے ہیں اور اس فنا، انقافن

کے بعد سالک کو فنائے ام اور بقائے کامل حاصل ہو جاتی ہے اور
سیر الی اللہ کہ عبادت انقطاع ماسوا اللہ سے ہے، اس جگہ ختم ہو جاتا ہے اور بعد
اس کے سیر فی اللہ کہ عبادت ہے دوام توجہ الی اللہ سے شروع ہوتا ہے۔ اس تجلی اور
شاہدے کی حد نہیں، لامتناہی ہے۔

یخش غایتے دار دنہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تثنہ مستقی و دریا ہم چناں باقی

۵ اے برادر بے نہایت در گہایت
ہر چہ بروئے می رسی بروئے مایست

اور ہر عارف سالک کو بقدر ذوق اور وجدان کے یہ معرفت حاصل ہو جاتی
ہے اور بقدر انس و محبت اور تقویٰ کے یہ نسبت دائمہ حاصل ہوتی ہے، اور
اس سے عارف سالک ہمیشہ قرب اور ترقی میں رہتا ہے اور اس کو کبھی معرفت سے
سیر ہی نہیں ہوتی بلکہ جتنا قرب ہوتا جاوے اتنی ہی خواہش اور باقی رہتی ہے اور کیوں
خواہش باقی نہ رہے جس کے حسن و جمال اور عظمت کی انتہا نہیں اس کی معرفت
کی بھی حد نہیں اور جس کی معرفت کی حد نہیں اس کا احاطہ کب ہو سکتا ہے اور بغلبہ حال
بارگاشغ جو سالک کو کبھی کوئی شے مدد رک و مکشوف اور مستحضر ہوتی ہے اس کو تجلی مثالی
کہتے ہیں بعض سالکین دھوکے میں آکر ان تجلیات مثالیہ کو جو ایک اصطلاحی تجلی اور
فہم غلوقات سے ہے تجلی حقیقی سمجھ جاتے ہیں جس کا وعدہ آخرت میں ہے حالانکہ یہ جو کچھ
درک اور مکشوف ہوتا ہے یہ سب مثال ہے۔

ہر چہ در فہم تو آید آں تونی
در گذر کا نجانی گنجد دوتی

اس کو تجلی حقیقی اور مثال اس کا نہیں کہتے بلکہ مثال ہے تجلی حقیقی کی جو معتبر بہ بیدار اور روت

ہے وہ صرف آخرت میں ہوگی۔ آیتہ لیس کمثلہ الخ اور آیتہ لا تدرك
الابصار الخ اس پر دال ہے اور حق تعالیٰ ان تجلیات سے منزہ اور ورار اور
ہیں ۶ چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک

تعالی اللہ عن ذالک علواً کبیراً ان کی شان ہے اور غایت سے غایت معرفت عارف
کی العجز عن درک الادراک اور ما عرفناک ہے اور نیز جس طرح عارف کو معرفت اور
مشاہد سے کبھی سیری نہیں ہوتی آخرت میں دیدار الہی سے کبھی سیری نہیں ہوگی ابداً لا باد
اسی لذت اور تمتا میں رہے گا ، دیدار ہوگا اور کبھی سیری نہ ہوگی اور نیز جس طرح ہمارا
نسبت اور معرفت بقدر محبت و تقویٰ کے ہوتی ہے۔ اس طرح وہاں قرب و دیدار الہی بقدر
معرفت اور تقویٰ کے ہر عام اور خاص کے مرتبہ اور نسبت کے موافق ہوگا، جیسا کہ خبر
میں ہے کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مرتبہ موافق تجلی اور دیدار الہی
سے مشرف ہوں گے۔ باقی مخلوق اپنے مرتبہ اور نسبت اور معرفت کے موافق
دیدار الہی سے مشرف ہوگی۔ اس کو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کیسائے سعادت
میں نقل کیا ہے۔ نیز اور کتب تصوف میں لوگوں نے نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم بحقیقہ الحال
سوال۔ کتب فن سے معلوم ہوتا ہے کہ فنا میں بخودی اور بے شعوری ہو جاتی ہے۔
جواب۔ فرمایا یہ بھی ایک خاص اصطلاح ہے درز فنا کے لئے بے خودی لازم نہیں جس
میں بے خودی ہوتی ہے وہ غیبت ہے فنا اس کو نہیں کہتے۔

سوال۔ نسبت فنا کی زائل ہوتی ہے یا نہیں؟

جواب۔ فرمایا یہ زائل نہیں ہوتی مقام ہو جاتی ہے (ترتیب السالک صفحہ ۵۳۵)

فنائے اصطلاحی کی ترقی بقا سے ہوتی ہے

حال۔ احق پر موت کا خیال ایسا غالب ہو رہا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ میں اس عالم کا
موت ہوا ہے۔

لا سبق مل رہا ہے اور یہ حالت یونانیو ما ترقی پذیر ہے۔
 فقہن مبارک۔ یہ فنائے اصطلاحی سے بھی بڑھ کر مقام ہے۔ پھر مبارک ہو وہ اکیلیت
 کی یہ ہے کہ فنائے اصطلاحی ایک حال ہے جس میں شان طبیعت کی غالب ہے۔ اس لئے
 اس سے آگے ترقی بقا سے کرائی جاتی ہے اور وہ حال بقا کے ساتھ جمع نہیں ہوتا
 اور یہ فنا خود ایک مقام ہے اور اس میں عقلیت کی شان ہے اور اس کے ساتھ بقا
 جمع ہوتی ہے اور جس کیفیت میں عقلیت کا غلبہ ہو گا وہ اس سے افضل ہوگی جس میں
 طبیعت کا غلبہ ہو گا کیونکہ طبیعت کے غلبہ میں خطرہ رہتا ہے۔ احتمال نظام اعمال کا
 بزبان غلبہ عقلیت کے، شان عقلیت کے غلبہ کی کیفیت مشابہ ہوتی ہے حضرات
 انبیاء علیہم السلام کی کیفیات کے، اس لئے لو تعلمون ما اعلم کے ساتھ
 دوسروں کے لئے خشک قلیل و بکاء کثیر عدم تلذذ بالنساء لازم فرمایا اور حضور اقدس
 صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باوجود اس علم کے اصلی وارث قدوس استزوج
 و اصود و اخطر کا حکم کیا گیا۔ اس سے زیادہ شرح ذوق پر محمول کرتا ہوں
 من لم یصدق لم یدر۔ (تربیت السالک جلد دوم صفحہ ۲۹۴)

طریق کا اول و آخر قدم فنا ہے

ملفوظ — فرمایا کہ اس طریق کا اول قدم فنا ہے جس میں یہ صفت نہ پیدا
 ہوتی ہو بس سمجھ لو کہ اس کو طریق کی ہو ابھی نہیں لگی اور یہ جو بزرگوں کا قول ہے کہ طریق کا
 آخر قدم فنا ہے وہ بھی بالکل صحیح ہے اس سے مراد کمال فنا ہے کیونکہ فنا کے بھی تو آخر
 درجات ہوتے ہیں۔ ایک مشہور نااضل ندوی اتفاقاً محض چند گھنٹوں کے لئے حضرت
 دالک قدمت میں حاضر ہوئے اور چلتے رقت عرض کیا کہ تمہکو کوئی نصیحت فرمائیے
 حضرت دالک فرماتے ہیں کہ میں تہرؤد ہوا کہ ایسے فاضل شخص کو میں کیا نصیحت
 کروں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فوراً میرے دل میں ایک مضمون ڈالا، جو بعد کو معلوم ہوا
 کہ ان کے بالکل مناسب حال تھا۔

تو کیا کر سکتا ہوں لیکن ہاں میں نے جو اپنی اس تمام عمر میں سارے طریق کا حاصل سمجھا ہے وہ عرض کئے دیتا ہوں۔ وہ حاصل جو میں سمجھتا ہوں وہ فنا و عبودیت ہے۔ بس جہاں تک ممکن ہو اپنے آپ کو مٹایا جاتے۔ بس اس کے لئے سارے ریاضات و مجاہدات کئے جاتے ہیں اور بس اپنی ساری عمر فنا اور عبودیت ہی کی تحصیل میں گذر دینی چاہئے۔ اس تقریر کا ان پر اتنا اثر ہوا کہ وہ ابیدہ ہو گئے اور واقعی یہ ہے بھی ایسی ہی چیز۔ سارے بزرگ اس کو تعلیم کرتے چلے آئے ہیں بالخصوص چشتیہ کے یہاں تو بس یہی ہے۔

افروختن دسوختن و جسم دریدن
پر روانہ زمن شمع زمن گل زمن آموخت

تو در دم شودصال اینست و بس
گم شدن گم کن کمال اینست و بس
(اشرف السوانح ص ۲۱۸ حصہ دوم)

تلموین و تمکین

سالک کے قلب کے حالات کا مختلف ہونا کہ کبھی قبض ہو، کبھی بسط، کبھی سُکر، کبھی صحو، بالخصوص مبتدی کہ اس کو بہت تغیر پیش آتا ہے اس کو تلموین کہتے ہیں۔ یہ لوازم سلوک سے ہے مضر نہیں اس سے پریشان نہ ہونا چاہئے۔ کہ وہ پریشانی البتہ مضر ہے۔ (اور) (الکشف ص ۳۲۱)

دوام طاعت و کثرت ذکر میں استقامت کے ساتھ مشغول رہنے سے جب استعداد آخر میں مناسب حالت نمودہ پر قرار ہو جاتا ہے جس کو اصطلاح تصوف

میں تکمیل کہتے ہیں۔ تکمیل کے بعد تمام اشیاء کے حقوق بخوبی ادا ہوتے رہتے ہیں۔
 یہی تکمیل کا نام توسط و اعتدال ہے۔ اسی توسط کی وجہ سے اس امت کا نام امت وسط
 ہے۔ تلویں والا پہچانا جاتا ہے اور صاحب تکمیل کی حالت عوام جیسی ہو جاتی ہے۔
 پس صاحب تلویں صاحب حال ہے اور صاحب تکمیل حقیقت شناس ہے۔ صاحب
 تلویں ہی راہ میں ہے اور صاحب تکمیل واصل ہو چکا ہے۔ (انفاس عسیٰ ص ۶۵-۱۳۲)

اطمینان قلبی کی تفسیر

حال۔ احقر کو اپنے حال زار پر بہت تداامت و پریشانی ہے کہ ارشاد خداوندی
 رَبِّهِ كَمَا لَا يَذْكُرُ اللَّهُ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ احقر کو کیوں برخلاف اس کے
 بے اطمینان و سرگردانی شامل حال ہے۔

تحقیق۔ مراد آیت میں یہ اطمینان طبعی نہیں۔ ورنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ
 نزل وَلٰكِنْ لِّتَطْمَئِنُّ قَلْبِي كہ دلیل ہے اس وقت عدم حصول اطمینان پر مستلزم
 ہوگا، نعوذ باللہ ذکر سے ان کو عدم تاثر کا ہونا حاشا دکلا۔ اس کا کون قائل ہو سکتا ہے
 بلکہ مراد اس ذکر سے اطمینان عقلی یعنی ایمان اعتقادی ہے جس کو ابراہیم علیہ السلام نے
 اپنے قول بلی میں ظاہر فرمایا ہے پس آیت میں یہی اطمینان اعتقادی مراد ہے دلیل
 اس کی خود سیاق و سباق ہے قال تعلقا ویقول الذین کفروا المولا انزل
 علیہ آیة من ربہ اس کے جواب کے سلسلہ میں ارشاد ہوا ہے یعنی یہ لوگ
 عناد سے فرمائش معجزات مقررہ کی کرتے ہیں اور جو اہل ایمان ہیں وہ ذکر اللہ سے
 کہ نزد اعظم اس کی قرآن ہے مطمئن ہوتے ہیں یعنی ایمان لاتے ہیں یعنی قرآن کے اعجاز

کو دلالت علی النبوة کے لئے کافی سمجھتے ہیں اور ذکر اللہ میں یہی خاصیت ہے کہ جس
 مرتبہ کا ذکر ہوتا ہے اسی مرتبہ کا اس سے اطمینان ہوتا ہے ذکر اعتقادی سے اطمینان
 اعتقادی اور ذکر حالی سے اطمینان حالی حاصل ہوتا ہے آپ ذکر اعتقادی پر اطمینان حالی

تلاش کرتے ہیں وہ بھی انشاء اللہ تملنے شدہ شدہ ہو جاوے گا اس کے نہ ہونے سے بڑ
ذکر کے عدم نافعیت کا نہ کریں۔ (تربیت السالک ص ۵۴۴)

انوار الوان کا مکشوف ہوتا

سوال۔ اہل سلوک نے کتب فن میں حالت ذکر و مراقبہ میں الوان و انوار کے
معلوم و مکشوف ہونے کو لکھا ہے کہ سالک جب کثرت ذکر و مجاہدے سے صفائی
قلبی و روحی حاصل کر لیتا ہے تو اکثر ذکر و لطائف کے الوان و انوارِ ملکوتیہ کا ظہور
کبھی اپنے وجود کے اندر اور کبھی وجود سے خارج اور علیحدہ مشاہدہ کرتا ہے اور
اس کے آثار محمودہ اور غیر محمودہ ہونے کو بھی لکھا ہے کیا واقعی یہ سب تصرف
خیال اور بیوست دماغ سے صورتِ تخیلہ متمثل ہو کر ظاہر ہوتی ہیں یا درحقیقت
اس کی بھی کچھ اصل ہے۔

جواب۔ فرمایا زیادہ تر ایسا ہی ہے اور اگر واقعی کچھ واقعات ملکوتیہ
کسی کو کچھ معلوم و مکشوف ہو گئے تو یہ غیبِ مقصود ہے اور قابل توجہ نہیں اس کی
نفی کر دینا چاہئے اور اس جگہ بہت بڑی ضلالت ہوتی ہے کہ اگر شیخ کامل اور محقق سے
تعلق نہیں ہو تو طالبِ حق غیر مقصود کو مقصود سمجھتا ہے اور انواع و اقسام کی غلطیوں
میں مبتلا ہوتا ہے اور زندگی بھر الوان و انوار ہی کی لذت اور سعی میں منہموم و محزون
رہتا ہے بلکہ تنگ آ کر ذکر و طاعت کو جو کہ اصل مقصود ہے چھوڑ بیٹھتا ہے اور شیخ سے
بھی بدگمان ہو جاتا ہے غرض کہ ساری زندگی اس کی اسی الٹ پھیر میں گزر جاتی ہے اور

کوئی کام اس کا دینی اور دنیوی راستہ نہیں ہوتا ہے
فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد از وغیر از تمتائے

اسی وجہ سے جناب حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ السامی نے حجاب زوالی کو حجاب ظلمانی سے اشد فرمایا ہے اور اپنے وابستگان کو اس کی جانب توجہ کرنے سے روکا ہے کیونکہ اس جگہ اصل مقصود سے طالب رہ جاتا ہے اور یہ بڑی محرومی ہے اصل مقصود ان اشغال کی مشغولی اور کثرت فکر و مراقبہ و مجاہد سے تہذیب نفس و اصلاح قلب اور بقوائے آیتہ کریمہ **الایذ کر اللہ تطمئن القلوب** جمعیت اور اطمینان قلب کی دولت اور نسبت حضور مع اللہ اور یکسوئی اور یادداشت کے ملکہ راسخ پیدا ہونے کی تدبیر اور مقامات توکل تسلیم تفویض رضا و اخلاص توہید محبت خنیت وغیرہ کی تصحیح ہے ورنہ فی نفسہ اس کی کوئی حاجت نہیں تھی اصل مقصود صرف ذکر و طاعت حق ہے اور اس سے قرب باری تعالیٰ کا میسر ہوتا ہے۔

(ترتیب السالک حصہ دوم)

لطائف کے الوان و انوار غیر مقصود ہیں

سوال۔ لطائف کے الوان و انوار کی جانب توجہ رکھنے کی کیا حاجت تھی کیا یہ چیز جو طریق ہے جیسا کہ کتب فن میں اس کو داخل کر دیا ہے۔

جواب۔ فرمایا یہ سلوک کا کوئی جزو نہیں لطائف کے الوان و انوار عارضی ہیں چونکہ لطائف کے جانب توجہ رکھنے سے طالب کو یکسوئی جلد ہو جاتی ہے اس لئے شیوخ اس کی جانب متوجہ کرتے ہیں اور اس مشغولی میں اگر کسی کو کچھ الوان و انوار نظر آگئے تو پہلے اس کی بے وقعتی نہیں کرتے تاکہ یکسوئی میں ضعف نہ ہو جائے بلکہ جب یکسوئی کا ملکہ راسخ پیدا ہو جاتا ہے تو اس کی جانب سے توجہ ہٹا دیتے ہیں (ترتیب السالک صفحہ ۵۳۸)

(ترتیب حصہ دوم ص ۲۳)

لطائفِ ستہ

ایک صاحب نے لکھا کہ میں لطائفِ ستہ کے جاری کرنے کی کوشش کر رہا ہوں جو اب تحریر نہ رہا یا کہ حق آتی مقصود میں لطائف مقصود نہیں۔

فرمایا کہ لطائفِ ستہ کی فکر میں نہ پڑے یہ بھی موجب تشویش ہے۔ اصل چیز لطیفہ قلب ہے بس ساری توجہ اس پر رکھے، اس کے ذرائع ہونے سے اور لطائف بھی خود بخود ذرائع ہوجاتے ہیں ہمارے حضرت حاجی صاحب کا یہی طریق تھا جو اس حدیث سے مراد ہے۔

ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت
فسد الجسد کلہ الا زہمی القلب

تجلی ذاتی

حال - کئی روز سے حضور کی توجہ سے ذکر کے وقت غلبہ محسوس ہونے لگتا ہے اور آج توجہ تصور ذات کا خیال ہوا تو کوئی بات سوائے اس کے تصور ذات کے لئے نہیں خیال میں آئی کہ

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم

وز ہر چہ گفتہ اند شنیدہ ایم و خواند ایم

پھر یہ خیال ہوا کہ اللہ اسم للمستجمع الصفات الکیالیہ اور وہ یہاں پر موجود ہے قطع نظر کسی اور صفت کے مسمیٰ کا خیال رکھنا چاہئے سو ویسے ہی کیا اور آج سے پہلے اس امر کا خیال ذکر کے وقت نہیں ہوتا تھا اور اس خیال سے طلب کو ایک قسم کی راحت معلوم ہوئی۔

تحقیق - اس کو تجلی ذاتی کہتے ہیں حالت رفیعہ ہے۔ (تربیہ حصہ پنجم ص ۸۴)

(تربیت السالک ص ۵۵۸)

علم الیقین - عین الیقین اور حق الیقین

حال۔ اس سلسلہ میں ایک بات یہ عرض کی تھی کہ عرصہ سے کچھ علم ذات کا ادعا یہ بڑھ گیا ہے۔ رویت تو اس عالم میں ہے نہیں۔ پھر کیا کسی اور طرح کسی اور درجہ میں ایمان کے علاوہ ذات کا کوئی علم اس زندگی میں نصیب ہو سکتا ہے۔

نہیں۔ وہ علم ایمان ہی ہے۔ اس علم میں ترقی قوت ایمان ہی کی قوت و ترقی ہے اور اسی کے مراتب کے تفاوت سے عوام اور خواص اور انحصان خواص کے ایمان میں تفاوت ہوتا ہے۔ اسی قوت کو نصوص میں از یاد ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ انہی مراتب کا نام علم الیقین - عین الیقین اور حق الیقین ہے۔ (نوادر)

وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود

ظاہر ہے کہ تمام کمالات حقیقۃ اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں اور مخلوقات کے کمالات عارضی طور پر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عطا و حفاظت کے سبب ان میں موجود ہیں ایسے وجود کو اصطلاح میں وجود ظلی کہتے ہیں اور ظل کے معنی سائے کے ہیں۔ سوائے سے یہ نہ سمجھ جائیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی سایہ ہے بلکہ سائے کے وہ معنی ہیں جیسے کہتے ہیں ہم آپ کے زیر سایہ رہا کرتے ہیں یعنی آپ کی حمایت و پناہ میں، اور ہمارا امن و کفایت آپ کی توہم کی بدولت ہے اس طرح چونکہ ہمارا وجود بدولت عنایت خداوندی ہے اس لئے اس کو وجود ظلی کہتے ہیں۔ پس یہ بات یقیناً ثابت ہوئی کہ ممکنات کا وجود حقیقی اور اصلی نہیں ہے عارضی اور ظلی ہے۔ اب وجود ظلی کا اگر اعتبار نہ کیا جائے تو صرف وجود حقیقی کا ثبوت ہوگا اور وجود کو واحد سمجھا جائے گا یہ "وحدۃ الوجود" ہے۔ اگر اس کا بھی اعتبار

کہجئے کہ آخر کچھ تو ہے بالکل معدوم تو ہے نہیں، گو غلیہ نور حقیقی سے کسی مقام پر سالک کو وہ نظر نہ آئے تو یہ "وعدۃ الشہود" ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ نور مہتاب نور آفتاب سے حاصل ہے۔ اگر اس نور ظلی کا اعتبار نہ کیجئے تو صرف آفتاب کو نور اور مہتاب کو تاریک کہا جائے گا۔ یہ مثال وحدۃ الوجود کی ہے اور اگر اس کا نور بھی غائب کیجئے کہ آخر اس کے کچھ تو آثار خاصہ ہیں۔ گو وقت ظہور نور آفتاب کے وہ بالکل مسلوب النور ہو جائے یہ مثال وعدۃ الشہود کی ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں یہ اختلاف لفظی ہے۔ مال کا۔ دونوں کا ایک ہے، اور چونکہ اصل وظن میں نہایت قوی تعلق ہوتا ہے اس کو اصطلاح صوفیاء میں "عینیت" سے تعبیر کرتے ہیں اور عینیت کے یہ معنی نہیں کہ دونوں ایک ہو گئے، یہ تو مرتب کفر ہے۔ چنانچہ وہی صوفیائے متعین اس عینیت کے ساتھ غیریت کے بھی قائل ہیں۔ پس یہ عینیت اصطلاحی ہے نہ کہ لغوی۔

مسئلہ کی تحقیق تو اسی قدر ہے اس سے زیادہ اگر کسی کے کلام منشور یا منظوم میں پایا جائے تو وہ کلام حالت سُکر کا ہے اور نہ قابل ملامت ہے نہ لائق تقلید

(تعلیم الدین، انکشف)

مراتب لاہوت و جبروت و ناسوت و لاہوت

چار مرتبے ہیں۔ مرتبہ لاہوت، مرتبہ جبروت، مرتبہ ملکوت، مرتبہ ناسوت۔ مرتبہ لاہوت و مرتبہ جبروت بھی غیر مخلوق ہے۔ غیر مرتبہ صفات اجمالیہ تفصیلیہ اس کا جس قدر انکشاف ہے وہ بیشک مقصود ہے۔ باقی دو مرتبے جو مخلوق ہیں وہ حجاب ہیں۔ مرتبہ ملکوتی حجاب نورانی ہے اور مرتبہ ناسوتی حجاب ظلمانی۔ تو حجاب ظلمانی سے حجاب نورانی تک پہنچ گئے۔ یہ یککمال ہوا۔ ایک مخلوق سے گذر کر دوسری مخلوق تک پہنچے۔ اس سے بھی ترقی کر کے کہتا ہوں کہ مرتبہ ناسوتی چونکہ بمنزل و حقیر ہے اس وجہ سے چنداں حاجب نہیں۔ برخلاف مرتبہ ملکوتی کے، وہ زیادہ حاجب ہے۔

(مقالات حکمت حصہ اول)

اُخْوَالِ كَيْفِيَاتٍ

و

وَسَاوَسِ خَطَرَاتٍ

احوال و کیفیات

اصلاح باطنی کے ساتھ بہت سے امور متعلق ہیں۔ پھر ان متعلقات میں سے بعض امور وہ ہیں جو اصلاح کے بمنزلہ ثمرات غیر اختیار یہ ہیں۔ ان کو اصطلاح میں احوال کہتے ہیں مگر یہ دین میں مقبول نہیں اس لئے کہ دین میں مقصود وہ ہوتا ہے جو بدون کھیل کے حاصل نہ ہو بلکہ جس کا حصول صرف اختیار پر موقوف ہو حالاً تو سڑک کے پھولدار درخت ہیں، نظر آئے تو کیا۔ نہ نظر آئے تو کیا۔ سڑک تو پھر حال قطع ہوگی۔ بس چلتے رہنا شرط ہے اور بعضوں کو یہ درخت اور پھول عمر بھر نہیں آتے اگر کبھی ہم نیچی نظر کر کے چلتے ہیں تو کیا راستہ قطع نہیں ہوتا۔ راستہ تو برابر قطع ہوتا ہے چاہے درخت نظر آئیں یا نہ آئیں۔

اکثر سالکین اس سے پریشان ہوتے ہیں کہ ہماری فلاں حالت ضعیف ہوگئی، یا فلاں کیفیت زائل ہوگئی۔ شاید ہم کو تنزل ہو گیا اور اس سے با یوس اور شکستہ دل ہو جاتے ہیں۔ شیوخ کا ملین نے ان کی غلطی رفع کرنے کے لئے تحقیق فرمادی ہے کہ حالات کا قلبہ دائم نہیں ہوتا بالخصوص مبتدی کو اس میں بہت تغیر و تبدل پیش آتا ہے جس کو تلوین کہتے ہیں اور اہل تمکین کی بھی حالت میں ان کے مرتبہ کے موافق تغاؤر ہوتا ہے یہ لوازم سلوک سے ہے مضر نہیں اس سے پریشان نہ ہونا چاہئے کہ وہ پریشانی البتہ مضر ہے۔۔

سالکین جن احوال و کیفیات کے فقدان سے پریشان ہوتے ہیں ان کا فقدان کوئی نقص نہیں بلکہ کمال ہی ہے کہ بدون غلبہ احوال کے استقامت حاصل ہو۔

اس کی حقیقت سمجھنے کے لئے دو مقدمے سمجھنے کی ضرورت ہے ایک یہ کہ
تمام سلوک کا مقصد حضرت حق میں قلب ہے یعنی اپنی صفات کو صفات حق میں فاکرینا
اور تخلق باخلاق اللہ ہونا۔

ہماری صفات کے دو درجے ہیں ایک مبدا اور ایک منتہا۔ مبدا انفعال
(یعنی تاثر) ہوتا ہے۔ مثلاً ہمارے اندر رحمت و شفقت کا مادہ ہے تو اس کا ایک
مبدا ہے ایک منتہا ہے۔ مبدا وہ کہ کسی کی حالت اور مصیبت کو دیکھ کر دل دکھتا
ہے یہ انفعال اور تاثر ہے اور دل دکھنے کے بعد ہم نے اس شخص کے ساتھ جو ہمدردی
کی اور اس کی اعانت کی یہ منتہا ہے اور فعل ہے اور صفت رحمت سے یہی مقصود
ہے، اسی طرح خوف میں مبدا وہی تاثر و انفعال ہے کہ خدا تعالیٰ کی عظمت و جلال
کے خیال سے دل پر اثر ہو ارقط طاری ہوتی اور یہ منتہا ہے کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی
سے رک گئے یہ فعل ہے اور یہی مقصود ہے۔ اسی طرح محبت کا مبدا وہ ہے کہ دل
میں عشق کی دکھن پیدا ہو اور محبوب کے خیال میں محو ہو جائے یہ انفعال و تاثر ہے،
اور منتہا یہ ہے کہ محبوب کی رضا جوئی اور خوشنودی کی طلب میں لگ جائے۔

اللہ تعالیٰ تاثر و انفعال سے پاک ہے، اس لئے حق تعالیٰ کی صفات میں
مبادی نہیں ہوتے بلکہ غایات اور منتہا ہی ہوتے ہیں۔ پس جس شخص کے اوپر خوف
اور محبت کی کیفیت غالب نہ ہو مگر احوال میں استقامت ہو جانے پر معاصی سے پوری طرح بچنے
والا اللہ طاعات کا بجالانے والا ہو تو اس میں صفات کے مبادی نہیں پائے گئے بلکہ صرف
غایات پائے گئے اور یہ شخص تخلق باخلاق اللہ ہے۔ اور جس پر ان کیفیات کا غلبہ ہو
اس میں اول مبادی پھر غایات پائے گئے تو یہ شخص اس درجہ کا تخلق باخلاق اللہ نہیں ہے۔
پس اول تو کامل ہے اور دوسرا اس درجہ کا کامل نہیں ہے۔

احوال کی دو قسمیں ہیں ایک محمود، دوسرے مذموم ان میں امتیاز کا معیار ہے،

کہ جو کیفیت کسی گناہ کا مقدمہ ہو جائے وہ مذموم ہے، اور نہ محمود ہے یعنی محمود وہ کیفیت ہے جس سے اطاعت میں ترقی اور گناہ میں کمی ہو (اس لئے کہ بعض اوقات معاصی کے ساتھ ہی بعض احوال نفسانیہ باقی رہتے ہیں جیسے وجد استغراق شوق و غفلت اور حیرت اور اسی قسم کی اور کیفیات تو ان کے بقا و سے دھوکے میں نہ گئے کہ میں ایسا مقبول ہوں کہ مقبولیت میں خلل نہیں پڑا کیونکہ یہ سب کیفیات دتیا ہیں دین نہیں، اور دنیا کا عطا ہوتے رہنا علامات مقبولیت سے نہیں۔ ان احوال کا نسبت سے کوئی تعلق نہیں اور نسبت معاصی کے ساتھ باقی نہیں رہتی۔ یہ احوال محض کیفیات نفسانیہ طبعیہ ہیں جیسے فرح و سرور کیفیات طبعیہ ہیں۔ حاصل یہ کہ یہ احوال اپنی ذات میں دینی امور نہیں ہیں بلکہ دنیوی امور ہیں البتہ بعض اوقات دین میں معاون ہو جاتے ہیں اور اس معین ہو جانے سے ان کا رین کا جزو ہونا لازم نہیں آتا۔

اسرار و ذقیات کے نعمت ہونے میں شک نہیں، اگر بدو ن طلب کے حامل ہو جائیں تو شکر کرنا چاہئے مگر چونکہ وہ مقصود و مطلوب نہیں ہیں اس لئے ان کے دلچہ نہ ہونا چاہئے۔ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کا ارشاد ہے کہ ذوق و شوق و انس و غیوہ، حجابات نورانیہ، ہیں اور حجابات نورانیہ، حجابات ظلمانیہ سے اشد ہیں، کیوں کہ حجابات ظلمانیہ کی طرف سالک متوجہ نہیں ہوتا ان کو خود دفع کرنا چاہتا ہے، اور حجابات نورانیہ کی طرف متوجہ ہوتا اور اتفات کرنے لگتا ہے جس کی وجہ سے توجہ مقصود صلیٰ سے ہٹ جاتی ہے۔“

شیخ شیرازی علیہ الرحمہ نے بھی اس حقیقت کو خوب واضح کیا ہے اور تنبیہ

فرمادی ہے

خیالات نادان خلوت نشین
بہم برزند عاقبت کفر دین

لہذا قصداً انوار و کیفیات کی طرف توجہ نہ کرنا چاہئے لیکن اس کی بھی حضرت
 نہیں کہ اس کے دفع کا اہتمام شدید کیا جائے غرض نہ استحضار اس کا کیا جائے نہ استنکار
 کیا جائے کہ دونوں حالت میں غیر مقصود کی طرف التفات کرنا ہے۔ ایک میں اثباتاً
 ایک میں نفیاً اور یہی التفات الی غیر حجاب ہے۔

(الغرض) جو حالت غیر اختیاری اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں۔ اسی کو اپنے لئے غنیمت جانیں
 اور اپنی خواہش سے کسی پسندیدہ حالت کی تمنا نہ کریں (اور اگر کوئی کیفیت جاتی رہے
 تو اس سے پریشان نہ ہوں۔)

بدر دو صاف ترا حکم نیست دم در کش
 کہ آنچہ ساقی مار بخت عین الطافست

یعنی تلچٹ اور صاف شراب کا تھک کو حکم نہیں خاموش ہو جا کہ ساقی نے جو کچھ دے
 دیا عین مہربانی ہے۔

اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دیں کہ ہمارے لئے جو بہتر ہو گا وہ ہو کر رہے گا خواہ
 حصول ہو یا عدم حصول (انفاس عینی۔ تعلیم الدین۔ شریعت و طریقت)

نفسانی ملکات کی حقیقت

ایک طالب نے اپنے بعض نفسانی ملکات کو ظاہر کر کے حضرت والا سے ان کی صلح
 چاہی اور ان کے ہونے پر سخت غم و اندوہ کا اظہار کیا کہ مجھ میں یہ ملکات کیوں ہیں۔
 حضرت والا نے فوراً تسلی فرمائی اور اس تسلی بخش عنوان سے کہ ایسے ملکات سے
 کون خالی ہے یہ تو مجھ میں بھی ہیں۔ ان کے زائل کرنے کی فکر ہی بیجا رہے کیونکہ یہ جبلتی
 ہیں اور جبلت بدلا نہیں کرتی نہ انسان جبلتی امور کے بدلنے کا مکلف ہے کیونکہ ان کا
 بدلنا غیر اختیاری ہے۔ البتہ ان کے مقصد پر عمل کرنا جبلتی نہیں نہ غیر اختیاری ہے۔

ہذاہمت کر کے اختیار سے کام لیا جائے اور ان ملکات کے مقتضا پر عمل نہ ہونے
 دیا جائے۔ باقی نفس ملکات چاہے جیسے فاسد ہوں وہ اس وقت تک مطلقاً قابل
 افسوس نہیں جب تک ان پر عمل نہ ہو بلکہ ایک معنی کر قابل حسرت ہیں کیونکہ ان کی وجہ
 سے عمل میں مشقت ہوتی ہے جس سے عمل کا اجر بڑھتا ہے اور نفس کا تزکیہ ہوتا ہے۔
 اسی کو مولانا رومی فرماتے ہیں ۷

شہوت دنیا مثال گلخن است

کہ از وجہ آہم تقویٰ روشن است

(اشرف السوانح)

عقلی و طبعی احوال میں فرق

فرمایا کہ عقلی احوال میں غالب اثر روح کا ہوتا ہے اور طبعی کیفیات میں نفس کا ہوتا
 ہے لیکن عقلی احوال بھی طبعی کیفیات سے بالکل خالی نہیں ہوتے ورنہ محض افضائے عقل
 صدور اعمال کے لئے عادت کافی نہیں اسی طرح بالعکس۔ البتہ پہلی صورت میں عقلیت
 غالب ہوتی ہے اور طبیعت مغلوب۔ دوسری صورت میں اس کے برعکس۔ (اشرف السوانح)

الفعال و افعال

ایک سالک نے لکھا کہ :-

حال۔ اپنے اتر حالات کیا عرض کروں آج سے دو سال قبل جو کیفیت حلاوت و خشیت
 اور معیت حق تھی افسوس کہ وہ بتدریج کم ہو کر ختم ہو گئی۔

تحقیق۔ تو فرر ہی کیا ہوا۔ یہ افعال ہیں جو مقصود نہیں۔ افعال کا درجہ مقصود ہے جو کہ

اختیاری ہے گویا میں لذت نہ ہو دنیٰ مثلاً قیل ۷

در بزم عیش یک دو ترح و کوش و پرو - یعنی طمع مدار وصال دوام را
 (ترجمت السالک جلد دوم صفحہ ۲۶۹)

امور طبعیہ فطری و غیر فطری

ملفوظ - فرمایا کہ کل ایک بات دفعۃً سمجھ میں آئی مجھ کو بڑی خوشی ہوئی اور میں نے حق تعالیٰ کا بہت شکر ادا کیا وہ یہ کہ یہ جو تصوف کا ایک اہم مسئلہ ہے کہ امور طبعیہ نہ محمود ہوتے ہیں نہ مذموم یہ بالکل ہی صحیح ہے مگر اس کے اندر ایک تفصیل ہے جو کل سمجھ میں آئی وہ یہ کہ امور طبعیہ دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ جو کسی عمل سے ناشی نہ ہوں بلکہ فطری ہوں وہ تو نہ محمود ہیں نہ مذموم۔ اور ایک قسم امور طبعیہ کی یہ ہے کہ جو فطری نہ ہوں بلکہ کسی عمل سے پیدا ہوئے ہوں تو ان کے اندر یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ کسی عمل محمود سے پیدا ہوئے ہوں تب تو محمود ہوں گے اور اگر کسی عمل مذموم سے پیدا ہوں تو مذموم ہوں گے۔ یضمون نا تمام تھا الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مکمل فرمادیا اور یہ ایک حدیث میں غور کرنے کی برکت سے سمجھ میں آیا حدیث میں آیا، إِذَا سَرَّكَ حَسَنُكَ وَسَاءَ نَكَّ سَبِيَّتُكَ فَإِنَّتَ مُؤْمِنٌ دَعْنِي أَرْنِيكَ كَامِ كَرَكِ تَجْهَرُ كُو سَرْتِ ہُو اَر كِنَاہ كَر كِ تِرَاجِی ہُو ا ہُو تَب تُو مَوْنِی؄ تُو اَب ہِیَا ہُو سَر تِ ہُو وَہ اِیك طَبِی اِر ہُو مَگَر چُو نَك ہِ اِیك عَمَل صَاحِج سِی پِی ا ہُو ئِی تَمِی اِس لَی اِس كُو عِلَا مَت اِبَا نِ كِی زَبَا یَا گِیَا اُو رِ جُو چِی سَز مَحْمُو دِ نَ ہُو وَہ اِبَا نِ كِی عِلَا مَت نَہِی بِن سَكْتِی تُو مَعْلُوم ہُو اَكِرِی مَحْمُو دِ نَہِی ہُو اَد كُو ہِ اِمْرِئِی نَفْسِہِ طَبِی نَہِی ہُو مَگَر حَال لَازِم ہُو جَا نَے سِی مِثَل اِمْرِطَبِی كِی ہُو جَا تَہِی اُو رِ ہُو خُدَا تَعَالٰی كَا فَضْل ہُو كِ ہُو اِس نَے اِس سَر تِ كُو اِمْرِطَبِی بِنَا دِیَا۔ اِسی طَرَح اَكِر كِی كُو قَبِض طَبِی ہُو تُو اَكِر وَہ كِی كِنَاہ كِی سَبَب سِی ہُو ا ہُو تَب تُو وَہ مَذْمُوم ہُو اُو رِ اِس كِی عِلَاج كِی مَرْوَر تِ ہُو اُو د اَكِر اِس كَا سَبَب كُو ئِی كِنَاہ نَ ہُو تُو اِس كِی كَچھ فِكْر نَ كَر ے كِیونكہ وَہ مَذْمُوم نَہِی سِچَر فرمایا كِ اَكِر كُو ئِی بَات فِكْر سِی اُو رِ سُو جِ سِی سَمجھ مِی آئے تُو اِس مِی غَطْل كَا اِحْتِمَال زَبَا دِہ ہُو تَہِی اُو رِ اَكِر بَلَا سُو چِے خُود بَخُود كُو ئِی بَات سَمجھ مِی آجَا تَے تُو اِس مِی بَہِی غَطْل كَا اِحْتِمَال ہُو تَا تُو ہُو

مگر کم۔ میں تو یہی کہوں گا کہ یہ منجانب اللہ عطا ہے۔ (النور شعبان رمضان شوال ۱۳۵۲ھ)
صفحہ ۲۹۵ - ۲ رجب ۱۳۵۲ھ)

کامیابی یا ناکامی کا استدلال کیفیات کے غلط ہے

حالت۔۔۔ ایک سالک نے لکھا۔ حسب الارشاد اپنا کام کر رہا ہوں وجد و شوق
روز افزوں ہے مگر یہ عین دلیل حرمان ہے۔

ع یہ غلبہ کجاں سے ہوتی جو جب گ کے پار ہوتا

جب سلف کے مجاہدات کا حال پڑھتا ہوں تو پھر مجید کو اپنے منزل مقصود پر پہنچنے کے لئے قوی
شبیہ ہو جاتا ہے نہ وہ قوت نہ اس قدر دنیا سے بے تعلق نہ وہ خلوص فی الجاہدات بس اس خیال
سے کہیں کبھی عزم رخصت ہو جاتا ہے، مگر اپنے نفس کو امید دلاتا ہوں کہ جب حضرت جیسا میر
طریقت رشح ہدایت موجود ہے تو کیا تعجب ہے کہ باسانی ہی مقصود پر پہنچ جاؤں تاہم تسویل
نفس جاری ہے۔ وَ مَا أَبْرَعَىٰ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ
پھر کبھی مولا نے کریم تسکین فرمادیتے ہیں۔

خاک شودر پیش شیخ باصفا

تاز خاک تو بر دید کیمیا

اگر اس سے بھی حقیر کوئی درجہ فنا کا ہو تو میرا دل اس کے لئے بھی راضی ہے اپنی جہالت کا
اعتراف بہت آسان معلوم ہوتا ہے بلکہ اس کے کہ حضرت کی جناب میں کوئی سوتے
ظن ہو بعض اوقات تو یہ جی چاہتا ہے کہ من ترشدم کا مضمون ہو جائے مگر شتان
بَيْنَ بَهَائِمٍ وَأَنَا بِسَ ناز میں خشوع برسر تری ہے مگر بدگمانی ہو رہی
ہے کہ کہیں اس میں ربا نہ ہو۔ سورۃ الماعون کی دعید پیش نظر رہتی ہے خدا رحم فرمائے۔
تجد میں جب یہ تصور قائم ہو جاتا ہے کہ حضرت حق تعالیٰ آسمان رابع پر حبلہ گر ہے،

جہاں سب مخلصین کی سن رہا ہو گا وہاں اس ذرہ بے تیز پر بھی نظر ہوگی تو پھر قرآن کی
 آیت تیر و تفنگ کا اثر کرنے لگتی ہے۔ اگر طاقات ہوتی تو ساری رات بھی اس لطف کے
 سامنے کم معلوم ہوتی۔
 تحقیق — کیفیات سے وصول یا حرمان پر استدلال کرنا یہ مرضِ کلام

نہیں کہ اول میں عجب کا خدشہ ہے اور ثانی میں ناشکری کا، اور دونوں سالبِ نعمت ہیں۔
 طالب کا وظیفہ یہ ہے کہ حالت کی اطلاع کرے اور اس حالت کی تحقیق و علاج کا کام ہے۔ آپ کا اکثر
 خط سونے ظن بالشد سے بھرا ہوا ہے جس کو آپ سوء ظن بالنفس سمجھتے ہوں گے مگر وہ التزاماً
 نہیں ذرہ ما ضرور سوء ظن بالشد کی طرف راجع ہے تعجب ہے کہ وجد و شوق جو مقدمہ کا میللی
 ہے اس کو آپ دلیل حرمان فرماتے ہیں اور شاعری نکتہ سے اس کی تائید فرماتے ہیں جن کی
 شان میں فی کُلِّ وَاذِیْہِمْ مَوْنٌ وارد ہے، اس شاعر کو یہ خبر نہیں کہ یہاں جگر کے
 جتنا پار ہوتا ہے اسی قدر غلش بڑھتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ظاہری حیات جگر کے پار
 ہونے سے منقطع ہو جاتی ہے اس لئے غلش کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے اور یہاں جگر کے پار
 ہونے سے حیات بڑھتی ہے اس لئے اس کا احساس بڑھتا ہے، اس سے غلش بڑھتی ہے اسی
 کو ایک عارف نے فرمایا کہ

کشتگانِ خجیرِ تسلیمِ را

ہر زماں از غیب جانے دیگر ست

سلف کے مجاہدات پر نظر کرنے سے اپنے لئے جو یاں لکھی ہے یہ ایک ایسے خیال کو مستلزم
 ہے جس سے استنفار واجب ہے اور وہ خیال یہ ہے کہ گویا آپ مجاہدات کو علت
 و مولیٰ سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ علت محض فضل ہے اور مجاہدہ محض اس کا حیلہ، سو حیلہ
 کب ترقی ہو تلبہ کبھی ضعیف، کیا آپ نے وہ حدیث نہیں پڑھی کہ ایک زلمے میں
 اگر عشر نامور بھی ادا کر لیا جاوے گا تو نجات ہو جاوے گی۔ یہی جواب ہے خشوعِ خضوع

کے متعلق بدگمانی کا اور آسان رابع کی تخصیص کا منشاء معلوم نہیں آپ کے ذہن میں کیا ہے
والسلام (ترتیب السالک جلد دوم ص ۵۱۲)

کیفیات باطنی مطلوب نہیں

ایک دعوت کے سلسلہ میں فرمایا کہ مجاہدات کے بعد جب سالک پر کیفیات ذوق و شوق
و نشاط کا قلبہ ہوتا ہے تو وہ کام میں لگے رہتے ہیں اور جہاں کبھی کسی وجہ سے ان کیفیات
میں کمی پیدا ہوتی تو آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا مجاہدہ ہی بیکار ہوا اور ہمارا مرتبہ خدا کے
پہاں کم ہو گیا۔ پھر اس خیال کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اعمال ہی سے بے رغبتی ہو جاتی ہے اب اگر
جاہل ہے تو اعمال بالکل چھوٹ گئے اور اگر اہل علم ہوئے تو استغفار میں لگ گئے تاکہ وہ
کیفیت عود کر کے استغفار اچھی چیز ہے مگر اس حالت کا تو علاج نہیں ع
خود عنط بود آنچہ ما پنداشتیم

تمہارا وہ خیال ہی غلط ہے کہ میں مردود ہو گیا جس کے تدارک کے لئے استغفار کر رہے ہو
نہ مجاہدہ بیکار ہو انہ تم مردود ہوئے اصل بات یہ ہے کہ کبھی تو ابتدا میں مجاہدے
کا اثر حدت کی وجہ سے زیادہ ہوتا ہے۔ ذوق و شوق کا غلبہ ہوتا ہے اور اب
انس کی حالت ہے جس میں غلبہ نہیں رہا اس لئے کیفیات میں کمی ہوگی تو بعد استغفار
سے حالت انس مبدل بہ حالت ابتدا کیوں کر ہو جائے گی اور کبھی کسی بیماری کی
وجہ سے کیفیات میں کمی آجاتی ہے تو استغفار اس کا دافع کیوں کر ہوگا کبھی حق تعالیٰ
کی طرف سے امتحان ہوتا ہے کہ ہمارا بندہ اپنے لطف کے واسطے ہی کام کرتا ہے
یا ہم اس کے مطلوب ہیں اس لئے کیفیات سلب کر لی جاتی ہیں یہاں استغفار سے
کیسے کام چلے گا۔ اکثر مشائخ ایسے شخص کو استغفار تعلیم کرتے ہیں اور جب استغفار
میں بھی دل نہ لگا تو کچھ اور وظیفہ بتلا دیتے ہیں۔ جب اس سے بھی گھبرایا تو کچھ اور

بتلا دیتے ہیں۔ اب یہ شخص مجموعہ الادرا د ہو جاتا ہے۔ مگر مرض اب بھی جوں کا توں ہی رہتا ہے۔ البتہ اگر خوش قسمتی سے اسے کوئی اللہ والامل گیا وہ ان تعلیمات کو سن کر بچے گا کہ اسے یہ کیفیات کا بدل جانا معصیت کی وجہ سے تھوڑا ہی ہے جو استغفار بتلا دیا۔ اس کا منشاء تو کچھ اور تھا۔ اور اب وہ اللہ والا علاج کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ اس مرض کی دوا یہ ہے کہ تم ان کیفیات پر التفات ہی نہ کرو۔ اگر کیفیات نہ رہیں نہ سہی خدا تو ہے۔ طاعات میں صرف خدا کو مطلوب سمجھو۔ کیفیات کو ہرگز مطلوب نہ سمجھو، بلکہ جس کو وصال سمجھ رہے ہو اس پر بھی نظر نہ کرو کہ ہم کو یہ وصال میسر ہو گا یا نہیں بس صرف عمل کو مقصود سمجھو ہمت سے اسی میں لگے رہو اور زبان حال سے یوں کہتے رہو۔

یا بيم اور ایا نہ یا بيم جستجوئے می کنم

حاصل آید یا نہ آید آرزوئے می کنم

فراق و وصل چه باشد رضائے دوست طلب

کویف باشد از وغیر او تمنائے

کہ تم کیفیات کو کیا لٹے پھرتے ہو ہمارے نزدیک تو فراق و وصل بھی کوئی چیز نہیں بلکہ اصل چیز رضائے محبوب ہے جس کا ذریعہ عمل ہے اور جب تک تم عمل میں لگے ہوئے ہو رضا حاصل ہے، اور جب رضا حاصل ہے تو سب کچھ حاصل ہے، چاہے وصال ہو یا نہ ہو، کیفیات ہوں یا نہ ہوں۔ اس تعلیم کے بعد راستہ صاف نظر آنے لگتا ہے، اور ساری پریشانی ایک منٹ میں جاتی رہتی ہے۔ (تقلیل المتنام صفحہ ۲۵ تا ۲۷۔ شرف المسائل)

حالت کا مقصود نہ ہوتا

حالت۔ حضور نے جو بعد تہجد کے تیرہ تسبیح پڑھنے کو فرمایا تھا جس کو فدوی بولتے پابندی سے پڑھتا ہے اور نیز تین تسبیح بعد نماز پنجگانہ کے ایک تسبیح

(سُبْحَانَ اللَّهِ) دوسری تہلیل (لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ) تیسری تکبیر (اللَّهُ أَكْبَرُ) یہ بھی پابندی سے پڑھتا ہے، لیکن ان کے پڑھنے میں حضور قلب کے نہ ہونے سے دل کو افسوس ہوتا ہے اگرچہ قدوی کوشش بھی کرتا ہے، اس کے بارے میں جو ارشاد ہو مطلع فرمائیے۔

تحقیق — استقامت علی الذکر خود ایک مقام رفیع ہے اور حضور قلب وغیرہ یہ حالات ہیں اور مقام افضل ہوتا ہے۔ حال سے آپ ہرگز افسوس نہ کیجئے خدا تعالیٰ کا شکر کیجئے اور وہ حدیث یاد کیجئے۔ فَأَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَيَسِّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ السَّعَادَةِ۔ پس عمل کی یہ آسانی خود سعادت کی دلیل ہے اور سعادت ہی مقصود جلیل ہے البتہ احضار قلب یعنی خود متوجہ رکھنا قلب کا یہ ضروری ہے پھر خواہ حضور تام اس پر مرتب ہو یا نہ ہو جب وقت آدے گا، ان شاء اللہ احوال بھی غطا ہوں گے کام میں لگے رہتے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۷۔ کلبہ، حزاں شود رز زئے گلستان غم مخور

میں بھی دعا کرتا ہوں۔ (ترتیب سالک ص ۷)

احوال و کیفیات کا مضر ہونا

فرمایا کہ کشف اور احوال و مواجید وغیرہ راہ سلوک میں کوئی چیز نہیں بلکہ یہ چیزیں اکثر موانع طریق ہو جاتی ہیں۔ ان کا نہ ہونا زیادہ اچھا اور بے خطر ہے لوگ خواہ مخواہ ہوس کیا کرتے ہیں (اشرف السوانح ص ۲۰۵ حصہ دوم) سوال۔ ایک طالب نے اپنے احوال باطنی کی کمی کی شکایت لکھی۔

جواب۔ تحریر فرمایا کہ ایسی کمی بیشی لازم عادی ہے۔ یکساں حال رہ ہی نہیں سکتا۔ دوام تو اعمال پر ہوتا ہے نہ کہ احوال پر۔ یہ تغیر مضر نہیں بلکہ اس میں مصالح ہیں

جن کا مشاہدہ اہل طریق کو خود ہو جاتا ہے مثلاً غیبت کے بعد حضوری میں زیادہ لذت ہونا اور غیبت میں انکسار و ندامت کا غالب آنا اور مثلاً اپنے عجز کا مشاہدہ ہونا حاصل ہوتا ہے۔ مثل ذالک (اشرف السوانح)

حالت کا یکساں نہ رہنا

حالت۔ مرض اصل یہ ہے جو کیفیت یا حالت طاری ہوتی ہے اس کی میعاد صرف تین دن ہے یعنی تین دن سے نہ کبھی ایک ساعت زیادہ اور نہ کم۔ بعد میں سے دن بالکل خالی جیسا پہلے تھا ویسا ہی رہ جاتا ہوں۔ اس حالت میں احقر کو تیس برس گزر گئے حالت طاری ہونے کے لئے بھی خاص کسی اہتمام کی ضرورت نہیں۔ خود بخود بلا قصد ہو جاتی ہے، اور اس کے لئے نہ کوئی مدت معین ہے۔ کبھی ایک ماہ کبھی دو یا تین مہینے میں اور کبھی ایک ماہ میں دو تین مرتبہ، لیکن اس کا صرف تین دن قیام ہے۔ اس میں اختلاف نہیں۔ اس کی ترقی کے لئے ہر چند سعی و کوشش کی میکار ہی ہوتی۔ گزشتہ دو سال میں کہ جب سے در دولت بندگان حضور عالی پر حاضر ہوا ہوں نہ کبھی معمولات مقررہ قضا ہوئے اور نہ کبھی شب بیداری ایک بجے سے چار بجے تک قضا ہوئی۔ اگر اتفاقاً کسی علالت طبع سے قضا ہو گیا ہو اس کا ذکر نہیں لیکن نہ معلوم یہ حالت بدستور کیوں قائم ہے۔

تختہ۔ غالباً ضروری اصول اس فن کے جن کو میں اکثر اوقات بیان کرتا رہا ہوں آپ کو مستحضر نہیں رہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے جو آپ کے اس استفسار کا جواب ہے کہ کوئی کیفیت مقصود نہیں یہ تو بڑی نعمت ہے کہ کیفیت ہوتی ہے، اگر بالکل ہی نہ ہو، تب بھی اصل مقصود میں کچھ مضر نہیں اکابر کو کبھی کوئی کیفیت دامتاً نہیں رہتی الا تا درجب یہ بات ہے تو اس کا زوال مرض نہیں اس کے لئے

کوشش کرنا وقت کا ضائع کرنا اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں پڑنا ہے جو ناجائز ہے
 مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ (الحديث) وَلَا تَلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ
 إِلَى التَّهْلُكَةِ (تربیت السالک ص ۲۹۱)

اپنا ہر حال ناقص ہے

حال۔ ایک طالب کا طویل خط موصول ہوا جس میں انہوں نے اپنی بدحواسی
 اور پریشانی کا تذکرہ کیا تھا۔

تحقیق۔ پورا کامل بجز انبیاء کے کوئی نہیں اور وہ کاملین بھی اپنے کو کامل
 نہیں سمجھتے، سب کو اپنے نقص نظر آتے ہیں خواہ وہ نقص حقیقی ہوں یا اضافی۔ اور نقص
 نظر آنے سے مغموم بھی ہیں۔ اور مغموم بھی ایسے کہ اگر ہم جیسوں پر وہ غم پڑ جاوے تو کسی
 طرح جانبر نہیں ہو سکتے۔ کمال کی تو توقع ہی چھوڑنا واجب ہے۔ ہاں سہی کمال کی توقع
 بلکہ عزم واجب ہے اور اس کا یہی رنگ ہو گا جو آپ بٹا ہدہ کر رہے ہیں اس کی مثال
 وہ مریض ہے جس کی تندرستی سے تو مایوسی ہے مگر فکر صحت اور اس کی تدبیر کا ترک
 جائز نہیں سمجھتا، اور نجات بلکہ قرب بھی کمال پر موقوف نہیں۔ فکر تکمیل پر موقوف ہے
 وَاللَّهُ لَا يُخْلِفُ الْمِعَادَ بس اس طرح سے عمر ختم ہو جاوے تو اللہ تعالیٰ کی
 بڑی رحمت اور بڑی نعمت ہے و هذا هو معنی ما قال الرومی۔

اندریں رہ می تراشومی خراش

تادم آخر دے فارغ مباحش

تادم آخر دے آخر بود

کہ عنایت با تو صاحب سر بود

سب سے اخیر میں خواہ اس کو اظہار حال کہئے یا آپ کی ہمدردی یا رفع التباس

جو پہلے نام رکھتے یہ کہتا ہوں کہ میں بھی اسی کشمکش میں ہوں مگر اس کو مبارک سمجھتا ہوں جس کا یہ اثر ہے کہ یہ سمجھ نہیں سکتا کہ خوف کے غالب کہوں یا رجا کو مگر مضطر ہو کر اس دعا کی پناہ لیتا ہوں جس سے کچھ ڈھارس بندھتی ہے۔ اَللّٰهُمَّ كُنْ لِيْ وَاَجْعَلْنِيْ لَكَ
(ترتیب السالک ص ۴۳)

بد حالی کا علاج

حال: ایک طالب کا طویل خط موصول ہوا جس میں انہوں نے اپنی بد حالی اور پریشانی کا تذکرہ کیا تھا۔

تحقیق: برخوردار سے معشوق من ست آنکہ بہ نزدیک تو زشت ست
نہ کہ اس مجموعی حالت پر حسرت ہے مجھ کو مسرت ہے۔ یہ تمام حالات دوا امر کی دلیل ہیں جو کہ اعلیٰ مقاصد سے ہیں ایک اپنی بد حالی کا احساس دوسرا خوش حالی کی فکر چار امر کو اپنا معمول کر لیا پھر عدم حرمان میرا ذمہ۔

- ۱۔ ذکر کے متعلق جو معمول مقرر کر و قلیل ہو اس کو پورا کر لیا کہ خواہ دل سے یا بے دلی سے۔
- ۲۔ معاصی سے نفس کو ہمت کے ساتھ روکنا اور کو تاہی پر فرور استغفار کر و۔
- ۳۔ ماضی مستقبل کو مت سوچو نہ نفع کا قصد کر و،
- ۴۔ حالات سے وقتاً فوقتاً اطلاع دو گو وہ اطلاع کے قابل بھی نہ ہوں اور اس سب کے ساتھ میری رائے میں تمہارے اعضائے رئیسیہ میں حرارت کا اثر ہے علاج طبی ضرور کرو اس کا بھی ان حالات میں دخل ہے اور اس دستور العمل کے بعد میفکر ہو۔

من غم تو منخورم تو غم مخور

بر تو من مشفق ترم از صد پدر

(ترتیب السالک ص ۴۵)

تمہارا غیر خواہ دل سوز اثر علی

قلب میں سختی کی حقیقت

حال : السلام علیکم ! بندہ کے قلب میں سختی زیادہ ہوتی جاتی ہے اور ذکر میں دل حاضر نہیں رہتا ہے کچھ ایسی بات بتلا دیجئے کہ جس سے حضور اور نرمی بھی پیدا ہو جائے۔ اور میرے لئے اور ابھی فرمادیں گے میں بہت پریشان ہوں۔ اور دعا بھی فرمادیں گے۔

تحقیق : السلام علیکم رحمۃ اللہ۔ سختی قلب اس کو کہتے ہیں کہ معاصی پر جرات ہو جاوے اور خوفِ خدا نہ رہے اور جس کو آپ نے سختی سمجھا ہے وہ سختی نہیں ہے اور حاضر رہنا قلب کا اختیار سے خارج ہے اس کا قصہ کہجئے اور حاضر رکھنا البتہ اختیار میں ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ خود ذکر کی طرف یا مذکور کی طرف خیال رکھئے تو اس کے لئے کسی اور مستقل تدبیر کی ضرورت نہیں اس اصول کو عمر بھر کے لئے مستحضر رکھئے کہ اس سے ہزاروں غلجان نفع ہو جاویں گے اور میں دعا بھی کرتا ہوں۔ (ترجمہ حصہ دوم ص ۶۵)

عقلی اور اعتقادی قرار مطلوب ہے نہ کہ طبعی

حال۔ گذشتہ عریضہ کا جواب گرامی لکھو ہی میں سعادت بخش ہوا تھا اس ہفتہ حیدرآباد آنا ہوا۔ گھر کے حالات سے گھر کر چلا گیا اور خیال تھا کہ اب کے کچھ دن تو حیدرآباد ضرور غنیمت معلوم ہوگا لیکن خدا جانے طبیعت کا کیا رنگ ہو گیا ہے اور دل کیا چاہتا ہے کہ ہمیں قرار نہیں پکڑتا۔ ابھی یہاں آئے بارہ دن ہی ہوئے ہیں اور دل اچاٹ ہے۔ البتہ اب کے گھر جانے کو بھی جی نہیں کرتا اور جو کچھ چاہتا ہے وہ صرف والدہ مدظلہا کی عیالت کی وجہ سے۔ ایک شعر سنا کرتا تھا اس کو صادق پاتا ہوں۔

شہر میں لگتا نہیں صحرا سے گھبراتا ہے دل
اب کہا لے جا کے بیٹھیں ایسے دیوانے کو ہم

حضرت کی خدمت میں سب ہی کچھ عرض کر دیتا ہوں اس لئے اس دیوانگی کا حال بھی
 عرض کر دیا یہ عجیبات ہے کہ جہاں صحت الحمد للہ ہمیشہ سے بہت زیادہ بہتر ہے مگر
 بالکل کو اب کہیں چین نہیں۔ گذشتہ عریضہ کے جواب میں حضرت نے ایک شعر بالکل میرے
 سب حال تحریر فرمایا تھا ۷

گر گریزی بر امید راحتی
 ہم ازاں جا پیشت آید آفتی

اور اس آفت کا حقیقی علاج بھی وہی ہے جو حضرت نے تحریر فرمایا کہ تجویز کو فنا
 کر کے تفویض کے راسخ میں پناہ لوں۔ عقلاً خوب سمجھتا ہوں کہ راحت بھی تفویض ہی
 میں ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی تجربہ اب سا لہا سال سے ہو رہا ہے کہ پہلے جس طرح میری
 شکل سے شکل تجویز پوری ہو کر رہتی تھی اب آسان سے آسان بھی پوری نہیں ہوتی۔
 مگر تجویز سا زبلکہ تجویز باز طبیعت کچھ ایسی بے حیاد اقع ہوئی ہے کہ اس پر بھی باز نہیں
 آتی جب کوئی تجویز سامنے آتی ہے، تو جیسا کہ حضرت نے تحریر فرمایا ہے خصوصیت
 سے اس سے بھاگتا ہوں اور اس کو بھگانا چاہتا ہوں مگر ہر پھر کے مسلط ہی رہتی ہے۔
 ناذ میں ذکر میں شغل میں بیکاری میں باکاری میں جب ذرا بھی موقع پاتی ہے، اور
 مدین نفس شروع کر دیتی ہے۔ جب طبیعت کا یہ حال ہے تو حضرت خالی عقل سے تفویض
 کو حق جان کر راحت بہر حال نصیب نہیں ہو سکتی بس تجویز دیر کے لئے کچھ تسلی اس سے
 حاصل کر لیتا ہوں۔ پھر وہی حال ایک ہی بات کو اتنا طول دے دیا مگر کیا کروں کہ حضرت
 کی خدمت میں خوب کھل کر عرض کئے بغیر تسلی نہیں ہوتی۔

تحقیق۔ خط کیا ہے پڑھنے والے کے دل کو گھائل کرنے کو نشتر ہے سب کا حاصل
 یہ ہے کہ طبیعت تسلی و قرار کی کوئی صورت نہیں مگر الحمد للہ عقلی اور اعتقادی قرار حاصل ہے
 اب سب کا جواب یہ ہے کہ یہ ہی عقلی و اعتقادی قرار مطلوب ہے یہی مامور بہ ہے اور یہی
 تفویض ہے جس کو عبادت سمجھ کر اختیار کیا جاتا ہے نہ کہ ذریعہ راحت سمجھ کر۔ بلکہ عارفین و

کامین نے جب تفویض میں لذتِ طبیعہ محسوس کی تو نہایت اہتہال کے ساتھ اس لذت سے پناہ مانگی اور راز اس کے دو ہیں۔ ایک یہ کہ شوبِ لذت سے شیبہ ہوتا ہے، اخص کی کمی کا، کہ حفظِ نفس کے واسطے تفویض کو اختیار کیا۔ حق تعالیٰ کا حق سمجھ کر اختیار نہیں کیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ جہاد میں دنیوی کامیابی و ناکامی کے مشقِ عروج و نزول میں تصریح ہے کہ اول میں اجرِ نا تمام اور ثانی میں اجرِ تام عطا ہوتا ہے۔ اسی طرح تفویض میں راحتِ طبیعہ ہونے سے اجر غیر کامل اور راحت نہ ہونے سے اجر کامل ملتا ہے اور اجرِ آخرت ہی مقصود ہے پس ان دو راز کی وجہ سے عارفین نے لذت سے پناہ مانگی لیکن ہم ضعیفوں کے لئے اس میں اتنی ترمیم ہے کہ ہم کو پناہ مانگنا بھی مناسب نہیں بلکہ تفویض کے ساتھ اس میں لذت و راحت کی بھی دعا مانگنے اور جب تک وہ عطا نہ ہو، اس عطا نہ ہونے کی حقیقت پر صبر اور اس عطا نہ ہونے کے ثمرہ پر کہ کمالِ اجر اور تشبہ بالمقبولین ہے شکر کیا جائے اور اسی کو وظیفہ دانہ بنائے۔ (ماخوذ تربیت السالک جلد دوم باب اول ص ۲۴)

حالتِ شوق و انس

حالت - بندے کی حالت اس سے آگے یہ تھی کہ بہت گریہ و زاری ہوتی تھی حتیٰ کہ بعض اوقات اگر کھانے میں دیکھا کہ اچھی ترکاری یا عمدہ چاول لاکھانا ہے اس وقت خیال میں یہ آتا کہ ہماری طرح کے کچھ آدمی فاقہ میں بھی ہوں گے اللہ تعالیٰ اس بندے کو کیا اچھا کھانا کھلا رہا ہے، اس پر روتا ہوا کھانے سے ہاتھ اٹھالیتا تھا اور بعد تجرد و طیفہ اگرچہ خوب ہوتا تھا اس میں دل کو راحت بھی ملتی تھی اور حضور پر اس قدر محبت آجاتی تھی بابا مولینا بابا مولانا کرتا ہوا کھڑا ہو جاتا تھا اب نہ معلوم کیا شانِ خدا ہے کہ حال بالکل بدل گیا ہے لیکن ذکر میں راحت خوب ہوتی ہے۔ مگر یہ میں نرق ہو گیا ہے دعا فرمادیں کہ آگے کی طرح ذوقِ دشون پیدا ہو۔

تخت۔ وہ حالت شوق تھی یہ حالت انس کی ہے دونوں محمود ہیں اس کو
 نزل یہ سمجھاجئے یہ تبدل ہے اور تبدل بھی الی الخیر یعنی ترقی کے ساتھ کیونکہ انس
 انفع و اُثبت ہے شوق سے غرض کام میں لگے رہیں ایسے تیغرات کی طرف التفات
 یزکریں۔ (تربیت السالک ص ۵۸۲، تربیت حصہ مذکور ص ۵۶)

شوق و انس میں فرق

حال۔ قبل اس کے طبیعت میں ایک قسم کا تردد رہتا تھا مگر اب وہ

جس بنا رہا۔

تخت۔ وہ کیفیت شوقیہ تھی۔ اس کی عمر طویل نہیں ہوتی۔ سب اہل
 طریقی کو یہی امر پیش آتا ہے۔ کیفیت باقیہ انس ہے جو الحمد للہ باقی ہے۔
 حال۔ لیکن بجد اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بدستمد ہے۔

تخت۔ یہی ہے انس جو کہ باقی رہا کرتا ہے اور یہ شوق سے افضل ہے۔
 حال۔ حالت موجودہ سے پیشتر یہ سلسلہ رہا کہ جس حالت کا اظہار حضور انور
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ حالت اسی دن سے بدل گئی مگر موجودہ حالت میں سوائے اس کے کہ مردور
 کم ہو گیا اور بعض وقت ذکر میں کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور کوئی لغات نہیں ہوا۔
 تخت۔ اس خاص قسم کی لذت کو بھی زیادہ بقا نہیں ہوا کرتا جیسے منکوحہ
 قدیمہ سے دل تو زیادہ مل جاتا ہے مگر جوش و خروش نہیں رہتا۔ یہ امر موجب غم نہ ہونا
 چاہئے اس کے لئے یہی حالت لازم ہے۔ (تربیت السالک ص ۵۲۲، تربیت حصہ پنجم ص ۲۰)

ذوق و شوق مطلوب نہیں

حال۔ ناچیز اپنے معمولات میں (یعنی اسم ذات چھ ہزار مرتبہ) مشغول ہے۔

بفضلہ تولنے و بد دعائے حضرت اکثر روز بعد تہجد قبل صبح صادق بعض روز بعد صبح صادق اور بقدر رحمت بعد نماز فجر ختم کرتا ہے لیکن جو رغبت و صلاحیت وقت حضوری دربار کے نصیب تھی اور جو حالت اس وقت تھی (یعنی حالت ذکر میں ایسی دل بستگی ہوتی تھی کہ روزنا آجاتا تھا) اب وہ حالت نہیں۔

حقیقت — حالت یکساں نہیں رہتی مگر یہ خصوصیات موافقہ و اذواق کی مقصود نہیں، مقصود محفوظ رہنا چاہئے اور یہ ذکر اور طاعت ہے، خواہ اس میں بسط ہو یا قبض کہ بعض منافع قبض کے زیادہ ہیں۔ بسط سے، ہمت سے کام میں لگے رہیں اول اول ایسے ہی تغیرات ہوا کرتے ہیں پھر حق تعالیٰ مناسب استعداد کے تمکین عطا فرمادیتے ہیں۔ جب اس کا وقت مقدر ہوتا ہے گہرا جانا دلیل ہے ضعف ہمت کی۔ (ترجمہ حصہ دوم ص ۳۱)

انس مع الحق کا اثر

حال — الحمد للہ! انقباض عن الخلق تو عرصہ سے خود خلق کے سلوک ہی نے پیدا کر دیا ہے لیکن جب تک حضرت یہ انس مع الحق کی طرف مفضی نہ ہو اس وقت تک محض سلب ہی سلب ہے اور انس مع الحق کی بوجہ اپنے اندر نہیں پاتا۔

حقیقت — اس انس نہ ہونے کا فتنہ یہ بھی ایک درجہ ہے، انس مع الحق کا یا قبل درجہ انس مع الحق کے ایک مانع کا ارتفاع تو ہے جس سے انس مع الحق کا قرب ہو گیا یہ کیا تھوڑی نعمت ہے۔ آگے تھوڑی توجہ حصول مقصود کے لئے کافی ہو سکتی ہے۔

(النور شعبان ۱۳۵۵ھ، ماخوذ تربیت السالک جلد دوم ص ۶۶)

حالت رنیت

حالت — اس وقت کے تمام حالات ناگفتہ بہ ہیں۔ خدائے عزوجل سے ایک رسمی اور ضابطہ کی محبت اور انس رہ گیا ہے، نہ ذوق ہے نہ شوق ہے نہ سوز و گداز ہے، اگر کچھ خشیت ہے تو وہ بھی رسمی ہے دل کے ہلاتے اور لرزاتے والی نہیں معمولات و اُرداد و وظائف مثل ایک خشک دماغ نمازی کی طرح پورے کر لیتا ہوں۔ تاہم نہیں کرتا۔ دن رات کفِ افسوس ملتا ہوں کہ کیا تھا کیا ہو گیا۔ اصل یہ ہے کہ یہ حالت صرف ایک دن کی بے اعتدالی سے بدل گئی۔ صرف ایک وقت بعد عشا جو معمول کیا کرتا تھا بوجہ تکان و آمد و شد مردمان کے کرنا سکا، اسی وقت سے طبیعت کی حالت بدل گئی۔ سحر کو جو اٹھانے وہ شوق تھا نہ وہ ذوق تھا، طبیعت کھٹک گئی کہ خدا خیر کرے، چنانچہ آج تک اسی رحمتِ بہقمری میں مبتلا ہوں، ہر خرید چاہا کہ یہ خراب حالت حضرت اقدس کے گوش مبارک تک نہ پہنچے حضرت والا کو رنج ہو گا لیکن تلکے مثبت بزرگی میں چارہ نہیں، اس حالت سے زندگی سے دور اور موت کے قریب ہو گیا نفس کی یہ حالت ہے کہ طرح طرح سے مکاریاں کرتا ہے، قسم قسم کے شبہات پیش کرتا ہے۔ کبھی تلاوتِ قرآن پاک میں (خاک بر سر من) خیالات لاطائل پیدا کرتا ہے حضرت اقدس اس وقت تو خاکسار کی وہ کیفیت ہے کہ جیسے کسی جذامی کو لباسِ ناخترہ پہنا دیا جاوے۔ ظاہر میں مسلمان ہوں، اندر دنی حالت کا خدا حافظ۔ اب ندوی محقر اپنی حالت میں جو رنگِ طبیعت کا ہے عرض کرتا ہے۔ ندوی کی طبیعت اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ جب تک تنہا رہے اور کوئی کام دُنیاوی نہ کرے یہاں تک کہ معمولی خورد و نوش کی طرف بھی چنداں التفات نہ ہو تو از حد شوق و ذوق محبت و انس ترقی کرتا جاتا ہے اور اگر کسی خنیف سے کام دُنیاوی کی طرف توجہ کی جاوے تو پھر وہ

جوش اور رنگ طبیعت کا نہیں رہتا اس امر کا صدمہ مرتبہ تجربہ کر چکا ہوں کہ کسی روز سے آج تک محروم ہوں، نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن وائے بر حال اس سفر کے کہ جس کا ٹھکانہ (گھوڑا) بہت لاغر اور لنگڑا ہو اور مسافر سفر بھی بے وقت شروع کرے، واحسرتا، اس مسافر کو کب منزل مقصود پر پہنچنے کی امید رکھنی چاہئے زیادہ والسلام۔

تحقیق۔ اسلام علیکم۔ حق تعالیٰ رحیم و حکیم ہیں جس شوق و ذوق سوز گدا کو آپ کمال سمجھتے ہیں نہ وہ کمال ہے اور جس خشکی اور دوسوسہ کو آپ نقصان سمجھتے ہیں نہ وہ نقصان ہے اگر آپ کو وہ کیفیات حاصل ہوتیں آپ جن کو بڑی چیز سمجھتے ہیں مزد و محب پیدا ہوتا۔ خدا تعالیٰ نے عجب سے بچا جو خدا تعالیٰ کی نعمت ہے اور اس پر شکر واجب نہ کہ بالعکس شکایت کی جاوے۔

ہم نکس کہ تو نگر ت نئے گرد اند
او مصلحت تو از تو بہتر د اند

اس مضمون میں یہ باطنی دولت بھی داخل ہے اور جس کو آپ نقصان سمجھ رہے ہیں اگر یہ نہ ہوتی تو آپ میں یہ انکسار نہ پیدا ہوتا جو بڑی نعمت ہے اور اس پر بھی شکر واجب ہے۔ البتہ چونکہ اس میں احتمال ناشکری کا ہے اس لئے اب اس کی حقیقت سمجھ لیجئے تاکہ اس پر بھی شکر کیجئے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب تربیت السالک کے مضمون کو آپ ذہن سے نکال دیتے ہیں۔ کلمہ سمجھ لیجئے کہ بوانحال اختیاری میں ان میں اللہ ورسول کے خلاف نہ کیا جاوے تو پھر احوال خواہ کچھ ہی ہوں وہ چونکہ غیر اختیار ہیں ان کی کچھ پرواہ نہ کرنا چاہئے، کام کئے جائے آپ محروم نہیں ہیں۔ ایک وقت میں یہ امر تحقیقاً ہی معلوم ہو جاوے گا اب تقلید امان لیجئے۔

(تربیت السالک ص ۶۱۲ حصہ ہفتم ص ۵)

آثار محمودہ

حالت۔ میں نے جب سے کلمہ طیبہ کا ذکر شروع کیا ہے فی الجملہ بہ نسبت سابق قلب میں نرمی محسوس ہوتی ہے، جس کی تمیز یوں ہوتی کہ ضغاء خصوصاً بے زبان ماوردوں پر زیادہ رحم آتا ہے اور ان کی تکلیف دیکھ کر پہلے سے زیادہ دل کو تکلیف ہوتی ہے۔

تحقیق۔ یہ آثار محمودہ سے ہے اگرچہ کمالات سے نہیں۔

(ترتیب سالک حصہ دوم)

حالات محمودہ کا باقی نہ رہنا مضر نہیں

حالت۔ وہ جو دولت کیفیت آنحضرت کی خدمت مبارک سے لیکر آیا تھا کئی دن ہوئے کہ وہ مسلوب کو لی گئی اگرچہ اپنی بد اعمالی ہی کی وجہ سے مسلوب ہوئی ہوگی مگر دل کو فلن دانوس ہے لیکن الحمد للہ کہ معمولات میں زیادہ فرق ابھی تک تو نہیں ہوا۔

تحقیق۔ احوال تابع اعمال کے ہیں۔ اعمال پر استقامت کا اہتمام رکھنا ضروری ہے، اس سے احوال محمودہ ہر وقت کے مناسب خود خود پیدا ہوتے ہیں ہاں یہ ممکن ہے کہ کئی حال ان میں سے سالک کی طبیعت کے موافق نہ ہو لیکن مصلحت کے موافق ضرور ہوتا ہے جس کا سمجھنا محقق کا کام ہے نہ کہ مقلد و مبتدی کا۔ مقلد کو محقق کا صرف اتباع اور اس کے کہنے سے اجاڑا اس کو مصلحت سمجھ لینا کافی ہے، جب دولت تحقیق نصیب ہوگی خود بخود سمجھ میں آنے لگے گا اور خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ آپ کے معمولات جاری ہیں یہی بڑی چیز ہے اطمینان سے کام میں لگے رہئے (ترتیب سالک صفحہ ۳۷۹)

ترتیب حصہ پنجم صفحہ ۲۶۳

نزولِ تجلی

حالت۔ رات تہجد کو اٹھائے ذکر میں یہ معلوم ہوا کہ بیت اللہ شریف میرے پاس آگیا اور حضرت نے بائیں ہاتھ سے اس کو پکڑ کر اور دائیں ہاتھ سے مجھ پکڑ کر دل سے کوٹا دیا وہ میرے سینے سے خوب چپٹ گیا اور اس کے بیچ میں جو سیاہ پتھر تھا اس کا میرے قلب سے خوب اچھی طرح ماسا ہوا پھر بیت اللہ نے بہت تیزی کے ساتھ میرا چنڈا بطرف کیا پھر میں اس میں داخل ہوا اور وہ میرے سینے میں داخل ہو گیا اب بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا میرے سینے سے لگا ہوا ہے۔

تحقیق۔ مبارک ہو تجلی خاص نے قلب پر نزول فرمایا۔ (ترتیب السالکین ص ۵۲)
ترتیب جلد اول

آثارِ نزول

حالت۔ اب غلام پر کوئی حالت برسوں سے طاری نہیں ہے اور نہ کسی حالت کے طاری ہونے کی خواہش ہے بلکہ یہ دل چاہتا ہے کہ کوئی حالت طاری نہ ہو کیونکہ خلاف سنت ہے۔ صدور اعمال حسنیہ کی رغبت اور احتراز عن المعاصی کا شوق ہے جو کچھ ذکر اور زانیل و تلاوت وغیرہ ہو جانتا ہے اسی کو غنیمت سمجھتا ہوں لذت آنے نہ آنے کا بھی کچھ خیال نہیں ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ اس پر مداومت کی توفیق عطا فرمادیں۔ چند روز سے تہجد کے وقت حضور سرور عالم سلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں بھی بعض اشعارِ زیبانی سے جاری ہو جاتے تھے آج قبل دو پہر سے اتباع سنت کی دُھن ہے اور اتباع سنت ہی حق تعالیٰ کی رضا مندی کا سبب ہے۔ اس کے خلاف ان کی درگاہ میں مقبول نہیں۔ پس جب میں حق تعالیٰ کی رضا کا طالب ہوں تو پورے طور پر اتباع سنت

ہو جائوں جو کام ہو سنت کے موافق ہو کوئی نفل اور کوئی قول سنت کے خلاف نہ ہو
 ضد والا اتباع سنت کی توفیق کے لئے دعا فرمادیں ۔
 تحقیق ۔ ماشا اللہ ۔ یہ سب آثار نزول کے ہیں جو عروج سے افضل ہے
 مبارک ہو۔ (ترتیب السالک ص ۵۲ جلد اول)

قبض و بسط

حدیث : حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک طویل حدیث میں روایت
 ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات بولے نبوت میں جبکہ وحی میں توقف ہوا، اس درجہ
 منوم ہوئے کہ غم کے سبب کئی بار اس ارادے سے تشریف لے گئے کہ پہاڑ کی بلندی پر
 گزر کر جان دیدیں۔ سو جب کسی پہاڑ کی چوٹی پر اپنے آپ کو گرنے کی غرض سے چڑھتے تو جبرئیل
 علیہ السلام آپ کو نظر آتے اور فرماتے "اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم (منوم و متأسف نہ ہو)
 آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو سچ سچ اس سے آپ کے قلب کو سکون ہو جاتا اور جی
 ٹھہر جاتا۔ (بخاری)

واردات کا انقطاع جو کسی صلحت سے ہوتا ہے قبض ہے۔ حدیث سے اس کا
 اثبات ہوتا ہے۔ خوف درجہ جب بڑھ جاتا ہے قبض و بسط ہوتا ہے۔ مگر اتنا فرق ہے کہ
 خوف درجہ آئندہ کی حالت یا ذکر کے ہوتا ہے۔

محبوب کی تمل جلالی یعنی آثار غلظت و استغناء کئی احوال وارد ہونے سے قلب کا
 گرفتہ ہونا قبض کہلاتا ہے۔ اسی حالت کو (حدیث عبد اللہ بن کعب و آتہ خلف عن ابوبکر)
 میں ضیق ارض و ضیق انفس سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور قبض کے مقابل حالت بسط ہے
 یعنی آثار لطیف و فضل کے ورود سے قلب کو سرور و فرحت ہونا (تعلیم الدین التکشف)

مجبوری صورت اعمال کی وجہ سے سالک سے لذت فی الطاعات منقود ہو جاتی ہے اور اگر وہ
 یوم فقور و کسل و طلال کے طبعاً یہ حالت قبض پیش آتی ہے اور کبھی بمصلحت امتحان کے
 کہ یہ حق کا طالب ہے یا لذت کا، منجانب اللہ تعالیٰ یہ حالت وارد کی جاتی ہے۔
 (انفاس صبی)

قبض کا سبب صرف عدم رضائے حق نہیں بلکہ بعض دفعہ حکمتوں کی وجہ سے قبض طاری
 کیا جاتا ہے۔ سالک کی اصلاح کے لئے یا سہولت کے لئے بھی بسط کو سلب کر لیا جاتا ہے تاکہ
 عجب و کبر میں مبتلا نہ ہو۔ حدیث میں ہے کہ جب بندہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی
 خاص مرتبہ مقدر ہوتا ہے جس کو وہ اپنے عمل سے حاصل نہ کر سکتا تھا، اللہ تعالیٰ اس کو اس کے
 جسد اور اس کے اہل اور اس کے مال کو کسی بلا میں مبتلا کر دیتا ہے۔ پھر وہ صبر کرتا ہے،
 یہاں تک کہ وہ اس مرتبہ کو حاصل کر لیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہوا تھا۔
 حضرت حاجی صاحب (یعنی شیخ العرب و لعجم حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہ الزین)
 نے فرمایا کہ قبض حقیقتاً بصورت قہر طبع ہے۔

چونکہ قبضے آیدت اے راہرو

اں صلاح تست آیش دل مشو

ترجمہ: اے سالک جب تجھے قبض پیش آئے تو تو اس سے دل گرفتہ نہ ہو کہ

تیری اصلاح کا ذریعہ ہے (انفاس صبی۔ ماخذ شریعت و طہارت ص ۳۷۹)

منافع قبض

قبض منافع میں بسط سے بھی زیادہ ہے، گو عین قبض کے وقت وہ منافع معلوم نہ
 ہوں مگر بعد میں اکثر معلوم ہو جاتے ہیں اور اگر معلوم بھی نہ ہوں تب بھی حاصل تو ہوتے
 ہیں۔ اور حصول ہی مقصود ہے نہ کہ حصول کا علم۔ چنانچہ فایت انکسار اور عبودیت کے آثار

مثلاً شاہدہ عجز و ضعف اور غلبہ انکسار و امتقار و فنائے دعویٰ حالاً کا ترتیب ہوتا ہے جیسا کہ اکابر کا اہام ہے۔ اَنَا عِنْدَ مُنْكَسِرَةِ الْقُلُوبِ (میں (فدا لعلیٰ) شکتہ دلوں میں ملتا ہوں) ۷

فہم ذخا طرتینز کردن نیت راہ
جز شکتہ نے نگیرد فضل شاہ

عقل و سمجھ کو تیز کرنا حقیقت میں راہ نہیں یعنی اس سے اسرار اور مقاصد حاصل نہیں ہوتے شکتہ دل کے سوا با دشاہتی کا فضل کوئی حاصل نہیں کر سکتا یعنی اس کا فضل متواضع لوگوں پر متوجہ ہوتا ہے۔

قبض سے عجب کا علاج ہوتا ہے عجدیت کی حقیقت کا اس میں مشاہدہ ہوتا ہے فنا اور تہی دستی راہی العین ہو جاتی ہے۔ اختیار ہی کام کی پابندی ایسے ہی وقت دیکھنے کے قابل اور عمل امتحان ہے، اگر اس امتحان میں پاس ہو گیا اعلیٰ درجہ کے نمبر کا مستحق ہوگا (انفاس عیسیٰ ص ۹۹)

قبض کی حکمتیں

حالت قبض و ہیبت کی ان حکمتوں کا بیان جو خود حضرت والا

نے اپنی بعض تحسیروں میں ارتسام منسہ مائی ہیں —

حضرت والا ایک طالب کے طویل خط کے جواب میں جو مبتلائے قبض و وسادس تھے ربالہسمی بہ الا بتلاء لاہل الا صطفاء کے آخر میں تحسیر فرماتے ہیں "اب بعض منافع و مصالح و وسادس و بعض امور میل الی المعصیت کے سالک کے حق میں بیان کر کے اس عجالہ کو ختم کرتا ہوں اس میں خفی الطاف رحمانیہ ہیں جن کو دیکھ کر مبتلائے بلیۃ بیساختہ یہ کہہ کر پوری تسلی حاصل کر لے گا۔"

الا لا یجارن احوالبیہ
فللرحمن الطافٌ خفیہ

- ۱۔ اس شخص کو کبھی عجب نہیں ہوتا سمجھتا ہے کہ میں بد حال ہوں۔
- ۲۔ ہمیشہ ترسان رہتا ہے اپنے علم و عمل پر ناز نہیں ہوتا سمجھتا ہے کہ میرا علم و عمل و حال کیا چیز ہے، اس کی حقیقت دیکھ چکا ہوں۔
- ۳۔ اگر یہ عقبہ پیش آچکتا ہے شیطان کے مقابلے میں اس میں قوت پیدا ہو جاتی ہے اس سے ڈرتا نہیں کہ بس اس سے زیادہ کیا کرے گا اور بدرون اس کے گزرے ہوئے لطیف الطبع کو ہر مضر صحبت تک سے اندیشہ رہتا ہے جس کو میں نے ایک بار بیان کیا تھا کہ اس کی وجہ لطافت طبع معلوم ہوتی ہے۔
- ۴۔ مرنے وقت اگر دفعۃً یہ حالت پیش آئی تو پریشان ہو کر خدا جلنے کو کس خیال میں مرتا۔ اگر یہ عقبہ گزر جاوے تو اس کے تحمل کی قوت ہو جاتی ہے اگر اس وقت بھی ایسا ہو تو پریشانی اور حق تعالیٰ پر بدگمان نہ ہوگا۔ اطمینان و محبت حق میں جان دے گا۔

- ۵۔ یہ شخص محقق ہو جاتا ہے دوسرے مبتلا کی دستگیری آسانی سے کر سکتا ہے۔
- ۶۔ ہر وقت اپنے اوپر حق تعالیٰ کی رحمت دیکھتا ہے کہ ایسے نالائق کو ایسی نعمتیں عطا فرماتے ہیں۔

- ۷۔ اس حدیث کے معنی برائے العین دیکھ لیتا ہے کہ مغفرت بعد کے عمل سے نہ ہوگی رحمت حق سے ہوگی وغیر ذالک مالا یحییٰ اور میں نے اس مجموعہ کو کہا کہ کوئی حالت محمودہ پیدا ہونے والی ہے۔

(منقول از مقدمہ تربیت السالک)

(اشرف السوانح ص ۲۶۸)

دیگر

حال: آج کل طبیعت پر پڑمردگی اور انقباض کا غلبہ ہے برابر بڑھتا جاتا ہے
مفتوں کیا بلکہ ہینوں تک کوئی انبساط نصیب نہیں ہوتا۔ دل و دماغ پر معلوم ہوتا،
کہ موت طاری ہے، خلوت میں جی لگتا ہے نہ جلوت میں زندگی کے خلاء و تپل سے
طبیعت بالکل تنگ آگئی ہے۔ موت کی تمنا تو ابھی تک نہیں پیدا ہوئی لیکن زندگی و مال
مرد ہے موجودہ حالت میں ایک ایک دن کاٹے نہیں کٹتا! حضرت دعلکے ساتھ کچھ چارہ
گری بھی فرمادیں۔

تحقیق: یہ حالت قبض کہلاتی ہے جو سب کو پیش آتی ہے اور جو باعث بار صورت
کے بلبے اور باعث بار معنی کے نعمت ہے کیونکہ اسباب اس کے مختلف ہیں کبھی تغیرات طبیعہ
مزاجیہ، فساد اخلاط، یا موسم یا ادویہ یا اغذیہ سے یا عوارض نفسانیہ فکر یا حزن یا غضب
وغیرہ سے جس کا علاج ان کے اضداد سے ہے کبھی کسی معصیت کا صدور جس کا حق معصیت
کا تدارک اور استغفار کی کثرت ہے اور کبھی رفع درجات کہ اعمال اختیار یہ کی کمی کا تدارک
بجاہرہ اضطراب سے کیا جاتا ہے۔ پھر اس سے درجات بڑھتے ہیں اور کبھی اصلاح خلاق
کے کمالات سے اپنا فلو دیکھ کر شکستگی و پستی پیدا ہوتی ہے اور اس سے بہت سے عوامل
کا علاج ہوتا ہے جیسے عجب و کبر و قسارت و امانا ہا۔ اور کبھی امتحان محبت و عظمت کہ بندہ
بشاشت ہی میں عمل کرتا تھا جس میں اک گونہ حظ نفس بھی ہوتا ہے یا بے ذوقی میں بھی
عمل کرتا ہے جس کا سبب صرف محبت اور غلبہ عظمت ہو سکتا ہے اور کبھی جذب الی عالم تقدیر
بفتح الحجب و الموانع ہوتا ہے اور کبھی دوسرے اسباب جو تعبیر سے بھی ذوق ہیں۔

اس تہمید کے بعد چند امور قابل تنبیہ ہیں :-

۱۔ کبھی متعدد اسباب بھی جمع ہو جاتے ہیں۔

۲۔ ایسی حالت پیش آنے کے وقت اسباب کی تشخیص و تعیین کی ضرورت نہیں بلکہ اکثر مضر ہے کیونکہ تعین کا کوئی ذریعہ نہیں سوا اگر وہ سبب نہ ہو تو سہی ہی بیکار گئی۔
 ۳۔ بلکہ سب احتمالات کا حق ادا کیا جائے یعنی استغفار اور صبر و شکر و تقویٰ و توکل اور تواضع و دعا و ابتهال و کثرت ذکر و استقامت علی الاعمال اور لایعنی تعلقات کی تقلیل و استعمال مفرحات و مقویات طبع جس میں ملاقات اجاب و اشتغال بالارواح و اولاد و استعمال مرغوبات طبعہ برعایت اعتدال بھی داخل ہے ان سب کو نظام کے ساتھ جمع کیا جائے۔

۴۔ ان اعمال کو بقصد تدبیر و علاج و بانتظار بسط و سکون نہ کیا جائے بلکہ ان کو خود مطلب سمجھ کر کیا جائے حتیٰ کہ اگر ٹھیکر بھی یہ قبض رفع نہ ہو تو راضی اور ادا لے حقوق مذکورہ پر مدام رہے۔

و بهذا اوصی العارفون بقولهم

چونکہ قبض آمد تو دروے بسط میں

تازہ باش و ہیں میفکن بر جبین

چونکہ قبضے آیدت اے راہرو

آن صلاح نت آیش دل مشو

۵۔ اسباب فتن و تشویش سے احتراز سوائے ضرورت شدیدہ کے۔ ان اور

کے التزام سے ان شاء اللہ تعالیٰ اکثر تو بسط طبعی ورنہ بسط عقلی لازمی طور پر بہتر

ہوگا۔ اگر بسط کے بعد شبہ عود کا ہو تو ان عُدُّمُ عُدُّ نَا کے لئے افادہ رہنا

چاہئے جیسے کسی کو موسمی بخار ہمیشہ آتا ہو تو وہ گھبراتا نہیں بلکہ نشو کی تجدید کر لیتا ہے۔

حال: جواب دالانے سعادت بخش تھی قبض کی حالت بدستور ہے اور بسط و نشا

قطعاً کافور ہیں اپنے ایمان و عمل کی حقیقت معلوم ہے اس لئے جذب الی عالم القدس یا رفع بلجوب

والموانع وغیرہ کے سے اسباب قبض کا تو اپنے حق میں احتمال بھی نہیں ہوتا۔
 حقیقت: یہی فیصلہ عمل کلام ہے جن اکابر کے حق میں ہم لوگ اس جذب اور رافع
 الاعتقاد قریب یقین رکھتے ہیں وہ اب سے زیادہ کہتے ہیں کہ اپنے ایمان و عمل کی حقیقت
 معلوم ہے چنانچہ (۷۰) ستر بدرین کے مطلق صحیح بخاری میں ہے:

كلهم يخاف النفاق على نفسه

بلکہ عارفین کے نزدیک یہی اعتقاد دلیل ہے کمال ایمان کی۔ ناقص الایمان کو اپنے
 نقصان ایمان کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا۔ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۸۶)

قبض کی مبارک حالت

حالت: آج چار روز ہوئے میرے اوپر مغرب کے بعد سخت و شدید حالت قبض
 طاری ہوئی قلب بالکل خالی معلوم ہوتا تھا اور ایسا معلوم ہوتا کہ میں بالکل مردود
 ہو گیا۔ اس وقت حالانکہ میں اپنے کو کافر دل سے بھی بدتر سمجھتا تھا۔ نہ نماز میں پہلی سی
 حالت، نہ ذکر کی رغبت، بار بار خود کشی کو دل چاہتا تھا مگر پھر یہ سوچتا تھا کہ یہ حالت
 توفیر اختیار ہی ہے میرے بس سے باہر ہے مگر خود کشی امر اختیار ہی ہے اس پر ضرور عذاب
 ہوگا۔ پھر یوں بھی دل کو سمجھایا کہ کم بخت اس حالت میں مرنا کونسا اچھا حال ہے اپنی حالت
 درست کر کے موت کی تمنا کرنی چاہئے۔ غرض عشاء کے وقت تک سخت اتر حالت رہی
 عثمانی نماز کے بعد کچھ کمی محسوس ہوئی تو میں نے نوافل میں دیر تک حق تعالیٰ سے
 اذہ و زاری کے ساتھ التجا کی کہ مجھ میں اس حالت کا تحمل نہیں میں ضعیف ہوں اس طرح
 میرا امتحان نہ لیجئے میرے حال پر رحم فرمایا جاوے اور اگر اسی میں رضی ہے تو میں رضی
 ہوں مگر میرا فائدہ ایمان پر کیا جاوے۔ بارے الحمد للہ کہ صبح کو وہ حالت بالکل رفع ہو گئی
 اور اس بجا ہوئے ادب پہلے سے زیادہ انوار بسط فرمائے ہیں، مگر جیسی اس وقت

میری جان پر گزری اسی مصیبت کبھی نہ دیکھی تھی مگر یہ عجب بات تھی کہ اس بے چینی اور
تمنائے خودکشی میں بھی لطف تھا۔ والسلام

تحقیق: مبارک مبارک یہ وہ حالت ہے کہ میری تمنائے متعلقین کے لئے
اس کے طاری ہونے کی بشرط البصیرة فالاستقلال ہو کرتی ہے اور اس کے
منافع اس قدر ہیں کہ احاطہ بیان میں نہیں آتے۔ مثلاً عجب و کبر کی جڑ کٹ جانا ہر وقت
استحضار اپنے محل تصرف قہر میں ہونے کا، وساوس و خطرات غیر اختیار یہ یعنی تصرفات
شیطانہ کی انتہا معلوم ہو کر جھجک نکل جانا جو کہ شرعاً عین مطلوب ہے اگر مرتے وقت
کسی کو ایسی حالت پیش آوے وہ طبعاً گھبرا جاوے اور خدا جلنے گھبراہٹ میں کیا کچھ
بیٹھے حالت حیات و علم میں اس کے پیش آجانے سے اس کا تحقق ہو جاتا ہے۔ اگر
وقت مرگ پیش آوے وہ کیفیت موثر نہیں ہوتی وغیر ذالک من المنافع و المصلح
سب کا خلاصہ فنا ہے اور اس کے بعد بسط ہوتا ہے وہ بھی بے نظیر ہوتا ہے
الحمد للہ! اس حالت کے منافع حق تعالیٰ نے مجھ کو بھی مشاہدہ کرائے ہیں تب
ہی سے اس کو حصول مقصود کے لئے مثل جزو و اخیر علت تامہ کے سمجھ رہا ہوں اور
اسی سے اپنے اجاب کے لئے اس کا تمنی ہوتا ہوں مگر مبارک باد دیتا ہوں۔

(تر بیت السالک حصہ دوم ص ۶۹۱)

علاج بعض اقسام قبض

سوال: اب کچھ اپنی تباہی کا حال بیان کرتا ہوں کہ سمع خراشی کے لئے معان
فرمایا جاؤں جس کا یقین کامل ہے۔ حضرت اب تو نہایت ابر حالت ہے۔ وظیفہ وغیرہ
سب ترک ہے اگر نسیم لے کر بیٹھا ہوں جی گھبراتا ہے۔ قید شہارہ تسبیح سے جی الجھتا
ہے تب خاموش بیٹھ جاتا ہوں اس میں البتہ کبھی کچھ عرصہ تک نیند یا کیا کہوں خبر نہیں

ہستی کہ کہاں ہوں اور کیا ہوں ہاں اتنا ضرور ہے کہ شغل اشغال قطعاً بند ہیں۔
 کہیں کہ دل الجھتا ہے لیکن ان کا نہ ہو ماہر دم سو ہاں روح ہے اور ایک بات یہ بھی
 کہتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے، کیونکہ خدا جلنے میں کیا کچھ سمجھتا ہوں اور ہو
 کچھ اندر، وہ یہ ہے کہ زیادہ اوقات میں اور کبھی کبھی ہر کام میں اور کبھی کبھی نہیں
 بھی دھیان اللہ کا دل میں رہتا ہے۔ اگر کچھ تسکین اس وقت ہے تو اسی سے ہے کہ
 اگر چیز بانی یا بقصد تسبیح کے ذکر نہیں کرتا ہوں، خیر یہ بھی غنیمت ہے کہ کبھی دھیان تو
 اپنے اللہ کا آجاتا ہے۔ پیشتر جو سوز و گداز اور غلبہ رہتا تھا اس کا پتہ بھی نہیں ہے۔
 اب زبانی کہ یہ کیا حالت واقع ہوئی اور کیا علاج کیا جاوے۔ اگر خدا نخواستہ کئی بات
 غلات ظہور میں آوے تو اللہ کو علم ہے کہ میری کیا حالت ہوگی۔ اللہ۔ صاف صاف جواب
 تحریر فرمائیے گا۔ ہرچہ بآباد اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمادیں۔ پیشتر اس قدر تسبیح
 پڑھتا تھا کہ تیس تیس ہزار تسبیح علاوہ نماز و نوافل کے روزمرہ ہو جاتی تھیں اور ایک ذوق
 تھا۔ اب قسمت سے میری یہ حالت واقع ہوئی۔ بہر حال اللہ کا شکر ہے پیشتر جوش و خروش
 ابتدا میں تھا اب ایک معمولی حالت ہو گئی ہے کوئی نئی بات نہیں معلوم ہوئی بلکہ پیشتر سے اپنے
 میں بدرجہا کمی معلوم ہوتی ہے میرے خیال میں پیشتر سے بعوض ترقی کے کمی ہوئی ہے اب
 آپ تحریر فرمائیے کیا ہے۔

مخفیہ عرض ہے کہ اب ذکر وغیرہ کچھ نہیں بن پڑتا ہے البتہ میرے خیال میں یہ معلوم
 ہوتا ہے کہ فکر کچھ ضرور ہے کیونکہ دل میں اللہ کی یاد کبھی کبھی ضرور رہتی ہے۔ یہ کمی اشغال و
 معمولات میں نہ معلوم کیوں ہو گئی براہ کرم مطلع فرمایا جاؤں۔

الجواب

مشفق۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کا حال اچھا خاصا ہے۔ عبادت کے مختلف
 طریقے ہیں فکر بھی عبادت ہے ذکر بلا قید عدد بھی عبادت ہے۔ اپنے کو ذلیل و خوار قاصر و

ناقص کھنا بھی عبادت ہے غرض مقصود ہر حال میں حاصل ہے ہاں مذموم حالت قدر میں ایک معصیت دوسرے غفلت۔ سو یہ بفضلہ تعالیٰ نہیں ہے۔ رہا غلبہ اور شوق یہ حالت عارضیہ میں ہے اس کا فقدان سالک کو مضر نہیں اور نہ یہ کیفیت بعینہ قائم و دائم رہ سکتی ہے جن حجابات کا آپ کو شبہ ہو گیا ہے وہ محض وہم ہے اور کچھ نہیں ہے۔ آپ بلا دلیل محض تقلید سے میری تحریر پر مطمئن رہتے اور اپنے کام میں سہولت اور راحت سے لگے رہتے پریشانی سے البتہ قلب ضعیف ہو جاتا ہے جس سے مضر ہونے کا احتمال ہے۔ غرض یہ کہ آپ مریض نہ علاج کے محتاج البتہ فن کے نہ جاننے سے اپنی صحت کی خبر نہیں، سو یہ خبر نہ ہونا کوئی ضرر کی بات نہیں۔ (ماخوذ از التلخیص ص ۱۶ و ۱۷)

حالتِ ہیبت و قبض

ارشاد: حالت قبض و ہیبت کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اس حال میں سالک یہ دیکھ کر پریشان ہوتا ہے کہ میرے لئے چاروں طرف سے راستے بند کر دیئے گئے ہیں چنانکہ اللہ تعالیٰ کی اس میں مصلحت ہوتی ہے کہ سب طرف سے مایوس ہو کر میری ہی طرف رجوع ہو اور اس سد باب سے مقصود اپنے سے محبوب کرنا نہیں ہوتا بلکہ شیطان بچا کر خود اپنی پناہ میں لینا مقصود ہوتا ہے جیسے ماں بچے کو کسی مکان میں مقید کر کے چاروں طرف کے دروازے بند کر دے کیونکہ باہر دیکھتا ہے تو بچہ گھبراتا ہے اور سخت پریشان ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ ماں نے میرے اوپر بڑا ظلم کیا لیکن اس نادان کو یہ خبر نہیں کہ ماں کا مقصود اس کو مجبوس کرنا نہیں بلکہ باہر جڑ بچھ پھیر رہا ہے اس سے بچانا اور اپنی پناہ میں لینا مقصود ہے۔ (اشرف السوانح)

آثارِ ہیبت

حال یہ ہے کہ جب سے حضور سے رخصت ہو کر چلا ہوں قلب پر ایک ہیبت ہستی
ہے روز افزوں ترقی پر ہے اور ہر فعل مجھے اپنا مخدوش اور اغراض نفسانی پر معلوم ہوتا ہے
مگر کوئی غرض متعین نہیں ہوتی اور اس قدر اپنی حالت حقیر معلوم ہوتی ہے کہ ہستی تو کیا معنی
بلکہ اس کے کسی فرد کا مصداق نہیں ہوں ۷

نہ ہونا ہائے کیا ہوگا ہمارا
کہ ہونے پر نہ ہونے کا لگاں ہے

یہاں تک کہ صفت بھی ہو چلا ہے اور شاید اس ہی میں گھل گھل کر مثل برف کے ختم ہو جاؤں
ہمارے اس کی سخت ضرورت ہے -

تحقیق : یہ ہیبت اور حرم مبارک اور رفیع حالات میں سے ہے اگر اس میں
ختم ہو جائے شہادت کبریٰ ہے مگر سنت کا تقضاً یہ ہے کہ جہاں تک اپنا علم اور قدرت
لام دے اعتدال اور تعدیل کو اپنا مستقر اصلی بنائے ہیبت کے ساتھ اس اور حرم اور
سوائے ظنِ بنفسہ کے ساتھ رجاء و رحمت اور فضل کے ساتھ بقا اور نیستی کے ساتھ ہستی اور
بالفعلی التواضع کے ساتھ شاہدہ نعمت کا اہتمام و استحضار کرے تاکہ ختم ہونے سے پہلے دوسرے
کا فائدہ درست کر سکے کیفیات مذکورہ سابقہ میں صاحب نسبت راستہ کو اضطراب کم ہوتا ہے۔

کیفیات اکثر سوچنے سے بڑھ جاتی ہیں تو ایسا سوچنا جو موجب حرمان ہو طریقی میں
مفہم بجا جاتا ہے حدیث کے یہی معنی ہیں **سَدِّدٌ وَاَوْقَارٌ بَوَّاءٌ وَاَسْتَقِيْمُوْا**
وَلَنْ يَّخْضَبُوْا وَاَمِنْ شَقٍّ شَقٍّ اَللّٰهُ عَلَیْهِ۔ اور حافظ شیرازی نے اس کے
معنی میں کہا ہے۔ ۷

دوش بامن گفت پنہاں رازداں تیز ہوش
 کز شا پنہاں نہ بنا یدہشت رازمے فر دوش
 گفت آساں گیر بر خود کار ہا کز روئے طبع

سخت مے گیر دجہاں بر مردمانِ سخت کوشش
 آپ کو اگر آثارِ ہدایت و سو وطن بنفسہ کا زیادہ غلبہ ہو اگر سے تو یہ سوچا کیجئے کہ بیش بری
 نیست کہ ہم ہر حالت میں ناقص اور عاصی ہیں تو خدا تعالیٰ کے یہاں جس طرح کا میں کی
 نجات ہوگی اسی طرح پر تائیں کی بھی ہوگی اگر صد نشین نہ ہوں گے تو صفِ نعال ہی ہیں
 جگہ مل رہے گی اگر ادبیت نہ ہوگی تو جوتیاں لگنے کے بعد ہی سہی بس یہ سمجھ کر جسٹے
 اللَّهُمَّ اصْلِحْ لِي كَمَا اسْتَلْحِقُ كِي كَثْرَتِ كَرْنِي حَسَابِي۔
 انشاء اللہ تعالیٰ مزاج درست ہو جائے گا اور اگر اس پر بھی یہ قبض غلوب نہ ہو تو بعد
 رمضان یہاں فوراً آجانا چاہئے۔ (تربیت السالک ص ۵۴۸۔ تربیۃ حصیہ پنجم ص ۱۱۵)

آخرت کی پریشانی کا علاج

حالت :- آج کئی دن سے میں بہت پریشان ہوں مجھے یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ میرا
 حشر میں انبیاء و علماء و صوفیاء و شہداء وغیرہ کا گردہ کھڑا ہو گا اور ہر ایک کو کسی خاص اعزاز سے
 ممتاز فرمایا جائے گا میں کس گنتی شمار میں ہوں گا۔ میرا تو کوئی عمل بھی ایسا نہیں کہ جس کا سہارا ہو
 اتنے بڑے دربار میں سخت پریشانی ہوگی۔ دربار رسالت میں بھی تو منہ دکھانے کے قابل نہیں اگر
 حضور نے جھڑک دیا کہ تو کیا میرا اتنی ہے کیا کام کر کے لایا ہے تو کیا ہو گا یہ خیالات کچھ ایسے
 جاگزیں ہو گئے ہیں کہ کسی وقت چین نہیں آتا۔ قلب پر ایک خاص قسم کی گھبراہٹ ہے۔
 مطاب میں بیماروں کو دیکھنا کیسا کسی سے بات کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ گھبراہٹ روز بروز
 بڑھتی جاتی ہے کوئی بات بتائیے کہ تسکین ہو جائے۔

تحقیق: اول تو یہ پریشانی نعمتِ عظمیٰ ہے۔ ہزاروں سکون اس پر نثار میں۔
 البتہ اس پریشانی سے طبعی کلفت ہوتی ہے جس پر ثواب بھی ملتا ہے لیکن حصول سکون کا طریقہ
 دراصل یہ ہے۔ استحضارِ رحمت جو عمل پر موقوف نہیں بلا عمل بھی رحمت ہوتی ہے، دردِ مرے
 کزنت دعا کزنت استغفار و کزنت درود شریف۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس سے یو مانو ما یہ
 پریشانی کم ہو جائے گی۔ (ترتیبِ سالک جلد دوم ص ۱۷۱)

امورِ اختیاری و غیرِ اختیاری

بجہ موانعِ طریق سلوک کے دو امر خاص ہیں جو اس قدر کثیر الوجود ہیں کہ شاید
 ہی کوئی سالک ان میں مبتلا ہونے سے بچا ہو بلکہ اہل علم بھی ان میں مبتلا ہیں ان میں
 سے ایک یہ ہے کہ بعض امور غیر اختیاریہ کی تحصیل کی فکر میں پڑ جاتے ہیں جیسے ذوق و
 شوق و استغراق و لذت و یکسوئی و دفعِ خطرات و سوزش و انجذاب و عشقِ طبعی و
 امثالہا اور ان امور کو ذکر و مشغل و مجاہدہ کے ثمرات سمجھ جاتے ہیں اور ان کے حاصل
 نہ ہونے کو حرمان سمجھتے ہیں اور دوسرا یہ ہے کہ بعض امور غیر اختیاریہ کے ازالہ کے ہتمام
 میں لگ جاتے ہیں، جیسے قبض و ہجوم، خطرات اور دل نہ لگنا، یا کسی آدمی یا مال
 کی طبعی محبت یا شہوت یا غضبِ طبعی کا غلبہ یا قلب میں رقت نہ ہونا یا رونا نہ آنا۔
 یا کسی دنیوی غم کا غلبہ یا کسی دنیوی خوف کا غلبہ و امثالہا اور ان امور کو طریق کے لئے مضر
 اور مفرد سے مانع سمجھتے ہیں اور ان کے زائل نہ ہونے کو موجبِ بعد عن اللہ سمجھتے ہیں،
 یہ ہیں وہ امور جن میں عام طور پر اہل سلوک مبتلا ہیں۔ اور امرِ مشترک

ان دونوں امور میں یہ امر ہے کہ امور غیر اختیار یہ کے درپے ہوتے ہیں تحصیل یا ازالہ اور امور غیر اختیار یہ کے درپے ہونا مثل ہے متعدد مفاسد پر ایک مفسدہ یہ ہے اور یہ اعتقادی مقدمہ ہے کہ درپردہ اس میں حق تعالیٰ کے ارشاد **لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا** کی مزاحمت ہے، کیونکہ جب یہ امور غیر اختیار یہ ہیں تو انسان کی دسح میں نہ ہوئے نہ تحصیلاً نہ ازالہ۔ کیونکہ قدرت صدیق مطلق ہوتی ہے تو جس چیز کی تحصیل اختیار میں نہیں اس کا ازالہ بھی اختیار میں نہیں پس جب یہ انسان کی دسح میں نہ ہوئے اور سالک نے ان کی تحصیل یا ازالہ کو موقوف علیہ مقصود مامور بہ کا سمجھا اور ظاہر ہے کہ مامور بہ کا موقوف علیہ مامور بہ ہوتا ہے تو اس نے ان امور کی تحصیل یا ازالہ کو مامور بہ سمجھا اور مامور بہ کے لئے دسح کا شرط ہونا نص سے ثابت ہے اور یہ دسح میں ہیں نہیں تو گو یا یہ معتقد ہو اس امر کا کہ مامور بہ کے لئے دسح شرط نہیں تو صریح مزاحمت ہوتی، ارشاد **لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا** اور یہ کتنی بڑی غلطی ہے دوسرا مفسدہ یہ ہے، یہ عملی مفسدہ ہے کہ جب یہ امور اختیار یہ نہیں تو کوشش کرنے سے نہ حاصل ہوں گے اور نہ زائل ہوں گے، اور یہ تحصیل و ازالہ کے لئے کوشش کرے گا جب کامیابی نہ ہوگی تو روز بروز پریشانی ہی بڑھے گی۔ پھر اس پریشانی کے یہ آثار متحمل ہیں :-

- ۱۔ اول۔ پریشانی کے آثار سے کبھی بیمار ہو جاتا ہے پھر بیماری میں بہت سے اولاد و طاعات سے محروم رہ جاتا ہے۔
- ۲۔ ثانی۔ پریشانی و غم کے غلبہ سے بعض اوقات اخلاق میں تنگی ہو جاتی ہے اور دوسروں کو اس سے اذیت پہنچتی ہے۔
- ۳۔ ثالث۔ غم و فکر کے غلبہ سے بعض اوقات اہل و عیال یا دیگر اہل حق کے حقوق میں کوتاہی ہونے لگتی ہے اور معصیت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

- ۴۔ رابع کبھی یہ پریشانی اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ مقصود سے مایوس ہو کر خود کشی کر لیتا ہے اور خسر الدنیا والا آخرہ کا مصداق بنتا ہے۔
- ۵۔ خامس۔ کبھی مایوس ہو کر اعمال و طاعات کو بے کار سمجھ کر سب چھوڑ بیٹھتا ہے اور بطلان و نطل محض کی نوبت پہنچ جاتی ہے۔
- ۶۔ سادس۔ کبھی شیخ سے بد اعتقاد ہو جاتا ہے کہ مقصود کا راستہ خود اپنی کو معلوم نہیں ہے۔
- ۷۔ سابع۔ کبھی حق تعالیٰ سے ناراض ہو جاتا ہے کہ ہم اتنی کوشش و مجاہدہ کر رہے ہیں مگر لابیالی ہی نہیں ہوتی، ذرا رحمت نہیں فرماتے۔ بالکل توجہ نہیں خدا جلنے وہ تمام وعدے کہاں گئے۔ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا اَللّٰهِ ادر من يقرب الی شبرا اتقرب الیه ذرا عا۔ الحدیث
- ترغوذ باللہ نصوص کی صریح تکذیب کرنے لگتا ہے۔ فتوٰۃ باللہ من الحمد بعد اللکوٰۃ (ماخوذ بوا در النوادر صفحہ ۷۹-۷۸)

اختیاری اور غیر اختیاری امور کی تفصیل

حضرت والا اس اختیاری اور غیر اختیاری کے مسئلہ کو دیگر عنوانات سے بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے مثلاً عقلی اور طبعی۔ اعمال اور احوال۔ افعال اور انفعال مقصود اور غیر مقصود۔ یہ کل پانچ عنوانات ہوئے لیکن ان سب کا معنوں ایک ہی ہے کہ انسان اختیاری امور کا مکلف ہے اور غیر اختیاری امور کا مکلف نہیں۔ حضرت والا ان پانچوں عنوانات سے دوران تربیت سالک بکثرت کام لیتے تھے اور ان کے ذریعے سالکین کی بڑی بڑی مشکلات کو حل فرماتے تھے۔ اب ان پانچوں عنوانات کے متعلق حضرت والا کے بعض ارشادات مختصر اور مثلاً پیش کئے جاتے ہیں مثلاً اختیاری اور غیر اختیاری کے متعلق فرمایا کرتے کہ دوسو سے لانا اختیاری ہے اس سے اجتناب کرے

اور دوسرے آنا غیر اختیاری ہے اس کی کچھ پروا نہ کرے۔ البتہ آئے ہوئے دوسروں کو اختیار باقی رکھنا بھی بوجہ اختیاری ہونے کے مذموم ہے۔ اسی طرح ذکر و تلاوت و نماز میں دل لگانا اختیاری ہے، دل لگانا غیر اختیاری ہے، اپنی طرف سے دل لگانے کے اسباب کو جمع کرے، پھر بھی اگر دل نہ لگے تو بے دل لگے ہی عمل کو بہ تکلف کرتا رہے۔ اسی طرح میلان الی المعاصی کا غم نہ کرے کیونکہ میلان غیر اختیاری ہے۔ البتہ اس میلان کے مقضا پر عمل کا صدور نہ ہونے دے جو اختیاری ہے محض میلان پر کوئی مواخذہ نہیں بلکہ عمل پر ہے۔

اور مثلاً عقلی اور طبعی کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ انسان عقلی امور کا مکلف ہے کیونکہ وہ اختیاری ہیں اور طبعی امور کا مکلف نہیں کیونکہ وہ غیر اختیاری ہیں۔ چنانچہ ایک طالب علم نے لکھا کہ پہلے کبھی صبح کی نماز قضا ہو جاتی تھی تو مجھ کو بہت رونا آتا تھا لیکن اب کچھ رنج نہیں ہوتا۔ دل پر سیاہی معلوم ہوتی ہے اس پر تحریر فرمایا کہ رنج طبعی مقصود نہیں رنج عقلی مقصود ہے وہ حاصل ہے چنانچہ رنج نہ ہونے پر افسوس ہونا یہ رنج عقلی کی علامت ہے۔

اور مثلاً اعمال اور احوال کے متعلق فرمایا کرتے۔ کہ اعمال مقصود ہیں احوال مقصود نہیں کیونکہ اعمال اختیاری ہیں، احوال اختیاری نہیں۔ اور مثلاً انعال اور انفعالات کے متعلق ایک صاحب فضل کو جو طریقی باطن کے متعلق حضرت والا سے خط و کتابت کر رہے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح ذوق و شوق حاصل ہو جائے، حضرت نے آخر میں قول مختتم اور خلاصہ کے طور پر تحریر فرمایا کہ اس طریقی میں انعال کا اعتبار ہے، انفعالات کا اعتبار نہیں لہذا انعال کا اہتمام چاہئے جو اختیار کا ہے انفعالات کے درپے نہ ہونا چاہئے جو غیر اختیاری ہیں۔ اور مثلاً شعبہ باطن میں مقصود اور غیر مقصود کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ مقصود

حالات ہیں یعنی اعمال اختیار یہ نہ کہ احوال غیر اختیار یہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ گو احوال محمودہ، محمود ہیں لیکن مقصود نہیں کیونکہ وہ اختیار ہی نہیں نہ ان کا حصول لازم نہ ان کا بقا دائم۔ اگر حاصل ہوں شکر کرے لیکن کمال نہ سمجھے، اگر نہ حاصل ہوں یا حاصل ہو کر زائل ہو جائیں تو غم نہ کرے۔ (اشرف السوانح حصہ دوم صفحہ ۲۰۳-۲۰۲)

بعض اوقات اختیاری اور غیر اختیاری میں فرق معلوم نہیں ہوتا

بال۔ ایک صاحب نے تحریر کیا۔ خیر اور باتوں میں مضائقہ نہ تھا لیکن ناز، تلاوت اور ذکر میں یہ حالت بڑی شرمناک ہوتی ہے۔ حدیث نفس کا مرض بھی بدستور بلکہ روز افزوں ہے۔ وہ بھی ناز وغیرہ کسی حالت میں بچھا نہیں چھوڑتا۔ اس حد تک کہ فیصلہ میرے لئے مشکل ہو گیا۔ کہ ان باتوں کو کہاں تک میں اپنے لئے اختیار ہی سمجھوں۔ اور کہاں تک غیر اختیاری۔ بعض وقت خیال ہوتا ہے کہ بالکل اختیار سے باہر ہیں اور بعض وقت معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات عزم سے دور ہو سکتی ہے مگر یہ عزم ناکامی پر ختم ہو جاتا ہے۔

تحقیق۔ اتنی کاوش کا بعد مکلف بھی نہیں۔ معتدل فکر سے جو چیز اختیاری معلوم ہو مقاومت کرے، جب عاجز یا کالوا عاجز ہو جاوے تو دونوں احتمالوں کا حق ادا کرے، غیر اختیاری ہونے کے احتمال پر تو صبر کرے کہ مجاہدہ ہے اور اختیاری ہونے کے احتمال پر استغفار اور دعائے ہمت و قوت کرے اور اس کی نظیر فقہیات میں ماء مشکوک سے رضو کے ساتھ تیمم جمع کرنا ہے اس میں سب احکام کی رعایت ہو جائے اور کاوش کے فلو سے اگر ایک درجہ میں منہی عنہ بھی ہے اور موجب تشویش بھی ہے مضمون ظہر ہے گا۔ کما قال علیہ السلام مَنْ شَاقَّ شَأْنََ اللَّهِ وَكَانَ الْحَافِظُ۔ ترجمہ بقولہ ۔

گفت آسان گیر بخود کار ہا کر روئے طبع

سخت می گیر دجہاں ہر مردان سخت کوشش
(ترتیب السالک جلد دوم)

خیر الاختیاری فی خبر الاختیار

فرمایا ایک صاحب نے خط میں یہ شکایت لکھی ہے کہ جو جمعیت قلب حضرت دالاکہ خدمت بابرکت سے لے کر آیا تھا وہ یہاں آکر رفتہ رفتہ رخصت ہو گئی۔ فرمایا میں نے جواب لکھا ہے کہ اگر یہ کیفیت رخصت ہو گئی تو ضرر کیا ہو کیونکہ کیفیت مقصود ہی نہیں، حاضرین مجلس میں سے ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ضرر تو ہوا ہے۔ فرمایا کیا ضرر ہوا ہے؟ کیا گیا ایک چیز نصب ہوئی تھی وہ جاتی رہی۔ فرمایا اس کی کیا دلیل ہے کہ وہ چیز اس کے لئے نافع ہی تھی ممکن ہے کہ وہ مضر ہوتی۔ حق تعالیٰ ہی مفید اور مضر کو خوب جانتے ہیں اور اس کو بھی کہ بندہ کے لئے کس وقت کیا مناسب ہے لوگ تو کیفیات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، اور لذت کے طالب ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ مزے سے اعمال میں سہولت پیدا ہو جاتی ہے تو میں کہتا ہوں کہ سہولت ہی کی کیوں طلب ہے کیا انسان دنیا میں سہولتوں کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا اور یہ طالب ہے سہولت کا۔ الغرض اس غم میں ہی نہ پڑنا چاہئے۔ اپنے کام میں لگے رہنا چاہئے کیونکہ اس غم میں پڑنا کہ وہ حالت نہیں رہی، یہ حالت نہیں رہی ظالم کیفیت جاتی رہی۔ یہ سب قلب کا برباد کرنا ہے آخر یہ توجہ مخلوق کی طرف نہیں تو اور کس کی طرف ہے۔ اس وقت جو سوال کیا گیا ہے اس میں بھی عنوان تو اچھا اختیار کیا گیا ہے مگر ہے نفس کا کیدہ کہ راحت و سہولت کا طالب ہے اور شیطان بھی اس طرف مشغول رکھ کر توجہ بخیر سے غافل رکھنا چاہتا ہے۔

ایک باریک بات کہتا ہوں اس کی طرف کم التفات ہوتا ہے وہ یہ کہ اگر جمعیت قلب ہی کی طلب ہے تو اس کی فکر میں ہر وقت رہنا کہ جمعیت میسر ہو خود جمعیت کے بالکل منافی ہے جب یہ فکر رہی تو جمعیت کہاں رہی اور نہ اس صورت سے قیامت تک جمعیت میسر ہو سکتی

جمیعت جب ہی ہو سکتی ہے کہ قلب کو اس کی تحصیل سے خالی کر لے۔ سوج اور فکر ہی میں نہ
 پڑے اور نہ ہر وقت یہ فکر کہ جمیعت میسر ہو خود ایسی چیز ہے کہ اگر کچھ جمیعت نصب بھی ہوئی ہے
 تو یہی فکر کر کے یہ اپنے ہاتھ سے خود اس کو برباد کر رہا ہے ایسا کرنا بالکل اس شعر کے مصداق ہے
 یکے برس شاخ دہن سے برباد

خداوندستان نگاہ کرد و دید

جس شاخ پر بیٹھا ہے اسی کو اپنے ہاتھ سے کاٹ رہا ہے اس طرح یہ لوگ اپنے ہاتھوں قلب
 کو سنوٹ کر رہے ہیں اور سنوٹش رہنے کی یہی وجہ ہے کہ غیر اضیاری چیزوں کے پچھے پڑے
 ہوئے ہیں۔ جمیعت نہ ہونے کے سبب ناز میں بھی لوگوں کو وسوسہ آتے ہیں اور اکثر ان کی شکا
 کیا کرتے ہیں اور دفع کی تدابیر پوچھا کرتے ہیں۔ میں کہا کرتا ہوں کہ اس طرف خیال ہی مت کر دو۔
 انفات ہی مت کر دو۔ بلکہ ایسے موقع پر مفید صورت یہی ہے کہ اپنے کام میں لگے رہیں ان وسوسوں
 کی طرف انفات ہی نہ کریں نہ جلبانہ سلبا کیونکہ یہ انفات ایسا ہے جیسے بجلی کے تار کو
 ہاتھ لگانا کہ چلے دفع کے واسطے ہو چلا ہے اپنی طرف کھینچنے کے واسطے ہو، ہر صورت میں
 وہ پکڑ لیتا ہے اور میں کہتا ہوں وسوسہ کی نکر ہی کیوں ہے، قلب تو مثل ایک مٹرک کے ہے اگر
 مٹرک پر بھنگی چار چل رہے ہیں اور آپ بھی اس پر سے گزر رہے ہیں تو آپ کا حرج ہی کیا ہے
 اگر مٹرک کے خالی ہونے کے انتظار میں آپ کھڑے رہیں تو کبھی بھی منزل مقصود تک نہ پہنچ
 سکیں گے البتہ بادشاہ کے لئے تو مٹرک خالی بھی ہو سکتی ہے مگر ہر شخص بادشاہ نہیں۔ افسوس
 اب تو ہر شخص بادشاہ بننا چاہتا ہے کہ جیسے ان کے لئے مٹرک ردی جاتی ہے ایسے ہی ہمارے
 لئے بھی سب گزرنے والوں سے مٹرک خالی کر دی جائے، ارے بھائی پہلے بادشاہ کے درجے
 کے تو ہو جاؤ پھر یہ تمنا کرنا جو بادشاہ کے درجے کے ہو جلتے ہیں ان کے لئے مٹرک
 بھی صاف کر دی جاتی ہے۔ لوگ وسوسہ کو حضور قلب میں مغل سمجھتے ہیں لیکن میں کہتا ہوں
 کہ خود حضور قلب ہی مقصود نہیں، صرف احضار قلب مقصود ہے۔ حضور ہو یا نہ ہو ہم اس کے

شرعاً مکلف ہی نہیں پھر شرع پر زیادت چہ معنی ۷
 بڑھو دوسرے کوشش و صدق و صفا
 ولیکن میفرمائے ہر مصطفیٰ

معلوم بھی ہے جیسے عقاید و اعمال کی زیادت علی الحدود بدعت ہے ایسے ہی احوال کی
 زیادت بھی بدعت ہے یہ ظاہری آدہ باطنی غیر اختیاری امور کا مطلوب نہ ہونا اور اختیار کا
 کا مطلوب ہونا تو نص قطعی سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ
 بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا
 اكْتَسَبْنَ وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ط (النساء)
 ترجمہ :- اور تم ایسے امر کی تمنائمت کیا کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں
 پر فوقیت بخشی ہے۔ مردوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور عورتوں کے
 لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی درخواست
 کیا کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

تفسیر میں اس کی شان نزول یہی لکھی ہے کہ مجاہدین کے اجر جہاد کو جناب
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ کاش
 ہم بھی مرد ہوتے تو جہاد کرتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ چوںکہ بمقابلہ کتاب واقع ہوا ہے اس لئے اس سے مراد
 امور غیر اختیار یہ ہیں آیت کا حاصل یہ ہوا کہ فضائل دو قسم کے ہیں موہو بہ یعنی غیر
 اختیار یہ اور مکتبہ یعنی اختیار یہ۔ حق تعالیٰ نے وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ
 میں غیر اختیاری کی تمنائمت سے نہیں فرمادی ہے اور لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا الخ
 میں اختیاری کے کتاب کی ترغیب دی ہے پھر وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ میں اس
 کی اجازت دی ہے کہ اگر فضائل غیر اختیار یہ کہ دل ہی چاہے تو بجائے درپے ہونے اور

ہوس کرنے کے اس کی دعا کر لیا کر داس لئے ارشاد فرماتے ہیں **وَاسْتَشَلُّوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهِ** یعنی ثمرات و فضائل کے لئے دعا کرنے کا اذن فرمایا ہے بشرطیکہ اور کوئی امر مانع دعا نہ ہو مثلاً کسی امر کا غیر عادی ہونا جیسے عورت کا مرد بن جانا پھر دعا کر کے بھی حصول کا منتظر نہ رہنا چاہئے اس سے بھی پریشانی ہوتی ہے بلکہ یہ سمجھ لینا چاہئے کہ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا** پس اس میں تعلیم ہے کہ حق تولنے ہی کو مصلحت اور حکمت معلوم ہے وہ ہر ایک کی استعداد کے موافق فضائل و ثمرات خود عطا فرماتے ہیں کبھی دعائے کبھی بغیر عمل کے تم ایسی غیر اختیاری چیز کی ہوس مت کرو اور نہ ان کی افراط کے ساتھ تمنا کرو۔ اور آج کل اکثر لوگوں نے ایسی ہی چیزوں کی تمنا کو اختیار کر رکھا ہے جن کے حصول کے درپے ہونے سے منع کیا گیا ہے یہی سبب ہے زیادہ تر لوگوں کی ناکامی و پریشانی کا۔

ایک مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت بلا قصد اگر کچھ لے گناہ یاد آجائیں تو اس رت کیا کرنا چاہئے۔ فرمایا کہ تو بہ خالص و کامل کر چکنے کے بعد دوام کی ضرورت ہے ایک تو یہ کہ خدا ان گناہوں کا قصداً استحضار نہ کرے جو ماضی میں گزر چکے ہیں اور جن سے توبہ کر چکا ہے۔ اور دوسرے آئندہ کے نہ ہونے کی فکر میں نہ پڑے ماضی کا غم اور مستقبل کی فکر یہ دونوں حجاب ہیں اسی کو مولانا فرماتے ہیں ۔

ماضی و مستقبل پر وہ خدامت

غلام یہ کہ قصداً گناہوں کا استحضار نہ کرنا چاہئے اس سے بندے اور خدا کے درمیان حجاب ہو جاتا ہے البتہ جو گناہ بلا قصد یاد آجائے اس پر مکرر استغفار کر کے پھر اپنے کام میں لگ جائے زیادہ کاوش نہ کرے البتہ اگر کسی کو استحضار سے بھی کیفیت حجاب کی نہ ہوتی ہو اس کے لئے مضر نہیں مگر پھر بھی مبالغہ اور غلو نہ کرے۔

پھر انہی مولوی صاحب نے حدیث کی اس دعا کا مطلب دریافت کیا :-

اللّٰهُمَّ اجْعَلْ وَسْوَءَ اَوْسَ قَلْبِيْ حَسْبِيْكَ وَذِكْرَكَ وَاجْعَلْ هِمَّتِيْ وَهَوَايَ

فِي مَا نُحِبُّ وَتَوَضُّعًا فَرَمَا اس کے تین معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ بچائے دساوس کے
 خشیت و ذکر قلب میں پیدا ہو جائے اور جَعَلَ ایسا ہوگا جیسا ایک حدیث میں ہے ،
 مَا جَعَلَ الْكُفْرَ هَمًّا وَاحِدًا اَيْنِی پہلی چیز زائل ہو جائے اور دوسری
 پیدا ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ دساوس ذریعہ خشیت و ذکر کا بن جائیں جیسا حضرت
 حاجی صاحب رتہ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ دساوس کو مرآة جمال خداوندی بنائے،
 اس طرح سے کہ جب دساوس بندہ ہوں تو یہ مراقبہ کرے کہ اللہ اکبر قلب رہی کیسا بنایا
 ہے کہ اس کے خیالات کی انتہا ہی نہیں ہیں اس صنعت کے مراقبہ میں لگ جاوے۔
 تیسرے یہ کہ حق تولدے کو یہ بھی قدرت ہے کہ خود دساوس ہی کو خشیت و ذکر کر دیں جیسا کہ
 مولانا فرماتے ہیں ۔

کیمیاداری کہ تبدیلیش کنی گرچہ جوئے خون بود نیش کنی
 این چنین میناگر بہا کارست این چنین اکسیر باز اسرارست

پس توجہ و سوسہ آئے ہمت سے اپنے قلب کو بہ تکلف دوسری طرف متوجہ کر دے
 اور بالکل نکل جانا تو مطلوب نہیں اگر آدمی بچنا چاہے اور ہمت اور قوت سے کام لے
 تو خدا مدد کرتا ہے۔ رفتہ رفتہ دسو سے بالکل ہی نکل جاتے ہیں اور اگر نہ بھی نکلیں تو کلفت
 برداشت کرے۔ اگر خدا خواستہ کوئی مرض عمر بھر کو لگ جائے تو وہاں کیا کر دے۔ عمر بھر
 تکلیف کو طوعاً و کرہاً برداشت ہی کرنا پڑے گا۔ یہاں بھی یہی کرو اور اگر اس پر راضی
 نہیں تو کوئی دوسرا خدا تلاش کرو۔ حضرت سرمدؒ نے خوب فیصلہ فرمایا ہے ۔

سرمد گلہ اختصار سے باید کرد یک کار ازین دو کار سے باید کرد
 یا تن برضائے دوست سے باید داد یا قطع زطر ز یار سے باید کرد

میں کسی کو سعی و کوشش سے اور اپنی اصلاح کی فکر سے منع نہیں کرتا باں غلو سے منع کرتا ہوں
 نہ تو غلو ہونے غلو ہو بلکہ غلو ہو اور اگر کسی کو سوس ہوتی ہو کہ عارفین کو عبادات میں کیا لطف

منے آتے ہوں گے چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جُعِلَتْ قُرَّةُ
 غَيْبِي الصَّلَاةُ نَازِمِي آنکھ کی ٹھنڈک ہے، تو خوب سمجھ لیجئے کہ جہاں ان کے لئے
 لذت اور مزہ ہے وہاں ایک شے اور بھی ہوتی ہے جو سارے مزدوں کو ملیا میٹ کر دیتی ہے
 وہ ہیبت اور خشیت ہے کہ جس سے سارا مزہ گرد ہو جاتا ہے۔ خود جناب رسول اکرم صلی اللہ
 علیہ وسلم کی نماز میں یہ حالت ہوتی تھی کہ "أَزْيِرُكَ أَرْزِيرُ الْمَرْجَلِ" یعنی نماز میں
 جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک فرمایا ہے آپ کے سینہ مبارک
 کی بوجہ غلبہ خوف و خشیت کے ایسی حالت ہوتی تھی جیسے کوئی ہانڈی چولھے پر چڑھی ہوئی ہو
 اور اس میں ابال کی وجہ سے کھد بکھد بد آواز آرہی ہو۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم تہمت نہیں
 زبانا کرنے تھے اور دائم الفکر رہا کرتے تھے تو جناب آپ کو کیا خبر کہ جن کو آپ سمجھتے ہیں کہ بڑے
 مزے میں ہوں گے ان پر کیا گذرتی رہتی ہے ہی کو ایک عارف فرماتے ہیں :-

اے ترافارے بہ پانٹا کتے کئے دانی کہ چیت

حال شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خو رند

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصود تو ہیبت و خشیت ہی کا الفاظ کرنا ہے اور مزہ
 اور اسلئے دے دیتے ہیں کہ ہیبت و خشیت کا تحمل ہو سکے اسی کو فرماتے ہیں :-

گر تو ہستی طالب حق مرد را در خواہ در خواہ و در خواہ و در خواہ

اردو کا بھی ایک شعر اسی کو ظاہر کرتا ہے :-

در ددل کے واسطے پیدا کیا انسان کو

ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرو بیاں

مجھ لیجئے کہ لذت مقصود نہیں، مقصود خوف و خشیت ہی ہے، لیکن لذت اس لئے دے دی
 جاتی ہے کہ خشیت کا سہارا ہو سکے۔ پھر بھی غلبہ خشیت ہی کا رہتا ہے۔ اور کیوں نہ ہو بندہ
 پہلی ہی اس واسطے ہوا ہے کہ وہ اس کشمکش میں رہے، ورنہ عالم ارواح ہی سے آنے کی کیا

ضرورت تھی۔ اس امتحان ہی کے لئے تو یہاں بھیجے گئے ہیں اور یہی تو حکمتِ روح کو جس کے ساتھ تعلق کرنے میں ہے، جب تک جس کے ساتھ روح کا تعلق ہے یہی کشاکش رہے گی اس سے چھٹکارے کی تمنا ہی کرنا فضول ہے۔ انسان اس کشاکش ہی کے لئے تو پیدا کیا گیا ہے اور عبادت کے لئے فرشتے کیا کچھ کہتے تھے۔ شاہِ نیاز اسی کو کہتے ہیں ۔

کیا ہی چینِ خوابِ عدم میں تھا، نہ تھا زلفِ یار کا کچھ خیال
سو جگا کے شورِ ظہور نے مجھے کس بلا میں پھنسا دیا
مجزوب کا قول ہے ۔

کہاں تھا کون تھا اور اب کہاں ہوں کیا ہوں میں
اس آب و گل کے جو دلدل میں آ پھنسا ہوں میں
تھے کہاں گردشِ تقدیر کہاں لائی ہے
بادہ بیانی تھی یا باد یہ پیمائی ہے

یہ بند ہے مگر خدا بن کر رہنا چاہتا ہے کہ جو میرا جی چاہے وہ ہو۔ بس حقیقت یہ ہے کہ لڑنے مقصود ہی نہیں، مقصود نصب و نصب ہے اسی واسطے حضراتِ انبیاء علیہم السلام بھی اس سے خالی نہ رہے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بخار میں شدت ہوئی تاکہ ثوابِ مضاعفہ نہ اگر یہ کوئی چیز مقصود نہ تھی تو انبیاء علیہم السلام بالخصوص ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے کیوں بری نہ رہے، مولانا فرماتے ہیں ۔

زاں بلا ہا کا نبیاء برداشتند سر بہ چرخِ مغتیبین افزاشتند
خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً الْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ
فَاْلَاَمْثَلُ دیکھے اَشَدُّ بَلَاءً فَرِيًّا اَكْثَرُ دَاخَةَ نہیں فرمایا اور دوسروں
کی طرف سے تو ہم کو بالکل مطمئن فرما دیا گیا ہے۔ حضراتِ صحابہ سے بڑھ کر تو ہم نہیں ہو سکتے
اسی حضرات کو بھی ایسے ایسے دوسرے آتے تھے کہ جن کے بارے میں انہوں نے اس عنوان سے

حضور میں عرض کیا کہ ان کو ظاہر کرنے سے جل کر کڑکھ ہو جانا سہل ہے تو دیکھئے ان حضرات
 وہی کیسے کیسے خونخاک دسو سے آتے تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاداً
 فرمایا اذک صریح الايمان ظاہر ہے کفر کے دسو سے بڑا دسو نہ کوئی نہیں
 ہو سکتا اس کا بھی یہی حکم ہے اور جیب اس قسم کے دساؤں کا قلب میں هجوم ہو تو وہی
 نغمہ ہستمال کرے کہ اپنے خیالات کو کسی دوسری طرف متوجہ کر دے خواہ کسی دنیا ہی کی چیز
 کی طرف مثلاً گاجر کا حلوا۔ شلیم کا اجارا اور اس کے اوزان اور ترتیب میں طب کو مشغول
 کر دے۔ اس طرح قلب کو متوجہ کرنے میں چند روز تو تعب ہوگا مگر پھر انشاء اللہ تعالیٰ
 بڑی سہولت سے دساؤں کی ممانعت پر قدرت ہو جائے گی آخر میں بطور تحدت بالنعمة
 کے فرمایا کہ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ مجھ کو تو ہر الجھن میں سیدھا راستہ نظر آجاتا ہے اللہ تعالیٰ
 کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ طریق کے سمجھنے میں اب کوئی پیچیدگی نہیں رہی۔ (ترتیب السالك حصہ ۴)

حالات محمود اور غیر محمود کا معیار

سوال: ایک صاحب جنہوں نے اپنے مختلف احوال باطن تحریر کئے، ان کے
 جواب میں ارشاد فرمایا۔

تحقیق: مجموعی حالات سب محمود ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے اچھے حالات عطا
 فرمادے بس صرف یہ قاعدہ ہمیشہ قابل استحضار ہے کہ جو احوال غیر اختیار یہ ظاہر محمود
 ہوں مگر اعمال اختیار یہ شریعت پر منطبق نہ ہوں وہ احوال غیر محمود ہیں، اور جو احوال غیر
 اختیار یہ ظاہر غیر محمود ہوں مگر اعمال اختیار یہ شریعت پر منطبق ہوں وہ احوال محمود ہیں
 احوال کو ہمیشہ اس معیار پر جانچنا ضروری ہے۔ ان سطروں میں تمام احوال و قوہ خط کا
 فیصلہ ہے، باقی دعا کرتا ہوں اور دعا چاہتا ہوں۔ والسلام۔ (ترتیب السالك حصہ دوم ص ۲۳۱)

غیر اختیاری امور مضر نہیں ہیں

حال: متعارف ذکر و مشغل سے بالکل مناسبت نہیں معلوم ہوتی ہے ۱۶-۱۷ سال ہو رہے ہیں پہلے پاس انفاس کی مشق کرتا رہا۔ پھر اللہ اللہ کا ذکر قلبی کیا۔ پھر حضرت والکے ارشاد کے مطابق تہجد کے بعد نصف گھنٹہ کلمہ طیبہ کا ذکر کرتا رہا جو بحوالہ اللہ جاری ہے لیکن کچھ ایسی وحشت و گرائی رہتی ہے کہ پہلو بدل بدل کر اور گھڑی دیکھ دیکھ کر مشکل ۲۰ منٹ پورے کرتا ہوں دل بالکل متوجہ نہیں ہوتا زور لگا کر منٹ دو منٹ متوجہ رہتا ہوں پھر وہی بے توجہی عود کرتی ہے۔

تحقیق: استعداد کے اختلاف سے ایسے حالات جو غیر اختیاری ہوں مختلف ہوتے ہیں جن میں سے کوئی حالت ذرا بھی مضر نہیں بشرطیکہ ماقبل کے حالات پر نیک اور اعتراض نہ ہو اگر خدا نخواستہ یہ ہوتا بہت خطرناک ہے یہ شرط اہل طریق کے کلام میں مصرح ہے اور ایک شرط قواعد سے میرے ذوق میں ہے وہ یہ کہ پیش آمدہ حالات پر شکایت و ناشکری و بے قدری نہ ہو کہ یہ بھی مضر ہے گو پہلے ضرر سے کہ ہے کیونکہ اس شکایت کا منشا تواضع و انکسار ہے اور پہلے کا منشا دعویٰ و استکبار ہے لیکن بعد عن الحقیقتہ دونوں میں مشترک ہے۔ بہر حال غیر اختیاری ہونے کی وجہ سے اصلاً مضر نہیں لہذا اس کی تدبیر کی تصدی حدود سے تعدی ہے البتہ اس کے مقابل کو نافع سمجھ کر دعا و کرنا یہ افتقار ہے جیسے مرض غیر اختیاری کے مقابل صحت کی دعا ماذون فیہ ہے لیکن عدم اجتناب پر دونوں میں رضی رہنا عبدیت ہے رَهْذًا مِنْ سَوَاحِجِ الْوَقْتِ وَهَبْ لِي رَبِّي هَذِهِ السَّاعَةَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ (ترجمت السالک حصہ دوم ص ۳۷۸)

امر غیر اختیاری پر شبہ کا جواب

حال :- ایک اجازت یافتہ نے خط میں اپنا واقعہ کہ کسی جگہ جانا ہوا اور احتمال تھا کہ وہ لوگ امانت یا وعظ کی درخواست کریں گے مگر ایسا نہیں ہوا جز ناگوار ہوا اور اس سے شبہ ہوا کہ یہ اثر ان نفس و حجب جاہ اور کبر کا مجموعہ ہے، اس پر استغفار کیا مگر اس کا اثر پورے طور سے زائل نہیں ہوا جو دلیل ہے حجب جاہ کی۔ یہاں سے جواب دیا گیا کہ یہ غیر اختیاری ہونے کی وجہ سے مذموم نہیں اس پر ذیل کا خط آیا۔

حال :- ایک شبہ عرض کر کے تشفی چاہتا ہوں وہ یہ کہ حنات غیر اختیاری فی ذاتہا کہ مطلوب نہیں علیٰ ہذا استیثات غیر اختیاریہ فی نفسہا مذموم نہیں مگر ان امور غیر اختیاریہ کے مناشی بوساطت فریبہ یا بعیدہ ضرور اختیاری ہوتے ہوں گے جن پر امور غیر اختیاریہ کا ترتیب قریب یا بعید ہوا ہے وہ مناشی مطلوب یا مذموم ہوں گے تو بناءً علیہ ہر غیر اختیاری مرحج کوئی نہ کوئی امر اختیاری ہو جو قابل طلب یا قابل دفع ہوا۔ اور اس کی تشخیص و تعیین اولاد علاج ثانیاً رائے شیخ پر موقوف ہے لہذا ہر غیر اختیاری کی شیخ کو اطلاع دیکر علاج طلب کرنا ضروری ہوا و ہذا اخلاف المتقدر عند المحققین تحقیق :- بالکل غلط مثلاً جس انقباض کی شکایت لکھی تھی اور اس کا اثر زائل نہیں ہوا تھا اس کا مرجع کونسا امر اختیاری ہے غیر اختیاری تو وہی ہے جو نہ بلا واسطہ اختیاری ہو نہ بواسطہ ہوا۔ اختیاری کہ نہیں ہیں ایک اختیاری بلا واسطہ و ہذا اقلیل اور دوسری اختیاری بواسطہ و ہذا اکثر فی ایسا گمان ہوتا ہے کہ سوال کرتے وقت کوئی فرد اختیاری کی (جو بلا واسطہ غیر اختیاری ہے اور بواسطہ اختیاری) ذہن میں آئی ہے اور اس کے بالذات غیر اختیاری ہونے پر نظر کر کے اس کو غیر اختیاری قرار دیدیا گیا ہے پھر اس کے منشا کے اختیاری ہونے پر نظر کر کے اشکال وار دکر دیا گیا۔ خود ہی غلطی ہے اور بہت سنی غلطی ہے جس کا نہ سمجھنا تعجب ہے۔ (تر بیت السالک حصہ دوم ص ۳۱۵)

ملفوظ تہمیل طریق سلوک ملقبہ

السبیل لعابری السبیل

ایک مجلس میں عرض کیا گیا کہ حضرت جو فرمایا کرتے ہیں کہ اعمال مامور بہا سب اختیار ہیں اور اختیاری امور میں کوتاہی کا علاج بجز ہمت اور استعمال اختیار کے اور کچھ نہیں تو یہ تو بظاہر بہت معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے پھر طریق میں اہمیت ہی کیا رہی؟ فرمایا کہ ہے تو یہ معمولی اور موٹی بات لیکن لوگوں کا اس جانب التفات نہیں حالانکہ اسی پر دار و مدار ہے تمام اصلاحات کا اور یہی ہے اصل علاج تمام کوتاہیوں کا۔ عرض کیا گیا کہ جب آدمی باوجود کوشش کے اپنی اصلاح سے عاجز ہو جاتا ہے تب ہی تو اس کی تدابیر اور معالجات چھپتے ہیں تو اس سے بھی کہہ دینا کہ ہمت اور اختیار سے کام لو کیونکہ کافی ہو سکتا ہے کیونکہ ہمت اور استعمال اختیار کی اُسے توفیق ہی نہیں ہوتی فرمایا کہ دیکھنا یہ ہے کہ وہ استعمال پر قادر ہے تو ہمت کر کے اختیار کا استعمال کرے، جب اختیار کا استعمال کرے گا تو کامیابی لازم ہے ناکامی کی کوئی صورت ہی نہیں البتہ دشواری اور کلفت ضرور ہے، عرض کیا گیا کہ واقعی قدرت اور اختیار کا توازن کار نہیں کیا جاسکتا لیکن جب دشواری اور کلفت کی وجہ سے اس کے استعمال ہی کی نوبت نہ آتی تو وہ اختیار مفید ہی کیا ہوا کیونکہ نتیجہ تو وہی ہوا جو عدم اختیار کی صورت میں ہوتا ہے یعنی عدم صدور اعمال فرمایا کہ جب علاج پوچھا جائے گا تب تو وہی بتایا جائے گا جو دراصل علاج ہے، رہی خود اس علاج کے حصول کی دشواری سو جب اس کے متعلق سوال کیا جاوے گا اس وقت اس کا حجاب دیا جائے گا۔

عرض کیا گیا کہ اب سوال کیا جاتا ہے اس استفسار پر، فرمایا کہ اختیاری امور میں کوتاہی کا علاج بجز ہمت اور استعمال اختیار کے اور کچھ نہیں البتہ اس استعمال اختیار میں کلفت اور دشواری ضرور ہوتی ہے۔ سو اس کا علاج بھی یہی ہے کہ باوجود کلفت کے ہمت اور اختیار سے برابر یہ تکلف اور بوجہ کام لیتا رہے، رفتہ رفتہ وہ کلفت تبدیل بہ سہولت ہو جائے گی ساری ریاضت اور سارے مجاہدے بس اس لئے کئے جاتے ہیں کہ اختیار امر اور اجتناب نہ اسی میں سہولت پیدا ہو جائے میں تو کہا کرتا ہوں کہ خلوص اور ہمت بس یہ دو چیزیں حاصل ہیں۔ سارے تصوف کا اور ساری پیری مریدی کا، کیونکہ اگر ہمت نہ ہوگی تو عمل ہی نہ ہوگا اور اگر خلوص ہی نہ ہو تو عمل ناقص ہوگا۔ اگر ان دو کو جمع کر لیا جائے تو پھر شیخ کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ شیخ بھی بس انہی دو چیزوں کی تعلیم کرتا ہے۔ رفع کلفت اور تحصیل سہولت کا جو طریق ارشاد فرمایا کہ بہ کلفت ہمت اور اختیار سے کام لیتا ہے رفتہ رفتہ سہولت ہونے لگے گی۔ اس کے ضمن میں یہ بھی فرمایا کہ ہر کام شروع میں مشکل ہوتا ہے مگر کرتے کرتے مشق ہو جاتی ہے اور پھر نہایت سہولت کے ساتھ ہونے لگتا ہے جیسے سبق شروع میں دشوار ہوتا ہے مگر رٹتے رٹتے یاد ہو جاتا ہے۔ اگر شروع کی کلفت اور تعب کو دیکھ کر ہمت ہار دی تو پھر کوئی صورت ہی کامیابی کی نہیں اور اگر برداشت کر لی تو چند روز کے بعد دیکھے گا کہ سہولت کے ساتھ وہ عمل ہونے لگے گا۔

چند روز سے جہد کن باقی بخند

جب حضرت یہ بیان فرما رہے تھے کہ اخلاص و ہمت ہی خلاصہ میں تصوف کا تو ایک صاحب نے عرض کیا کہ کیا اخلاص بھی اختیاری ہے فرمایا اور اختیاری کیوں نہ ہوتا، کیا گھس لا خلاص رکھنا اختیار میں نہیں۔ اس میں چربی نہ ملائے، تیل نہ ملائے، پس وہ گھی بقول عزم (ظرافت کے لہجے میں) نخالص ہے یعنی خالص ہے اور عبادت کے خالص رکھنے

ہی کو اخلاص کہتے ہیں۔

عرض کیا گیا کہ شیخ کی دعاء و برکت کو بھی بہت بڑا دخل ہے! اصلاح میں فرمایا کہ برکت کا انکار نہیں مگر اس کا درجہ بھی تو متعین کرنا چاہئے اس کا مرتبہ صرف ایسا ہے جیسا عرف سونف کا مرتبہ مسہل میں کہ اس سے اعانت ضرور ہوتی ہے مسہل میں مگر کیا محض عرق سونف بغیر مسہل کے کارآمد ہو سکتا ہے اور مسہل کا کام دے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں عرض کیا گیا کہ اس کا تو مشاہدہ ہے کہ شیخ کی دعاء توجہ کی برکت سے بہت کچھ تغیر اپنی حالت میں محسوس ہونے لگتا ہے۔ فرمایا کہ مسہل میں ادھر عرق سونف پیا ادھر دھڑا دھڑا دست آنے شروع ہو گئے تو کیا اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ اکیلا عرق سونف کافی ہو گیا؟ حضرت نرمی دعاء برکت سے کچھ نہیں ہوتا جب تک خود اپنے اختیار کو کام میں نہ لائے حضور مرد عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر نہ کوئی صاحب برکت ہو سکتا ہے اور نہ مقبول الدعوات، حضرت کے چچا ابو طالب کیسے جاں نثار اور عاشق زار تھے حضور نے دعا بھی دل و جان سے کی کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ اصرار بھی فرمایا مگر چونکہ خود انہوں نے نہ چاہا ایمان نصیب نہ ہوا۔ بالکل طبیب اور مریض کی سی مثال ہے، اگر مریض دوا نہ پئے تو کیا محض طبیب کی شفقت اور توجہ سے مریض اچھا ہو جائے گا؟ صحت تو اس کے نسخہ ہی سے ہوگی اسی طرح اگر بچہ سبق یاد نہ کرے تو سبق کیسے یاد ہو جائے گا محض استاد کی توجہ سے تو سبق یاد نہیں ہو سکتا۔ وہ تو یاد کرنے ہی سے یاد ہوگا۔ عرض کیا گیا کہ شیخ کی برکت سے توفیق ہو جاتی ہے فرمایا کہ یہ تو میں کہہ ہی چکا ہوں کہ برکت معین ضرور ہے مگر کافی نہیں۔ اس کا دخل تو دخل اعانت ہے، دخل کفایت نہیں یہاں تک کہ محض شیخ کی برکت تو ہرگز کافی نہیں ہو سکتی۔ مگر یہ ہو سکتا ہے کہ محض ہمت اور ہستعل اختیار کافی ہو جائے۔ میں تو ان باتوں کو علی الاعلان کہتا ہوں۔ خواہ مخواہ میں اپنے متعلقین کو مقید بنا کر نہیں چاہتا۔ اگر کوئی شخص اپنی اصلاح خود کر سکے تو

پشم ماروشن دل ماشاد، خوشی کا مقام ہے کیونکہ ہمارا بوجھ ہلکا ہوا۔
عرض کیا گیا کہ یہ تفریر کہیں اس کے تو خلاف نہ ہو جائے گی۔

بے رقیبے ہر کہ شد در راہ عشق
عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق

فرمایا کہ خلاف کیوں ہوتی، یہ تو اور ہماری موئید ہے، آگاہ عشق فرمایا ہے یعنی بلا شیخ کے آگاہ نہ ہوگا۔ علم کا درجہ حاصل نہ ہوگا، سو اس سے ہمیں کب انکار، شیخ راہ بتائے گا مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ گھسیٹ کر لے چلے گا۔ اندھے کو سوا نکھا راہ بتانا ہے گو میں تو اٹھا کر نہیں لے جاتا۔ راستہ تو قطع خود اس کے چلنے ہی سے ہوگا۔ راستہ بتانا تو بیشک شیخ کا کام ہے لیکن اس کا قطع کرنا تو سب ہی کے ذمہ ہے۔ جامع عرض کرتا ہے کہ اس جگہ حضرت کا ایک پرانا ملفوظ یاد آگیا۔ ایک صاحب کو بہت مفصل طور پر راہ سلوک کی حقیقت بیان فرما کر فرمایا کہ الحمد للہ میں تو طالب کو ایک جلسہ میں خدانگ پہنچا دیتا ہوں کیونکہ مقصود کی حقیقت بتلا دینا گو یا مقصود ہی تک پہنچا دینا ہے۔ اگر کوئی راستہ بتا دے اور دکھائے کہ دیکھو وہ چراغِ جل ہا ہے تو یہ اس کو گویا چراغ ہی تک پہنچا دینا ہے، اب صرف راستہ ہی چلنا باقی رہ جاتا ہے۔ سو یہ طالب کے اختیار میں ہے، قدم اٹھانا چلا جائے، مقصود تک پہنچ جائے گا۔ اختیار کے متعلق استفسار پر فرمایا کہ اختیار تو بدیہیات بلکہ محسوسات میں سے ہے اور بدیہیات و محسوس کے لئے دلائل کی حاجت نہیں ہو کرتی۔ اختیار کا ہونا تو اتنا ظاہر ہے کہ انسان تو انسان جانوروں تک کو اس کا ادراک ہے۔ دیکھئے اگر کسی کتے کو لکڑی سے مارا جائے تو وہ مارنے والے پر حملہ کرتا ہے نہ کہ لکڑی پر۔ اس کو بھی یہ امتیاز ہوتا ہے کہ کون مختار ہے، کون مجبور ہے، ہر شخص اپنے وجدان کو ٹٹول کر دیکھ لے کہ جب وہ کوئی ناشائستہ حرکت کرتا ہے تو اس کو خجالت ہوتی ہے۔ اگر وہ اپنے

کو مجبور سمجھنا تو پھر خجالت کیوں ہوتی۔ خجالت تو اپنے اختیاری فعل ہی پر ہو سکتی ہے۔ لہذا یہ یقینی ہے کہ انسان مختار ہے اور یہ مسئلہ اختیار اس قدر ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنے اندر صفت اختیار کو وجوداً اور طبعاً محسوس کرتا ہے حتیٰ کہ جو جبری ہیں وہ بھی محض تو اُجبری ہیں و جسدِ انادہ بھی اختیار کے قائل ہیں۔ کسی کو اس سے مجال انکار نہیں پھر دوسری بات یہ ہے کہ اس سلا کی کتہ اور حقیقت کسی کو معلوم نہیں، نہ معلوم ہو سکتی ہے، مگر کسی شے کی حقیقت معلوم نہ ہونے سے اس کے وجود کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ فیاض اور روشنی کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں لیکن اس کا وجود بالکل واضح اور مشاہدہ ہے کیا اس کے وجود کا کوئی انکار کر سکتا ہے۔ حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت سادہ اور سہل عنوان سے اس مسئلہ جبر و اختیار کو بیان فرمایا ہے، فرماتے ہیں :-

زارئی ماشد دلیل اضطرار
خجالت ماشد دلیل اختیار

اگر اضطرا نہیں تو یہ زاری کیوں ہے، اور اگر اختیار نہیں تو اپنے کئے پر نرساری کیوں ہے غرض نہ خالص جبر ہے نہ خالص اختیار ہے، اختیار خالص نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ ماتحت ہے، اختیار حق کے مستقل اختیار نہیں ہے۔ بہر حال انسان میں صفت اختیار کا ہونا قطعی ہے۔ جب یہ ہے تو اپنی اصلاح کرنے میں بھی صفت اختیار کا استعمال کرنا چاہئے۔ جب تک یہ نہ کرے گا اصلاح ممکن ہی نہ ہوگی۔ مثلاً کسی میں بخل ہے تو کیا نرے ذکر و شغل یا شیخ کی دعا و توجہ اور برکت سے یہ رذیلہ زائل ہو سکتا ہے، ہرگز نہیں یہ رذیلہ تو نفس کی مقادمت ہی سے زائل ہوگا البتہ ذکر و شغل وغیرہ معین ضرور ہو جائیں گے، مگر کافی ہرگز نہیں ہو سکتے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ العزیزہ جابجا اپنے مکتوبات میں یہی فرماتے ہیں :-

کارکن بگذر از گفتار
کاندریں راہ کار باید کار

کام ہی کرنے سے کام چلتا ہے، نرمی تمناؤں یا نرمی دعاؤں سے کچھ نہیں ہوتا۔
 عرض کیا گیا کہ بعض بزرگوں کی توجہ سے تو بڑے بڑے بدکاروں کی خود بخود اصلاح ہو گئی
 ہے فرمایا کہ یہ ایک قسم کا تصرف ہے اور ایسا تصرف نہ اختیار ہی ہے نہ بزرگی کے لئے لازم۔
 بہت سے بزرگوں میں تصرف بالکل بھی نہیں ہوتا۔ اور پھر تصرف کے اثر کا اکثر بقا بھی
 نہیں ہوتی۔ کچھ دن بعد پھر ویسے کے ویسے ہی رہتے ہیں۔ بخلاف اس اثر کے جو کہ ہمت اور
 اعمال کے واسطے سے ہوتا ہے وہ باقی رہتا ہے۔ توجہ کے اثر کی تو ایسی مثال ہے کہ کوئی
 شخص تنور کے پاس بیٹھ گیا تو جب تک وہاں بیٹھا ہوا ہے تمام بدن گرم ہے مگر جیسے ہی وہاں
 سے ہٹا پھر ٹھنڈے کا ٹھنڈا، اور اعمال کے ذریعے سے جو اثر ہوتا ہے وہ ایسا ہے کہ جیسے
 کسی نے کشتہ طلا کھا کر اپنے اندر حرارت غریزہ پیدا کر لی تو وہ اگر شملہ پہاڑ پر بھی چلا جائیگا
 تب بھی وہ حرارت بدستور باقی رہے گی اور اصل نفع وہی ہے جو باقی رہے۔ غرض نرمی
 دعا و توجہ پر بیٹھے رہنا اور خود اپنی اصلاح نہ کرنا محض خیال خام ہے۔

پھر ان شبہات کے پیش کرنے پر مزاحاً فرمایا کہ میں تو گویا یہ طب اکبر لوگوں کے لئے
 پیش کر رہا ہوں مگر آپ چاہتے ہیں کہ اس کے درقوں پر کاغذ چپکا چپکا کر ان مضامین
 کو چپائے رکھیں۔

عرض کیا گیا کہ جیت تو کسی کی بدل سکتی نہیں پھر جبلی صفات و ذیلیکی اصلاح کیوں کر
 اختیار میں ہو سکتی ہے۔ فرمایا کہ تعجب ہے کہ آپ کو ابھی تک یہ شبہات ہیں۔ یہ تو فرمائیے کہ
 مادہ جبلی ہوتا ہے یا فعل بھی جبلی ہوتا ہے یہ تو مانا کہ مادہ اختیار میں نہیں ہے مگر فعل تو اختیاراً
 میں ہے وہ تو جبلی نہیں۔ مادہ بیشک زائل نہیں ہوتا مگر اس کے مقصد پر عمل کرنا نہ کرنا یہ تو
 اختیار میں ہے اور اسی کا انسان مکلف ہے اور بار بار اس مقصد کی مخالفت کرنے سے
 وہ مادہ بھی ضعیف ہو جاتا ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ بڑے کام کی باتیں ہیں اور دراصل تعلیم کے لائق ہیں باتیں ہیں مگر

میں دیکھتا ہوں کہ آج کل ان باتوں کا کہیں تذکرہ نہیں نہ علاو کے یہاں نہ مشائخ کے یہاں تصوف کی ایک مبہم صورت بنا رکھی ہے۔ اسی وجہ سے مدت سے اس کی حقیقت مسنور چلی آئی تھی مگر الحمد للہ اس وقت ایسا وضوح ہو گیا ہے کہ کوئی جفا اور التباس کسی قسم کا اس میں باقی نہیں رہا۔ مجھے تو بھلا اللہ کسی مسئلہ تصوف میں مطلق شبہ یا غلبان نہیں نہ طالب کی کسی حالت کی حقیقت معلوم کرنے میں نہ اس کی اصلاح کی تدابیر تجویز کرنے میں خواہ کسی کی کیسی ہی الجھی ہوئی حالت ہو میں خسیر خواہی سے عرض کرتا ہوں کہ اس وضوح کو اس زمانے میں غنیمت سمجھ کر اس کی قدر کرنی چاہئے اور اس سے منتفع ہونا چاہئے۔

جامع عرض کرتا ہے کہ ایک زمانے میں حضرت نے طریق اصلاح کا خلاصہ ایک طالب کو جنہوں نے اپنے اندر صد ہا عیوب کا ہونا بیان کیا تھا اور اپنی اصلاح کے مایوسی ظاہر کی تھی صرف استحضار اور ہمت تجویز کیا تھا اور اس سے ان کو بہت نفع ہوا تھا۔ اس تجویز کا اور اس تقریر کا حاصل ایک ہی ہے۔ دونوں ایک ہی معنوں کے عنوان ہیں اخلاص اور ہمت میں بھی اصل چیز ہمت ہے کیونکہ اخلاص پیدا کرنے کے لئے بھی ہمت ہی کی ضرورت ہوگی، اور ہمت کا معین استحضار اور استحضار کی صورتیں مختلف ہیں، جو صورت شیخ تجویز کر دے اس پر عمل کرے، مثلاً ہر کو تا ہی پردس یا کم و بیش نفل بطور جرمانہ ادا کرنا تاکہ جب دوسرا موقع کو تا ہی کا پیش آئے، جرمانے کے خوف سے استحضار کی کیفیت پیدا ہو جائے اور جب استحضار اور ہمت کا اہتمام رکھے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ کو تا ہیوں سے محفوظ رہے گا اور رفتہ رفتہ پوری اصلاح ہو جائے گی طالب مذکور کے لئے علاوہ جرمانہ مذکورہ کے میں نے ہر روز مطالعہ نہ ہتہ البساتین بھی تجویز کیا تھا جس میں ایک ہزار حکایات اولیاء اللہ کی درج ہیں ان سے بھی علاوہ برکت کے کچھ قوت استحضار اور ہمت کو پہنچتی ہے نیز جامع عرض کرتا ہے کہ احقر نے حضرت کی اس تجویز استحضار اور ہمت کو بوجہ غایت نافع ہونے کے ایک شعر میں محفوظ کر لیا تھا ہوا ہذا،

جو کہ حضرت نے فرمایا ہے استحضار و ہمت کا
 سراسر نسخہ اکسیر ہے اصلاح امت کا
 بس اب اتنا مہمت ہو چکا۔ وما علینا الا البلاغ (اشرف السوانح - تسہیل تصدیق)

ثمرہ اعمال

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں :-

مَنْ عَمِلْ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ
 جَوْشَخْصٍ نِيكَ كَامٍ كَرْتَا هِي سَوَا بِنِي ذَاتِي نَفْعٍ
 كَسَا قَعْلِيهَا تَمَّ إِلَى رَبِّكَ
 كَسَا قَعْلِيهَا تَمَّ إِلَى رَبِّكَ
 اسی پر پڑتا ہے پھر تم کو اپنے پروردگار کی نظر
 لالچانیہ

لوٹ کر جانا ہے۔

اخلاق اور اعمال حسنہ کا نعم البدل (انعام) اور معاصی پر پشیمان (عذاب) دیا جائے گا۔ یعنی ہر شخص کو اس کے عمل کا ثمرہ ملے گا۔ جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔ بدون سعی کے حصول (مقصود) کا وعدہ نہیں۔ دین کے کاموں کے لئے سعی کرنی چاہئے۔ کیونکہ مقصود کا حاصل دوام ہوتے ہیں۔ ایک مفترات سے بچنا، دوسرا نافع کا حاصل ہونا۔ چنانچہ ساری دنیا کی کوششیں کسی مقصود کے حاصل کرنے میں اسی واسطے ہوتی ہیں کہ تکلیفوں سے بچا جائے، اور راحت کو حاصل کیا جائے اور ہر کام میں یہی قاعدہ ہے۔ اس ثمرہ کی بنا و اعمال پر ہے، تو جیسے اعمال ہوں گے ویسا ہی ثمرہ ہوگا۔ پس اعمال کی تکمیل کا اہتمام کریں تاکہ ثمرہ کامل میسر ہو (اور یہ یاد رکھیں کہ) طلب مقصود، حصول مقصود نہیں۔ کام کرتے وقت صرف کام کا خیال رکھنا چاہئے۔ اگر کام کرتے وقت ثمرہ کی طرف بھی توجہ ہے تو خود وہ کام بھی ٹھیک طور پر نہیں ہو سکتا۔ مثلاً ایک شخص نے بی اے کا امتحان دیا، گو امتحان دینے سے اس کا مقصود نوکری ہے لیکن

باد جو اس کے عین امتحان دیتے وقت وہ اس کا خیال بھی اپنے دل میں نہیں لاتا ، بلکہ ہمہ تن امتحان کی طرف متوجہ رہتا ہے ۔ اگر امتحان دیتے وقت وہ نوکری کا خیال جا کر بیٹھے تو امتحان میں گڑ بڑ پچ جائے گی ۔ تو مقصود کی طرف توجہ ہونی چاہئے ، نہ کہ غیر مقصود کی طرف ۔ مقصود کے معنی میں قصد کیا گیا ۔ تو قصد اختیاری چیز کا ہوتا ہے اور کام اختیاری ہے اور ثمرہ مثلاً نوکری غیر اختیاری ، تو مقصود کام ہوا ، بس کام کئے جائیں ۔ البتہ حصول ثمرہ کے واسطے دعا کریں کہ ثمرہ کی بھی حاجت ہے ۔ (شریعت اور طہارت صفحہ ۲۳۸)

ثمرات کے لئے عجلت مضر ہے

فرمایا کہ ذکر کے وقت ثمرات کا منتظر نہ رہے نہ کوئی کیفیت یا حالت اپنے لئے ذہن میں تجویز کرے ۔ بس اپنی تجویز کو مطلق دخل ہی نہ دے ، سارے احوال کو حق تعالیٰ کے سپرد کرے ۔ پھر جو اس کے حق میں بہتر اور اس کی استعداد کے مناسب ہو گا وہ خود عطا فرما دیں گے ع کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند بس ذکر کے وقت معتدل توجہ ، یا اگر آسانی سے ہو سکے تو مذکور کی طرف توجہ کافی ہے ۔ اور معتدل کی قید اس واسطے لگائی گئی ہے کہ توجہ میں زیادہ مبالغہ کرنے سے قلب و رماغ ماؤف ہو جاتے ہیں ، جس سے پھر ضروری توجہ میں بھی خلل پڑنے لگتا ہے ، اس کے متعلق ایک اور بات بھی بہت ضروری ہے ، وہ یہ کہ طبیعت میں ثمرات کا تقاضا نہ پیدا ہونے دے کیونکہ اس سے علاوہ تشویش کے جو فعل جمعیت ہے اور جمعیت ہی اس طریق میں مدار نفع ہے بعض اوقات یا اس تک تو بہت پہنچ جاتی ہے مجھے خود اس کا تجربہ ہو چکا ہے ۔ میری طبیعت میں نظری طور پر تقاضا اور جلدی بہت ہے ، اور یہ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے ورنہ مجھ سے اتنی خدمت دین کی نہ ہو سکتی ۔ اسی تقاضے اور عجلت کی وجہ سے یہاں

کہا پریشانی کی نوبت پہنچی تھی کہ مجھ کو خودکشی تک کے دس ادس آنے لگے تھے۔ بس
اور وقت لمبیت میں ہی تقاضا رہتا تھا کہ جو کچھ حاصل ہونا ہے جلد حاصل ہو جائے
دریکوں ہو رہی ہے۔ (اشرف السوانح)

تَعَجُّل

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر ایک کی دعا قبول کی جاتی ہے
جب تک جلدی نہ کرے۔ (ترمذی)

صبر ثمرات مجاہدے میں تقاضا و عجلت کرنا کہ اتنے دن ہو گئے اب تک کچھ نتیجہ نہیں
ہوا، یہ (بھی) ایک مانع (طریق) ہے۔ اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ یا تو شیخ سے براعتاً
ہو جاتا ہے۔ یا مجاہدہ ترک کر دیتا ہے۔ طالب کو سمجھنا چاہیے کہ کوئی چیز بھی دن تقاضا حاصل
نہیں ہوتی دیکھو یہی شخص کسی وقت تپہ تھا کتنے دن میں جواں ہوا پہلے جاہل تھا کتنے دنوں
میں عالم ہوا غرض عجلت و تقاضا گویا اپنے ہادی پر فرمائش ہے۔ حافظ فرماتے ہیں:

ہمہ کام ز خود کامی و بدنامی کشید آخر

نہاں کئے ماتد آں رازے کز دسا ز ند مخفہا

(خود کامی استیجال وصل) یعنی جلدی کامیاب ہو جانے کے تقاضے کے بدولت میرے کام
کا انجام یہ ہوا کہ تمام لوگوں میں رسوا ہو گیا (کیونکہ اس جلدی میں ہر کسی سے تدریس پوچھنے
لگا جس میں اظہار راز محبت کرنا پڑا۔ سب کو میرا حال معلوم ہو گیا) اور بھلا ایسا راز کب
پہنچتا رہ سکتا ہے جس کے لئے جمع کیا جاوے۔

اس میں یہ بتلا دیا کہ سالک کو استیجال اور جلدی ثمرہ حاصل ہو جانے کا تقاضا مضر
ہے کیونکہ ایسا شخص اپنے رہبر پر قناعت و طمانیت نہیں رکھتا بلکہ اہل حق کی تخصیص
بھی نہیں رکھتا بلکہ ہر کس و نا کس سے چارہ جوئی کرتا ہے اور سب کو اس کا مخفی حال معلوم ہو جاتا

ہے اور مخفی حال کا اظہار بجز مرشد کے کسی اور سے کرنا مذموم ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر طائی ہونے کی وجہ سے پوری توجہ و شفقت اس شخص پر کسی کو بھی نہیں ہوتی، اور شیخ کی عنایت و لطف سے بھی جاتا رہتا ہے اور مزید برآں یہ کہ جس چیز کو جلدی چاہتا ہے اس کا حصول خارج از اختیار ہوتا ہے اس سے پریشانی اور بڑھتی ہے۔ غرض ظاہر اور باطناً ہر طرح سے برائی ہی برائی ہاتھ آتی ہے، پس اس میں اشارہ ہے کہ سالک ہرگز تقاضا اور جلدی نہ چماوے اور غیبِ مرشد سے اپنا حال نہ کہے۔
(شریعت و طریقت صفحہ ۴۴)

حدیث النفس

نقل مضمون (معلق حدیث ان اللہ تجاوز لامتی عمل حدیث بہ
انفسھا الخ) حدیث: اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لئے ان کے خیالات سے تجاوز
زما دیا ہے جن کو وہ اپنے جی سے باتیں کرتے ہیں، جب تک کہ ان کو منہ سے نہ نکالیں
یا ان کو عمل میں نہ لاویں۔

غیر میری نے کہا ہے کہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ان کو سینہ میں جو دوسرے
پیدا ہوں اور خفی نے کہا کہ (خیال کے مراتب پانچ ہیں ایک ہا جس دوسرا خاطر
تیسرا حدیث النفس چوتھا ہم پانچواں عزم۔

پس جب کوئی بات قلب میں ابتداً واقع ہوئی اور اس نے نفس میں کوئی حرکت
نہیں کی اس کو ہا جس کہتے ہیں۔ پھر اگر اس شخص کو توفیق ہوئی اور اول ہی سے اس کو
دفع کر دیا تو وہ ما بعد کے مراتب (کی تحقیق) کا محتاج نہ ہوگا۔ اور اگر وہ نفس میں
دورہ کرنے لگے یعنی وقوع ابتدائی کے بعد اس کے نفس میں اس کی آمد و رفت ہونے لگے

نہ ملقب بہ الحکمہ فی علم الوجود النشرف جلد سوم زیر عنوان

مگر اس کے کرنے نہ کرنے کا کوئی منصوبہ نفس نے نہیں باندھا اس کو خاطر کہا جاتا ہے۔ جب نفس کرنے نہ کرنے کا برابر درجہ میں منصوبہ باندھنے لگا تو جب ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہوتی اس کو حدیث نفس کہتے ہیں۔ سو یہ تین درجے ایسے ہیں کہ ان پر نہ عتاب ہے۔ اگر یہ بشر میں ہے اور نہ ثواب ہے اگر خیر میں ہے پھر جب اس فعل کو کر لیا تب اس فعل پر عتاب یا ثواب ہوگا۔ اور ہا جس اور خاطر اور حدیث النفس پر نہ ہوگا (جیسا کہ بعض علماء اس طرف لگے ہیں) پھر جب نفس میں فعل یا عدم فعل کا منصوبہ ترجیح فعل کے ساتھ ہونے لگا لیکن وہ ترجیح قوی نہیں بلکہ مرجوح ہے جیسا وہم ہوتا ہے اس کو ہم کہتے ہیں۔ اس پر ثواب بھی ہوتا ہے اگر وہ خیر میں ہے اور عتاب بھی ہوتا ہے۔ اگر شر میں ہے۔ پھر جب فعل کا رجحان قوی ہو گیا یہاں تک کہ جازم مصمم بن گیا کہ ترک پر قابو نہیں رہا اس کو عزم کہتے ہیں۔ اس پر بھی ثواب ہوتا ہے، اگر خیر میں ہے اور عتاب ہوتا ہے، اگر شر میں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ لفظ سوسترہ تینوں مرتبوں کو عام ہے یعنی ہا جس اور خاطر اور حدیث النفس سو سوسترہ کی ان تینوں قسموں پر مواخذہ نہیں ہے اور دونوں حالتوں میں حکم معافی کا مختلف نہیں ہوتا اور حدیث النفس پر مواخذہ نہ ہونا تو صحیح حدیث سے ثابت ہے (جو اوپر مذکور ہوئی) اور بقیہ دو پر (یعنی ہا جس و خاطر پر) عدم مواخذہ بالاولیٰ ہے، کیونکہ جب حدیث النفس معاف ہے تو اس کے ماقبل کے درجات (یعنی ہا جس و خاطر پر جو کہ اس سے آہم و اداون ہیں) بدرجہ اولیٰ معاف ہوں گے اور اگر تم کو یہ ظنجان ہو کہ حدیث کی بنا پر حدیث النفس کی معافی کا حکم اس پر نواقف ہے کہ حدیث میں (حدیث النفس کے) اصطلاحی معنی مراد ہوں سو اس کی کیا دلیل ہے۔ پس اس ظنجان کو اس طرح دفع کر دو کہ یہ اصطلاح میں لغت ہے اور نصوص میں لغویہ ہی پر محمول ہوتے ہیں جب تک معانی لغویہ پر کوئی شرعی اصطلاح طاری نہ ہو جاوے، اور یہاں طاری نہیں ہوتی بس لغوی معنی ہی مراد ہوں گے اور لغوی معنی (حدیث النفس کے) وہی ہیں جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا۔ خوب سمجھ لو اور ہا جس پر عدم مواخذہ کا راز یہ ہے کہ یہ اس کا

فعل نہیں صرف اس پر ایک ایسی شے وارد ہو گئی جس پر اس کو نہ قدرت ہے نہ اس کا لائق
تصرف ہے اور خاطر کا درجہ جو اس کے بعد ہے اگرچہ یہ شخص اس کے دفع پر اس طرح قادر ہے کہ
ہا جس کے اول ہی وارد ہونے کے وقت اس کو ہٹا دے (مثلاً کسی دوسری جانب میں لگ جائے
لیکن چونکہ یہ خاطر حدیث النفس سے کم ہے اور حدیث النفس حدیث کی رو سے معاف ہے
اس لئے یہ خاطر بدرجہ اولیٰ معاف ہے اور اس (تختین) سے ایک سخت اشکال حل ہو گیا اور
وہ اشکال یہ ہے کہ کلیات شرعیہ اور قواعد عقلیہ کا مقصدنا یہ ہے کہ اختیاری پر مواخذہ ہو
اور غیر اختیاری پر مواخذہ نہ ہو (یہ تو مقدمہ ہے آگے اشکال ہے کہ) پھر امت مرحومہ کا یہ
اختصاص (کہ وہ اس پر مواخذہ نہیں ہوتا) اگر مرتبہ مذکورہ میں سے غیر اختیاری کے
اعتبار سے ہے (کہ غیر اختیاری پر ان سے مواخذہ نہیں ہوتا اور دوسری اہم سے ہوتا ہے)
تب تو اہم سابقہ کو امور غیر اختیاریہ کے ساتھ مکلف ہونا لازم آتا ہے اور کلیات شرعیہ کا
منافی ہے (جیسے لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا کہ ظاہراً اس میں نفس عام ہے
لاحق اور سابق کو) اور اگر اختیاری کے اعتبار سے ہے تو خود ایک اختیاری اور دوسری
اختیاری میں کیا فرق ہے کہ عزم پر تو مواخذہ ہوتا ہے اور حدیث النفس پر مواخذہ نہیں ہوتا باوجود
اختیاری ہونے میں دونوں شریک ہیں۔ وجہ حل ہونے کی یہ ہے کہ اختصاص مرتبہ اختیار
ہی کے اعتبار سے ہے۔ فرق درمیان خاطر و حدیث النفس کے اور درمیان عزم کے یہ ہے
کہ خاطر و حدیث النفس کا دفع اگرچہ اختیاری ہے مگر اس کے لئے قصد کی ضرورت ہے اور کیا
مقصد سے اکثر ذہل ہو جاتا ہے پس ہا جس (اس ذہول کی حالت میں) اکثر خاطر اور
حدیث النفس کی طرف (بلا قصد) منجر ہو جاتا ہے سو اس (خاطر و حدیث النفس) پر مواخذہ
ہونا کلیات شرعیہ کے خلاف نہیں (کیونکہ یہ بایں معنی اختیاری ہے کہ اس کا دفع اختیار
محتاج دفع نہ کیا تو بقائے اختیاری ہو اور اس بنا پر کسی امت کا اس کا مکلف ہونا
کلیات شرعیہ کے خلاف نہ تھا) لیکن رحمت الہیہ نے اس امت کو یہ خصوصیت عطا فرمائی کہ اس

درجہ کو بھی معاف کر دیا جیسے اصر و اغلال (بوجھ اور اطواق یعنی احکام شدیدہ) کو جو
ام سابقہ ہوتے اس آیت سے ہلکا کر دیا۔ پس یہ مرتبہ اختیاری ہے اس میں شدت
نہی اس لئے اصر و اغلال کی ایک فرد تھی۔ باقی رہا عزم تو ہا جس اس کی طرف اس طرح سے معنی
نہیں ہوتا بلکہ وہ تصدق سے پیدا ہوتا ہے۔

پس یہ فرق ہے عزم میں اور حدیث النفس میں تو مدار غفودہ احضار ہوا جہد ہول کے
سبب سے ہو اور مدار مواخذہ عزم مستقل ہوا (جب یہ بات ہے) تو اگر گناہ کا حدیث
انفس بھی عزم مستقل سے ہو۔ اگرچہ عزم معصیت نہ ہو جیسے کسی نامحرم عورت کے تصور کے
فصد آلت حاصل کرنا سوا ظاہر یہ ہے کہ اس پر مواخذہ ہوگا اور ایسا التذاذ میرے نزدیک
اس حدیث کے عموم میں داخل ہوگا کہ نفس (بھی زنا کرتا ہے اور اس کا زنا یہ ہے کہ وہ تمنا
کرتا ہے اور اشتہا کرتا ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ قلب میلان کرتا ہے اور تمنا کرتا
ہے اور ظاہر ہے کہ التذاذ بدون اشتہا (میلان کے ہو نہیں سکتا پس یہ التذاذ بھی زنا
ہوا) اور اس حدیث کا مستوفی رکھنا دساوس کا علاج عظیم ہے جس کا مشائخ استعمال کرتے
ہیں، اور بعض اکابر (جیسے امام غزالی) کا کلام اس مقام پر اور طرح ہے لیکن اصل مقصود
نہیں بدلتا (یعنی اختیاری پر مواخذہ اور غیر اختیاری پر عدم مواخذہ خواہ حقیقتاً غیر اختیاری
ہو خواہ کلاً) ویلقب بیان ہذا الحدیث بالمحصصۃ فی حکم الوستہ
(ماخوذ اشرف السوانح حصہ اول)

حدیث نفس کے غلبہ کا علاج

حال، الحمد للہ کہ مسئلہ امور اختیاریہ کی نسبت بھی حضرت کے نسخے نے کامل شفا
بخشی اور مہرچ اسباب کے ساتھ بخشی اطلال اللہ نقاؤکم و نفعنا بہ۔
اب صرف ایک بات اور جاننا چاہتا ہوں کہ حضرت نے حرکت فکر یہ کے قطع کی تو

صورتیں تحریر فرمائیں ان میں سے یا ان کے علاوہ جو میرے لئے زیادہ موثر و مناسب حضرت کے نزدیک ہو وہ بھی تحریر فرمائی جائے میں بطور خود توجہ کوچہ نماز میں پڑھتا ہوں اس کے معنی پر متوجہ رہنے کی کوشش کرتا ہوں مگر اس میں کامیابی کم ہوتی ہے چاہتا ہوں کہ کم از کم جس وقت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ زبان سے ادا ہوتا ہے اس کے معنی پر توجہ ہو مگر اکثر اتنا ہی نہیں ہوتا۔ یا آگے نکل جانے کے بعد خیال آتا ہے تقدیر ہی ہونے کی صورت میں پاس انفاس کا خیال رکھنا چاہتا ہوں، اس میں بھی زیادہ کامیاب نہیں ہوتا۔ اصل یہ ہے کہ حضرت بس حدیث نفس کا بہت غلبہ رہتا ہے پھر حال اب حضرت جو صورت تجویز فرمائیں حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنے کی جو صورت حضرت نے لکھی ہے اس کی کچھ تفصیل کا محتاج ہوں۔

تحقیق : اس سوال سے اس لئے دل خوش ہوا کہ ایسا سوال علامت ہے کام کرنے کی اور جو شخص کام کرے گا اس کو یہ سوال پیش آدے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کے حل کا ذریعہ بنایا جس سے آپ بہت سے طالبین کے رنج پریشانی کے سبب ہو گئے والحمد للہ علیٰ ذالک اور خط سبالتی لکھنے کے وقت میرا دل چاہتا تھا کہ یہ سوال نیا جاوے اور کئے جانے کی امید تھی۔ اب جو اب عرض کرتا ہوں۔ اصل میں جو توجہ خطرات کی قاطع ہے وہ دو قسم کی ہے ایک مع الخوض، اگرچہ اشیائے مختلفہ کی طرف ہو۔ دوسری شے واحد کی طرف اگرچہ بلاخوض ہو۔ اب جس شخص کو آیات و اذکار کے معانی بلاخوض ذہن میں آجاتے ہوں وہاں نہ خوض ہے نہ قیام الفکر شے واحد ہے اس لئے کوئی قسم توجہ کی نہ پائی گئی، پس وہ قاطع خطرات بھی نہ ہوگی بخلاف اس شخص کے جس کو سوچنے سے معنی یاد آتے ہیں اس شخص کی توجہ قاطع خطرات ہوگی اس لئے آپ کو اس تدبیر میں کامیابی نہیں ہوئی کہ آپ کو خوض کی حاجت نہیں ہوتی۔ پس ایسے شخص غیر محتاج الی الخوض کے لئے دوسری توجہ کی ضرورت ہوگی یعنی توجہ الی ایشیٰ الاغذیاء شے واحد کچھ ہر ذرات حق یا رویت حق للعبد یا نظر الی الکعبہ یا کچھ اور۔ اور جس توجہ الی الخوض کی

تفصیل آپ نے دریافت فرمائی ہے وہ یہی ہے کہ یا ان کی ذات کا احوال تصور رکھے جس طرح سب سے تکلف ذہن میں آجائے جس پر ہر شخص قادر ہے۔ زیادہ کاوش کی حاجت نہیں یا ان کے کسی فعل کا تصور رکھے۔ مثلاً وہ ہم کو دیکھ رہے ہیں۔

زیر الی ایٹی الواحد کا ایک طریق میں نے تجویز کیا ہے جو غایت درجہ سہل بھی ہے اللہ جل جلالہ نافع بھی ثابت ہوا۔ وہ یہ کہ اپنی تمام طاعات۔ صلوات و تلاوت و اذکار، بلکہ افعالِ باہر میں بھی اس کا تصور رکھے کہ یہ سب عنقریب حق قہلئے کے اجلاس میں پیش ہوں گے تو ان میں کوئی ایسا اختیاری غلط نہ ہو جس سے پیشی کے قابل نہ ہوں بس اتنا ہی تصور کافی ہے۔ ابتدا میں استحضار ضعیف ہوگا۔ مگر مہارت کے بعد اس استحضار میں دو لم پیدا ہو جاوے گا۔ چونکہ یہ مجھ کو نافع ہوا اور کئی موقعوں پر آپ کی طبیعت کا مناسب اپنی طبیعت کے ساتھ مشاہدہ کر چکا ہوں امید ہے کہ آپ کے لئے بھی نفع اللہ قہلئے نافع ہوگا اور اس بحث کے متعلق جو تہنیتاں رقمیہ سابقہ میں عرض کر چکا ہوں وہ سب اس میں ملحوظ رہیں۔ واللہ الموفق امید ہے کہ سب اجزاء سوال پر بعد ضرورت کلام ہو چکا ہے۔ اگر کچھ رہ گیا ہو پھر تنبیہ فرمادیا جاوے، واللہ اعلم فقط (ماخوذ انور حادمی الثانی ۱۳۵۴ھ و ترمیمت السالک جلد دوم ص ۱۶۹)

یک سوئی

ملفوظ: فرمایا کہ اگر ثمرات و کیفیات کی تمنا بھی ہو تب بھی ان سے یکسو ہی رہنا ضروری ہے کیونکہ کیفیات پیدا ہوتی ہیں یکسوئی سے اور جب کیفیات کے وجود کی جانب توجہ رہی تو یکسوئی کہاں رہی۔ اس لئے ذہن اور ذکی آدمی کو کیفیات نہیں ہوتیں اگر ہوتی بھی ہیں تو بہت کم، کیونکہ اس کا ذہن ہمیشہ چلتا رہتا ہے اس کو یک سوئی ہوتی ہی نہیں اور بلا یک سوئی کے کیفیت پیدا ہوتی نہیں۔ اسی وجہ سے عاقل شخص کو کیفیات بہت کم ہوتی ہیں، برخلاف اس کے جن میں عقل کا مادہ کم ہوتا ہے ان کو ایسے آثار سے بہت

مناسبت ہوتی ہے گو اس کا عکس لازم نہیں لیکن ایسے لوگ اپنے کام کے تو خوب ہوتے ہیں مگر دوسروں کو ان سے فائدہ کم پہنچتا ہے۔ (اشرف السوانح)

یکسوئی کے اقسام

حال: بوجہ کمزوری دماغ کے بوجہ حکم حضور بعد تہجد بارہ تسبیح بلا ضرب کے آہستہ کا ممول ہے مگر بوقت ذکر یک سوئی نہیں ہوتی۔

تحقیق: یک سوئی نہ ہونے کی جو شکایت لکھی ہے اپنی طرف سے دوسرے خیالات کا استحضار نہ کیا جاوے۔ اس پر بھی اگر یک سوئی نہ ہو تو وہ مضر نہیں جس یکسوئی کا نہ ہونا مضر ہے وہ یک سوئی اعتقادی ہے ایسے یکسو کو حنیف کہتے ہیں اس کی تحصیل واجب ہے اور اختیاری ہے۔ باقی خیالی یک سوئی وہ نہ اختیاری ہے نہ واجب اور اس کا نہ ہونا مضر نہیں۔ اس بات کو خوب یاد رکھنا چاہئے اس کے نہ جاننے سے بہت لوگ پریشان ہیں۔

وساوس و خطرات

وساوس و خطرات اور ان کا علاج

اکثر لوگ اس کی شکایت کرتے ہیں کہ ہم کو نماز میں وسوسے آتے ہیں اور اس کے مختلف علاج کرتے ہیں، خوب سمجھو کہ وساوس کا حاصل غیرے مشغول ہونا ہے پس اس کا بجز اس کے کچھ علاج نہیں ہے کہ اپنے قصد اور اختیار سے خدا کے ساتھ مشغول رہو وساوس خود بخود منقطع ہو جائیں گے اس کی یہی مثال ہے کہ ایک شخص ٹکٹ کی باندھ کر ایک شے کی طرف دیکھ رہا ہے تو اگر اس کی نگاہ شہرا بشہرا بالکل پورے طور سے اس کی طرف آ

زود دوسری شے اس کو ہرگز نظر نہ آدے گی اور اگر اس میں کمی ہے تو آنکھ کی شعایں دوسری طرف بھی جائیں گی اور دوسری چیزیں بھی نظر آویں گی، زوجین طرح عاہر کی آنکھیں ہیں اس طرح قلب کی بھی آنکھ ہے۔ اگر قلب کو تا مترشے واحد کی طرح متوجہ کر دیا جاوے گا تو قلب کی شعایں دوسری طرف منتقل نہ ہوں گی۔ پس کسی شے کا خیال نہ آوے گا اور اگر زہر میں کمی ہے تو ضرور دوسری چیزیں بھی اس میں نظر آویں گی۔

پس علاج یہ ہے کہ جب دوساوس آویں فوراً متوجہ الی الحق ہو جاوے اور پھر اگر آویں زہر اس توجہ کو تازہ کر لو لیکن یہ سمجھ لینا چاہئے کہ توجہ الی الحق کے انحاء (اقسام) مختلف ہیں جن پر توجید و تنزیہ کی شان غالب ہے، ان کو تو براہ راست بلا واسطہ توجہ الی حق (اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ) حاصل ہو جاتی ہے۔ غائب کی طرف متوجہ ہونے میں ان کو کوئی شے مانع نہیں ہوتی اور جن کو یہ دولت حاصل نہیں ہے ان کے لئے توجہ الی حق یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے نام پاک کی طرف توجہ کریں اور نماز کے اندھو صبت کے ساتھ یہ طریق اختیار کریں کہ جو کچھ زبان سے کلمات ادا کریں اور جو ارج سے جو افعال کریں ان کی طرف توجہ کریں، اور ادا ہی سے اس کا قصد کر لیں اور ان کلمات اور افعال کی طرف توجہ کرنا توجہ الی غیر (غیر کی طرف توجہ کرنا) نہ کہلائے گا۔ اس لئے کہ غیروہ ہے جو حق سے عاجب ہو اور جو موصل ہو اس کی طرف توجہ کرنا عین توجہ الی الحق ہے اور یہ طریق میرا ایجاد کیا ہے نہیں بلکہ اس کی دلیل موجود ہے، دیکھو حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص دو رکعتیں پڑھے اور ان کی صفت یہ ہو کہ مُقْبِلًا عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهِ یعنی ان دونوں رکعتوں پر اپنے دل سے متوجہ ہو۔ اب دیکھ لیجئے کہ رکعتوں کی کیا حقیقت ہے۔ رکعت نام ہے قیام، قراءت، رکوع و سجود کا۔ بس حاصل مقبلاً علیہما کا یہ ہو کہ مقبلاً علی المقراءۃ والرکوع والسجود (قراءت و رکوع و سجود پر متوجہ) پس عبادت کے اجزائے خارجہ اور ذکر اللہ کی طرف متوجہ ہونا مامور بہ اور مطلوب

ہوا اور یہی توجہ الی اللہ ہے، اس لئے کہ موصل الی اللہ (اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچانے والی) ہے۔ پس اس کو توجہ الی غیر الحق (غیر اللہ کی طرف توجہ کرنا) نہیں کہیں گے۔ اور جن کی چشم غیرت حق تعالیٰ نے کھول دی ہے، ان کے لئے تو ہر شے موصل الی الحق ہے، کسی نے خوب کہا ہے ۔

ہر چہ بینم در جاں غیر تو نیست
یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو

یعنی تمام عالم آپ کی صفات کا منظر ہے، ہر چیز کو آپ سے تعلق ہے، غیر کا وجود ہی نہیں بلکہ ہر جگہ آپ کا ظہور ہے۔

بس جب نماز میں دسوسے آویں، ذکر کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ ہمارے استاد مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تسبیح و قراوت یاد سے نہ پڑھو، ارادہ سے پڑھو۔ مولانا اس کی مثال دیا کرتے تھے کہ میاں ہماری نماز تو ایسی ہے جیسے گدی کہ جب اس کو کوک دیتے ہیں تو وہ برابر چوبیس گھنٹہ تک چلتی رہتی ہے۔ اسی طرح ہم نماز جب شروع کرتے ہیں تو ہم کو کچھ خبر نہیں ہوتی۔ رکوع۔ سجود۔ قیام۔ قراوت سب آپ سے آپ ادا ہوتے رہتے ہیں۔ نماز بھی ادا ہوتی رہتی ہے اور دکان و بازار کے کام بھی ہوتے رہتے ہیں۔ جب سلام پھرتے ہیں اس وقت خیر ہوتی ہے کہ ہم نے نماز پڑھی ہے وہ اس کی طرف یہ ہے کہ ہم نماز محض یاد سے پڑھتے ہیں۔ علاج اس کا یہ ہے کہ نماز یاد سے نہ پڑھو ارادہ سے پڑھو، یعنی ہر فعل کرنے اور ہر کلمہ کہنے کے وقت مستقل ارادہ کرو۔ مثلاً الحمد کہو تو اول ارادہ کرو کہ میں الحمد کہوں گا اس کے بعد اللہ کہنے کا ارادہ کرو۔ اسی مثال سے تمام نماز ختم کرو۔ دیکھیں کیسے دسوسے آتے ہیں۔ البتہ نفس کو تھوڑی سی مشقت و دشواری ضرور ہوگی کہ اس کو جو عادت تھی شتر بے ہمار کی طرح جہاں چاہتا تھا پھر تاتھا۔ اس کو مقید کرنا پڑے گا۔ سو اتنی دشواری اور

سنت کوئی مشکل نہیں ہے۔ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ نفس کو اتنی محنت بھی نہ کرنا پڑے
 صاحبو! اگر جان بھی اس راہ میں جا کر کچھ مل جائے تو اڑنا ہے
 ع متاع جانِ جاناں، جان دینے پر بھی سستی ہے
 اور یہاں تو جان دی بھی نہیں گئی۔ جان لی گئی ہے کہ ادھر ادھر جو نفس مارا مارا پھرتا ہے
 اس کو ایک جگہ آرام دینا ہے۔

اے صاحبو! خدا کی طلب کا دعویٰ اور اس قدر سستی اور آرام طلبی آپ چاہتے ہیں
 کہ ہم کہ اتنا بھی کام کرنا نہ پڑے، مفت مفت مل جائے۔ اتنا آسان طریق اور وہ بھی
 آپ نہ کریں تو بس نرادر دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ بزرگانِ دین تو یہ نہ سمجھتے ہیں:

صوفی نہ شود صافی تا در نہ کشد جامی

بسیار سفر باید تا پختہ شود حنّامی

صوفی جب تک بہت مجاہدے نہ کرے خام ہی رہتا ہے۔ پختگی مجاہدات کے

بدن حاصل ہوتی ہے۔ یہاں تو بسیار سفر بھی نہیں ہے۔ نہایت ہلکا کام ہے۔ غرض یہ
 (البدائع ص ۶)

دسائوس کا علاج

حالت: حضور والا قلب میں نہایت غیر استقامتی و ناامیدی کی حالت غالب
 ہو گئی ہے۔ طبیعت میں سخت گھبراہٹ ہے۔ خلاصہ حال یہ ہے کہ دل میں رد و رد کر یہ
 خیال غالب ہوتا ہے کہ میں بالکل بچپن سے بیمار ہوں اور اب تک باقاعدہ کتنا علاج
 ہوتا رہا مگر صحت کامل حاصل نہ ہوئی۔ قلب سخت غیر مطمئن اور غیر مستقل ہے برائے خدا
 میرے لئے دعا فرمادیں کہ قلب مسرور و مطمئن ہو اور صحت کلی حاصل ہو اور قلب کی حالت
 موجودہ سخت گھبراہٹ و ناامیدی اور غیر استقامتی کا معالجہ ارشاد فرما کر صبر و انفرادی

کیونکہ ان حالتوں میں مجھے سخت تکلیف ہو رہی ہے۔ منجملہ میرے امراض باطنی کے جوہرین مجھے فی الحال سخت تکلیف پہنچا رہا ہے اور دینی و دنیوی امور میں نکمّا بنا رکھا ہے وہ یہ ہے کہ مجھے ہر کام میں دینی و دنیوی خصوصاً طہارت، وضو، غسل اور نماز میں سخت و سوسے پیدا ہوتے ہیں یعنی شبہ ہوتا ہے کہ کہیں قطرہ پیشاب نکل آیا۔ طہارت پوری طرح نہیں ہوتی۔ نماز میں فلاں رکن چھوٹ گیا۔ فلاں واجب ترک ہو گیا، اور یہ دوسوہ اس حد تک بڑھا ہوا ہے، کہ بڑے استنجے کے لئے ویسے ہی دو بڑے لٹے صرف ہوتے ہیں اور غسل میں بھی بہت پانی خرچ ہوتا ہے۔ ایک ایک نماز کے لئے چار چار پانچ پانچ مرتبہ نیت باندھنی پڑتی ہے تب نماز ادا ہوتی ہے اور وہ بھی سجدہ سہرے کے ساتھ جس بارے میں شبہ ہوتا ہے، اس کی کئی بار تحقیق کر لیتا ہوں۔ اکثر ایک بار کی تحقیق سے یہ معلوم ہو جانے کے بعد بھی کہ شبہ یہ ہو رہا ہے ہر بار تحقیق کے بغیر مین نہیں ہوتا۔ ایک مولوی صاحب نے مجھے فتویٰ دیا ہے کہ اگر شبہ اس درجہ بڑھا ہوا ہو تو نماز میں اگر کسی رکن تک کے فوت ہو جانے کا بھی شبہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں نماز ہو جائیگی دوسرا یہ کہ جن نمازوں میں قراءت بالہجر نہیں اس میں آہستہ اس طرح پڑھنا واجب ہے کہ پاس کا کھڑا ہونے والا بھی اس کو سُن لے اور مجھ کو نماز میں اکثر اس کا شبہ ہوتا ہے کہ میں نے جو آہستہ قراءت کی اس کو میں نے خود سن لیا مگر اتنا آہستہ تو نہ ہوا کہ پاس کے کھڑے ہونے والے مصلیٰ نے نہ سنا ہوا اس شبہ سے سجدہ سہو کرتا ہوں۔

تحقیق: حق تعالیٰ بندہ کو ماں باپ سے زیادہ چاہتے ہیں اگر وہ بیمار بھی رکھیں تو اس میں بھی رحمت اور حکمت ہے اس پر راضی رہنا چاہئے۔ پس پھر کچھ بھی غم نہ ہو گا اور دوسرا کا علاج یہی ہے اس پر غل نہ کیا جاوے۔ طہارت و نجاست میں بہت وسعت رکھی گئی ہے کسی نہ کسی کے تول پر طہارت ہو جاتی ہے اور اپنی آواز کان میں پڑنا یہ سب کا قول نہیں بعض کے نزدیک بدلن اس کے بھی نماز ہو جاتی ہے، بفکر رہیں (ترتیب اسالک حصہ اول

دیگر

مالِ امیرے دل پر دوسو سو جات زیادہ رہتے ہیں اور بعض وقت جب کسی بُرے کام کی طرف رغبت دلاتے ہیں تو اللہ اپنے فضل سے بچا بھی دیتا ہے اور بعض میں مغلوب بھی ہو جاتا ہوں لیکن بعد میں از حد پریشانی اور ندامت ہوتی ہے۔ اگر آں حضرت اپنے دربارِ فیض سے کوئی نسخہ مرحمت فرمادیں جس کی حسب ہدایت پیروی کرنے سے میری ہیبت پر اللہ کا فضل ہو — اور راہ ہدایت نصیب ہو تو کمال عنایت ہوگی اور امید ہے کہ میں اس سے محروم بھی نہ رہوں گا۔

نخبت: اگر ممکن ہو تو معمولاتِ ذیل مقرر کر لیجئے انشاء اللہ تعالیٰ نفع ہوگا اور پھر مالات سے اطلاع دیجئے انشاء اللہ سلسلہ تلبیقین کا جاری رکھوں گا معمولات یہ ہیں نمبر: تہجد چار رکعت سے بارہ رکعت تک جس قدر سہل ہو خواہ آخری شب میں یا عشاء کے بعد۔

نمبر: بعد تہجد کے یا اور کسی وقت فرصت ہو ذکر لا الہ الا اللہ سو سے بارہ سو تک اتنی آواز سے کہ اپنی آواز کال میں آتی رہے اور دو مہرول کو پریشانی نہ ہو کبھی کبھی درمیان میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملایا جاوے۔

نمبر: سوتے وقت مجا سبہ نفس یعنی تنہا بیٹھ کر دن بھر کے گناہوں کو یاد کر کے یہ سوچنا کہ گویا میدانِ قیامت قائم ہے اور میں حق تعالیٰ کے رُو برو حاضر ہوں اور ایک ایک گناہ پر باز پرس ہو رہی ہے اور میں لا جواب ہو ہو جاتا ہوں اور میرے لئے نمر کا حکم ہو چکا ہے، اور میں اس وقت معافی کی درخواست کر رہا ہوں بس ایسے وقت میں جس کیفیت۔

معافی کی درخواست کی جاسکتی ہے، اسی طرح اس وقت استغفار میں مشغول ہو جانا چاہئے اور عہد کرنا چاہئے کہ میں پھر نافرمانی نہ کروں گا اور اس خیال میں سو رہنا چاہئے۔ صبح اٹھتے ہی یاد کیا جاوے کہ میں شب کو کیا عہد کر چکا ہوں، اور جب کسی معصیت کا تقاضا ہو، اس عہد کو یاد کر لیا جاوے اور اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے کا خیال کر لیا جائے، انشاء اللہ تعالیٰ روز بروز حالت درست ہوتی جاوے گی، اور پھر اطلاع دی جاوے۔ (تربیت حصہ پنجم ص ۱۳۱)

دیگر

خط ہدایتہ نمط نزوع و عزیزے کہ از ہجوم و مساویں
خطرات باعجز و مغلوب آمدہ تصد خودستی کردہ بود تخریر نمود

جواب: مگر چونکہ آپ کو ابھی علم کم ہے اس وجہ سے اندیشہ اور تعلق کا ہجوم ہو گیا ہے ورنہ آپ کی حالت بڑی خوشی کے قابل ہے۔ یہ حالت دوسرے کی خواہ وہ ایک دوسرے ہو یا ہزار ہوں، کچھ آپ کو اول پیش نہیں آتی، کوئی ایسا سالک و دراصل الی اللہ نہیں ہے جس کو راستہ میں یہ گھائی نہ آتی ہو۔ پس ان میں جو خود عارف یا کسی عارف سے تعلق و محبت و اعتقاد رکھنے والا ہے اس کی نظر میں تو یہ لاشعے محض معلوم ہوتی ہے اور جو نادانق ہیں وہ تل کو پہاڑ کر کے طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اے عزیز! صحابہ رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر کسی عالم کا یا کسی عارف کا تبرا نہیں ہوا ان تک کو یہ قصہ پیش آیا کہ انواع و اقسام مساویں نے گھیرا، اور مساویں بھی ایسے جن کو وہ زبان پر لانا چاہتا تھا کہ وہ جانے سے بدتر اور سخت تر اور گراں تر و ناگوار تر جانتے

نہے۔ آخر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اس کو ذکر کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذک صریح الایمان یعنی یہ رکھ لی نشانی ایمان کی ہے۔ دوجہ سے بدل اس لئے کہ چور وہاں جاتا ہے جہاں متاع پاتا ہے، پس اگر متاع ایمان اس شخص کے قلب میں نہ ہوتا تو شیطان اس کے پیچھے نہ پڑتا یہی وجہ ہے کہ اکثر نیک لوگوں کو دوسرا اس لئے ہے اور جو فساق و فجار و اشرار ہیں ان کو کبھی اس کا اتفاق بھی نہیں ہوتا کیوں کہ شیطان ان سے جب گناہ کر رہا ہے تو اس کو کیا ضرورت ہے وہ ایسے امر میں مبتلا کرے جس میں کسی قسم کا گناہ بھی نہیں نر آنج ہی رنج ہے، دوسرے اس لئے علامت ایمان کی ہے کہ یون نے اس کو برا سمجھا پس اگر اس شخص کے ایمان میں خلل ہوتا تو ان خیالات کفریہ کو حق سمجھا اور ان کو دل سے قبول کرتا اور ان پر مطمئن ہوتا اور ان میں اس کے قلب کو نہ شرح ہوتا کہ اہمیت نہ ہوتی جیسا تمام کفار کو دیکھا جاتا ہے، جب اس شخص نے ان کو مکروہ سمجھا تو ان کے اضداد کو حق سمجھتا ہے اور یہی ایمان ہے۔ غرض ان وجوہ سے یہ علامت ایمان کی ہے، ہرگز ہرگز کفر نہیں بلکہ گناہ و معصیت بھی نہیں کیونکہ گناہ وہ فعل مذموم ہے جو اختیار خود کرے اور چونکہ دسادمں پر اختیار نہیں ہے اس لئے وہ گناہ نہیں ہو سکتا، جب گناہ نہیں پھر اس پر پریشان ہونا فضول ہے،

یہ تو حقیق ہے دوسوسہ کے بُرے یا بھلے ہونے کی رہا اس کا علاج بس سب معاملات سے بہتر علاج جس کو اکسیر اعظم کہنا چاہتے یہی ہے کہ اس کا علاج نہ کیا جاوے بلکہ جرات و دلیری کے ساتھ اور یقین و عزم کے ساتھ یہ سمجھے اور دل میں خیال کرے کہ جب یہ عند اللہ گناہ نہیں اور شرعاً کوئی مرض نہیں پھر کیا غم بلکہ جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ دلیل ایمان ہے تو اس پر اٹھا اور خوش ہونا چاہئے، اب یہ شخص خوش ہو گا تو شیطان نے وہ دوسرے ترخاص ہی لئے اتفاق کیا تھا کہ یہ شخص معزوم ہو گا۔ وہ دیکھے گا کہ یہ شخص تو خوش ہوتا ہے اور اس کا خوش ہونا اس کو پسند نہیں پس وہ دوسرے ڈانا چھوڑ دے گا اور بہت آسانی سے اس سے نجات

ہو جائے گی۔ اور اگر نجات نہ بھی ہو تو بھی پرواہ نہیں کیونکہ جب یہ معصیت نہیں تو اس سے نجات کی ضرورت کیا ہے، اور جیسا بے پرواہی مدد لیری اور بے توجہی سے یہ قطع ہو جاتا ہے اسی طرح اگر اس سے ڈرا کرے اور اس کے غم میں پڑ جاوے اور یہی فکر ذکر رکھے اللہ سوچا کرے تو یہ روز بروز بڑھتا جاتا ہے کہ اس کے بڑھنے سے گناہ تو نہیں ہوتا مگر خواہ مخواہ ایک واہیات پریشانی ہوتی ہے۔ پس عمدہ علاج یہ ہے کہ ہر دو سو سے کا با تفصیل جواب سوچنا یا کسی سے پوچھنا یہ طریقہ مضر ہے، اس میں اگر فوری تسلی بھی ہو جاتی ہے تو دو چار روز کے بعد پھر اس کے جواب میں کوئی خدمتہ ہو جاتا ہے پھر دو سو سے ستانے لگتا ہے اور نفس میں اچھا خاصا ایک مناظرہ کا میدان گرم ہو جاتا ہے اس لئے اس طریق کو ہرگز اختیار نہ کرنا چاہئے بلکہ بجائے اس سوچ بچار کے ذکر اللہ کا مشغل رکھے کہ وہ قاطع و یوم بھی ہے جیسا حدیث میں آیا ہے اور اس سے قلب میں بھی قوت پیدا ہوتی ہے جس سے وہ ایسے خرافات سے متاثر نہیں ہوتا پس خلاصہ تا مقرر تقریر کا مین امر میں ہے :-

- ۱۔ ایسے دس آدمی کی کچھ پرواہ نہ کریں نہ ان کے دفع کی فکر کریں۔
 - ۲۔ اس کا جواب نہ سوچیں نہ کسی سے وجہ پوچھیں کتاب و سنت کو بلا دلیل حق سمجھیں گو کسی بات کی وجہ سمجھ میں نہ آوے گو قلب میں اس کا خطرہ آوے۔
 - ۳۔ ادھر سے اعراض کر کے اللہ کے ذکر میں متوجہ رہیں خواہ درود شریف خواہ استغفار یا اور کچھ اس میں خیال لگائے رہیں۔
- انشا اللہ تعالیٰ آپ کے قلب کو ایک ہی روز میں بلکہ ایک منٹ میں پوری تسکین و راحت حاصل ہو جاوے گی اور پھر کبھی عمر بھر بھی تشویش نہ ہوگی۔

والسلام، از تہانہ بیہون یکم جمادی الاول ۱۳۲۱ھ (ماخوذ التکشف ص ۲۱)

دوسرے خلاف تقویٰ نہیں

تَبَيَّنَ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا هَمَّ مِنْهُمُ طَائِفَةٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ
تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُبْصِرُوْنَ ؕ (الاحزاب)

اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے کا آنا خلاف تقویٰ نہیں بلکہ متقی کو بھی دوسرے
آنا ہے اور وہ اس کے ساتھ بھی متقی رہتا ہے اس میں بڑی تسلی ہے اہل سلوک
کے لئے پس دوسرے سے پریشان نہ ہونا چاہئے۔ (انفاس عیسیٰ)

دساوس کا سہل و مجرب علاج

تبیین: ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ دوسوسوں سے خوش ہونا چاہئے تاکہ شیطان
تمہاری خوشی دیکھ کر بھاگ جائے کیونکہ اس کو مسلمان کی خوشی گوارا نہیں وہ تو رنج دینے کے
لئے دوسرے ڈالتا ہے پھر جب دیکھے گا کہ اس کو اتنی خوشی ہے تو بھاگ جاوے گا لیکن یہاں
پر ایک بات قابل یاد رکھنے کے ہے کہ دساوس پر اس نیت سے خوش نہ ہو کہ اس خوشی سے
دساوس دفع ہو جاوے گی کیونکہ شیطان ان نکتوں کو سمجھتا ہے جب وہ دیکھے گا کہ یہ دفع دسا
کے لئے تدبیر کر رہا ہے تو وہ کبھی نہ بھاگے گا۔ بس اس کا سہل نسخہ یہی ہے کہ ان کی
پردہ ہی نہ کرے اور دفع کی نیت ہی نہ کرے۔ دفع دوسرے کا قصد کرنے سے ان کی
طرف اور توجہ بڑھے گی۔ گھٹنے گی نہیں۔ پھر جب شیطان اس کو دوسرے کی طرف متوجہ پامیگا
تو اور زیادہ دوسرے ڈالے گا۔ بلکہ جب دوسرے آئے اس وقت مقصود کی طرف
توجہ کی تجدید کرے۔ (تربیت السالک)

دیگر

حاصل: یہ تو عام حالت ہے اس کے علاوہ اکثر حضرت کی زیارت کا دل میں

ایک دلو لہ پیدا ہوتا ہے اور طبیعت چاہتی ہے کہ اسی وقت تھانہ بھون اپنی چکر حضرت کی زیارت کر لیں اور اسی کے ساتھ ساتھ بعض ایسے وسوسے آتے ہیں کہ زبان پر لگاتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے، کبھی خیال آتا ہے کہ نہ معلوم اب حضرت کی زیارت نصیب ہوگی یا نہیں کبھی گمان ہوتا ہے کہ میرے جیسے گنہگار اس قابل کہاں جو ایسے بزرگوں کی زیارت کریں۔ بلکہ مجھ ایسوں کو دیکھ کر ان کے ذرا نی قلب تکدر محسوس کرتے ہیں گے کبھی خیال آتا ہے کہ حضرت اکثر علیل رہتے ہیں اور ضعف و اضمحلال اب زیادہ ہو گیا ہے۔ یہ معلوم میرے پیچھے ہی کیا ہو جائے غرض اس قسم کے بیسیوں وسوسے آکر پریشان کرتے ہیں اور ایک بے خودی کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض مرتبہ روتے روتے ہچکیاں بندھ جاتی ہیں۔ ایک مرتبہ جب بہت ہی بے چین ہو گیا اور صبر مشکل ہو گیا تو فلاں مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے تسلی و تشفی کا خواہاں ہوا انہوں نے بہت کچھ تسلی فرمائی، دلا سے دیتے مگر اس وقت تو عارضی سکون ہو گیا۔ پھر وہی وسوسے اور خدشے پیدا ہو کر مگر بند بنائے ہوئے ہیں۔

تختیوت: کلیہ ہے کہ جو حالت بلا اختیار ہو وہ محمود ہی ہے۔ خصوصاً غلبہ محبت کی حالت کہ اس کے بعض افراد یا بعض آثار ناقص تو ہو سکتے ہیں مگر مذموم یا مضر نہیں ہوتے اس سے بے فکر رہیں اور ناقص مقابل کامل کے ہے۔ جو کامل حالت وہ ہے کہ یہ عمل پر غالب نہ ہو۔ کما کان علیہا الصحابة رض۔ سو اس کے لئے تدبیر دعا ہے، کہ ہر حال میں طبع پر عقل اور دین غالب رہے۔ اس دستور العمل کے بعد اس پر اجماع ہے کہ

در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر است

بر صراط مستقیم لے دل کسے گمراہ نیست

(تربیت سالک حصہ دوم ص ۴۹)

دیگر

مالہ: یہ عرض کرتے جیابھی آتی ہے اور خوف بھی۔ حق تعالیٰ حضرت کے قدم کی برکت سے مجھ پر رحم فرمادیں کہ کچھ زمانے سے کبھی کبھی حق تعالیٰ کا وجود اور اس کی مشیت و ارادہ سب ہی مشکوک نظر آنے لگا ہے۔ مثلاً استدلالاً نہیں بلکہ محض طبعاً و وجداً دینا کا نظام اور قانون بجائے ذات قدس جل مجدہ کے تحت امر و مشیت اور قصد و قدرت ہونے کے ایک عمومی حرکت طبعی و مادی اور محرکات اتفاقیہ سے زیادہ ہمت نہیں معلوم ہوتی۔ مستقر اللہ ثم مستقر اللہ۔ لیکن اس کے باوجود معصیت کی بھی جرأت نہیں تجزیہ کرنے پر اس عدم جرأت کا منشا محض رسم و عادت اور قلبی ضعف معلوم ہوتا ہے۔ بیحد تاسف کے ساؤ خیال ہوتا ہے کہ اے خدایا جس ہستی کی رہنمائی نے نصف صدی تک امت مرحومہ کے قلوب کو آپ سے وابستہ کیا اور وہ دلبستگی متجاوز ہو کر آفاق میں آج تک جاری ہے، اور فلون کو آپ سے مربوط کئے ہوئے ہے (ارادہ بجدہ و کان ۲ کذالک) آج ہی امداد کے لئے کیا ہونے والا ہے رکس مرکز پر جا کر رکے گی اللہم ارحمنا واعف عنا و اهدنا۔

تختیو: ایسے دشت پر خار سے سب کو گزرنا پڑتا ہے اور جو علامت ہے قطع مسافت کی ورنہ خانہ نشین کو بجز مامون (مخفوظ) دیواروں کے کیا نظر آوے گا۔ مگر اس خارستان سے گزرنے والے کو کہہ دیا جاتا ہے ۷

باغبان گریخ روز سے صحبت گل بایدیش

برجھائے خار ہجراں صبر بلبیل بایدیش

کیا احادیث میں حضرات صحابہؓ نے اسی کی امثال خطرات کے متعلق یہ عرض نہ کیا تھا کہ جل کر کوئلہ ہو جانا ان کو زبان پر لانے سے احب (زیادہ محبوب) ہے اور کیا حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ان کی تشدید کے ان کو تہوین کے لئے یہ نذر مایا تھا :
 الحمد لله الذى رد كيدا الى الوسوسة اور ذاك صبح الايمان
 اور کیا یہ تعلیم دفع الوقتی تھی یا مغز تحقیق تھی اور کیا وہ تحقیق منسوخ ہو گئی یا قیامت تک
 باقی ہے۔ پھر قبل کے بعد کیا سوال رہا۔ اگر اس سے زیادہ گندے وساوس غیر اختیاری ہو جائیں
 مگر تصدیق کا اختیاری درجہ باقی ہوتا ہی فیصلہ ہوگا۔

لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ (المائدہ)
 (مع الضمام قولہ تعالیٰ) وَإِنْ جُنَدْنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ۝ (الصفۃ)

بالکل بے فکر میں یہ سب خود ہبائے منشوراً ہو جاوے گا۔ (ماخوذ النور شوال ۱۳۵۹ھ)
 و تربیت السالک حصہ دوم ص ۴۰۷ و ۴۰۸)

ذکر اللہ دافع وساوس ہے

نہر مایا ذکر اللہ کی یہ خاصیت ہے کہ اس کے بعد وساوس باقی نہیں رہتے
 صرف مشابہہ وساوس کا رہتا ہے اور اس کی ایک حدیث مؤید ہے إِذَا دُكِرَ اللَّهُ
 خَسَنَ وَإِذَا عَفِلَ وَسَّوَسَ فِي نَفْسِ الْإِنْسَانِ نِشَالٌ تَجْوِيزُكَ بِهٖ كَمَا أَنَّ
 كَے اور پرکھی بیٹھ جائے تو ظاہر رکھنے والوں کو گوارا نہ رہی معلوم ہوگی مگر حقیقتاً باہر ہی ہے
 اور یہ وساوس کو بہت ہلکا مرض ہے مگر لوگوں نے اس کو بڑا بیماری بنا لیا ہے۔ جیسے کسی کا
 دوڑنے میں سانس پھول جاتے اور حکیم سے آکر کہے کہ حکیم صاحب مجھے تو دمہ کی بیماری ہو گئی
 ہے تو حکیم ہنستا ہے کہ حق یہ تو تیرے دوڑنے سے عارضی حرکت پیدا ہو گئی ہے۔ چند
 منٹ میں دفع ہو جائے گی یہ دمہ نہیں ہے۔ ایسے ہی مبتدی وساوس سے ڈرتا ہے
 مگر محقق کہتا ہے تم پر دانہ کرو۔ التفات نہ کرو اور بے التفاتی سے بھی دفع کا قصد نہ کرو
 کہ یہ بھی التفات ہے، پس یوں ہی بے فکر رہو، اگر تمام عمر بھی اس میں گزر جائے کچھ پروا

یہ درخواست اسی حالت میں موت آجائے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ دوسرے نہ ہوتے تو اچھا تھا۔ میں کہتا ہوں عسی
أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ مَثَلًا يَسْمَعُ لَكَ أَجَابًا وَمِنْ
ابھی ہو گیا، مرنے وقت ہوتا تو بڑی پریشانی ہوتی۔ اب مرنے کے وقت بھی دس دس
تے تو یہی خیال ہو گا کہ اچھا یہ سُسرا (بد معاش) وہی ہے جو زندگی میں دق کرتا
تھا اور محض ناچیز نکلا۔ دس دس سے پریشان ہونے والے اس سے منعموم ہوتے
ہیں کہ یہ کلام نفس کر رہا ہے میں نے اس کا جواب دیا ہے کہ نفس متکلم نہیں ہے بلکہ
سابع ہے اور متکلم شیطان ہے اور تحدیث کی اسناد نفس کی طرف مجازی ہے ،
جب یہ ہے تو مواخذہ متکلم پر ہے نہ کہ مستمع پر۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے ہم کسی

بادشاہ کی ملاقات کو جا رہے ہوں اور راستہ میں کوئی حاسد جو حاضری دربار سے
ہم پر حد کرتا اور روکتا چاہتا ہے۔ بادشاہ کو گالی دینے لگے تاکہ ہم اس میں لگ کر
جانے سے رُک جائیں تو ہم کو چاہئے کہ اس کی طرف التفات کریں ایسے ہی شیطان سے
چاہتا ہے کہ یہ شخص مجھ میں مشغول ہو ذکر اللہ میں مشغول نہ ہو۔ اس لئے جب کبھی دس دس
آویں تو یہ سمجھے کہ شیطان کہہ رہا ہے اور میرا قلب سُن رہا ہے چنانچہ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ
الْخَنَّاسِ میں صاف دلالت ہے کہ دوسرے شیطان کا فعل ہے۔

سلیمان دارانی نے لکھا ہے کہ جب دوسرے آئے تو خوش ہو۔ رہا یہ کہ اس ترکیب کی
بھی تو شیطان کو خبر ہے، جو اب یہ ہے کہ شیطان کو ضامنہ وغیرہ کی خبر نہیں وہ عالم الغیب
تھوڑا ہی ہے۔ فرشتوں کو بھی جب آدمی بختہ ارادہ کرتا ہے تب خبر ہو جاتی ہے وہ
نہیں ہوتی جیسے ذکر خفی کی نسبت ایک حدیث میں ہے کہ کاتبین اعمال کو بھی اس کا

پتہ نہیں ہے
میانِ عاشق و معشوق رمزیت
کراما کا تبیں راہم خبر نیست

بزرگوں نے لکھا ہے کہ شیطان کو بھی دھوکا ہو جاتا ہے اسے اپنے کئے کا انجام معلوم نہیں ہوتا پس دوسرے ڈالا تو ضرر کے لئے وہاں اٹا جا پڑا کا نفع ہو کر ثواب عطا ہو گیا۔ بزرگوں کے ایسے ہی علوم کی وجہ سے حدیث ہے **فَقِيهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ غَلْوًا** الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ یعنی محقق اس کے مکائد پر مطلع کر دیتا ہے جس سے یہ پریشان ہوتا ہے کہ میری ساری ترکیب کرمی کرائی بیکار ہو گئی، اگر وہ یہ سمجھ جاتا ہے تو وہ وقت کو خراب نہیں کرتا۔ غرض وہ دوسرے سے مومن کو ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ اسی طرح ایک قصہ ہے مشابہ دوسرے کے۔ بعضے لوگ کہتے ہیں کہ شیطان مرنے کے وقت پیشاب پلاتا ہے۔ میں کہتا ہوں اگر مومن جانتا ہے تو پئے گا کیوں اور اگر نہیں جانتا تو ضرر کیا ہے، بلکہ مرتے وقت ایمان بہت قوی ہو جاتا ہے۔ دوسرے سے زائل نہیں ہوتا۔ اس لئے ایسے امور سے ہرگز پریشان نہ ہونا چاہئے کیونکہ دو جاہل سے خالی نہیں اگر انسان کے ہوش و حواس درست ہیں تو مومن کفر کو قبول پسند کرے گا اور اگر درست نہیں تو مفرغ العلم ہے معاف ہے نہ معلوم لوگ اس کم نجت شیطان سے کہا قدر کیوں ڈرتے ہیں یہ تو کوئی ڈرنے کی چیز نہیں۔ ایک شاعر نے اس حدیث کا ایک شعر بنایا ہے

فَاِنَّ فَقِيهًا وَاحِدًا مُتَوَرِّعًا
اَشَدُّ عَلَيَّ الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ (اشرف السراخ)

خَطَرَةٌ

خطرہ ہر چند مواخذ سے کی چیز نہیں مگر اس کا غلبہ و هجوم طبیعت کو بہت پریشان کر دیتا ہے اور اتہاد درجہ کا حزن و الم قلب پر طاری ہو جاتا ہے سو یہ امراض شرعیہ میں تو نہیں ہے اس حیثیت سے اس کا علاج ضروری نہیں مگر امراض طبیعیہ میں سے سخت درجہ کا مرض ہے اس لئے اس کا علاج سہل و مجرب اور مخفرض کیا جاتا ہے وہ یہ کہ

خطر سے کی حقیقت بلا اختیار نفس کا کسی بری چیز کی طرف متوجہ ہونا ہے چونکہ یہ مثلہ
 بہت عقل و تہذیب و علماء و علماء ثابت ہے کہ نفس جس وقت ایک طرف متوجہ ہوتا ہے
 دوسری طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ اس لئے جب کسی بری چیز کا خیال دل میں آدے تو اس کے
 دفعہ کا قصد نہ کرے نہ اس میں اور نہ اس کے سبب میں غرض کرے، کیونکہ اس طرح یہ
 اور زیادہ پختا ہے بلکہ فوراً کسی نیک چیز کی طرف خیال کو متوجہ کر دے اس سے وہ بُرا
 خیال خود بخود دفع ہو جاوے گا، اور اگر وہ پھر خیال میں آدے پھر ایسا ہی کرے،
 انشاء اللہ تعالیٰ اس تدبیر سے اس کا اثر بلکہ خود وہ خطرہ ہی متخیلہ سے بالکل نکل
 جاوے گا۔ علاج کلی اس کا یہی ہے۔ حدیث میں جو ایسے وقت میں بعض اذکار یا مطلق
 ذکر کی ترغیب دی گئی ہے اس سے یہ علاج مستنبط ہے۔ (التکشف ص ۱۵)

شک اور تردد کا علاج

حال: ایک صاحب نے تحریر کیا کہ حضرت اقدس اس ناچیز کی طبیعت کچھ مشکلی
 واقع ہوئی ہے مخالفین کے اعتراض سن کر طبیعت منرد ہو جاتی ہے اس لئے حضرت اقدس
 ہی کی تصانیف کا مطالعہ کرتا ہوں۔ جب طبیعت میں تردد و شک سا ہوتا ہے تو بفضلہ تعالیٰ
 عمل میں تو کوئی فرق نہیں آتا البتہ عبادت میں دو پہلی سی دلچسپی نہیں رہتی اور دل رنجیدہ
 اور اندوہگین سا رہتا ہے۔ ساتھ ہی دل اس شک یا تردد کو مکر وہ اور بُرا جانتا ہے مگر
 رہتا ضرور ہے۔ سمجھتا ہوں کہ گویا منافق ہو گیا ہوں۔ حضرت اقدس فرمادیں کہ یہ مرض کس
 طرح دور ہو۔

تختہ: ایسی چیز مت دیکھو جس سے شک یا تردد پیدا ہو اور جو بلا قصد
 ایسی بات کان میں پڑ جائے اور یہی حالت پیدا ہو جائے تو اس کو کسی خاص تدبیر سے
 زائل کرنے کی ضرورت نہیں کہ اس اہتمام سے پریشانی بڑھے گی اور ہمیشہ کے لئے ایک

مستقل مشغل ہو جاوے گا۔ بلکہ بجائے قریر کے اس سے بے التفاتی اختیار کر دو اور کتنا ہی دوسرے ستارے بالکل پر ماہ مت کرو البتہ دعا و تضرع کرتے رہو اور اس کو کافی سمجھو۔ انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد طبیعت صاف ہو جائے گی اور جب یہی عادت ہو جاوے گی تو قلب میں ایسی قوت پیدا ہو جاوے گی کہ وہ ایسی چیزوں سے متاثر نہ ہوگا یہ ہے حکمی نسخہ جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ابھی دو چار ہی دن ہوئے کہ عطا ہوا ہے جو بہت بڑا علم ہے واللہ۔ (ترتیب السالک حصہ دوم ص ۱۲۵)

حزن بھر خاص مجاہد ہے

حال :- کل میرے یہاں میرے چھوٹے بھائی کی لڑکی کا تین سال کی عمر میں انتقال ہوا، اگرچہ یہ معمولی واقعہ تھا، مگر قصہ یہ ہے کہ اس بچی کو میرے ساتھ انس و عشق تھا۔ اور مجھ کو بھی دنیا میں کسی عزیز قریب کے بچے سے اس قدر الفت نہ تھی جو اس سے تھی بلکہ اس کو اولاد کی جگہ تصور کر رکھا تھا۔ اس واقعے سے بندہ سخت محزون و مضطرب ہے حتیٰ تعالیٰ انشاء اپنی محبت میں تمام ماسوا سے بیزار فرمائے کہ عشق را با حقی و باقیوم دار حضرت بھی میری تسکین کے واسطے دعا فرمائیں۔ اس کا خیال بے اختیار اکثر اوقات آتا رہتا ہے، اور بیچین رکھتا ہے۔

تختہ، یہ بھی باطن کو مفید ہے، اکابر طریقی نے تصریح کی ہے کہ حزن کے برابر کوئی مجاہدہ نافع نہیں بشرطیکہ اس سے کام لیا جاوے یعنی غفلت عن اللہ نہ ہو اور غیر اللہ کی بے ثباتی کا اور اپنے ضعف و عجز کا استحضار رکھے اور اس استحضار سے اخلاق میں انکساری اختیار کرے۔ مَنْ شَاءَ فَلْيُجِرِّبْ (جس کا جی چاہے تجربہ کر لے)

(ترتیب حصہ پنجم ص ۱۶۷)

خوف اور احتیاط کی بھی حد ہے

حالیہ: آج کل بندہ بہت پریشان ہے جب سے یہ حدیث شریف (بخاری) نظر سے گزری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یصلون لکم فان اصابوا فیکم وان اخطاء و افلکم و علیہم۔ جب نماز پڑھنے لگتا ہوں اور یہ حد یاد آتی ہے وان اخطاء و افلکم و علیہم عقابہا تو بجد پریشانی ہوتی ہے۔ میں بھی غلطی کرنے والوں میں سے ہوں اور میرے پیچھے جمعہ وعید میں ہزاروں آدمیوں نے نماز پڑھی ان کا عقاب بھی میرے سر پر ہوگا۔ یہ خیال آنے کے وقت گریہ و خوف ہو جاتا ہے کبھی کبھی گریہ کی وجہ سے آواز بھی نکل جاتی ہے اور آنسو ہر وقت جاری رہتا ہے اور خوف کی وجہ سے دودن امامت نہیں کر سکا۔ اور دودن سے کھانا بھی خون سے نہیں کھا رہا ہوں بھوک نہیں لگتی۔ جیسا آپ کا حکم ہو اس پر فدیوی عمل کرے گا۔

تخصیص: خوف و احتیاط کی بھی حد ہوتی ہے ظہر اس میں بھی مذموم ہے جو سلف صالحین امامت کرتے تھے کیا وہ اپنے کو امامت کا اہل سمجھتے تھے اس کا تو گمان بھی نہیں مگر بھر بھی حکم شرعی سمجھ کر نہیں چھوڑا اور اپنی کوتاہی پر استغفار کرتے رہے بس یہی طریقہ ہم لوگوں کو اختیار کرنا چاہئے اگر اس کے بعد بھی خوف رہے وہ نعمت ہے اور اگر اس درجہ کا نہ رہے وہ بھی نعمت ہے کیونکہ یہ احوال ہیں اور غیر اختیاری اور ایسی چیزیں سب نعمت خیر ہیں۔ (تربیت السالک جلد دوم ص ۲۳۹)

موت سے ڈر ضعف قلب کی وجہ ہے

حالیہ: مجھے موت سے بہت خوف معلوم ہوتا ہے اور میں خیال کرتا ہوں کہ مجھے موت سے نفرت طبعی اس حد سے بھی تجاوز ہے جس کا ثبوت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

کی حدیث سے ہوتا ہے یہاں تک کہ حملہ میں اگر کوئی مر جاتا ہے تو کسی روز تک خوف سوار رہتا ہے۔ رات کو عشاء کی نماز میں جاتے ہوئے خوف معلوم ہوتا ہے اور کبھی کسی دوسرے کے لئے موت کو اچھا سمجھتا ہوں تاکہ میں نماز جنازہ پڑھوں اور جنازے کے ساتھ جاؤں اور ثواب حاصل کروں۔ بہر حال بہت نفرت ہے موت سے، حالانکہ وہی ذریعہ ہے خدا کی ملاقات کا اور صوفیائے کرام کے حال پر حجب نظر ڈالتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک موت سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہیں۔

حقیق :- غلط ہے۔ بعض مستم بزرگوں کو میں نے موت سے ایسا ہی ڈرتے دیکھا ہے۔ منشا اس کا ضعف قلب ہے جو بالکل مذموم نہیں۔

(ترجمت السالک حصہ دوم ص ۱۵۱)

دوسرے کا علاج مستونہ

حدیث سے، حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) شیطان میرے اور میری نماز و تراویح کے درمیان حائل ہو گیا ہے کہ اس میں شبہات ڈال دیتا ہے۔ (یعنی حمد و رکعات و قراءت و عدم قراءت میں شک پیدا ہو جاتا ہے۔) آپ نے فرمایا یہ ایک شیطان ہے جس کا لقب خنزب ہے۔ جب تم کو اس کا کوئی اثر معلوم ہو تو اَعُوذُ بِاللّٰهِ پڑھو اور بائیں طرف تین بار تھمتا دو۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس پر عمل کیا سو اللہ تعالیٰ نے اس کو مجھ سے دفع کر دیا۔ (رواہ مسلم)

نوٹ: دوسرے کا علاج مختلف طریقے سے آیا ہے، ان میں سے ایک طریق یہ بھی ہے۔ حاصل سب کا توجہ الی اللہ و ترک التفات الی الوسوسہ ہے اور سب طریق اسی کے تحصیل کے ذرائع ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی نحوذ باللہ ذریعہ توجہ الی اللہ کا ہے اور بائیں طرف تھمتا کرنا ترک التفات، طریقہ ترک التفات الی الوسوسہ کا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ طریق خاص نماز شروع کرنے سے قبل کا ہے اور اس طرح دوسرے کا ازالہ کر کے نماز میں کھڑا ہو جائے اور داخل صلوٰۃ کے مسئلہ کی طرف متوجہ رہنا کافی ہے۔ واللہ اعلم (التکلیف)

اخلاق حمیده

حقیقتِ نفس

تشریح

نفس انسان کے اندر ایک قوت ہے جس سے کسی چیز کی خواہش کرتا ہے، خواہ وہ خواہش خیر ہو یا شر۔ اگر اکثر شر کی خواہش کرے اور نادم بھی نہ ہو اس وقت امارہ کہلاتا ہے۔ یعنی کثیر الامر یا سوء و دہوی اسی مرتبہ کی خواہش کا نام ہے اور کبھی کبھی اس میں خیر کی بھی خواہش پیدا ہو جانا اس مفہوم کے منافی نہیں کیونکہ کثیر الامر کو دائم الامر ہونا لازم نہیں اور اگر نادم بھی ہونے لگے تو لوامة کہلاتا ہے اور اگر اکثر خواہش خیر کی کرے اس وقت مطمئنتہ کہلاتا ہے، بمعنی ساکن الی الخیر۔ گو اس میں شر کی بھی خواہش بلا عمل احياناً پیدا ہو جاوے۔ کیونکہ محض انجذاب بمعنی میلان منافی سکون کے نہیں۔ چنانچہ اجسام ثقیلہ باوجود میلان الی مرکز کے ساکن بھی دیکھے جاتے ہیں البتہ اس خواہش کے مقصد پر عمل کرنا حرکت من المقر ہے، یہ البتہ منافی سکون ہے تو اس صورت میں مطمئن نہ رہے گا۔ غرض دونوں خواہشیں خیر کی بھی، شر کی بھی نفس ہی کے متعلق ہیں البتہ اسباب ہر خواہش کے جدا جدا ہیں بعض تو مشابہ ہیں جیسے نصیحت و صحت نیک، خواہش خیر کے لئے اور اغواء و صحبت بد خواہش شر کے لئے اور بعض اسباب غیر مشابہ ہیں جیسے القاد ملک (فرشتہ) خواہش خیر کے لئے اور القاد شیطان خواہش شر کے لئے۔ اسی کو حدیث میں لمة الملك و لمة الشيطان اور العباد بالخیر اور العباد بالشر سے تعبیر فرمایا ہے اور بزرگوں کا مباحات کو چھوڑنا اس بنا پر نہیں کہ مباحات کی خواہش ہو اُسے نفسانی ہے بلکہ اس بنا پر ہے کہ وہ مفضی الی الہوی نہ ہو جائے۔ اس تقریر میں تامل کرنے سے امید ہے کہ سب ثبہات زائل ہو جائیں گے، کیونکہ اس میں منشاء اشتہاء کام تفع ہوگا۔ (التکشف)

حقیقت اخلاق
 اخلاق سب نظری و مجلی ہیں اور مدبجہ فطرت میں کوئی خلق نہ مذموم ہے نہ محمود بلکہ
 موافق استعمال سے ان میں مدح و ذم آجاتی ہے۔ مَنْ أَعْطَىٰ لِلَّهِ وَصَّعَ لِلَّهِ فَقَدْ
 اشْتَكَمَ الْإِيمَانَ (یعنی جس نے اللہ تعالیٰ سے ہی کی رضا کے لئے دیا اور اللہ
 تعالیٰ سے ہی کی رضا کے لئے روکا تو اس کا ایمان مکمل ہوا) اس میں اعطاء و منع دونوں
 کے ساتھ اللہ کی قید ہے جس سے معلوم ہوا کہ سخاوت مطلقاً محمود نہیں، نہ بخل مطلقاً
 مذموم، بلکہ اگر خدا کے لئے ہوں تو دونوں محمود۔ ورنہ دونوں مذموم۔ (انفاس عیسیٰ ص ۱۸۷)

نیت

حقیقت نیت

دل کا ایسی چیز کی طرف ابھرنے جس کو اپنی غرض و نفع کے موافق سمجھتا ہے اس کو
 نیت کہتے ہیں۔ اور اس کے معنی ارادہ و قصد کے ہیں کہ جس سے کسی کام پر قدرت
 پیدا ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر کام کے لئے پہلے علم کی ضرورت ہے اور علم کے بعد اس
 کے عمل میں لانے کا قصد و ارادہ ہوتا ہے۔ اور اس کے بعد ہاتھ پاؤں ہلانے اور اس کام
 کے کرنے کی قدرت پیدا ہوتی ہے، گو یا قدرت قصد و ارادہ کی خادمہ ہے۔ مثلاً ہمارے
 اندران لذتوں کی خواہش رکھی ہوئی ہے جو آخرت میں ملنے والی ہیں اور جن کا علم عقل و
 شرع کے ذریعہ سے حاصل ہوا ہے اور قدرت چونکہ اس خواہش اور میلان کی کبھی خادمہ ہے لہذا وہ
 اعضا کو حرکت دے گی۔ اور خواہش کو پورا کرنے لگی۔ پس وہی عزم اور نیت میلان جس نے
 ہاتھ پاؤں ہلانے پر آمادہ کیا نیت کہلاتا ہے۔ مثلاً جہاد میں جانے والا شخص اپنے گھر سے نکلا
 تو دیکھو اس کو گھر سے نکلنے والا باعث و محرک کیا چیز ہے، اگر اس کا باعث مال غنیمت ہے یا
 شہرت و نیک نامی کا حاصل کرنا ہے تو وہی کو اس کی نیت کہیں گے۔ (تبلیغ دین)

نیت و ارادہ

(جب کام شروع کرے تو شروع میں ایک نیت کر لینا کافی ہے، اگر ہر بار نیت کی ضرورت ہو تو کوئی بھی فعل اختیاری نہ ہو سکے گا۔

دیکھئے مسجد کی طرف نماز کی نیت سے چلنا موجب ثواب ہے مگر ہر قدم پر نیت منی و ارادہ رافع قدم ضروری نہیں۔ اس طرح تو چلنا بھی دشوار ہو جائے گا۔ غرض اغفال اختیار یہ کے لئے حدود میں تو ارادہ کی ضرورت ہے، مگر اس کے بقا، میں ضرورت نہیں۔ ایک دفعہ نیت کافی ہے۔ پھر جتنی دیر تک وہ فعل کرتے رہو گے وہی نیت مستمر (یعنی جاری) رہے گی۔ (العید و العید ص ۴)

نیت یہ ہو کہ ہمیں راستہ نظر آ جاوے اور رہہ بننے کی نیت شرک فی السطریۃ ہے، بلکہ بزرگ بننے کی بھی نیت نہ ہونی چاہئے۔ اگر یہ نیت ہے تو وہ شخص غیر حق کا طالب ہے۔ خود کچھ تجویز نہ کرے۔ (کمالات اشرفیہ ص ۱۲۴)

إِحْلَاص

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-
 وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ
 مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءً
 اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

حق تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں
 کی طرف نظر نہیں فرماتے لیکن حق تعالیٰ
 تمہاری نیتوں اور اعمال پر نظر فرماتے ہیں۔
 إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُورِكُمْ
 وَأَمْوَالِكُمْ وَلَا كَيْفَ تَنْظُرُونَ
 إِلَىٰ نِيَّاتِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ

حقیقتِ اخلاص

اپنی طرف سے سرت اللہ تعالیٰ کے تقرب و رضا کا قصد رکھنا اور مخلوق کی خوشنودی اور رضامندی یا اپنی کسی نفسانی خواہش کی آمیزش نہ ہونے دینا اخلاص ہے۔
 اخلاص کے وجوداً اور عدماً تین درجے ہیں ایک یہ کہ فعل کے وقت غایتِ صحیح کا قصد ہو، یہ تو غایتِ اخلاص ہے اور یہی مقصود اور مرتبہ کمال کا ہے۔ دوسرے یہ کہ غایتِ فاسد کا قصد ہو۔ یہ بالکل اخلاص کے خلاف ہے، ایک یہ کہ کچھ بھی قصد نہ ہو نہ غایتِ صحیح کا نہ غایتِ فاسد کا، بلکہ بونہی معمول کے موافق ایک کام کر لیا یہ درجہ بین بین ہے اس کو اخلاص سے اتنا بعد نہیں جتنا دوسرے درجہ کو بعد ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک صورت تو یہ ہے کہ ہم نماز پڑھیں اور قصد یہ ہو کہ خدا تعالیٰ ہم سے راضی ہوں گے۔ اس کے سوا اور کوئی نیت نہ ہو۔ یہ تو اخلاص کا درجہ کمال ہے۔ ایک یہ صورت ہے کہ نماز پڑھتے ہوئے کسی دوسرے شخص کے دکھانے کا خیال ہو کہ فلاں شخص ہمارے حضور و خضر کو دیکھ کر ہمارا معتقد ہو جاوے گا۔ یہ بالکل اخلاص کے خلاف ہے، ایک یہ صورت ہے کہ ہم معمول کے مطابق نماز پڑھ لیں، نہ وہ خیال دل میں ہو نہ یہ خیال ہو۔ یہ مرتبہ بین بین ہے۔ یہ اگر اخلاص کا درجہ کمال نہیں تو اخلاص کے زیادہ منافی بھی نہیں۔ اس کو اخلاص سے تذبذب ضرور ہے، مگر ظاہر ہے کہ فعل اختیار، فاعل مختار سے بدون کسی غرض کے تصور کے نہیں ہو سکتا تو اس کی کیا وجہ کہ بعض دفعہ ہم ایک فعل کرتے ہیں مگر نیت کچھ نہیں ہوتی محض عادت کی برکت ہے۔ جب کسی کام کی عادت ہو جاتی ہے تو وہ خود بخود صادر ہونے لگتا ہے اس کے لئے بار بار ارادہ اور عزم نہیں کرنا پڑتا۔ یہ مطلب نہیں کہ نماز کی نیت بھی نہیں ہوتی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ کسی غایت پر نظر نہیں ہوتی۔ تکرار کی وجہ سے عادت ہو گئی ہے،

اور عادت کے بعد غایات کا لحاظ نہیں ہو کر تا۔ پس معلوم ہوا کہ جس کام میں تکرار ہو اس میں اخلاص سے من و جہ قرب ہے، اور جس میں تکرار نہ ہو، اس میں اخلاص اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک غایت صحیح کا تصور اور اس کا قصد نہ ہو۔ (اشرف المسائل ص ۱۹)

عدم اخلاص کا شبہ اور اس کا علاج

حالیہ: حضرت اپنے متعلق جب تک بے خیالی میں پڑا رہوں جب تک توخیر لیکن غور و خیال کے بعد سخت اضطراب و کش مکش میں پڑ جاتا ہوں۔ عام عبادات و فرائض کا تذکرہ ہی نہیں کہ وہ تاثر ایک عادت کے ماتحت محض رسم کے طور پر جوں توں ادا ہوتے رہتے ہیں بغیر کسی قسم کی تازگی ایمان و بیداری و تعلق مع اللہ کے، خود ان چیزوں پر جب بعد کو غور کرتا ہوں جنہیں اپنے نزدیک خاص و لولہ دینی و حرارت ایمانی کے ساتھ انجام دیا تھا۔ مثلاً ماحدہ کا جواب یا ترجمہ و تفسیر قرآن مجید وغیرہ تو بعد غور نہیں بھی اخلاص سے معرہ پاتا ہوں، اور ان کی تہ میں بھی رضائے خالق سے کہیں زیادہ رضائے مخلوق ہی کا جلوہ نظر آتا ہے۔ بار بار یہ جرح کرتا ہوں کہ اگر کہیں سے مطلق داد ملنے کی توقع نہ رہے تو جب بھی فلاں فلاں خدمت کا عزم و حوصلہ باقی رہے گا۔ بار بار جی میں الجھن جرت بلکہ یاس تک پیدا ہو جاتی ہے کہ کہیں یہ سب الذین فصلت سمعہم فی الخیوۃ الدنیٰ کا مصداق نہ ٹھہر جائے اور کہیں کا بھی نہ رہوں۔ جب کبھی جناب والا کے مواعظ و تصانیف میں س یا وغیرہ کا بیان دیکھ لیتا ہوں تو وقتی طور پر تسکین ہو جاتی ہے لیکن پھر کہتا ہوں کہ کہیں یہ بھی دھوکا تو نہیں ہے کہ خواہ مخواہ دوسروں کا اور چھوٹے کھال اپنے اوپر منطبق کر رہا ہوں۔ کئی دن سے اس کیفیت کا زیادہ زور ہے، اس لئے بے اختیاراً یہ عریضہ لکھنے بیٹھ گیا۔

تختہ: کسی ایسے شخص کو طبیب سمجھ کر اپنا مرض بتلانا جو خود اپنے کو اس مرض میں مبتلا دیکھتا ہو یا سمجھتا ہو کہ اس کے الا ان کسی قدر مختلف ہوں اس معنی پر تو کم مفید ہے، راضی العلیل علیہ العلیل لیکن اس معنی پر زیادہ مفید ہے کہ ایسا شخص اپنے لئے بہت ہی فرض و فکر و اہتمام سے تدبیر تجویز کرے گا تو دوسرے کو وہ تدبیر بلا تکلف ہاتھ آئے گی۔ اس وقت اسی اصل کے ماتحت عرض کر رہا ہوں۔ میرے نفس نے مجھ سے یہی شکایت کی۔ میں نے جواب دیا کہ ان سب مقدمات کو تسلیم کر کے تجھ سے پوچھتا ہوں کہ آیا اس کو تاہی تدارک اختیار ہی ہے یا غیر اختیاری و ظاہر ہے کہ اختیاری ہے۔ در نہ شکایت اور تعلق ہی بے معنی ٹھہرتا ہے جب اختیاری ہے تو اب ماضی پر حسرت النفع و اہم ہے یا مستقبل میں تدارک سے ظاہر ہے کہ شق ثانی ہی متعین ہے، پس تو اس کے اہتمام میں مشغول ہونا چاہئے، اور شاید کسی پریشانی میں یہ وہم ہو کہ کو تاہی کی عمر تو اتنی دراز اگر تدارک کے لئے اتنا دراز وقت نہ ملا تو تدارک کیسے ہو گا۔ سو حل اس کا یہ ہے کہ تدارک کا کیت میں تامل ضروری نہیں۔ قوت میں تامل کافی ہے۔ اور وہ بھی اختیاری ہے اور اختیاری کے ساتھ سہل بھی۔ اب اس تدارک کی تعیین باقی رہی اور اس میں کوئی کلام بھی نہیں ہو سکتا کہ عدم اخلاص کا تدارک صرف اخلاص ہے۔ پس ماضی پر استغفار کر کے مستقبل میں اخلاص اختیار کیا جاوے جو نہایت سہل تدبیر ہے۔ بلا ضرورت مشقت و تعب میں کیوں پڑا جاوے، یہ جواب ہو گیا۔ تمام سوالات کا، اب اگر اخلاص کے متعلق کوئی سوال ہو تو بے تکلف ظاہر فرمایا جاوے۔

انشاء اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ اس میں سہولت مشاہد ہوگی و فی مثل ہذا قال الحافظ

گفت آساں گیر بر خود کار ہا کز روے طبع

سخت می گیر دجہاں بر مردمان سخت کوشش

وكانه ترجمۃ الحدیث من شاق شان اللہ علیہ۔ واللہ اعلم

تحدت بالنعمۃ

میں نے تو جواب لکھنے کے بعد ہی بتوفیق حق کام شروع کر دیا جو بالکل سہولت سے ہونے لگا اور چونکہ آپ تنبیہ کا واسطہ بنے آپ کے لئے بھی خوب دعائی تحصیل کی بھی تکمیل کی بھی، تبدیل کی بھی تسہیل کی بھی۔ ومن اللہ التوفیق۔ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۸۳ تا ۸۴) حالہ، سیدی و مطاعی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جواب گرامی حسب توفیق جامع بھی تھا اور شافی بھی۔ اب عرض یہ ہے کہ خود اخلاص کا معیار کیا ہے، یعنی قلب کو یہ اطمینان کیسے ہو کہ فلاں عمل خالصاً لوجه اللہ صادر ہوا ہے۔

تخصیص: مشفق السلام علیکم۔ جواب کے پسند آنے سے جی خوش ہوا اس کے ساتھ ہی معیار اخلاص کے متعلق سوال کرنے سے ایک مشہور شعر یاد آ گیا۔

باسایہ ترانمی پسندم عشق است دہزار بدگمانی

انطباق کی تقریر یہ ہے کہ اخلاص کی حقیقت معلوم ہے چنانچہ خود سوال میں بھی اسی کو ظاہر کر دیا گیا ہے کہ فلاں عمل خالصاً لوجه اللہ صادر ہوا ہے؟ پھر وہ حقیقت چونکہ مثل صفات نفس کے ہے جن کا علم حضوری ہوتا ہے۔ ادنی التفات سے اس کا اثبات اور نفی علم ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ سوال ایسا ہے جیسے کوئی پوچھے کہ یہ کیسے معلوم ہو کہ میرا مسلمان رہنا خاص لوجه اللہ ہے یا کسی غرض و مصالحت سے ہے، سو جو اس کا جواب ہوگا وہی اس کا جواب ہے، رد جواب یہ ہوگا کہ ایمان کی نہ حقیقت مخفی تھی نہ اس کا داعی مخفی پھر سوال کیا۔ ایسے سوال کا منشا صرف غلبہ ہیبت ہے کہ شواہب ہو موم پر حقائق و اعمیہ کا شبہ اور دوسو سو ہو جاتا ہے اور اس کا خیالی وجود بھی ناگوار ہوتا ہے جیسے سایہ کوئی معتد بہ وجود نہیں رکھتا مگر کوئی بدگمان عاشق اپنے دہم سے اس کو معتد بہ سمجھ کر مقصود کا مصاحب دیکھ کر اس سے کراہت کرتا ہے۔

اسی طرح یہاں غلبہ ہیت سے جو کہ اثر ہے محبت و عشق کا غیر مقصود کے درجہ
دوسرے کو مشابہ حقیقت کے سمجھ کر اس پر شبہ مشتبہ ہونے کا کرنے لگتا ہے اور یہ ہیت بھی
دوسرے کو مشابہ امر محمود بلکہ مطلوب ہے کما اشیر بقولہ تعالیٰ وَالَّذِينَ
بَكَوْا مِنْكُمْ فَامْسِكُوهُمْ لَعَلَّكُمْ يَظُنُّونَ مَّا اتَّوَقَعْتُمْ لَهُمْ
وَجِلَّةٌ لِّكُنْ جِسْرٌ ضَعِيفٌ الْمَعْدُ
غزائے قوی کا تحمل نہیں کر سکتا اس کے نافع ہونے کے لئے کسی ایسے جزو کے
ساتھ اس کو مرکب کرنے کی بلکہ کبھی غالب کرنے کی ضرورت ہے جس سے اس میں
اعتدال ہو کر مفید ہو اور اس انضمام کا طریق یہ حکم لگاتا ہے کہ جب ہم اپنے اختیار سے
اس عمل میں کسی غرض مذموم کا قصد نہیں کرتے تو بس وہ خالص لوجہ اللہ ہے اور یہ
حکم لگاتا ہے کہ اگر بلا قصد اس کے کسی دوسری غرض کے مشتبہ کا خطرہ محسوس ہو
(اور منشا اشتباہ کا اسی خطرے کا احساس ہے) تو وہ محض دوسرے ہے جس پر ذرا
موانذہ نہیں بلکہ ناگوار ہی کے سبب اجبر بڑھ جاتا ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ جب
کسی غرض کا دوسرے ہو اسی کے ساتھ فی الفور ابتغاء مرضات اللہ کی نیت کی تجدید
کر لی جاوے پھر وہ دوسرے خواہ دفع ہو یا نہ ہو اس کے درپے نہ ہو، وہ مرفوع ہی کے
حکم میں ہے۔ واللہ اعلم۔ (شریعت و طریقت، تربیت السالک جلد دوم)

حقیقتِ صدق

جس مقام کو حاصل کرے اس کو کمال کو پہنچا دے، اس میں کسر نہ رہے صدق
کہلاتا ہے اور اس کے معنی پختگی کے ہیں۔ اور اسی سے ولی کامل کو صدیق کہا جاتا ہے
کیونکہ وہ تمام احوال و افعال و اقوال میں مرتبہ رسوخ حاصل کر چکا ہے۔ شریعت میں
صدق عام ہے۔ افعال کو بھی، اقوال کو بھی، احوال کو بھی۔

اقوال کا صدق تو یہ ہے کہ بات سچی ہو یعنی واقعے کے مطابق ہو جو شخص اس

صفت سے موصوف ہو اس کو صادق الاقوال کہتے ہیں۔

اور افعال کا صدق یہ ہے کہ ہر فعل مطابق امر (بحکم الہی) ہو۔ حکم شرعی کے خلاف نہ ہو پس جس شخص کے افعال ہمیشہ شریعت کے موافق ہوں، اس کو صادق الاقوال کہا جاتا ہے۔

اور احوال کا صدق یہ ہے کہ وہ سنت کے موافق ہوں۔ پس جو احوال خلاف سنت ہوں وہ احوال کا ذبیہ ہیں اور جس شخص کے احوال و کیفیات سنت کے موافق ہوتے ہیں اس کو صادق الاحوال کہتے ہیں۔ نیز صدق احوال کے یہ معنی بھی ہیں کہ وہ احوال ایسے ہوں جن کا اثر صاحب حال پر باقی رہے، یہ نہ ہو کہ آج ایک حالت پیدا ہوئی پھر زائل ہو گئی اور اس کا کچھ بھی اثر باقی نہ رہا۔ یہ مطلب نہیں کہ احوال کا غلبہ ہمیشہ رہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کا اثر ہمیشہ رہنا چاہئے کہ جو حالت طاری ہو وہ مقام ہو جائے (الکمال فی الدین ص ۱۷۷، شریعت و طریقت)

حقیقت تقویٰ

تقویٰ کا امر اور فضیلت قرآن مجید میں جس قدر ہے غالباً کسی اور چیز کا اتنا نہیں۔ اس سے اس کا اہم بات شان ہو نا معلوم ہوا۔

حقیقت اس کی یہ ہے کہ تقویٰ کا استعمال شریعت میں دو معنی میں ہوتا ہے۔ ایک "ڈرنا" دوسرے "بچنا" اور تامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصود (معاصی سے) بچنا ہی ہے مگر سبب اس کا ڈرنا ہے کیونکہ جب کسی چیز کا خوف دل میں ہوتا ہے تبھی اس سے بچا جاتا ہے۔

تقویٰ کے مختلف مدارج ہیں۔ ایک تقویٰ یہ ہے کہ کفر اور شرک سے بچے، دوسرا درجہ یہ ہے کہ اعمال صالحہ کو ترک نہ کرے اور محرّمات کا ارتکاب نہ کرے۔

بہتر جیسے جیسے اعمال ہوں گے ویسا ہی تقویٰ پیدا ہوتا رہے گا اور تقویٰ کے کمال سے ایمان بھی کامل ہوتا رہے گا۔ حتیٰ کہ درجہ احسان حاصل ہو جائے گا جو کہ ایمان کا اعلیٰ درجہ ہے اور یہی تقویٰ کا بھی اعلیٰ درجہ ہے اور یہی درجہ مطلوب ہے۔

(اکمال فی الدین ص ۴۱-۴۳-۴۵-۴۶)

بیز خیال رہے کہ ہر شے اور اعضاء کا تقویٰ ہے، آنکھ کا تقویٰ یہ ہے کہ بڑی نگاہ سے کسی عورت یا امر کو نہ دیکھے۔ زبان کا تقویٰ یہ ہے کہ کسی کی غیبت نہ کرے جھوٹ نہ بولے کسی کو ستائے نہیں اسی طرح ہاتھ کا تقویٰ یہ ہے کہ کسی پر ظلم نہ کرے شہوت سے مس نہ کرے پاؤں کا تقویٰ یہ ہے کہ بڑی جگہ چل کر نہ جاوے، کان کا تقویٰ یہ ہے کہ کسی کی غیبت نہ سنے۔ راگ باجے سے بچے۔ وضع میں بھی تقویٰ ہے کہ خلاف شریعت وضع نہ رکھے، پیٹ کا تقویٰ یہ ہے کہ حرام مال نہ کھاوے (دیگرہ) حاصل یہ ہے کہ صادق اور متقی یہی لوگ، میں جن کے یہ اوصاف ہیں (جو مذکور ہوئے) اور ان اوصاف میں تمام احسنائے دین کا ذکر اجمالاً آگیا دین کا کوئی حیزہ اس سے باقی نہیں رہا اس سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہوگئی کہ صادق اور متقی وہی شخص ہے جو دین میں کامل ہو۔ پس صدق اور تقویٰ کی حقیقت، کمال دین، ہونا ثابت ہو گیا۔ جو کام کریں اس میں یہ دیکھ لیں کہ ہم خلاف شریعت تو نہیں کرتے خواہ دین کا ہو یا دنیا کا۔ دین کے کام میں تو یہ دیکھ لیں کہ شریعت نے اس کی کامیابی کا جو طریقہ بتلایا ہے وہ کیا ہے اسی کے موافق کریں اور دنیا کا جو کام کریں اس میں صرف یہ دیکھ لیں کہ یہ جائز ہے یا ناجائز۔

اللہ تعالیٰ کے قہر و عتاب کو یاد کرنا اور سوچنا اس کا طریق تحصیل ہے۔

(دعوت الصوم ۱۹)

حقیقتِ عبدیت

ایمان و عمل کے کمال کا نام عبدیت یا غلامی ہے (یعنی خدا تعالیٰ کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کو بے چون و چرا ماننا اور عمل کرنا اور ان کی رضا اور خوشی میں اپنی خواہش و مرضی کو فٹ کر دینا) اگر غور کیا جائے تو خدا تعالیٰ کے ساتھ تو ہم کو حقیقی غلامی کا تعلق ہے۔ انسانی غلامی سے تو آدمی آزاد بھی ہو سکتا ہے۔ برخلاف خدا تعالیٰ کی غلامی کے کہ اس کا طوق ہماری گردن سے کبھی نہیں نکل سکتا۔ کیونکہ اس غلامی سے آزادی کی صورت یہی ہے کہ نمود یا تشدد ہم بندے سے نہ رہیں۔ اور خدا، خدا نہ رہے:

انسان کو جس بات کے حاصل کرنے کے لئے دنیا میں بھیجا گیا ہے وہ یہی عبدیت کی حالت ہے۔ یعنی دنیا میں انسان کو اس لئے بھیجا ہے کہ وہ اوامر و نواہی کو پورا کر کے عبدیت حاصل کر لے (اور اوامر و نواہی کا تعلق ہی زیادہ تر افعال و اعمال سے ہے۔ خواہ وہ اصطلاحی عبادات ہوں یا معاملات و معاشرت و اخلاق سے) کو پورا کرنا ہی عبدیت یا بندگی ہے (تصرف و سلوک صفحہ ۱۹۵)

اور کمالِ عبدیت یہ ہے کہ بندہ اپنے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے، اور حق تعالیٰ جو تصرف اس کے اندر کرے اس پر راضی رہے۔ (انفاس عیسیٰ صفحہ ۲۲۵)

غرض تفویض کلی عبدیت ہے اور اپنی تجویز سے امتیازی شان بنانا عبدیت کے بالکل خلاف ہے۔ مثلاً جب حق تعالیٰ کھانے پینے کو اچھاریں اس وقت خستہ حالت میں رہنا ناشکری، نعمت کی بے قدری اور خلاف اطاعت ہے۔ کیونکہ جیسے شریعت نے یہ حکم دیا ہے کہ اپنے نوکروں کو تنخواہ دو۔ کھانا کپڑا دو، ویسے ہی یہ بھی حکم دیا ہے کہ اپنی جان کو کبھی راحت دو۔ پس جیسے نوکر خدا تعالیٰ کی مخلوق و مملوک ہے تمہاری جان بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق و مملوک ہے، اس لئے

تم کو اپنے اندر بھی بدون اجازت کسی تصرف کا حق نہیں۔ اگر زکر کو حکم الہی سے کھانا پلٹا رہنے ہو تو اسی آقا کے حکم سے تم اپنی خدمت بھی کرو، کیونکہ تمہاری جان بھی خدا تعالیٰ کی ہے۔ بغرض عارف اس اعتبار سے حقوق نفس ادا کرتا ہے کہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے۔
(انصاف و سلوک ص ۴۰۱-۴۰۵ ملخصاً۔ مشریت و طریقت)

علامتِ عبدیت

حالیہ: ظہر کی نماز کے بعد حیب میں ذکر کرنے لگا تو مجھے دو باتوں کی فکر ہوئی ایک یہ کہ خاتمہ میرا کس حالت پر ہوگا کیونکہ اس وقت تو خدا کے فضل سے ہوش و حواس درست ہیں۔ پھر بھی مجھ کو دوسرے ہوتے ہیں اور اس وقت تو نہ ہوش رہے گا اور نہ جو اس درست رہیں گے۔ اس وقت کیا حالت ہوگی دوسرے یہ کہ آخرت میں انجام معاملہ کس طرح ہوگا کیونکہ اپنے اعمال کی طرف نظر کرنے سے سوائے اعمالِ بد کے اعمال نیک نظر نہیں آتے۔

تختیہ: یہ عبدیت کی علامت ہے اور یہ اعلیٰ درجہ کی حالت ہے۔

(زبیت حصہ دوم ص ۲۶)

حقیقتِ محبت

طبیعت کا ایسی چیز کی طرف مائل ہونا جس سے لذت حاصل ہو (محبت کہتے ہیں) یہی میلان اگر قوی ہو جاتا ہے اس کو عشق کہتے ہیں۔ محبت کا یہ درجہ طبعی ہے اور غنیمت نامور ہے مگر نعمت ہے اور وہ بھی ہے، پھر اس میلان کے آثار میں سے رضائے محبوبہ کو رضائے غیر محبوبہ پر ترجیح دینا ہے اور یہ محبتِ عقلی ہے، (جو فرض اور واجب ہے) پھر اس ترجیح کے باعث بار محلِ ترجیح کے اقسام ہیں چنانچہ ایک قسم ایمان کو کفر پر ترجیح دینا،

اور یہ محبت کا ادنیٰ درجہ ہے۔ بدون اس کے بندہ مومن نہیں ہے اور دوسرے اقسام میں دوسرے احکام کو غیر احکام پر ترجیح دینا ہے اور احکام کے درجات کے اعتبار سے اس کے درجات ہیں۔ کوئی اوسط اور کوئی واجب کوئی اعلیٰ و مستحب (تعلیم الدینؑ) کمالات (ترقیہ و ترقی) محبت کی دو قسمیں ہیں۔ محبت طبعی اور محبت عقلی۔ محبت طبعی اختیاری نہیں۔ اس کا حدود و بقا بالکل غیر اختیاری ہے اور امر غیر اختیاری پر بعض اوقات دوام نہیں ہوتا بخلاف محبت عقلی کے کہ اس کا حدود و بقا اختیاری ہے تو اس پر دوام بھی ہوتا ہے اس لئے محبت عقلی افضل اور راجح ہے، محبت طبعی کا منشا و جوش طبیعت ہے اور جوش ہمیشہ رہا نہیں کرتا۔ (شریعت و طریقت ص ۱۷۵)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :-

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ
فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحِبِّبْكُمْ اللّٰهُ (آلۃ)

آپ لوگوں سے فرمادیجئے کہ اگر تم (بزعیم خود) اللہ
تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو،
اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا۔

محبت گو غیر اختیاری ہے مگر اس کا طریقہ اختیاری ہے جس پر محبت کا پیدا ہونا عادتاً ضروری ہے اور اختیاری کاموں میں خدا تعالیٰ نے ہر کام کی تدبیر بتلائی ہے۔ اس کی تدبیر یہ ہے کہ چند باتوں کی پابندی کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ تھوڑے دنوں میں خدا تعالیٰ سے کامل محبت ہو جائے گی (جس کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کی جائے) اس کا طریقہ یہ ہے کہ :-

- ۱۔ دین کا علم سیکھیں۔

- ۲۔ اعمال میں ہمت کر کے ظاہر ابھی اور باطن ابھی شریعت کے پابند رہیں۔
- ۳۔ شوقِ راحت کو اختیار کریں بشرطیکہ کوئی محذور شرعی لازم نہ آجائے کیونکہ راحت میں

- حق تعالیٰ سے محبت پیدا ہوتی ہے۔
- ۳۔ خدا تعالیٰ کے احکام کی پوری طرح اطاعت کریں کیونکہ جس کا کہنا مانا جاتا ہے۔ اس سے ضرور محبت بڑھ جاتی ہے۔
- ۴۔ نیک عمل میں بہت زیادہ محبت استقامت کے ساتھ مشغول رہیں۔
- ۵۔ تھوڑی دیر غلوت میں بیٹھکر اللہ اللہ کر لیں۔
- ۶۔ میان خدا تعالیٰ سے علاقہ پیدا کریں اور ان کی صحبت اختیار کریں اور یہ بہت ضروری ہے۔ اگر آنا جانا دشوار ہو تو خط و کتابت ہی رکھیں۔
- ۷۔ تنہائی میں کسی وقت خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچا کریں۔ بھر اپنے برتاؤ پر غور کیا کریں۔
- ۸۔ خدا تعالیٰ سے دعا کیا کریں کہ محبت عطا فرمائیں۔
- ۹۔ یہ مراقبہ کیا کریں کہ حق تعالیٰ مجھ سے محبت کرنے ہیں اور مجھ کو چاہتے ہیں، اس کے بندے کے قلب میں بھی محبت پیدا ہوگی اور بندہ خواہ کیسی ہی مصیبت اور پریشانی میں ہو ساری پریشانی دور ہو جائے گی۔ (شریعت اور طریقت ص ۱۸۰)

حصولِ محبت کا طریقہ

توضیح بقدر ضرورت یہ ہے کہ اول انجذاب الی اللہ کے سبب متیا کرے، عیے کثرت ذکر یا وہ اشغال جن میں بالخاصہ جمع خواہ و فنائے دساوس و اشغال حرارت کا اثر ہو یا جن پر عشق کا طبعاً غلبہ ہے ان کی صحبت اختیار کرنا یا ایسے مضامین نثر یا نظم کا مطالعے میں رکھنا اور اس کے ساتھ غذا میں تھلیل کرنا جس سے نہ گرانی و کسل ہو اور نہ ضعف ہو یہ اسباب ہیں انجذاب کے، اسی انجذاب کا نام عشق ہے، اور اس کے اسباب کا قصد جمع کرنا توجہ و ہمت کہلاتا ہے، اور اس توجہ و ہمت کے ساتھ طالب اور شیخ دونوں متصف ہو سکتے ہیں، یعنی طالب نے اگر جمع کیا تو کہیں گے کہ اس نے

توجہ و ہمت کی اور اگر شیخ اس جمع کا طالب کے لئے اہتمام کرتا رہا اور وقتاً فوقتاً طالب کو اس کا امر کرتا رہا تو کہیں گے کہ شیخ نے ہمت و توجہ کی اور اتفاقاً نسبت یہی کہلاتا ہے مگر اس کے ساتھ صرف شیخ ہی متصف ہوتا ہے جس کا ایک طریق یہ بھی ہے کہ اپنی قوت خیالیہ سے طالب میں کسی اثر کے پیدا ہونے کا قصد کرے اور اگر یہ سبباً عملاً جمع کر دیئے گئے لیکن قصد اس جمع سے یہ نہ تھا کہ یہ انجذاب پیدا ہو تو اس کو ہمت نہ کہیں گے، گو اتفاقاً اس پر کبھی انجذاب تب بھی ہو جاوے اور گو یہ مشہور معمول ہے کہ اتفاقاً نسبت اس طرح ہوتا ہے کہ شیخ و مرید تمام خطرات سے خالی ہو کر ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں، مگر اتفاقاً نسبت اسی میں منحصر نہیں۔ باقی یہ بھی ایک طریق ہے جیسا اب پر ذکر کیا گیا۔ اور غالباً اس میں کچھ مفاسد بھی ہیں۔ اس لئے بعض محققین متبعین سنت نے ترک کر دیا ہے اور اس مذکورہ جمع اسباب کا اثر جو انجذاب الی اللہ ہے، یہ اثر شخص میں مختلف درجہ میں بقدر استعداد پیدا ہوتا ہے، یہ نہیں کہ ہر شخص میں سوزش و شورش و اضطراب و التهاب ہی کے رنگ میں پیدا ہو، ہاں گا ہے ایسا بھی ہو جاتا ہے مگر نفس انجذاب میں ہوتا ہے، خواہ قوی خواہ ضعیف اور یہ انجذاب طبعی ہوتا ہے اور یہی تہ سے یہ ایک مستقل طریق ہے جو مقابل ہے طریق عمل و سلوک کا درجہ مطلق انجذاب تو طریق عمل میں بھی ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ عقلی و اعتقادی ہوتا ہے اسی طرح اس انجذاب مذکور کے جو آثار ہیں تعلق و یکسوئی وغیرہ یہ سب انجذاب کے لئے لازم ہیں مگر یہ نہیں کہ ان آثار کا ہر درجہ اس انجذاب کے لئے لازم ہو بلکہ اس میں بھی استعداد کے اختلاف سے اختلاف ہو جاتا ہے یعنی یہ تعلق و یکسوئی کبھی قوی درجہ کی ہوتی ہے کبھی اس کا ضعیف درجہ ہوتا ہے تو طالب غیر مبصر سمجھتا ہے کہ مجھ کو وہ تعلق و یکسوئی نصیب نہیں ہوتی اور بقاعدہ انتفاء الملازم یہ تسلیم انتفاء الملازم سمجھتا ہے کہ مجھ کو انجذاب بھی حاصل نہیں ہوا اور اس سے اس پر یا کاغذ ہو جاتا ہے جو کہ طریق کیلئے مضر ہے اور اس تحقیق کے استحضار سے حقیقت واضح ہو گئی اور اس سے محفوظ رہے گا۔ (ماخوذ یو اور النوادر ص ۸۴-۸۳)

دصول بطریق جذب

زیادہ کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ میں جو اس قدر جلد وصول الی اللہ ہو جاتا، حالانکہ نہ یہاں کچھ زیادہ ریاضات ہیں نہ مجاہدات تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سلسلہ میں دصول بطریق جذب ہوتا ہے، بطریق سلوک نہیں ہوتا اور یہ جذب برکت ہے، اتباع سنت کی کیونکہ اتباع سنت کا ثمرہ بوجہ تشبیہ بالمحبوب کے محبوبیت عند اللہ ہے، اور محبوبیت کے لئے جذب لازم ہے۔ (اشرف السوانح ص ۲۳۸ حصہ دوم)

محبت الہی کا غلبہ

حالیہ: پہلے مجھے حضرت شیخ کے ساتھ اور کچھ عرصہ کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت غلبہ محبت رہا۔ حضرت شیخ کی صورت دیکھ کر تاب نہ رہتی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لیکر رو دیا کرتا اور درود شریف کا بہت خیال رہتا تھا اب تو صرف تصویر ذات بیٹھ میں دل لگتا ہے دل میں اسی کی دُھن ہے سب محبتیں مغلوب معلوم ہوتی ہیں۔

تحقیق: مبارک ہو یہی ہے غلبہ توحید، یہی ہے غلبہ تہذیب اور یہ غلبہ ظاہر اتوان پہلی محبتوں کا ضعیف کرنے والا ہے لیکن درحقیقت ان محبتوں کا بھی ذمی کرنے والا ہے چنانچہ مواقع امتحان میں اس کا امتحان ہوتا ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ وہی محبتیں تو وصل ہوئیں اس دولت کی طرف اور ظاہر ہے کہ مقصود حقنا عظیم ہوگا اس کے وسائل کی بھی اسی قدر وقعت ہوگی البتہ خود مقصود کے مقابلہ میں وسائل مغلوب ہوں گے، پس مقصود کے اعتبار سے تو ضعیف اور وسائل کے تعلق سابق کے اعتبار سے موجودہ تعلق ذمی کا تربیت اس سالک ص ۱۹۲)

حُبِّ حَقِّ وَ حُبِّ نَبَوِیِّ مِیْن تَلَا زِم

حاضر : دیگر یہ عرض ہے کہ جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک احقر کے سامنے لیا جاتا ہے تو فوراً بدن میں لرزہ سا پیدا ہو جاتا ہے اور رورود مبارک فوراً زبان پر آجاتا ہے اور بہت دیر تک رہتا ہے اور یہ حالت رہتی ہے کہ اگر انصوفی بالمشاء میں قصداً رورود شریف نہ پڑھنا چاہوں تو اس پر بالکل قدرت نہیں ہوتی ، اور جس وقت خدا تعالیٰ کا نام مبارک لیا جاتا ہے تو محسوس بھی نہیں ہوتا۔ یہ تعدی فی الدین تو نہیں ہے اگر ہے تو کیا علاج ہے۔

حقیقت : اس میں طبعاً مذاق مختلف ہے ، بعض پر آثار حُبِّ حَقِّ کے غالب ہوتے ہیں اور بعض پر آثار حُبِّ نَبَوِیِّ کے غالب ہوتے ہیں ، اور چونکہ دونوں محبتوں میں تلازم ہے لہذا دونوں مذاق مقبول و محبوب ہیں۔ صرف لون کا اختلاف ہے۔ حقیقت دونوں جگہ محفوظ ہے۔ جو کہ مقصود ہے ، اس واسطے کچھ تردد و فکر نہ کریں نہ یہ تعدی ہے نہ اس کے علاج کی ضرورت ہے۔ مبارک حالت ہے جب جس کا غلبہ ہو اس کی اتباع کرنا چاہئے البتہ اعتقاد عقلی امر اختیاری ہے اس کا تعلق واجب اور ممکن کے ساتھ بالذات و بالعرض ہونے میں مفاد متبادت ہونا چاہئے۔ (تربیت السالک جلد اول ص ۱۶۵)

ایمان اور محبت اور اس کی زیادتی مطلوب ہے لیکن وہ مقصود

وزیادتی ایسی لطیف ہے جیسے بچے کی نشوونما۔ !

حاضر : جناب والا نے کشف حقیقت و شرح صدر فرمائی۔ واقعی اصل شے بس ایمان و محبت اور اسی کی زیادتی کی طلب ہے۔ اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کی طرف

میں اعتبار و جہت سے بھی توجہ نصیب ہو اس میں لذت کیسے نہ ہوگی۔ حضرت نے خوب فرمایا کہ میلا کپڑا مکروہ معلوم ہوتا ہے لیکن محبوب کا میلا کپڑا بھی محبوب ہوتا ہے مگر حضرت اس کو کیا کر دیں کہ نہ ایمان میں کوئی قابل لحاظ زیادہ معلوم ہوتا ہے اور محبت زہرے سے مفقود ہی معلوم ہوتی ہے۔

حقیقہ: از زیادہ مطلوب کی رفتار ایسی لطیف ہے جیسے بچے کی نشوونما، کہ کسی دن بھی معلوم نہیں ہوتا کہ پہلے سے بڑھا ہے۔ البتہ بعدِ فصلِ بید کے قبل اور بعد کی حالت میں موازنہ کے بعد پتہ چلتا ہے۔ اسی طرح قبل التزامِ اعمال کی حالت کا بعد التزام کی حالت سے موازنہ کر کے دیکھا جاوے تو از زیادہ مشاہد ہو گا مگر کما نہیں بلکہ کیفاً لایزید و لا ینقص کا محمل کم ہے اور یزید و نقص کا محمل کیف اور احیاناً اس کا بھی ادراک نہیں ہوتا لیکن عدم ادراک، عدم وقوع کی دلیل نہیں خصوصاً جب خشیت کا غلبہ ہو اس وقت وہ کیفیت ہوتی ہے۔ اور کت بسملین بدربیا کلہم ینخاف انفاق علی نفسہ رواہ البخاری۔ اور ہمت فی نفسہ مقصود نہیں آگے عمل ہے۔ اگر عمل کا مدور ہو جاوے مقصود حاصل ہے گو اس میں توت نہ ہو۔ (ماخوذ از زبیت السالک حصہ دوم ص ۴۰-۴۹)

حقیقتِ خشوع

کسی نیک عمل میں بطور مقصودیت کوئی غیر اللہ کا خیال قلب میں حاضر نہ ہونا اور قلب کا اتفات بطور تخیل بھی کسی جانب نہ ہونا (خشوع ہے) خشوع لغتاً مطلق سکون ہے اور شرعاً سکون جو ارجح جس کی حقیقت ظاہر ہے اور سکون قلب جس کی حقیقت حرکتِ فکر کا انقطاع ہے اور جس طرح سکون جو ارجح کی تکلیف بقدر ضرورت ہے مثلاً صحیح قوی سوی اس پر قادر ہے کہ نماز میں کوئی حرکت نماز کے علاوہ صادر نہ

ہونے دے، وہ اس کا مکلف ہوگا۔ اور جو کسی درد میں مبتلا ہے۔ غلبہ درد کے وقت اس پر قادر نہیں۔ جب درد اٹھے گا بے چین ہو کر بیچ و تاب کھائے گا اس لئے وہ اس درجہ سکون کا مکلف نہ ہوگا۔ البتہ جب درد نہ ہو، پھر وہ از سر نو اس سکون کا مکلف ہوگا۔ اس طرح سکون قلب کی تکلیف بقدر قدرت ہوگی۔ مثلاً جو شخص تشویش کے تمام اسباب سے محفوظ ہو وہ حرکاتِ فکریہ کے کلی انقطاع پر قادر ہے اس لئے وہ اس کا مکلف ہوگا اور جو تشویش کے اسباب میں مبتلا ہو وہ ایسے جمع خاطر پر قادر نہیں۔ اس لئے وہ اس درجہ کا مکلف ہی نہ ہوگا۔ البتہ جتنا وقت تشویش سے سکون کا میسر ہوگا یعنی وہ تشویش تغلبہ پر غالب نہ ہو اس وقت میں اس کا مکلف ہوگا۔ یہ تو کلام کلی ہے۔ اب اس مقام پر ایک دقیق جزئی ہے۔ وہ زیادہ قابل اعتناء ہے اور اس میں زیادہ بصیرت کی ضرورت ہے۔ اگر صاحبِ معاملہ کو ایسی بصیرت نہ ہو تو کسی مصلح تجربہ کار سے مشورہ کی حاجت ہے۔ وہ یہ کہ اس قطع حرکت فکر یہ کا طریق کیا ہے؟ کیونکہ یہ قطع براہ راست حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کا طریق یہ ہے کہ اپنے قلب کسی محمود چیز کی طرف قصداً متوجہ کر دیا جائے جو وضع صلوة کے خلاف نہ ہو۔ مثلاً ذاتِ حق کی طرف برابر متوجہ رہے۔ اگر خیال نہ جمنے کی وجہ سے اس پر قادر نہ ہو تو یہ تصور کرے کہ میں کعبہ حسنیٰ کی طرف رخ کئے ہوئے ہوں۔ یا نماز میں جواز کار و تسراوت پڑھ رہا ہے ان کی طرف توجہ رکھے کہ میں یہ الفاظ پڑھ رہا ہوں یا ان کے معانی کی طرف توجہ رکھے چونکہ نفس ایک آن میں دو طرف متوجہ نہیں ہوتا، اس لئے یہ توجہ دوسرے خطرات کے آنے سے مانع ہو جائے گی۔

یہ ہے وہ طریق، اب اس میں ایک غلطی ہوتی ہے وہ یہ کہ ہر شخص کی استعداد جدا ہے۔ کسی شخص کے لئے ایک تصور نافع ہے، دوسرے شخص کے لئے دوسرا تصور۔ بعض اوقات صاحبِ معاملہ بوجہ عدم بصیرت و عدم تجربہ کے اپنے لئے

ایک طریق کو اختیار کرتا ہے اور وہ طریق اس کی طبیعت کے مناسب نہیں ہوتا اس لئے اس سے مقصود حاصل نہیں ہوتا اور بار بار کی ناکامی سے یابوس ہو کر اس غلط گمان میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ شروع فعل اختیاری نہیں اس لئے بالکل اس کا اہتمام چھوڑ دیتا ہے اور اس مامور بہ کی برکت سے محروم رہتا ہے اس لئے اپنے مناسب طریق کی نصیحت کے لئے سخت اہتمام کی حاجت ہے۔ دوسری غلطی اس سے اشد یہ ہوتی ہے کہ نصیحت کے بعد جس طریق کو اختیار کیا گیا ہے اس میں کادش زیادہ کرنے لگتا ہے اور اس کا منتظر اور متوقع رہتا ہے کہ دوسرا کوئی خیال اصلانہ آنے پائے اور اس کے لئے طبیعت پر زور دیتا ہے حتیٰ کہ زبت کلال و طلال کی پیش آتی ہے جس کا نتیجہ وہی باس کے بعد عمل ترک کر دینا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے ترک کادش کی۔ بس مہر سہری معتدل توجہ کافی ہے اگر اس توجہ کے ساتھ دوسرا کوئی خطرہ آ جاوے تو وہ غیر اختیاری ہوگا اور مضرت نہ ہوگا جیسے کسی خاص صفحہ میں سے کسی خاص لفظ پر قصد نظر کی جاوے تو یقینی بات ہے کہ وہ شعاعیں بلا قصد دوسرے کلمات پر پہنچ جاتی ہیں۔ مگر وہ نظر تصدیقی نہیں ہوتی اور ایک غلطی سب سے بڑھ کر یہ ہوتی ہے کہ دوسرے خیال کے آنے کے ساتھ یہ سوچنے لگتا ہے کہ یہ خیال قصداً آیا ہے یا بلا قصد۔ سو یہ فیصلہ محض بیکار ہے۔ اگر فرضاً یہی تحقیق ہو جاوے کہ قصداً آ گیا تو اب گذشتہ کا تو اعدام (معدوم ہونا) ہو نہیں سکتا۔ آئندہ کے لئے یہی تدارک کیا جائے گا۔ سو اگر اس فیصلہ کے بدون بھی اس تدارک میں مشغول ہو جائے تو کیا فر ہے۔ اور وہ تدارک بعد تنبیہ کے تجدید ہے اس توجہ مقصود کی اور نیت و ارادہ جو کہ مترادف ہیں قبل اختیار کے ہوتے ہیں، جو مامور بہ کو اختیار کے بغیر کافی نہیں۔ جیسے نماز کی نیت کرے مگر فعل صلوات کو اختیار نہ کرے یہ ناکافی ہے لیکن جن اشکالات کمال اس نیت کی تحقیق کو سوچا تھا اب بدون اس تحقیق کے بھگتہ حل ہو گئے یعنی فرق ہونے پر بھی اور نیت کے کافی نہ ہونے پر بھی اشکال نہیں رہا۔ کیونکہ اختیار کے درجات میں ایسی گنجائش نکل آئی کہ کسی درجہ میں بھی خلجان اور مشقت کا احتمال نہیں رہا واللہ الحمد۔

(۳۵۲)

طریق خشوع فی الارادہ

خشوع کے لئے عمل کی ابتدا میں توجہ کافی ہے۔ ہر ہر لفظ پر ضرور نہیں۔ مثلاً قرآن شریف کی تلاوت سے پہلے یہ خیال کریں کہ محض اللہ تعالیٰ کے لئے تلاوت کرتا ہوں یہ کافی ہے۔ ہر ہر حرف پر ایسی توجہ ضروری نہیں۔ کیونکہ یہ تکلیف مالا یطاق ہے۔ مگر اس میں یہ قید بھی ہے کہ جب تک اس کی مضاد توجہ محقق نہ ہو اس وقت تک اسی پہلی توجہ کو حکماً باقی سمجھا جائے گا۔ جیسا انسان چلنے سے پہلے یہ ارادہ دل میں کر لے کہ جامع مسجد کی طرف چلتا ہوں بس اتنا کافی ہے ہر ہر قدم پر یہ ارادہ ضروری نہیں در نہ چلنا دشوار ہو جائے گا۔ ہاں اگر کسی دوسری طرف ایسی توجہ جو اس توجہ کے مضاد ہو، پانی جادے تو یہ پہلی توجہ معدوم ہو جائے گی۔ (الکلام الحسن ص ۸۴)

طریق خشوع فی الاعمال

اس خشوع کا طریقہ یہ ہے کہ (پختہ) حافظوں کی طرح نماز نہ پڑھا کریں، بلکہ ایسے ناظرہ خواں یا حافظ کی طرح جس کا قرآن کچا ہو تو جس طرح ایسا ناظرہ خواں یا حافظ ہر لفظ کو دیکھ کر یا سوچ کر ادا کرتا ہے اور لفظ لفظ پر دھیان کر کے پڑھتا ہے۔ اسی طرح نماز میں ہر ہر لفظ پر مستقل توجہ اور ارادہ کیا کریں۔ (ایواء الیتامی ص ۲۳)

اور جو قول و فعل نماز میں صادر ہو، وہ توجہ اور قصد سے ہونا چاہئے محض مشق اور یاد سے نہ ہو۔ مثلاً زبان سے سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ کہا تو اس کی طرف مستقل توجہ ہو کہ میں زبان سے کہہ رہا ہوں، پھر وَبِحَمْدِكَ کہا تو اسی طرح اس کی طرف توجہ اور قصد ہو۔ اسی طرح آخر نماز تک، پس اس طرح کرنے سے برابر ساعات نماز میں توجہ الی الطاعت رہی اور ایک طرف توجہ ہوتی ہے تو دوسری طرف نہیں ہوتی۔ پس لامحالہ اس سے غیر جس لوہے کی طرف توجہ نہ ہوگی پس حضور کامل میسر ہوگا۔ اور حضور کے لئے کف جوارح بھی ضرور ہے ورنہ چہرہ پھرنے سے بواسطہ نگاہ خیالات منتہ ہوں گے۔ (المتکشف ص ۴۴۱ - ۴۴۲)

حقیقتِ خوف

قلب کا دردناک ہونا، ایسی چیز کے خیال میں جو ناگوار طبع ہو، اور آئندہ واقع ہونے کا اندیشہ ہو اس کو خوف کہتے ہیں اور شریعت کے اعتبار سے خوف کی حقیقت، احتمالِ عذاب ہے کہ انسان کو اپنے متعلق احتمال ہو کہ شاید مجھے عذاب ہو اور یہ احتمال مسلمانوں میں ہر شخص کو ہے اور یہی ماسورہ ہے اور اسی کا بندہ مکلف کیا گیا ہے۔ یہ تو شرط ایمان ہے اور اس کا نام خوف عقلی ہے۔ اس میں ایک درجہ خوف کا یہ ہے کہ تعاضلے معصیت کے وقت وعید اور عذاب خداوندی کو یاد کر کے سوچ سوچ کے گناہوں سے بچا جائے۔ یہ درجہ فرض ہے اس کے فقدان سے کفر تو نہ ہوگا، ہاں گناہ ہوگا، اور ایک درجہ خوف کا یہ ہے کہ مراتب و اشغال سے آیات وعید اور عظمت و جلالِ حق کو ہر دم مستحضر اور پیش نظر رکھا جائے یہ درجہ مستحب ہے اور سب درجات مکنتب ہیں جو کسب سے حاصل ہو جاتے ہیں اور ان کے آگے ایک درجہ اور ہے جو اختیار سے باہر ہے وہ یہ کہ آثار خوف اس قدر غالب ہو جائیں کہ اگر ان کو کم کرنا یا بھلانا بھی چاہیں تو اختیار و قدرت سے باہر ہو۔ یہ محض وہی ہے جو درجات سابقہ مکنتبہ کو حاصل کرنے کے بعد محض عطائے حق سے بعض کو حاصل ہو جاتا ہے (جو اگرچہ محمود تو ہے مگر مقصود نہیں۔) (شریعت و طریقت ص ۱۴۱)

اشرف المسائل

خوفِ مطلوب اور اس کی ضرورت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعائیں فرماتے ہیں۔
 اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْتَعِيظُكَ مِنْ خَشْيَتِكَ مَا
 نَحْوُكَ بِهِ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيكَ
 اے اللہ ہم آپ سے خوف میں سے اس قدر مانگتے
 ہیں کہ اس سے آپ ہم میں اور معصیت میں مل ہو جائے

تعلیل سے یہ بات نکلتی ہے کہ خشیت معصیت سے بچنے کے لئے مطلوب ہے بالذات
مطلوب نہیں در نہ خشیتک (تیرا خوف) مطلق فرماتے کسی چیز کی حد مقرر کرنے سے
صاف یہی بات مفہوم ہوا کرتی ہے کہ اس سے زیادہ مطلوب نہیں خوف کی حد بیان فرمادی
کہ اس قدر چاہتے ہیں کہ معصیت سے مانع ہو معلوم ہوا کہ اگر خوف اس سے زیادہ ہو جائے
تو محمود نہیں، خوف مع الرجاء ہی ہے، اور اگر خوف ہی خوف ہو کہ رجاء نہ رہے اور
ناامیدی تک ذبت پہنچ جائے تو یہ کفر ہے (شریعت و طریقت ص ۱۲۳ - وعظ میرٹھ)
الغرض خشیت مومن کے لئے لازم ہے۔ اس کی دو وجہیں ہیں، ایک تو مال میں
احتمال کہ شاید کوئی اختیاری کوتاہی ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ شاید کوئی اختیاری کوتاہی فی الحال
ہو گئی ہو جس کا علم بھی التفات سے ہو سکتا تھا اور التفات میں کوتاہی ہوئی ہو کہ یہ بھی
اختیاری ہے۔ (کمالات اشرفیہ)

طریق کار

اس کا طریق مراقبہ یہ ہے کہ پندرہ بیس منٹ دیر میں سویا کریں، اور بیٹھ کر یا
لیٹ کر یاد کیا کریں کہ آج کیا کیا گناہ کئے، فہرست گناہ تیار کریں۔ پھر دل میں خیال جائیں
کہ میدانِ قیامت موجود ہے اور میزان کھڑی ہے۔ اپنا مددگار کوئی بھی نہیں۔ دشمن
پہنیرے ہیں۔ جیلہ کوئی چل نہیں سکتا۔ زمین تانبے کی طرح کھول رہی ہے آفتاب
بہر پر ہے دوزخ سامنے ہے اور ان گناہوں کا حساب ہو رہا ہے۔ کوئی جواب معقول
نہیں پڑتا جب یہ حالات پیش نظر ہوں گے تو بے اختیار ہاتھ جوڑ کر حاکم کے روبرو
مذرت کریں گے کہ بیشک خطا دار ہیں کہیں ٹھکانہ نہیں اگر کچھ سہارا ہے تو صرف حضور
کے رحم و کرم کا۔ اسی کو استغفار کہتے ہیں۔ رات کو یہ کریں اور صبح اٹھ کر یاد رکھیں کہ فلاں
فلاں گناہ کئے تھے اور رات ان کا استغفار اور عہد کیا ہے سو آج وہ گناہ نہ ہونے پائیں

اس سے اگر اسی دن تمام گناہ یک نخت نہ چھوٹ جائیں گے توکی توہو ہی جائے گی۔ غرض یہ تدبیر ایسی ہے کہ چند ہی روز کرنے سے آدمی معاصی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔
(شریعت و طریقت ص ۴۳ تا ۱۲۵، وعظ میرٹھ)

رَجَا

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :-
لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ ۗ اللَّهُ تَعَالَىٰ كَرِيمٌ
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-
لَوْ يَعْلَمُ الْكَافِرُ مَا عِنْدَ اللَّهِ
مِنَ الرَّحْمَةِ مَا قَنَطَ مِنْ
جَنَّتِهِ أَبَدًا۔ (متفق علیہ) نہ ہو۔
اگر کافر بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا حال جانے تو اس کی جنت سے ناامید

حقیقت رَجَا

محبوب چیزوں یعنی فضل و مغفرت اور نعمت و جنت کے انتظار میں قلب کو راحت پیدا ہونا، اور ان چیزوں کے حاصل کرنے کی تدبیر اور کوشش کرنا (رَجَا ہے) سو جو شخص رحمت و جنت کا متظر رہے اور اس کو حاصل کرنے کے اسباب یعنی عمل صالح و توبہ وغیرہ کو اختیار نہ کرے، اس کو مقام رَجَا حاصل نہیں وہ دھوکے میں ہے جیسے کوئی شخص تخم پاشی نہ کرے اور غلہ پیدا ہونے کا متظر رہے یہ صرف ہوس خام ہے۔

رَجَا کے درجات

جیسے خوف کی حقیقت اور درجات ہیں، اس کے مقابلے میں رَجَا کے بھی درجات

ہیں۔ ایک شرطِ ایمان یعنی احتمالِ نجات، اور یہ درجہ فرض ہے، اور ایک درجہ مستحب ہے
 ایک درجہ رجا میں بھی ایسا ہے جو اختیار سے خارج ہے، مکتب نہیں بلکہ محض درجہ ہے
 عطا ہوتا ہے (جو مطلوب نہیں تفصیل کے لئے خوف کی حقیقت ملاحظہ ہو)
 (شریعت و طریقت ص ۱۵۲۔ تعلیم الدین۔ اشرف المسائل)

خوف و رجا کی حالت

سوال: ایک صاحب اجازت نے اپنے مفصل حالات لکھے جن میں یہ حال بھی
 تھا کہ اب اللہ تعالیٰ کا خیال بالکل بے کیف دل میں آتا ہے اور اس سے اس قدر
 انشراح قلب میں ہوتا ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ لیکن دریافت طلب یہ امر
 ہے کہ میری اعمال کو تاہم بھول کے ہوتے ہوئے یہ انعامات الہی اور خصود کے فیوض لامتناہی
 میرے شامل حال ہو سکتے ہیں؟ یا میرے نفس نے یہ خیالات تراشے ہیں؟
 جواب :- تحریر فرمایا کہ قلب میں دونوں احتمالوں کا جمع ہونا بھی بڑی دولت ہے
 جس کا حاصل .. الایمان بین الخوف و الرجا ہے، مبارک ہو۔ (اشرف السوانح۔
 تربیت السالک جلد اول)

حقیقتِ تواضع

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :-
 .. اور رحمٰن یعنی اللہ تعالیٰ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی
 کے ساتھ چلتے ہیں!
 اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :-
 "جو اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرتا ہے"

تواضع (الہیہ کی حقیقت) یہ ہے کہ حقیقت میں اپنے کو لائیے سمجھے، اور، مسیح
 سمجھ کر تواضع کرے۔ اپنے کو رفعت کا اہل نہ سمجھے اور مسیح اپنے کو مٹانے کا قصد
 کرے۔ اس کی اصل مجاہدہ نفس ہے، کیونکہ تواضع اس کا نام نہیں کہ زبان سے
 ناکارہ نیا زندقہ ذرہ بے مقدار کہہ دیا۔ بلکہ تواضع یہ ہے کہ اگر کوئی تم کو ذرہ بے مقدار
 سمجھ کر بڑا بھلا کہے اور ذلیل کرے تو تم کو انتقام کا جوش پیدا نہ ہو اور تم اپنے نفس کو
 بل سبھا لو کہ واقعی تو ایسا ہی ہے۔ پھر کیوں بڑا مانتا ہے، اور کسی کی بُرائی سے کچھ رنج
 دار نہ ہو تو یہ تواضع کا اعلیٰ درجہ ہے کہ مدح و ذم برابر ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ
 عقلاً برابر ہو جائے کیونکہ طبعاً مساوات ہو نہیں سکتی (کیونکہ غیر اختیاری ہے البتہ
 اختیاری امور میں تواضع اختیار کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

حضرت (علیہ السلام) نے یہ نصیحت کی - بیٹا لوگوں سے اپنا رخ
 مت پھیر اور زمین پر اترا کے مت چل (بے شک) اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے
 والے نخر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتے اور اپنی رفتار میں اعتدال
 اختیار کر (یعنی بے تکلف اور متوسط رفتار تواضع و سادگی کے ساتھ
 اختیار کر اور بولنے میں) اپنی آواز کو پست کر (یعنی گفتگو میں بھی عاجزی
 اور تواضع اختیار کر) (بیان القرآن)

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو تواضع اختیار کرے گا ہم اس کو رندت عطا کریں گے۔
 (ہر) اتفاق کی اصل تواضع ہے۔ جن دو شخصوں میں تواضع ہوگی ان میں نا اتفاق
 نہیں ہو سکتی۔ تواضع میں جذبہ اور کشش کی خاصیت ہے۔ متواضع کی طرف
 خود انجذاب ہوتا ہے۔ بشرطیکہ صحیح تواضع ہو۔ (الفاس عیسیٰ)

طریقہ کام :-

یہ سمجھ کر تواضع اختیار کریں کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق یہی ہے کہ ان کے

ماننے پستی اور تواضع کو اپنی صفت بنائیں اور اپنے کو لاشیئہ سمجھیں۔

لباس اور وضع سے یا اہل دنیا کے طرز گفتگو سے طلب عزت کرنا انسان کا کام نہیں یہ تو نہایت بھدرا پن ہے جس جماعت میں شمار ہے اسی کی اصطلاح وضع اور طرز کو اختیار کریں۔ عزت اسی میں ہے۔ اگر مخلوق میں اس سے عزت نہ بھی ہوئی تو کیا پرواہ ہے۔ خالق کے نزدیک تو ضرور عزت ہوگی۔ ظاہری اسباب عزت کی عزت نہیں۔ انسان تو وہ ہے جو کمالات میں بادشاہ ہوگو ظاہر میں فقیر ہو معارف فرماتے ہیں۔

مبین حقیر گدایانِ عشق را کیس قوم

شہان بے کمر و خسران بے کلاہ اند

اگر کوئی لباس پر طعن کرے، کرنے دیں۔ طرز میں عیب نکالے۔ نکالنے دیں کسی کی تحقیر کی پرواہ نہ کریں۔ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی رضا کافی ہے۔ ان کو راضی کرنے کی فکر کریں۔ اور یہ یاد رکھیں کہ عشق و محبت میں تو ملامت ہو اہمی کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے محب بننا چاہتے ہیں تو ملامت سننے کے لئے تیار رہیں۔

ن سازد عشق را کنج سلامت

خوشا رسوائی کوئے ملامت (وعظ المرغیہ المرغوبہ)

لیکن جس جگہ تواضع کرنے سے دوسرے شخص کو تکلیف ہوتی ہو وہاں تصدداً اتنی تواضع نہ کریں کیونکہ بعض طبائع کو بلکہ اکثر کو واقعی زیادہ تواضع سے ندامت اور تکلیف ہوتی ہے۔ باقی اگر حال ہی غالب ہو جائے یا اس طرف التفات ہی نہ ہو وہ اور بات ہے۔ (تعلیم الدین)

تواضع اور بغض فی اللہ

سوال: ایک سوال معرض خدمت ہے اس کے جواب سے سبھی سرفراز فرمائیں،

فتح الغیب میں تحریر فرماتے ہیں تو اضع کی حقیقت میں ہو اُن لا یلقی العبد
احداً من الناس الا رآی لہ الفضل علیہ۔ اور اُگے تحریر فرماتے
ہیں کہ خواہ جاہل ہو یا فاسق ہو یا کافر ہو کسی سے اپنے کو بہتر نہ سمجھے۔ سو اولاً تو عرض ہے
کہ بندے نے جو اپنے آپ کو دیکھا تو میرے اندر بالکل یہ صفت نہیں پائی جاتی سو نہایت
ادب کے ساتھ یہ استدعا ہے کہ حضور بندے کے واسطے دعائے عافیت مانیں، اور کوئی اُسا
تذییر ایسی تحریر فرماتیں جس سے بسہولت یہ صفت حاصل ہو جائے اور کبر و عجب
کا نام نہ رہے تا نیا گدازش ہے کہ تو اضع کا مقتضاً تو یہ ہے کہ ہر ایک کو بہتر سمجھا جاوے
اور اس کے ساتھ نرمی کی جائے اور بغض فی اللہ کا مقتضاً یہ ہے کہ عاصی کو بُرا سمجھا جائے
اور اس پر سختی اور خشکی کی جائے سو دونوں کیسے جمع ہوں؟

جواب: اچھا برا سمجھنا درجہ احتمال میں کافی ہے یعنی یہ سمجھے کہ گواہ وقت ظاہر ہے
شخص ہم سے کتر ہے لیکن ممکن ہے کہ اسی وقت اس کے باطن میں کوئی خوبی ہم سے زیادہ ہو
یا مال میں یہ ہم سے اچھا ہو۔ پس اس کا یہ اثر ہو گا کہ اپنے کو یقیناً افضل نہ سمجھے گا، اور
ذبح کبر کے لئے اتنا کافی ہے اور اس طرح سے احتمالاً کسی کو اچھا سمجھنا مستلزم نرمی و ا
لفظ
کو نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ جس شخص کا مال میں ہم سے اچھا ہونا محتمل ہو بافضل اس کی کوئی
ایسی حالت ہو کہ اس پر نظر کر کے شریعت سے ہم اس کو موقوف رکھنے کے مامور ہوں
تو ان دونوں میں کیا تسانی ہوئی اور اس احتمال کا استحضار عجب و کبر کو دفع کرے گا۔
(بوادر النواذر)

غلبہ تواضع و وسعت رحمت و عظمت حق تعالیٰ

حالیہ: قبل ازیں کسی کو خلاف سنت پر دیکھنے سے سخت بار معلوم ہوتا تھا اور
دیر تک دل میں غصہ رہتا تھا اور وہ حالت اب نہیں ہے بلکہ کسی کی طرف توجہ کرنے کو

بھی جی نہیں چاہتا ہے اور کوئی شخص اگر خلاف شریعت کوئی کام میرے سامنے کر گزے
دل میں فوراً یہ خیال آجاتا ہے کہ شاید یہ شخص اللہ کے پاس مجھ سے اچھا ہو، اب سوال یہ ہے
کہ حدیث شریف میں جو آیا ہے کسی منکرات کو دیکھ کر دل سے بُرا سمجھنا یا اضعف
ایمان ہے تو کیا میرے ایمان میں تو کوئی نقص نہیں آیا نعوذ باللہ، اور پھر جب جلال اور کبریا
خدا پر نظر پڑتی ہے تو دل پر اور بھی زیادہ پریشانی ہوتی ہے۔

تھی تو :- منکر کو دل سے بُرا سمجھنا یا اعتقاد ہے کہ طبعاً نہ ہو طبعی انکار پر بعض
دوسرے اسباب غالب آجاتے ہیں اور ان ہی میں سے وہ کیفیت ہے جو آپ پر غالب
ہے جس کا حاصل تواضع اور دست رحمت و عظمت حق پر نظر ہے کہ عین مطلوب ہے،
پس ان اسباب کے غلبہ سے اگر طبعی انکار کا غلبہ نہ ہو کوئی عمل تردد نہیں اٹھاتا کہیں۔
(ترجمہ حصہ پنجم، تربیت السالک ص ۱۶۵)

اپنے کو سب سے بدتر سمجھنا

حالیہ : اکثر خیال دل میں رہا کرتا ہے کہ مجھ سے تمام دنیا والے اچھے ہیں حتیٰ
کہ ہندوؤں کو دیکھتا ہوں تو کہتا ہوں کہ یہ ہزار دُجے مجھ سے اچھے ہیں کچھ کام تو دنیا
ہی کا صحیح کر لیتے ہیں اور میں تو کسی کام کا نہیں رہا خیال بعض مرتبہ ہو جاتا ہے کہ خود
کشی کروں مگر حرمت کا خیال آجاتا ہے کہاں تک عرض کر دی نظر تو جو فرما دیں در نہ خون
میرے خراب ہو جانے کا ہے ۵

گو بُرا ہوں یا بھلا جیسا ہوں میں

سگ تیرے در کا کہلاتا ہوں میں

تھی تو : یہ حالت از بس رفیع ہے یہ کمال شکستگی ہے جس کے ثرات از بس
رفیع ہیں جن کی طرف حدیث "من تواضع لله رفع الله به من اشارہ ہے۔ عارفین

۶ "مومن مومن نباشد تا آنکہ خود را از کافر رنگ بدتر نہ پندارد"
 نے تفریح فرمائی ہے۔
 یعنی مالانہ کہ اعتقاد آیا شخص انشا اللہ تعالیٰ گمراہ نہیں ہوتا۔ اصل ضلالت کی عجب ہے
 کہ اس کی طرف چنداں التفات نہ کیجئے۔ کام میں لگے رہئے کہ انصاف مقرر ہے کہ
 اس سے کبھی یاس اور کبھی کبر تو واضح کا پیدا ہو جاتا ہے۔ و ہذا شد من الکبر المحض۔
 (النور ص ۲۱۱، تربیت السالک ص ۱۸۶)

حقیقتِ شکر

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :-

وَأَشْكُرُوا لِي (آیۃ)

اور میں ایشکر کرو

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

إِنْ أَصَابَتْهُ سُوءٌ شَكَرْ (رواہ مسلم)

اگر اس کو خوش پہنچی شکر کیا۔

نعمت کو نعمت حقیقی کی طرف سے سمجھنا اور اس سمجھنے سے دو باتیں ضرور پیدا ہوتی ہیں۔
 ایک نعم سے خوش ہونا اور دوسرے اس کی خدمت گناری اور امثال ادا میں سرگرمی
 کرنا (تعلیم الدین ص ۴۶)

یعنی جو حالت طبیعت کے موافق ہو خواہ اختیاری ہو یا غیر اختیاری ہو، اس حالت کو دل
 سے خدا تعالیٰ کی نعمت سمجھنا اور اس پر خوش ہونا اور اپنی لیاقت سے اس کو زیادہ سمجھنا، اور
 زبان سے خدا تعالیٰ کی تعریف کرنا، اور اس نعمت کا (جو ارح یعنی اعضاء وغیرہ سے)
 گناہوں میں استعمال نہ کرنا۔ (انفاس عیسیٰ ص ۲۱۵)

(بلکہ اس نعمت کو اس کی رضامندی میں استعمال کرنا اشکر ہے) اور یہ اس وقت
 ہو سکتا ہے جبکہ مخلوق کی پیدائش کے اغراض و مقاصد اور یہ بات معلوم ہو جائے کہ کیا کیا
 چیزیں کس کام کے لئے پیدا ہوئی ہے، مثلاً آنکھ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت

ہے اور اس کا شکر یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآن مجید اور علم دین کی کتابوں کے دیکھنے اور آسمان و زمین جیسی بڑی مخلوق کے اس غرض سے مشاہدہ کرنے میں صرف کرے کہ عبرت حاصل ہو، اور فاتیٰ بزرگی عظمت و کبریاۃ سے آگاہی ہو۔ نیز شکر دیکھنے اور عورت پر نظر ڈالنے (اور دیگر ممنوعات) سے روکے رکھے، اسی طرح کان ایک نعمت ہیں اور اس کا شکر یہ ہے کہ اس کو ذکر الہی اور ان باتوں کے سننے میں استعمال کرے جو آخرت میں نفع دیں اور ہجو، لغو اور فضول کلام سننے سے روکے۔ زبان کو یاد خدا احمد ثنا اور اظہار شکر میں مشغول رکھے اور تنگدستی یا تکلیف میں شکوہ و شکایت سے باز رکھے، کہ اگر کوئی حال بھی پوچھے تو شکایت کا کلمہ نہ نکلے پائے۔ کیونکہ شاہنشاہ کی شکایت ایسے ذلیل و بے بس غلام کے سامنے زبان سے نکالنی جو کچھ نہیں کر سکتا بالکل فضول اور معصیت میں داخل ہے اور اگر شکر کا کلمہ نکل گیا تو طاعت میں شمار ہوگا۔ (تبلیغ دین ص ۱۸۰)

یہ (زبان) الحمد للہ کہنا محض درجہ عنوان میں ہے یہ چھلکا ہے جس میں گبری (مغز) نہیں یعنی الفاظ شکر ہیں معنی شکر نہیں، اور جب معنی شکر نہیں، جیسے کوئی بادام خرید لے اور اس میں مغز نہ نکلے اور نہرا چھلکا ہو تو بادام نہ کہیں گے۔ اسی طرح ہر عمل کا ایک مغز اور روح ہے، اور ایک پوست اور صورت ہے۔ پس شکر کی روح یہ ہے کہ نعم اور نعمت کی دل سے قدر کرو۔ ابتدائی درجہ تو مرتبہ عقلی ہے کہ حق تعالیٰ کو منعم حقیقی جانے اور عقلاً اس کی قدر پہچانے اور انتہائی مرتبہ یہ ہے کہ اس کا اثر طبع اور جوارح اور حرکات و سکنات میں نمایاں ہو (یعنی تمام عقائدات، عبادات، معاملات، اخلاق اور معاملات وغیرہ شریعت کے مطابق ہوں)۔

شکر کا محل نعمت ہے اور نعمت کی حقیقت یہ ہے۔ اَلنِّعْمَةُ حَالَةٌ
مَلَأَمَةٌ لِلنَّفْسِ (نعمت وہ حالت ہے جو کہ نفس کے لئے خوشگوار ہو حالاً

جاس کی مرضی کے موافق ہیں موقوف ہیں۔ یہ کہ اس نعمت کو حق تعالیٰ کی طرف سے جانے
 اترائے نہیں، اپنا کمال نہ سمجھے۔ غافل اور تاسی (بھولنے والا) نہ ہو، اور نعمت میں
 مشغول ہو کر ربِ نعمت کو نہ بھولے بلکہ یہ نعمت اس کے لئے زیادہ موجب تذکر ہو جاوے
 پخت عام ہے خواہ کھانا ہو یا پانی ہو یا کوئی کپڑا ہو یا یہ کہ کوئی ناگوار حالت نہ ہو۔
 (الشکر ص ۴-۱۱-۱۲)

صبر و شکر وغیرہ

حالیہ: صبر و شکر و تقویٰ و توکل کی حالت زیادہ تر بے بسی و بے چارگی سی
 معلوم ہوتی ہے۔

تحقیق:۔۔ یہ بھی نعمت ہے جو اضطرابِ اعطا کر دی گئی۔ قصداً فعال اختیار
 میں شرط اجر ہے نہ کہ امور اضطرابیہ میں، اس میں بلا قصد بھی اجر عطا ہوتا ہے
 (اراد النوار)

حقیقتِ صبر

انسان کے اندر دو قوتیں ہیں۔ ایک دین پر ابھارتی ہے، دوسری ہوائے نفسانی پر
 سوہنوک دینی کو محک ہوائی پر غالب کر دینا مہیر ہے۔ (تعلیم الدین ص ۷۷)
 اور اس کی حقیقت ہے حُبُّ النَّفْسِ عَلَىٰ مَا تَكْرَهُ یعنی ناگوار بات پر
 نفس کو جانا اور مستقل رکھنا۔ آپ سے باہر نہ ہونا اور وہ ناگوار خواہ کچھ ہو (الشکر ص)
 اب کہیں تو جس (ردکنا) کے ساتھ کچھ اور بھی کرنا پڑتا ہے اور کہیں محض جس (ردکنا)
 ہی جس (ردکنا) ہوتا ہے اور کچھ نہیں کرنا پڑتا۔ تو اس عنوان سے ناگواری کے
 اقسام پانچ صبر کی تین قسمیں ہیں (۱) صبر علی العمل (۲) صبر فی العمل (۳) صبر عن العمل۔

صبر علی العمل یہ ہے کہ نفس کو کسی کام پر بٹوک لینا۔ یعنی اس پر جبرم جانا اور قائم رہنا
مثلاً نماز، زکوٰۃ وغیرہ کی پابندی کرنا اور بلا تاغ ان کو ادا کرتے رہنا۔

اور صبر فی العمل یہ ہے کہ عمل کے وقت نفس کو دوسری طرف التفات کرنے سے
روکنا۔ طاعات بجالانے کے وقت ان کے حقوق و آداب کو سکون و اطمینان سے ادا کرنا
اور ہمہ تن متوجہ ہو کر کام کو جب لانا۔ مثلاً نماز پڑھنے کھڑے ہوئے یا ذکر میں مشغول ہوئے
تو نفس کو یہ سمجھا دیا کہ تم اتنی دیر تک سوائے نماز یا ذکر کے اور کوئی کام نہیں کر سکتے پھر
دوسرے کاموں کی طرف توجہ کرنا فضول ہے۔ اتنی دیر تک تجھ کو نماز یا ذکر الہی کی طرف
متوجہ رہنا چاہئے۔

تیسری قسم ہے صبر عن العمل یعنی نفس کو ماہی اللہ عنہ (جن باتوں سے اللہ
تعالیٰ نے روکا ہے۔ ان) سے روکنا، اور شریعت نے جن چیزوں سے منع کیا ہے
ان سے روکنا۔ (اس کے علاوہ) ہر ممنوع امر سے رکنے کو صبر ہی کہا جاوے گا۔ (مثلاً)
صبر عن اَشہوت، اَشہوت میں شہوتِ رجال و نساء و شہوتِ لباس و شہوتِ طعام و
شہوتِ کلام (وغیرہ) بھی داخل ہے۔ اسی طرح تمام معاصی سے نفس کو روکنا، یہ
بھی صبر میں داخل ہے، جن تعالےٰ فرماتے ہیں :-

وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ
وَحِينَ الْبَأْسِ ۗ

وہ صبر کرنے والے ہیں باسآء میں
اور ضراء میں اور باس کے وقت،
باسآء سے مراد فقر و تنگ دستی۔ چاہے یہ کہ فقر اور تنگ دستی میں صبر کرے، یعنی خدا
تعالیٰ پر نظر رکھے۔ مخلوق کے مال و دولت پر نظر نہ کرے، نہ ان سے توقع رکھے۔
اس میں قناعت و توکل کی تعلیم ہوگئی اور ضراء سے مراد مطلق بیماری خواہ ظاہری ہو
یا باطنی۔ ظاہری بیماری میں صبر یہ ہے کہ لوگوں سے شکایت نہ کرتا پھر سے خدا تعالیٰ
سے دل میں مکر نہ ہو۔ اس میں تسلیم و رضا کی تعلیم ہوگئی اور باطنی بیماریوں میں صبر یہ ہے کہ

امراض قلبیہ (مذائل) کے مقضاء پر عمل نہ کرے، عمل سے ان کا مقابلہ کرے اور باس سے مراد مطلق شدت و پریشانی جو کبھی لاحق ہو اور اس میں مستقل مزاج رہے جس کا ایک زوہر عند الحرب بھی ہے کہ جہاد کے وقت لڑائی میں ثابت قدم رہے۔ پس اب صبر کا حاصل یہ ہوا کہ موحد کامل بن جائے۔ جب مقام صبر کامل ہو جائے تو وحید بھی کامل ہو جاتی ہے۔ پس یہ ایسا جامع خلق ہے کہ بہت سے اخلاق اس کے اندر داخل ہیں۔ اس لئے حدیث شریف میں آیا ہے **الصَّبْرُ نِصْفُ الْإِيْمَانِ** (یعنی صبر نصف ایمان ہے)۔ (وعظ الکمال فی الدین ص ۶۰-۷۱-۷۲، ملخصاً)

تو صبر فی نفسہ تمام اعمال شریعیہ کو عام ہے (الجمعین ص ۱۴) یعنی جس وقت جس کام کا امر ہو اس پر ثابت قدم رہنا صبر ہے۔ پس اگر کسی وقت معمولات کے ترک کا امر ہو تو اس وقت ترک معمولات ہی صبر ہوگا (وعظ ما علیہ الصبر ص ۱) حالات و قسم کے ہیں، نعمت اور مصیبت، نعمت سے مسرت ہوتی ہے اور مسرت کی وجہ سے منعم کے ساتھ محبت ہو جاتی ہے، بخلاف مصیبت کے کہ اس میں ناگواری ہوتی ہے (وعظ السبر بالصبر ص ۳)

اور صبر کا موقع مصیبت ہے اور مصیبت کہتے ہیں **حَالَةٌ غَيْرُ مَلَائِمَةٍ لِلنَّفْسِ** (مصیبت وہ حالت ہے جو نفس کو ناگوار ہو) (وعظ الشکر ص ۳) اس کی دو قسمیں ہیں، ایک صورت مصیبت اور ایک حقیقت مصیبت، جس مصیبت سے القباض اور پریشانی بڑھے وہ تو گنت ہوں گی وجہ سے ہے (اور حقیقت میں مصیبت) اور جس سے تعلق مع اللہ میں ترقی ہو، تسلیم و رضا زیادہ ہو، وہ حقیقت میں مصیبت نہیں گو صورت اس کی ہو۔ (وعظ اکبر الاعمال ص ۱۴-۱۵)

عارفین کو مصیبت کا احساس تو ہوتا ہے بلکہ بوجہ ادراک لطیف ہونے کے دوسروں سے زیادہ احساس ہوتا ہے مگر ان کا رنج و غم حد سے نہیں بڑھتا۔

کیونکہ اس میں ان کی نظر اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے، اور ان حکمتوں پر بھی جو خدا تعالیٰ نے مصائب میں رکھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مصیبت کا بہت ثواب رکھا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ مسلمان کو جو ایک کانا لگتا ہے وہ بھی اس کے لئے حسنہ ہے۔

ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں چراغ گل ہو گیا۔ آپ نے اِنَّا لِلّٰہِ پڑھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ بھی مصیبت ہے، فرمایا ہاں جس چیز سے مسلمان کو تکلیف ہو، وہ مصیبت ہے اور اس پر ثواب کا وعدہ ہے۔ (وعظ السبر بالصبر ص ۳-۱۲) حالہ: صبر کے متعلق دریافت کرنا ہے کہ صبر پر جو وعدہ ثواب کا ہے، وہ کسی صورت میں یعنی کوئی شخص کسی انتقام یا تکلیف کے دور کرنے پر قادر ہو اور نہ کرے اور صبر کرے تب اجر ملے گا یا قادر نہ ہو پھر صبر کرے اس پر بھی اجر ملے گا مثلاً کسی نے زید کے پتھر مارا اور وہ انتقام پر قادر نہیں یا زید کا لڑکا مر گیا اس پر کہا جاتا ہے کہ صبر کرو یا اس کا مال چوری ہو گیا لوگ کہتے ہیں کہ صبر کرو، اس صورت میں وہ مجبور ہے اس کے دفع کرنے یا انتقام پر قادر نہیں ایسی صورت میں صبر کس طرح کیا جاسکتا ہے ایسی صورت میں بھی ثواب ملے گا یا نہیں۔ یا مثلاً ایک بیٹا شخص کہے کہ میں خدا کے خوف سے اور اس کے حکم کی وجہ سے کسی نامحرم عورت پر نظر نہیں ڈالتا، اور ایک نابینا بھی ہے کہے تو صاف ظاہر ہے کہ نابینا کے پاس وہ آلات ہی نہیں جس سے وہ گناہ کرے، تو نابینا کا یہ کہنا فضول ہے۔ البتہ وہ بیٹا قابل ثواب ہے کہ وہ قادر ہے اس بات پر کہ نامحرم کو دیکھے لیکن نہیں دیکھتا۔

تحقیق:۔ بے صبری کی متعدد صورتیں ہیں۔ انتقام بالمثل لینا اس کا ترک کرنا صبر ہے، یہ مشروط ہے قدرت کے ساتھ، دوسری صورت زبان سے برا بھلا

کہنا سامنے یا پس پشت بدو عدا مینا غیر قادر علی الانتقام بھی اس پر قادر ہے۔ اس کے لئے اس کا ترک کرنا صبر ہے اسی طرح اہل میت کو مدافعت پر قادر نہیں لیکن زحہ اس کا ثابت پر تو قادر ہیں، ان کی یہ بے صبری ہے اور اس کا ترک کرنا صبر ہے اور جو شکایت پر تو قادر ہیں، ان کی یہ بے صبری ہے اور اس کا ترک کرنا صبر ہے اور جو کسی فعل پر بھی قادر نہ ہو جیسے اندھا کہ دیکھنے پر بالکل قادر نہیں مگر تصور یا عزم بصورت ابصار تینا ابصار لئلا بصار پر تو قادر ہے اس کی بے صبری یہ ہے اور اس کا ترک صبر ہے اور ہر شخص کو اس کے مناسب صبر پر اجرت ملتا ہے۔

یہ تفصیل تو اجر صبر میں ہے اور ایک اجر خود تکلیف پر بھی ہوتا ہے اس میں صبر کی قید نہیں اگر صبر کیا تو دو اجر ملیں گے ایک صبر کا دوسرا تکلیف کا، اور اگر صبر نہ کیا تو تکلیف کا اجر ملے گا اور بے صبری کا گناہ ہوگا جیسے ایک شخص نماز پڑھے اور روزہ نہ رکھے، تو نماز کا ثواب ملے گا اور روزہ نہ رکھنے کا گناہ ہوگا امید ہے کہ سب سوالات حل ہو گئے ہوں گے۔ (تربیت سالک جلد اول ص ۲۲۰)

بیماری میں اضطراب کا ہونا خلاف صبر و توکل نہیں

حالت: اپنے اس بشری اضطراب کو دیکھ کر (جو لڑکیوں کی بیماری سے اوپر مذکور تھا) بار بار یہ خیال آتا ہے کہ میرا یہ حال صبر و توکل کے خلاف ہے مگر اس کا علاج نظر نہیں آتا۔
تختہ: علاج تو مرض کا ہوتا ہے۔ یہ اضطراب طبی غیر اختیاری خود مرض ہی نہیں جو ضرورت علاج ہو۔ اسی غیر اختیاری ہونے کی وجہ سے یہ صبر و توکل کے بھی خلاف نہیں کیونکہ یہ دونوں اختیاری ہیں۔ پس دونوں جمع ہو سکتے ہیں، پھر مخالف کہاں رہا۔ جیسے آپریشن کوئی رضا سے کر لے اور شتر لگنے کے وقت زور سے آہ نکلے اور اس کے بعد جراح کو انعام بھی دے جو صریح علامت ہے رضا کی۔ یہاں اضطراب اور صبر و رضا جمع ہو گئے البتہ اس مثال میں اگر کلورفارم دیا جاوے تو الم محسوس نہیں ہوتا۔ اسی طرح حکمت مقصود

ہوتی ہے تو کسی ایسے حال کو مخائب اللہ غالب کر دیا جاتا ہے جس سے اضطرابِ ایلیس بھی نہیں ہوتا۔ مگر یہ ناقص کے لئے تجویز کیا جاتا ہے۔ اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے کی وفات پر آنسو نکلے جو دلیں ہے کمال کی۔ (ترجمت اسالک حضرت سوم)

تواصی بالحق و تواصی بالصبر

ملفوظ: تواصی بالحق و تواصی بالصبر کی تفسیر کے سلسلہ میں بیان فرمایا کہ یہ ناگواری مخاطب کو گو تبلیغ عقائد میں زیادہ ہوتی ہے مگر جیب دہ ایک مرتبہ اپنے عقائد سے باقی نعلی سمجھ کر عقائد حقہ قبول کر لیتا ہے تو اس کے لئے بار بار تبلیغ کی ضرورت نہیں رہتی بخلاف عمل کے کہ ان کی تبلیغ ابتداء میں تو دشوار نہیں نہ مخاطب کو اس میں زیادہ ناگواری ہوتی ہے، مگر اس میں بار بار تبلیغ کی حاجت ہوتی ہے کیونکہ انسان اپنے اعمال ناسدہ کو ایک بار چھوڑ کر کسی لذت نفسانی کی وجہ سے پھر اختیار کر لیتا ہے تو اس میں ابتدائی تبلیغ کافی نہیں ہوتی بلکہ بقائے تبلیغ کی بھی حاجت رہتی ہے خلاصہ یہ ہے کہ تبلیغ عقائد کی ابتدا دشوار مگر بقا سہل اور تبلیغ اعمال میں ابتدا آسان مگر بقا دشوار اس لئے وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ میں ایسا عنوان اختیار فرمایا گیا جس میں تبلیغ کو بھی صبر و استقلال کی تعلیم ہے (وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالسَّرَائِرِ كَلَامًا)

ایک اور دقیق بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ عمل صالح اور تواصی بالحق کے ساتھ تواصی بالصبر کیوں بڑھایا؟ وجہ یہی ہے کہ اعمال صالحہ جو ہر ایمان کے محافظ ہیں اور گناہ و معاصی اس دولت کے دشمن ہیں، جو شخص خود گناہ کرتا یا کسی دوسرے کو گناہ میں مبتلا دیکھ کر نصیحت نہیں کرتا، رفتہ رفتہ اس کے دل سے گناہوں کی نفرت کم ہو جاتی ہے، پھر زائل ہو جاتی ہے اور گناہ کو ہلکی اور معمولی بات سمجھنے لگتا ہے اور یہی کفر ہے۔

(تجدیدِ تعلیم و تبلیغ)

حقیقتِ توکل

انعام و احکام توکل

توکل کی دو قسمیں ہیں۔ علماً و علماً۔ علماً تو یہ کہ ہر امر میں متصرف حقیقی و مدبر حقیقی توکل و ناز کو سمجھے، اور اپنے کو ہر امر میں ان کا محتاج اعتقاد کرے یہ توکل تو ہر امر میں عموماً فرض اور جزو عقائد اسلامیر ہے۔ قسم دوم توکل علماً اس کی حقیقت ترک اسباب ہے پھر اسباب کی دو قسمیں ہیں :-

۱۔ اسباب دنیویہ اور اسباب دنیویہ۔ اسباب دنیویہ جن کے اختیار کرنے سے کوئی دینی نفع حاصل ہو ان کو ترک کرنا محمود نہیں بلکہ کہیں گناہ اور کہیں خسران و حرمان ہے اور شرعاً یہ توکل نہیں اگر نفع توکل کہا جاوے تو یہ توکل مذموم ہے۔
اور اسباب دنیویہ جن سے دنیا کا نفع حاصل ہو تو اس نفع کی دو قسمیں ہیں حلال یا حرام اگر حرام ہو تو اس کے اسباب کا ترک کرنا ضروری ہے اور یہ توکل فرض ہے اگر حلال ہو تو اس کی نین قسمیں ہیں :-

۱۔ یقینی ۲۔ ظنی اور ۳۔ وہمی

اسباب وہمیہ جن کو اہل حرص و طمع اختیار کرتے ہیں جس کو طول اہل کہتے ہیں ان کا ترک کرنا ضروری ہے اور یہ توکل فرض و واجب ہے۔

اور اسباب یقینیہ جن پر وہ نفع عادتہ ضرور مرتب ہو جاوے جیسا کھانے کے بعد آسولگی ہو جانا پانی کے بعد پیاس کم ہو جانا اس کا ترک کرنا جائز نہیں اور نہ شرعاً توکل ہے اور نفعاً توکل کہا جاوے تو یہ توکل ناجائز ہے اور اسباب ظنیہ جن پر غالباً نفع و مرتب ہو جاوے مگر بار بار تخلف بھی ہو جاتا ہو جیسے علاج کے بعد صحت ہو جانا یا نوکری

مزدوری کے بعد رزق ملنا۔ ان اسباب کا ترک کرنا وہ ہے جس کو عرف اہل حقیقت میں اکثر توکل کہتے ہیں۔ اس کے حکم میں تفصیل یہ ہے کہ ضعیف النفس کے لئے تو جائز نہیں، اور قوی النفس کے لئے جائز ہے۔ بالخصوص جو شخص قوی النفس بھی ہو اور خدمت دین میں مشغول ہو اس کے لئے مستحب بلکہ کسی قدر اس سے بھی ٹوکہ ہے پس خلاصہ تقریر کا یہ ہوا کہ توکل علیٰ تو مطلقاً اور علیٰ میں یعنی ترک اسباب حرام و ترک اسباب نفع ذمیوی ہو ہوم مرض اور یعنی ترک اسباب دینیہ و یعنی ترک اسباب ذمیویہ مباحہ یقیناً حرام و مذموم و یعنی اسباب مباحہ ذمیویہ ظنیہ ضعیف النفس کو حرام اور قوی النفس کو مستحب۔ پس تین قسمیں ہیں اور دو قسمیں حرام۔ ایک بعض اوقات میں حرام اور بعض اوقات میں مستحب۔ اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ جو توکل شرعاً ناپسند ہے اس میں اور طاعت میں تنافی ہے ورنہ کوئی منافات نہیں واللہ اعلم۔

فائدہ کا :- اس مضمون کی تکمیل کے لئے ایک دوسرا مضمون مثنوی سے نقل کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ تدبیر میں دو مرتبے ہیں۔ ایک اس کا نافع ہونا اور دوسرا اس کا جائز ہونا۔ سو نافعیت میں تو یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ تقدیر کے موافق ہوگی تو نافع ہوگی ورنہ نہیں اور اس کے جوازیں یہ تفصیل ہے کہ اس میں دو مرتبے ہیں ایک مرتبہ اعتقاد کا یعنی اسباب کو مثل حکماء طبعین و منکرین قدر کو مستقل بالتاثر سمجھا جاوے سو یہ اعتقاد شرعاً حرام و باطل ہے۔ البتہ تاثر غیر مستقل کا اعتقاد رکھنا یہ مسلک اہل حق کا ہے جس کا انکار اور نفی کرنا جرم مذموم ہے دو مرتبہ عمل کا یعنی مقاصد کے لئے اسباب اختیار کئے جاویں۔ سو اس کا حکم یہ ہے کہ اس مقصد کو دیکھنا چاہئے کیسا ہے، سو اس میں تین احتمال ہیں یا وہ مقصد دینی ہے یا دنیوی مباح ہے یا معصیت ہے۔ اگر معصیت ہے تو اس کے اسباب کا اختیار کرنا مطلقاً ناجائز ہے اور اگر دین ہے تو دیکھنا چاہئے کہ امر دین واجب ہے یا مستحب، اگر واجب ہے تو اس کے اسباب کا اختیار کرنا واجب ہے۔ اگر مستحب ہے تو اس کے اسباب کا اختیار کرنا مستحب ہے اور اگر

وہ دنیائے مباح ہے تو دیکھنا چاہئے کہ وہ دنیائے مباح ضروری ہے یا غیر ضروری۔ اگر ضروری ہے تو اس کے اسباب کا اختیار کرنا بھی واجب ہے، اور اگر غیر یقینی ہے تو ضحاً کے لئے اختیار اسباب اور اوقویہ کے لئے گوجائز ہے مگر ترک افضل ہے، اور اگر وہ دنیائے مباح غیر ضروری ہے تو اگر اس کے اسباب کا اختیار کرنا ضروری ہو تو ناجائز ہے ورنہ جائز مگر ترک افضل ہے۔

یہ کل دس صورتیں ہیں اور ہر ایک کا خاص حکم ہے۔ اس تقریر سے معلوم ہو جاوے گا کہ کس مرتبہ پر توکل جائز یا ناجائز ہے۔
ان دونوں تقریروں کے جمع کرنے سے اس مسئلہ میں پوری شفا ہو سکتی ہے۔

(ماخوذ بآداب النوا اور ص ۲۸۸-۲۸۷)

سوال: ایک طالب نے لکھا کہ میں معمولی سے خطرے پر پریشان ہو جاتا ہوں معلوم ہوتا ہے کہ مجھ میں توکل نہیں ہے اس معصیت سے بچنے کا علاج تحریر فرمادیں۔
جواب:۔ تحریر فرمایا کہ نہ یہ معصیت ہے نہ یہ توکل کے خلاف ہے کیوں کہ توکل کی حقیقت ہے غیر متصرف حقیقی سے قطع نظر کرنا اور یہ قطع نظر اعتقاد اگر ناتو فرض ہے اور عملاً اسباب نفسیہ کے ترک سے بشرط تحمل مستحب ہے، اور جو اسباب عاداتاً یقینی یا مثل یقینی کے ہیں ان کا ترک کرنا معصیت ہے، بجز اہل حال کے کہ ان کو اس کی بھی اجازت ہے اور بہ سبب تفصیل اسباب دنیویہ میں ہے اور اسباب دینیہ کو ترک کرنا توکل نہیں ہے۔
(اشرف السوانح)

حقیقت تفویض

تفویض کے معنی ترک تدبیر نہیں بلکہ تدبیر کے بعد ہر تصرف حق پر راضی رہنا، اور اس پر ایک شبہ کا جواب۔

ارشاد: بعض دفعہ یہ بات دیکھی کہ اگر باوجود احتیاط کے مالی نقصان ہو گیا تو زیادہ قلع نہیں ہو لیکن اگر بے احتیاطی سے کچھ نقصان ہو گیا تو قلع زیادہ ہوتا تھا۔ لیکن مجھے شبہ ہوا کہ یہ ناقص حالت ہے آخر نقصان مال پر اتنا زیادہ قلع کیوں۔ اس وقت یہ علاج وارد ہوا کہ یہ بھی حق تعالیٰ کا تصرف ہے کہ بے احتیاطی کی حالت میں یہ نقصان ہو گیا بس یہ تصور کرنا تھا کہ ایک ہی جلسہ میں مرض کی اصلاح ہو گئی۔ شاید کوئی یہ کہے کہ پھر ازالہ نقص کی تدبیر ہی کی کیا ضرورت ہے۔ مجاہدہ و ریاضت کی کیا حاجت ہے بس جیسا خدا نے دے دیا اسی پر راضی رہنا چاہئے۔ تلک دیا تو اس پر راضی نکل دیا تو اس پر خوش کیونکہ تصرف حق ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ترک تدبیر کی تم کو اجازت نہیں۔ تم تدبیر کرنے کے لئے مامور ہو اس لئے تدبیر کرنا واجب ہے ہاں تدبیر کے بعد بھی اگر نقص رہے گا تو یہ تصرف ہے اس پر راضی رہو۔ یہاں سے یہ شبہ بھی دفع ہو گیا کہ گناہوں پر بھی راضی رہنا چاہئے کیونکہ یہ بھی تصرف حق ہے اور موافقت ہے تقدیر کی تو سمجھ لو کہ عین گناہ کے وقت یا گناہ سے پہلے عزم کے وقت اس تصور سے کام نہیں لے سکتے۔ کیونکہ تم کو ابھی سے کیا خبر ہے کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے واسطے یہ تصرف مقدر کیا ہے کہ فلاں گناہ کر دے پھر جس وقت گناہ کرنے ہو اس وقت موافقت تقدیر کی بنت کباب ہوتی ہے اس وقت تو اپنی خواہش کو پورا کرنا مقصود ہوتا ہے۔ کیونکہ قبل از وقوع تدبیر کی خبر کس کہ ہے یہی جواب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو دیا تھا جبکہ شیطان نے کہا تھا کہ آپ نے تو میرا سجدہ نہ کرنا مقدر ہی کیا تھا۔ تو اگر میں نے تقدیر کے موافق سجدہ نہ کیا تو مجھ پر؟

لغت اور غضب کیوں ہوا۔ وہاں سے ارشاد ہوا کہ موافقت تقدیر کا علم تو بعد وقوع کے سمجھ کو ہوا۔ وقوع کے وقت تو تو نے اس کا قصد نہیں کیا۔
 بہر حال گناہ کے وقت اس مراقبے سے کام نہیں لے سکتے ہاں گناہ کے بعد
 زبذبح کر کے بھی جب قلق زائل نہ ہو اور اس قلق سے تعطل فی الاعمال کا اندیشہ ہو تو
 اس وقت اس مراقبے سے کام لو اور زیادہ قلق میں نہ پڑو۔ (انفاس عیسیٰ)

طریق کار

اپنے کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دینا کہ جو وہ چاہیں اس میں تصرف کریں اور اپنی
 طرف سے کوئی حالت یا نظام تجویز نہ کرنا (تفویض ہے) جو تمام حالات کو شامل ہے
 خواہ وہ حالات آفات ہوں خواہ انفسی ہوں۔ پھر انفسی میں خواہ احوال حسیہ ہوں
 جیسے مرض و صحت اور قوت و ضعف، خواہ باطنیہ ہوں جیسے قبض و بسط، ہیبت و
 انس اور محبت و شوق و امتا ہوا۔

تفویض کے معنی ترک تدبیر نہیں بلکہ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ
 کے سوا کسی پر نظر نہ رکھے۔ تدبیر کرے اور تدبیر کے نتیجہ کو خدا تعالیٰ کے سپرد کرے
 اور جن امور میں تدبیر کا کچھ تعلق و دخل نہیں۔ ان میں تو ابتداء ہی سے تفویض و تسلیم
 اختیار کرے۔ (انفاس عیسیٰ ص ۲۲۲-۲۲۱-۲۳۰)

اپنی طرف سے کوئی حالت یا نظام تجویز نہ کرے۔ تجویز ہی تمام پریشانیوں کا سبب
 ہے کہ ہم نے ہر چیز کا ایک نظام خاص اپنے ذہن میں قائم کر رکھا ہے کہ یہ کام اس طرح
 ہونا چاہئے۔ پھر اس نظام کے خلاف واقع ہونے سے کلفت ہوتی ہے اور زیادہ حصہ
 اس نظام کا جو ہماری طرف سے تجویز ہوتا ہے۔ غیر اختیاری ہوتا ہے تو غیر اختیاری ہونے
 کے لئے نظام تجویز نہ کرنا حماقت نہیں تو کیا ہے۔ اسی لئے اہل اللہ نے تجویز قطع کر کے یہ

نہی اختیار کر لیا ہے

زندہ کنی عطاے تو ور بکشی فدائے تو
دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

(وعظ الحیر بالصبر ص ۲۶)

طریق حصول

جب کوئی ناگوار واقعہ پیش آوے اس وقت اس کو فوراً ذہن میں حاضر کر لیا جاوے کہ یہ حق تعالیٰ کا تصرف ہے ابتدا میں تو اہل اللہ کو یہ حالت تکلف کے ساتھ حاصل ہوتی ہے خدا تعالیٰ کی حکمت و قدرت کو سوچ سوچ کر اپنے ارادہ و تجویز کو فنا کرنا پڑتا ہے پھر یہ حالت ان کے لئے امر طبعی بن جاتی ہے۔ (انفاس عیسیٰ)

تفویض عقلی مطلوب ہے

حالیہ جناب والا نے سعادت بخشی تھی مسئلہ تفویض کے بارے میں الحمد للہ کہ حضرت کے ارشادات سے یہ بالکل سمجھ میں آ گیا کہ مطلوب تفویض عقلی ہے خواہ اس سے طبعی تزار نہ بھی نصیب ہو بلکہ طبعی قرار و تسلی کی صورت میں واقعی اخلاص کی کمی کا شہرہ ہو سکتا ہے۔
تختہ و لیکن خواہ مخواہ مشبہ بھی نہ کیا جاوے۔ اگر اللہ تعالیٰ طبعی قرار بھی عطا فرماوے تو اس کو مستقل سمجھ کر اس پر شکر کیا جاوے اور یہ توفیق شکر علامت اخلاص کی بھی ہوگی، اور بفرض محال اگر اس میں کمی بھی ہوگئی تو اس شکر سے اس کی کمی کی تلافی بھی ہو جاوے گی۔ اس کلیہ کے تحت میں ان الحسان یدھبن السیات
حالیہ :- لیکن حضرت عقلی تفویض کیا ذہنی تجویز سازوں اور ان کے لئے دو ادبوں کے ساتھ بھی جمع ہو سکتی ہے ؟

تختہ :- ہو سکتی ہے دو شرط سے، ایک وہ تجویزیں مشرع ہوں دوسرے اگر وہ

تجزیہ ناکام ہوں تو اعتقاداً اس ناکامی کو خیر سمجھ لو اس کے ساتھ غیر اختیاری ضیق
 ہی ہر وہ اس کے منافی نہیں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس غیر اختیاری
 ضیق کو ثابت فرمایا ہے **وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ**
 (محمد) اور اختیاری ضیق سے نہیں فرمائی ہے **وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ**
 (نفل) اور اس سے حضور اقدس سے اختیاری ضیق کے وقوع کا توہم نہ کیا جاوے۔
 کیونکہ یہی کا تعلق ماضی سے نہیں ہوتا مستقبل سے ہوتا ہے کقول لقمان علیہ السلام
لَا يَنْبَغُ لَكَ تَشْرِيكَ بِاللَّهِ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۲۰)

منصوص دعاؤں کا اثر نہ ہونا اس میں عبدیت و تفویض کا امتحان ہے

حالیہ: منصوص دعائیں اور اوراد پڑھ رہا ہوں مگر ان کا کچھ اثر ظاہر نہیں ہوتا۔
 تحقیق:۔ اس انتشار کا منشا یہ ہے کہ ادعیہ کے اثر کو ادویہ کے اثر پر قیاس کیا
 جاتا ہے اور یہی غلطی ہے۔ سنتہ اللہ دونوں جدا جدا ہیں۔ دوا کی تاثیر کے شرائط و موانع
 کم ہیں، دعا کے زیادہ ہیں جس میں بہت حکمتیں ہیں۔ ایک تین حکمت یہ ہے کہ دعا عبادت
 ہے جس کی روح عبدیت ہے، اگر یہ فوراً قبول و موثر ہو جاتی تو اس میں عبدیت و تفویض
 کا امتحان نہ ہوتا۔ واللہ اعلم۔ اور اگر وہ اثر آخرت میں موعود ہے تو پھر یہ سوال ہی
 منوج نہیں ہوتا۔ (النور ربیع الاول ۱۳۵۹ھ، تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۶۶)

توکل و تفویض میں فرق

سوال:۔ ایک طالب نے توکل و تفویض کا فرق دریافت کیا۔
 جواب:۔ تحریر فرمایا کہ توکل بعض کے لئے مطلق تدبیر ظنی کو ترک کرنا ہے
 اور بعض کے لئے یہ ہے کہ تدبیر غیر مباح اور انہماک فی التدبیر المباح کو ترک کر دے۔

اور تفویض یہ کہ اس کے بعد اگر تدبیر میں ناکامی ہو یا وہ واقعہ تدبیر سے تعلق ہی نہ رکھتا ہو جیسے غیر اختیاری مصائب تو حق تعالیٰ پر اعتراض نہ کرے (اشرف السوانح)

جمعیت و تفویض

ایک طالب کو تحریر فرمایا کہ مقصود کے حصول کا قلب میں تقاضا اور انتظار رہے کہیں کہ یہ بھی حجاب ہے کیونکہ اس سے تشویش ہوتی ہے اور تشویش برہم زن جمعیت و تفویض ہے اور جمعیت و تفویض ہی وصول کی شرط عادی ہے اس کو خوب راسخ کر لیں کہ یہ رُوح سلوک ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ذکر و طاعت میں مشغول ہونے کے لئے دلچسپی اور سہولت کا منتظر نہ رہے بلکہ یہ تکلف عمل شروع کر دے پھر ہی سے رفتہ رفتہ سہولت بھی ہونے لگتی ہے اور دلچسپی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک بار فرمایا: کہ لوگ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ جب دلچسپی پیدا ہو تب کام شروع کریں اور دلچسپی اس انتظار میں رہتی ہے کہ جب کام شروع ہو جائے تب میں پیدا ہوں (اشرف السوانح)

اپنی رائے اور تجویز کے تنا کرنے کے برکات

فرمایا کہ کوئی اپنی رائے اور تجویز کو فنا کر کے تو دیکھے پھر اللہ تعالیٰ وہ دولتیں عطا فرماتے ہیں جو اس کے ذہم و گمان میں بھی نہیں آسکتیں۔ اسی میں اتباعِ شیخ بھی داخل ہے جس کی سخت ضرورت ہے۔ اپنی رائے سے کچھ نہ کرے اور علاوہ ادب طریق کے شیخ کے اتباع میں ہر قسم کی سہولت اور راحت اور بے فکری بھی تو ہے لہذا بہت جلد اپنے حالات کی اطلاع اور شیخ کی تجویزات کی اتباع کا سلسلہ جاری رکھے اور شیخ جن مرام کے متعلق جو تجویز فرمادے گا وہ چرمان لے اور اسی کے مطابق کامل اعتماد کے ساتھ عمل میں مشغول رہے، خواہ کتنا ہی نفس دگر ہو۔ (اشرف السوانح)

تفویض ترک اعتراض علی الحق ہے

حالہ: ایک بات احق کو یہ پیش آتی ہے کہ احق جو کام کر رہا ہے اس میں عرصہ سے نقصان ہو رہا ہے اب تک آئندہ فائدہ کی امید بدل سنگی سے نقصان برداشت کرتا رہا مگر اب کچھ دنوں سے قلب میں ایک نئی حالت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس نقصان سے جو ہوا ہے دل میں سنگی معلوم نہیں ہوتی (جو احق کو پہلے معلوم ہوتی تھی) بلکہ دل میں یہ بات سما گئی ہے کہ ہم کو تدبیر کر کے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہئے اور اپنی تجویز کو اللہ تعالیٰ کی تجویز میں فنا کر دینا چاہئے ہمارے لئے وہی بہتر کریں گے جو ہمارے لائق ہوگا۔ ہمیں جو نقصان ہوا ہے اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت ہی ہے جس کو ہم نہیں سمجھ سکتے جو ہمارے لئے بہتر ہی ہے، جب یہ بات دل میں سمائی ہے دل اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں کیا بلکہ ہر حالت میں راضی ہے سنگی وغیرہ سب دور ہو گئی گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فاضل آمدنی کم کر کے استغناء عطا فرمایا۔ تحقیق: یہ تفویض ہے۔

حالہ: ایک عرض یہ ہے کہ بعض وقت مالی نقصان سے طبیعت پر رنج بھی ہو جاتا ہے یہ تفویض کی منافی تو نہیں؟ (جو احق زبان سے کوئی ایسی بات نہیں کہتا، اگر ہے تو کیا تدبیر کرے؟) تحقیق: اگر رنج طبعی ہو مگر حق تعالیٰ پر اعتراض نہ ہو تو وہ تفویض کے منافی نہیں۔ حالہ: ایک عرض یہ ہے کہ احق تفویض کو یہ سمجھا ہے کہ بندہ اپنی تجویز کو اللہ تعالیٰ کی تجویز میں فنا کر دے اور اپنے سے کچھ تجویز نہ کرے۔

تحقیق: یہ معنی نہیں بلکہ ترک اعتراض علی الحق ہو۔

حالہ: اور توکل کو یہ سمجھا ہے کہ تدبیر کر کے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا۔

تحقیق: تدبیر کے محسوس میں یہ ٹھیک ہے اس میں ایک اور شرط ہے کہ وہ تدبیر مباح ہو اور اس میں انہماک نہ ہو۔

(تربیت السالک حصہ دوم ص ۷۷)

رضا

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :-

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ
وَسُرَّوْا عَنْهُ
اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہوا، اور وہ
اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
مِنْ مَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ رِضَاةً
بِمَا قَضَى اللَّهُ
آدمی کی سعادت سے ہے راضی رہنا
اس پر جو اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے
مقرر کر دیا ہو۔ (رواہ الترمذی و احمد)

رضا کی حقیقت

شَرَكُ الْأَعْتَرِاضِ عَلَى الْقَضَاءِ (یعنی) قضائے الہی پر اعتراض
نہ کرنا (رضا کی حقیقت ہے) نہ زبان سے نہ دل سے، بعض اوقات اس کا یہاں تک غلبہ
ہوتا ہے کہ تکلیف بھی محسوس نہیں ہوتی ہے پس اگر الم کا احساس ہی نہ ہو تو رضائے طبعی ہے
اور اگر الم کا احساس باقی رہے تو رضائے عقلی ہے۔ اول حال ہے جس کا عید مکلف نہیں اور
ثانی مقام ہے جس کا عید مکلف ہے۔

قضا پر راضی رہنے کی وجہ یہ ہے کہ تکلیف کی صورتوں میں تکلیف تو محسوس ہو مگر
چونکہ عقل نے اس کے بہتر انجام یعنی ملنے والے ثواب پر مطلع کر دیا ہے اس لئے طبیعت اس
تکلیف کو بلا تکلف گوارا کرتی ہے اس کی مثال ایس ہے جیسے طبیب کسی مریض کو پینے کے لئے تلخ دوا
بتائے یا (آپریشن کرانے) یا فصد کھلوانے کی ہدایت کرے تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ
اس تلخ دوا کو پینا (یا آپریشن کرانا) فصد کھلوانا تکلیف کی باتیں ہیں مگر چونکہ اس کے

ساتھ ہی عمدہ نتیجہ یعنی صحت و تندرستی سے مریض کو آگاہی حاصل ہے۔ لہذا وہ ان تکلیف دہ باتوں کے بتانے والے طبیب سے راضی بلکہ اس کا احسان مند و ممنون رہتا ہے۔ اسی طرح جو شخص سچے دل سے اس کا یقین کئے ہوئے ہے کہ دنیا کی ہر تکلیف پر حق تعالیٰ کی طرف سے اجر و رحمت ہوگا اور ہر مصیبت و صدمہ پر اس قدر ثواب عطا ہوگا جس کے مقابلے میں اس ماریض تکلیف کی کچھ حقیقت نہیں ہے تو وہ ضرور مسرور و شادان ہوگا۔

جس وقت مولائے حقیقی سے جو عطا ہوتا ہے اس وقت کے لئے وہی مناسب ہوتا ہے اس کے خلاف کی تمنا نہ چاہئے جب اللہ تعالیٰ بظاہر ہمارے نقصانات ہی کو بہتر سمجھ رہے ہیں تو ہم کو اس میں صدمہ کی کون سی بات ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے جیسا بنا دیا ہے اس کے لئے وہی مناسب تھا۔ گو ہر شخص دوسرے کو دیکھ کر یہ تمنا کرتا ہے کہ میں ایسا ہوتا اور اپنی حالت پر قناعت نہیں ہوتی لیکن غور کر کے دیکھے اور سوچے تو اس کو معلوم ہوگا کہ میرے لئے مناسب وہی حالت ہے جس میں خدا تعالیٰ نے مجھ کو رکھا ہے۔ البتہ دعا کرنا خلاف رضا نہیں۔ اہل اللہ محض حکم کی وجہ سے اظہارِ عبادت کے لئے دعا کرتے ہیں اس واسطے دعا نہیں کرتے کہ جو ہم نے مانا ہے وہی مل جائے۔ بلکہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہتے ہیں خواہ قبول ہو یا نہ ہو (قبول نہ ہونے سے شاک اور تنگدل نہیں ہوتے، یہی رضا کی علامت ہے۔ دعا کی حقیقت دعا کے بیان میں ملاحظہ ہو اور اگر اس جگہ صبر کا بھی بیان دیکھ لیا جائے تو مفید ہوگا۔ (کمالات اشرفیہ)

حق تعالیٰ کو بندے کے ساتھ ایک خاص قسم کا تعلق ہو جانا جس کا خاصہ ایک خاص جذبہ ہے جس کے لوازم میں سے سہولت طاعت اور حضور دائم ہے۔ اور یہ محض جو ہر شخص ہے کیونکہ کسی عمل صالح میں یہ قابلیت نہیں کہ وہ رضائے الہی کے حصول کے لئے کافی ہو سکے گو عادت اللہ یہ ہے کہ محض اپنے فضل سے اپنی رضا کو اعمال صالحہ پر مرتب فرمادیتے ہیں جیسا حدیث شریف میں وارد ہے کہ کوئی شخص اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں نہ

جائے گا۔ بلکہ محض حق تعالیٰ کے فضل سے جائے گا، اور یہ نسبت مع اللہ عا دثا پھر کبھی زائل نہیں ہوتی جیسے بالغ ہونے کے بعد صفت بلوغ کبھی زائل نہیں ہوتی (فخاس عریضی) حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَکْبَرُ یہاں رضا کو اکبر فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہی (رضا) بڑی چیز ہے۔ اس اکبر کی تحصیل کا ذریعہ بھی اکبر ہونا چاہئے فرماتے ہیں وَلَئِذْ كُرَّ اللّٰهُ اَکْبَرُ (اور اللہ کا ذکر اکبر ہے) معلوم ہوا کہ وہ ذریعہ ذکر اللہ ہے اور تمام احکام پر عمل کرنے سے ذکر اللہ ہی مقصود ہے۔

(اشرف المسائل ص ۱۸)

جب بندہ اعمال صالحہ اختیار کرتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ کی توجہ اس پر منتقل ہوتی ہے چنانچہ خود ارشاد فرماتے ہیں :-

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عِنْدَهُ الْاٰیَہ
بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے
اچھے کام کئے اللہ تعالیٰ ان سے خوش
رہے گا اور وہ اللہ تعالیٰ سے خوش رہیں گے
(شریعت و طہا لیت)

رضا بالقضار

حالت: ناز کے بعد دعا مانگتے وقت فوراً ہی یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میرے لئے ایسا مقدر نہیں کیا ہے اور میں مانگ رہا ہوں تو رضا بالقضار کہاں رہا۔ ایسے مانگنے میں گستاخی نہ سمجھی جائے پھر حال میری تسکین فرما دیجئے۔
تحقیق :- اس میں تنافی کیا ہوئی۔ عین مانگنے کے وقت یہ عزم رکھا جاوے کہ اگر مطلوب نہ ملا تو نہ ملنے پر ہی راضی رہوں گا اور رضا دونوں جمع ہو گئیں۔

(تربیت السالک جلد دوم ص ۳۰۲)

حقیقتِ زہد

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-
 لَكِنِّي لَا تَأْسُوا عَلَيَّ مَا فَاَتَكُمْ
 وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ
 اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تاکہ غم شدہ چیز پر افسوس نہ کرو اور جو
 تم کو دیا ہے اس پر خوشی سے اترا نہ جاؤ

اول صلاح هذه الامة اليقين والزهـد

و اول فسادها البخل والاهل (رواه البيهقي في شعب الایمان)

کسی رغبت کی چیز کو چھوڑ کر اس سے بہتر چیز کی طرف مثلاً دنیا کی رغبت علیحدہ کر کے
 آخرت کی رغبت کرنا زہد ہے۔

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا کہ زہد فی الدنیا یہ نہیں ہے کہ حلال چیزوں کو حرام کر لیا جاوے اور نہ یہ ہے

کہ مال کو اڑا دیا جائے لیکن نہ ہر یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے قبضہ میں جو چیز ہے اس پر اپنا

اعتماد اور وثوق بہ نسبت اس چیز کے زیادہ ہو جو کہ تمہارے قبضہ میں ہے اور نہ زہد یہ ہے

کہ جب تم پر کوئی مصیبت آوے تو تم کو اس کے ثواب کی زیادہ رغبت ہو بہ نسبت اس کے

کہ مصیبت باقی نہ ہے۔ (ترمذی شریف)

اس حدیث میں زہد کی حقیقت کی شرح ہے جو کہ اخلاق میں سے ہونے کے سبب

علامات میں سے بھی ہے اور اس میں بڑی غلطی رفع کر دی ہے۔ اکثر علوم اپنے اعتقاد میں

زہد کی کو سمجھتے ہیں جو تمام لذاتِ مباحہ سے اس طرح مجتنب ہو جیسے ان کو حرام سمجھتا ہو

اور اس کے پاس جو کچھ آتا ہو سب کو فوراً خرچ کر ڈالے۔ گو غیر مصرف ہی میں بھی۔ اور جو

بلا مصیبت کے زوال کی تدبیر نہ کرتا ہو بس ان کے نزدیک بزرگی کی شرط ہی ہے۔ اس

حدیث میں بتلادیا گیا ہے کہ یہ امور شرط نہیں بلکہ اپنے مقبوض سے زیادہ حق تعالیٰ پر اعتماد ہونا اور مصیبت کو خود مرغوب فیہ نہ ہو مگر ثواب مرغوب فیہ ہونا یہ ضروری ہے پس مصیبت پر خوشی اس لئے ہے کہ وہ ثواب کا سبب ہے اور آیت سے استدلال ظاہر ہے۔ (التکشف ص ۳۳۶)

زہد کی اصل وہ نور اور علم ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ کے قلب میں ڈال دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے سینہ کھل جاتا ہے اور یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دنیا کا ساز و سامان مکتی کے پر سے بھی زیادہ حقیر اور آخرت ہی بہتر اور پائیدار ہے جس وقت یہ نور حاصل ہو جاتا ہے تو اس حقیر دنیا کی آخرت کے مقابلے میں اتنی بھی وقعت نہیں رہتی جتنی کسی میں قیمت جوار کے مقابلے میں کھٹے پرانے جینٹے کی ہو کرتی ہے۔ اور ہد کا ثمرہ یہ ہے کہ بعد ضرورت و کفایت دنیا پر قناعت حاصل ہو جائے پس زہد اتنی مقدار پر کفایت کیا کرتا ہے جتنا کسی مسافر کو سفر کا تو مشہ اپنے پاس اپنے پاس رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ (تبلیغ دین ص ۹۷)

حاصل کلام یہ ہے کہ زہد ترک لذات کا نام نہیں بلکہ محض تفضیل لذات زہد کے لئے کافی ہے یعنی لذات میں انہماک نہ ہو نفس نفس کھانوں اور کپڑوں کی فکر میں رہنا یہ زہد کے معنی ہے ورنہ بلا تکلف و بلا اہتمام خاص کچھ لذات میسر ہو جائیں تو حق تعالیٰ کی نعمت سے شکر کرنا چاہئے نفس کو خوب آرام سے رکھے لیکن اس سے کام بھی لے۔

ع مزدور خوش دل کند کار بیش

(کمالات اشرفیہ)

حقیقتِ توبہ

خطا (گناہ) کو یاد کر کے دل کا دکھ جانا اور اس کے لئے لازم ہے اس گناہ کا ترک کر دینا اور آئندہ کو پختہ ارادہ رکھنا کہ اب نہ کریں گے اور ناجائز خواہش کے وقت نفس کو روکنا توبہ کہلاتا ہے۔

ضرورتِ توبہ

توبہ کے معنی اور حقیقت سمجھنے کے بعد واضح ہو گیا ہو گا کہ توبہ ہر شخص پر واجب ہے کیونکہ حق تعالیٰ تمام مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ:

”لے ایمان والو! تم سب توبہ کرو تاکہ صلاح پاؤ۔“

چونکہ توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ گناہوں کو آخری زندگی کے لئے ستم قاتل اور ہلاک سمجھے اور ان کے چھوڑنے کا عزم کر لے اور اتنا مضمون ایمان کا جزو ہے اس لئے ہر مومن پر اس کا واجب اور ضروری ہونا تو ظاہر ہے۔ (تسلخ دین ص ۸۵)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :-

فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ
وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَسُوبُ
عَلَيْهِ (الآیۃ)

یعنی جو شخص اموافق تا عمدہ شریعت کے
اپنی اس زیادتی (یعنی گناہ) کرنے کے بعد
توبہ کر لے اور (آئندہ کے لئے) اعمال کی

درستی رکھے (یعنی تمام برائیوں کو چھوڑ دے، شریعت کے سلطان کام کرے اور

اپنی توبہ پر قائم رہے) تو بیشک اللہ تعالیٰ اس (کے حال) پر رحمت کے ساتھ توبہ

فرمائیں گے (توبہ سے پچھلے گناہ معاف فرمائیں گے اور مسامت علی التوبہ

مزید عنایت فرمائیں گے)۔ (بیان القرآن ص ۱۰۰)

حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے اگر زمین و آسمان کے برابر بھی گناہ لے کر میرے پاس آئیں اور مجھ سے مغفرت چاہیں تو میں سب کو بخش دوں گا اور گناہوں کی کثرت کی پرواہ نہ کروں گا۔

پس عمر گذشتہ کے ضائع ہونے کا بھی علاج موجود ہے لا علاج کوئی مرض نہیں وہ علاج یہ ہے کہ توبہ کرو اور توبہ کے بعد اگر اوائے حقوق کا موقع نہ ملے تو توبہ سے اس کے حقوق العباد بھی معاف ہو جاویں گے، یعنی اللہ تعالیٰ مظلوم کو خوش کر کے ظالم کی مغفرت فرماتیں گے حدیث شریف میں ہے :- انفا س علی ص ۱۹۲ - ۱۹۳

گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا وہ شخص جس نے کوئی گناہ ہی نہ کیا ہو

(المجموع ص ۳۳)

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

” بیشک میں ہر روز ستر دفعہ استغفار کرتا ہوں ، عصمت انبیاء (یعنی انبیاء کا گناہوں سے پاک ہونا) ایک مسلم مسئلہ ہے ، پھر بھی آپ استغفار فرما رہے ہیں یہ انبیاء اور اکابرین مقبولین کی حالت ہے تو ہم کس شمار میں ہیں۔“

(دعوات عبدیت ص ۳۲ ج ۱)

اس کی پرواہ نہ کریں کہ توبہ ٹوٹ جائے گی۔ جب توبہ ٹوٹ جائے تو فوراً دوبارہ پھر توبہ کر لیں مگر شرط یہ ہے کہ توبہ دل سے ہو یعنی توبہ کے وقت یہ عزم پختہ ہو کہ اب یہ گناہ نہ کریں گے اس طرح توبہ کر کے اگر سو مرتبہ بھی توبہ ٹوٹے کچھ پرواہ نہیں۔ ہر دفعہ پھر توبہ کرتے رہیں خدا تعالیٰ کے مقبول بندوں اور اہل طاعت میں سے شمار ہوں گے۔

(وعظ الجمعین ص ۳۳)

طریقہ توبہ

۱۔ گذشتہ گناہوں سے ندامت، مغفرت ظاہر کریں اور جو حقوق العباد واجب الادا ہیں انی الحال ان کے ادا کرنے کا عزم و اہتمام کریں یا اہل حقوق سے معاف کرائیں جو تازہ روزہ اور فرائض چھوٹ گئے ہوں ان کی قضا کا اہتمام کریں۔

۲۔ اگر گناہ صادر ہو جائے تو فوراً دو رکعت نماز توبہ کی نیت سے پڑھیں پھر توبہ کریں زبان سے بھی توبہ کریں اور رونے کی شکل بنا کر اللہ تعالیٰ سے خوب معافی مانگیں اس طرح توبہ کرنے میں بظاہر متعدد مصلحتیں ہیں:-

۱۔ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ
(نیکیاں گناہوں کو زائل کر دیتی ہیں)

۲۔ نماز میں توبہ کرنے سے دل حاضر ہوگا اور قبول توبہ کے لئے حضور قلب ضروری ہے۔

۳۔ چونکہ نفس کو نماز شاق ہے اس لئے نفس گناہوں سے گھبرائے گا کہ کہاں کی علت سمر لگی بلکہ شیطان بھی گناہ کرانا چھوڑ دے گا۔ کیونکہ وہ دیکھے گا کہ میں اس سے مثلاً اگر دس گناہ کراؤں گا تو یہ بیس رکعت پڑھے گا۔ گناہ تو توبہ سے معاف ہو جائیں گے اور یہ بیس رکعتیں اس کے پاس نفع میں رہیں گی۔

۴۔ توبہ کے لئے تو گناہوں کو یاد کرے اس کے بعد جی بھر کے توبہ کر لے لیکن ان کو سوز سوز کر یاد نہ کرے کیونکہ اس سے بندے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک حجاب سا معلوم ہونے لگتا ہے جو محبت اور ترقی سے

مانع ہے جس کا اثر یہ ہوگا کہ وہاں سے جس عطا میں کمی ہوگی کیونکہ جزا اور ثمرات کا ترتیب ہونا عمل پر ہوتا ہے۔ توبہ نصح کے بعد اگر خود پرانا گناہ یاد آجائے تو پھر تجدید توبہ کر کے کام میں لگے اس سے زیادہ کاوش کرنا غلط، (انفاس عیسیٰ)

۵۔ استغفار اور توبہ کے وقت معاصی کے تذکرہ استحضار میں ایک قسم کا توسط ہونا چاہئے یہ ضروری نہیں کہ سب گناہوں کی پوری فہرست پڑھنے بیٹھ جائے صرف اجمالی طور پر سب گناہوں سے توبہ کر لے۔ ہر گناہ کا نام لینا ضروری نہیں حدیث شریف میں ہے وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِثِّي (اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں جس کو آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ اور فرمایا وَاَتُوبُ إِلَيْهِ مِنَ الذَّنْبِ الَّذِي أَعْلَمُ وَمِنَ الذَّنْبِ الَّذِي لَا أَعْلَمُ (اور اس کی طرف اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں جس کو میں جانتا ہوں اور اس گناہ سے بھی جس کو میں نہیں جانتا) اس سے بھی یہی بات ظاہر ہوتی ہے، اس میں سب گناہ آگئے اگرچہ یاد نہ آئیں۔ کیونکہ اس سوز میں وقت ضائع کرنا مطالعہ محبوب سے غافل ہونا ہے۔ البتہ جو خود یاد آجائے اس سے بالخصوص توبہ کر لیں۔ خواہ مخواہ کرید کرید کر تلاش کرنا یہ خود ایک مشکل مانع حضور ہی ہے۔ پس سب گناہوں سے اجماعاً مغفرت مانگیں اور توبہ کر کے اپنے کام میں لگیں کیونکہ مقصود بالذات اللہ تعالیٰ کی یاد۔ گناہوں کی یاد سے توبہ مقصود ہے جب وہ حاصل ہے تو اب تصدّق گناہوں کو یاد کر کے اس کی یاد کو مقصود بالذات نہ بنائیں اور خود بخود یاد آجائے تو پھر توبہ و استغفار کر لیں جیسے حدیث شریف میں ہے کہ مصیبت خود بخود یاد آجائے۔ تو انا للہ پڑھ لیں کہ اس وقت انا للہ پڑھنے کا وہی ثواب ملے گا جو عین مصیبت کے وقت پڑھنے کا ثواب تھا۔ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مصیبت مقصود بالذات نہ بنائیں کیونکہ اس سے یہ خیال ہوتا ہے

کہ حق تعالیٰ مجھ سے نادانوں میں اور یہ خیال خطرناک ہے۔
 قرآن مجید و حدیث شریف میں گناہوں پر جو وعیدیں آئی ہیں ان کو یاد کرنا
 اور سوچنا اس سے گناہ پر دل میں سوزش پیدا ہوگی یہی توبہ ہے۔
 (سیرۃ الصوفی۔ مقالات حکمت۔ السبر بالصبر۔ تعلیم الدین)

توبہ کی حد

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک وعظ میں ان خاص لوگوں کے لئے فرمایا جو
 ناص توبہ کر کے ذکر و مشغل میں مشغول ہوں کہ بار بار گناہ کا یاد کرنا ان لوگوں کی حالت
 کے مناسب نہیں کیونکہ توبہ تو ہو چکی ہے جس کی قبول کی امید غالب ہے اب پھر بار بار
 گناہ کے یاد کرنے سے ذکر میں ایک قسم کا حجاب عائل ہو جاتا ہے اور ذکر میں نشاط
 نہیں رہتا ہر چند کہ گناہ کا یاد کرنا فی نفسہ امر محمود ہے مگر اس کی بھی ایک حد ہے، حد سے آگے
 کیسا ہی امر محمود ہو محمود نہیں رہتا دیکھیے طبیب اگر کسی بیمار کے نسخہ میں ۶ ماشہ سناؤ لکھے
 اور مریض یہ خیال کر کے کہ یہ چیز مفید ہے جب ہی تو طبیب نے لکھی ہے تو جتنی مقدار بڑھائی
 جائے گی نائدہ ہوگا۔ توبہ بھریا اس سے زیادہ ڈالی جائے تو ظاہر بات ہے کہ سناؤ فائدے
 کی چیز تھی اور طبیب نے مفید سمجھ کر لکھی تھی مگر ایک خاص مقدار ہی تک مفید ہے اور
 اس سے زائد مریض کے لئے سخت مضر ہوگی یہی حال احوال باطنی کا ہے نصوص میں
 غور کرنے سے پتہ لگتا ہے چنانچہ اس بنا پر حضرت شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی
 ارشاد ہے کہ قبول توبہ کی علامت گناہ کا بھول جانا ہے یعنی اس کا اس خیال پر غالب نہ رہنا۔
 مگر یہ بات بعد توبہ کے ہو، اگر قبل ہے تو وہ غفلت ہے اور دیکھا بھی جاتا ہے کہ جن
 دستوں میں کبھی مخالفت رہ چکی ہو اگر دوستی میں اس کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو ایک دوسرے
 کے دل پر میل آ جاتا ہے اور غورتوں میں یہ عادت زیادہ ہے کہ اتفاق و محبت کی حالت

میں دشمنی کے زمانے کے تذکروں کو لے بیٹھتی ہیں جس سے محبت مکدر ہو جاتی ہے اور وہ نصوص جن میں غمزدگی کرنے سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے، یہ ہیں لِيَغْفِرُ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ اس میں ایک تو یہ بحث ہے کہ ذنب کا اطلاق کیا گیا صاحب نبوت کے حق میں جو کہ معصوم ہے یہ بحث جداگانہ ہے اس کو مسئلہ مذکور سے کوئی تعلق نہیں یہاں پر مقصود اس کے ذکر سے یہ ہے کہ پہلے گناہوں کی معافی تو سمجھ میں آسکتی ہے لیکن اگلے گناہوں کی معافی جو ابھی تک ہوئے ہی نہیں کیا گئی تو غمزدگی سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چونکہ خشیت کا غلبہ تھا اگر آپ کو آئندہ گناہوں کی معافی دے کر تسلی مذہبی جاتی تو اندیشہ تھا کہ غلبہ شوق سے اسی فکر میں آپ پریشان رہتے کہ کہیں آئندہ کوئی امر خلاف مرضی نہ ہو جائے اس لیے آپ کے آئندہ کے لئے بھی مطمئن کر دیا گیا۔ اس سے زیادہ خوف ان کے حق میں مضر ہے اس لئے ان کو اطمینان دلایا جاتا ہے۔

حدیث شریف میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا وارد ہے :-
 وَمِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُولُ بِهِ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيكَ یعنی اے اللہ اس قدر خشیت چاہتا ہوں کہ مجھ میں تیری نافرمانی میں آڑ ہو جائے معلوم ہوا کہ خشیت مقصودہ کی بھی ایک حد ہے اس سے زیادہ یا تو مضر بنی ہے کہ آدمی مر جائے یا مضر روح ہے کہ مایوس ہو جائے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شوق کی بھی ایک حد بیان فرمائی ہے اسئلک شوقاً الى لقاءك في غير ضراء مضرة ولا فتنة مضلة چوںکہ شوق اور عشق کا غلبہ بھی ہلاکت اور مضرت کی نوبت تک پہنچاتا ہے جس سے اعمال میں خلل پڑ جاتا ہے دراصل مقصود اور ذریعہ قرب اعمال اور امتثال ادا امر ہی ہے اور کبھی غلبہ شوق میں آدمی

ادب کی حد سے گذر جاتا ہے، اور جس طرح غلبہ حال میں عشاق بے ادب گستاخانہ کلام کہتے ہیں یہ بھی ویسا ہی کلام کرنے لگتا ہے۔ ادب بے ادبی موجب ضرر دین ہے گو غلبہ کی حالت میں عفو ہو مگر کمال نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جامع ہیں ادب و اطاعت و محبت کے اس لئے دعائیں فرماتے ہیں کہ اسئلك شوقاً الخ لقائك في غير ضراء مضرة اس سے تو ضرر اول کی نفی ہوگئی جو سبب انقطاع اعمال ہو جاوے اور اس کے بعد فرمایا ولا فتنة مضلة اس سے ضرر ثانی کی نفی ہوگئی جو بے ادبی کی طرف مفسی ہو جاوے اب سب آیات و احادیث سے معلوم ہوا کہ ہر چیز محمود اپنی خاص حد تک ہے حد سے بڑھ جائے تو محمود نہیں رہتی پس شیخ اکبر کی تحقیق کا ماخذ درحقیقت غور اور تعمق سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن و حدیث ہی ہے البتہ سخن شناسی اور فہم صحیح کی ضرورت ہے ۔

چو بشنوی سخن اہل دل لگو کہ خطاست

سخن شناس نہ دلبر اخطا این جا ست

(ایضاً ملفوظ ص ۲۳۔ مقالات حکمت)

ارشاد :- حضرت رحمۃ اللہ علیہ ماضی کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ بس ایک بار اچھی طرح توبہ کر کے پھر گناہوں کے غم میں نہ رہے بلکہ کام میں لگے ورنہ گناہوں کا تصور اور غم بھی اس کے اور محبوب حقیقی کے درمیان طبعی طور پر حجاب ہو جائے گا۔ حسب انشاء مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ع "ماضی مستقبل پر وہ خدایت"

بندہ اپنے محبوب حقیقی کے مشاہدہ دائمی کے لئے پیدا ہوا ہے نہ کہ گناہوں کے مراقبہ کے لئے۔ گناہوں کے استحضار کی کیا ضرورت رہی کیونکہ گناہوں کا استحضار مقصود بالذات تھوڑا ہی ہے۔ بلکہ مقصود بالذات ہے۔ توبہ کے بعد بھی گناہوں کا تصلاً استحضار رکھنا ان کو مقصود بالذات بنانا ہے۔ اگر کوئی کوتاہی ہو جائے تو

بجائے اس کے کہ اس کے عم کو لیکر بیٹھ جائے اور اس کی کافسوں ہی کرتا رہے، بس ایک بار خوب اچھی توبہ و استغفار کر کے بات کو ختم کر دے اور اپنے کام میں لگے کام میں لگ جانے ہی سے خود کمی کا بھی تدارک ہو جائے گا۔ کثرت استغفار میں جس کی بہت فضیلت وارد ہے محض یہ اجالی استحضار کافی ہے کہ گنہگار ہوں، اپنے رب گناہوں سے استغفار کرتا ہوں، باقی اللہ تعالیٰ کو ان گناہوں کا علم ہے ہی ان کے تفصیلی استحضار کی ضرورت نہیں بلکہ اس کا طبعی اثر حجاب ہے کیونکہ گناہوں کا ہمیشہ تفصیلی استحضار رکھنے سے بالوہی پیدا ہو جاتی ہے، کہ جب ایسے ایسے اور اتنے سارے گناہ ہیں تو کیا بخشش ہوگی اللہ میاں کیسے راضی ہوں گے اور جب کسی کی ناراضی کا بار بار تصور کیا جاتا ہے تو اس کا طبعی اثر یہ ہوتا ہے کہ خود بھی طبیعت میں اس کی طرف سے انقباض پیدا ہو جاتا ہے۔

جب بندہ توبہ (خالص کرتا ہے) جو مقبول ہو جاتی ہے) اللہ تعالیٰ اس کے گناہ ملائکہ حافظین اعمال کو بھی بھلا دیتا ہے اور اس کے جو اجر کو اذرن زمین کے نشانات کو بھی بھلا دیتا ہے (یعنی جس جگہ وہ معصیت کی تھی جو قیامت میں گواہی دیتی) یہاں تک کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملتا ہے کہ اس پر گناہ کا کوئی گواہی دینے والا نہیں ہوتا۔ (اشرف السوانح (حصہ دوم) ص ۲۰۱ - ۲۰۰)

توبہ کے بعد ادائے حقوق کا موقع نہ ملے تو اس کے لئے توبہ ہی

حقوق العباد معاف ہو جائیں گے

ارشاد: جو شخص توبہ کر کے مر جاوے اور اس کو توبہ کے بعد ادائے حقوق کا موقع نہ ملے تو توبہ سے اس کے لئے حقوق العباد بھی انشا اللہ تعالیٰ معاف ہو جائیں گے جس قدر ہو سکے اس کے ادا کرنے کا عزم رکھے اگر کچھ باقی رہ گئے اور وہ مر گیا تو اللہ تعالیٰ سے

ایسی ہے کہ اللہ تعالیٰ مظلوم کو خوش کر کے ظالم کی مغفرت فرمادیں گے۔ توبہ نہ کرنے کی حالت میں حق تعالیٰ کو اختیار ہے خواہ اس کو سزا دیں یا بدوں سزا ہی بخش دیں اور مظلوم کو جنت کی نعمتوں سے خوش کر دیں۔ (انفاس عیسیٰ)

اعتقاد عدم قبولیت توبہ کا مذموم ہوتا

حالیہ: اب تکلیف اس قدر بڑھ گئی ہے کہ صبر نہیں ہو سکتا ہر وقت استغفار پڑھنا ہوں۔ توبہ کرتا ہوں روتا ہوں مگر نہ رونا قبول ہو رہا ہے اور نہ توبہ قبول

ہو رہی ہے۔
 نتیجہ: ایسا سمجھنا بالکل غلط ہے کیا قبول ہونا یہی ہے کہ تکلیف رفع ہو جاتی اگر اس سے اچھی چیز مل جاوے مثلاً اجرو ثواب تو کیا اس کو قبول نہ کہیں گے جیسے کوئی کسی سے پیسہ مانگے اور وہ روپیہ دیدے تو کیا یوں کہہ سکتے ہیں کہ درخواست منظور نہیں ہوئی۔ (ترتیب السالک ص ۱۸۱)

بالاسحار ہم لیستغفرون

فرمایا کہ چونکہ لذت طاعات بھی مقصود بالذات نہیں بلکہ مقصود بالذات غیر ہے عارف کو بغض دفعہ شبہ ہو جاتا ہے کہ کہیں میں تہجد و ذکر اس لذت ہی کے واسطے نہ کر رہا ہوں اس لئے وہ اس لذت پر التفات کرنے سے بھی استغفار کرتے ہیں اب سمجھ میں آ گیا ہو گا۔

وبالاسحار ہم لیستغفرون کاربطا کا نواقلیل من اللیل ما یجمعون سے۔

ظاہر میں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ رات کو تہجد پڑھنے سے استغفار بالاسحار کو کیا تعلق ہے بعض مفسرین نے توبہ کہا کہ وہ معاصی سے استغفار کرتے ہیں اور اسحار کی تخصیص اس لئے ہے کہ وہ وقت اجابت دعا کا ہے اور تہجد سے استغفار کا تعلق یہ ہے کہ وہ طلب مغفرت

ہے اور یہ دفعِ مضر ہے اور بعض نے کہا کہ وہ تہجد پڑھ کر خود اس طاعت ہی سے استغفار کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ طاعات بھی کما حقہ ادا نہ ہو سکتے سے معاصی ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ زیادہ سہل اور ظاہر یہ ہے کہ وہ رات کو اٹھ کر تہجد پڑھتے ہیں اور اخیر شب میں لذت طاعات یا اس لذت کے آثار سے استغفار کرتے ہیں کیونکہ اس وقت یہ حال ہوتا ہے کہ سچ خوش وقتے دھسرم روزگارے کہ یارے بر خورد از وصل یارے اور وصل کی لذت جیسی ہوتی ہے معلوم ہے۔ اس لذت میں کبھی انہماک ہو کر اس کی مقصودیت کا شہ ہو جانا بعید نہیں اور اس دولت وصل سے مشرف ہو کر عجب کا پیدا ہو جانا بھی جو آثار لذت طاعات میں ایسی لذت ہونے لگتی ہے کہ اس کے مقابلے میں سلطنت بھی بیچ ہو جاتی ہے۔ (اشرف السوانح)

رضائے الہی معلوم کرنے کی صورت

حال۔ رضائے الہی معلوم کرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے ؟

تختہ۔ ان کا وعدہ اور شرائط وعدہ کا تحقق اور اس پر بھی جو خفیت مومن کیلئے لازم ہے اس کی دو وجہ ہیں ایک تو مال میں یہ احتمال کہ شاید کوئی اختیار می کوتاہی ہو جاوے۔ دوسرے یہ کہ شاید کوئی اختیار می کوتاہی فی الحال ہو گئی ہو جس کا علم بھی التفات سے ہو سکتا تھا اور التفات میں بھی کوتاہی ہوئی ہو کہ یہ بھی اختیاری ہے۔ (بوادر النوار)

اصل طریق تصویف

حدیث: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اُس حدیث میں جس میں حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سوالات کئے ہیں یہ بھی ہے کہ جبریل علیہ السلام نے پوچھا کہ یہ بتلائیے کہ احسان کیا چیز ہے (اس کے لغوی معنی ہیں حسن کردن یعنی عبادت کا اچھی طرح بجالانا یعنی اس طرح عبادت کرنا کہ گویا اس کو دیکھ رہے ہو یعنی اس طرح کہ وہ زیادہ غفلت سے منترہ ہو۔ حاصل اس کا حضور اور خدا ص ہے) آپ نے فرمایا کہ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس

روح عبادت کرنا کہ گویا اس کو دیکھ رہے ہو (یعنی اگر اللہ تعالیٰ نظر آتے تو جس طرح کی عبادت اس وقت کرتے ایسی کرو اور لامحالہ ایسے وقت میں عبادت اخلاص و حضور کے ساتھ فرود ہوگی۔ پس اسی طرح کی عبادت کرنا چاہئے اور گو تم اس کو دیکھتے نہیں ہو مگر اس طرح کی عبادت کا داعی پھر بھی موجود ہے) اس لئے کہ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تو تم کو دکھاتا ہے۔ اور یہ بھی داعی کافی ہے (رواہ مسلم مشکوٰۃ)

فہو۔ یہ سوال بعد دریافت حقیقت ایمان و اسلام کے تھا۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ عقاید و اعمال ظاہرہ سے زیادہ کوئی اور امر بھی قابل تحصیل ہے جس کو احسان کہا گیا ہے اور حقیقت اس کی بیان کی گئی۔ یہی خلاصہ ہے اس طریق کا۔ پس حدیث مثبت ہے اس طریق کی صحت کی۔ (التکشف)

عبادت کا مقصود

حالیہ: گذارش یہ ہے کہ خیال ہوتا ہے کہ عبد کو بحیثیت عبد ہونے کے اس کو کوئی مجاز نہیں کہ اپنی خدمات مفوضہ کے صلہ میں کسی خاص بات کا منتظر رہے یا ان کو اس نیت سے بجا لادے بلکہ اس کو محض اپنے مبعود کا حکم اور اپنے کو عبد سمجھ کر جان و دل سے متقاد رہنا چاہئے حتیٰ کہ رضا اور عدم رضا کا بھی طالب نہ ہونا چاہئے یہ دوسری بات ہے کہ محبوب حقیقی محض اپنے فضل سے اس کے صلہ میں مَا لَاعَيْنَ زَمَانًا وَلَا أَدْنَ سَمِعَتَا وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبٍ بَشَرٍ عِمَايَتِ فَرَادِيں اور دعا بھی اس میں داخل ہے کیونکہ وہ بھی منجملہ عبادات کے ایک بہت بڑی عبادت ہے، الدُّعَاؤُ مِمَّا لَاعِبَادَةِ اس کو بھی محض یہ سمجھ کرنا چاہئے کہ میں اس کا امر ہے قبولیت اور عدم قبولیت پر بالکل نظر نہ کرنا چاہئے کیونکہ یہ ان کا کام ہے اور میں اپنا کام کرنا چاہئے لے جاؤں گا عمر بھر نام تیرا ہے سُنَّانَهُ سُنَّانَهُ سُنَّانَهُ شَهْمَا كَام تِيرَا

حضرت والا یہ بات صحیح ہے یا نہیں حضرت والا دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی محبت و معرفت کمال نصیب فرمادیں اور اپنا مطمع و فرمانبرداری بندہ بنالیں اور اپنی معیت و قرب تام و

حضور تام ہر گز اور ریشہ میں اپنے بساویں اللہُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا
 تھیں: مقدمہ میں قدرے فروگذاشت ہوئی ہے قولہ اپنی خدمات غفور کے صواب میں
 اس میں اتنی قید اور ہے کہ اپنی رائے اور خواہش سے ورنہ عید کو بحیثیت عید ہونے کے یہ
 بھی مجاز نہیں کہ ان خدمات پر جس صلہ کے انتظام اور طلب کا اس کو حکم کیا گیا ہے اس کا اظہار
 کرے اور ثواب (وَمِنْهُ الْمَرْضَىٰ) ماہور بالسؤال ہے نَطَقَتْ بِهِ نَصُوصٌ صَرِيحَةٌ
 كِتَابِيَّةٌ تَوَاسُّطِ كَاتِبِهَا عِبْدِيَّةٌ رَمِيَتْ تَلَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ
 يَسْأَلِ اللَّهَ يُغَضَبْ عَلَيْهِ اور دعل کے باب میں جو لکھا ہے کہ قبول و عدم قبول پر نظر نہ
 کرے اگر اس سے یہ مراد ہے کہ عدم قبول کی حالت میں بھی ترک نہ کرے تو ٹھیک ہے اور اگر

یہ مراد ہے کہ قبول کی طلب نہ کرے تو صحیح نہیں کیونکہ قبول کا مطلوب ہونا خود منصوص ہے
 كَمَا قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ادْعُوا اللَّهَ وَأَنْتُمْ مُوقِنُونَ بِالْإِجَابَةِ وَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 لَا يَقْبَلُ لِحَدِّكَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي إِنْ شِئْتَ اللَّهُمَّ ارْحَمْنِي إِنْ شِئْتَ وَارْحَمِ الْمَسْئَلَةَ
 وَالْقَوْلَ عَامِنًا بِاللِّسَانِ وَلِمَا بِلِجْنَانِ وَبِلِلَّهِ دَرُّ الْعَارِفِ الرَّوْحِيِّ مِنْ قَوْلِهِ ۛ
 چوں طمع خواہد ز من سلطان دین خاک برزق قناعت بعد ازین

اور راز اس میں یہ ہے کہ طاعات میں طلب ثواب اور دعائیں طلب اجابت بہ تقار ہے کہ ہم کو کوئی
 درجہ متغاکا حاصل نہیں حتی کہ جن چیزوں کا آپ نے ہم کو محتاج بنا دیا ہے ہم ان کے محتاج
 ہو کر ان کو بھی طلب کرتے ہیں اور یہ محض عبادت ہے وَمِنْ قَوْلِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَدِّ
 بَعْدَ الطَّعَامِ عَيْرُ مَوْءَاظٍ عَنْهُ وَلَا مُسْتَعْنِي عَنْهُ رَبَّنَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى
 بَعْدَ ذِكْرِ نَعِيمِ الْجَنَّةِ فِي ذَلِكَ فَلْيُنَافِسِ الْمُتَنَافِسُونَ وَمَا نَقَلَ عَنْ بَعْضِهِمْ
 مَا يُؤْهِمُ الْإِسْتِعْنَاءَ خَافَ عَنِ الْحَالِ النَّاقِصِ وَلَيْسَ سَجَّةً وَإِنْ كَانَ فِيهِ مَعْدَدًا
 دستان بین من هو ملامد و بین من هو غیر ملامد ہاں اس معنی کے انتظار جزو طاعات
 عبادت ہے کہ ان بات کا وعدہ نہ ہوتا اور اعمال کا امر ہوتا اور طاعات کو کوئی ترک نہ کیا (اللہ)



رذائلِ فطریٰ بخیزیں ہیں

فرمایا کہ نفس کی ساخت ہی ایسی رکھی گئی ہے کہ رذائل سے خالی نہ ہو چنانچہ ہمیشہ رذائلِ سب میں موجود ہیں الا ماشاء اللہ۔ لیکن جب تک وہ رذائلِ قوت سے عمل میں نہ لائے جائیں اور ان کا ظہور بذریعہ صدور اعمال نہ ہو کوئی مواخذہ نہیں جیسے ریاسلانی میں سب مادے جل اٹھنے اور بھرنے اٹھنے کے موجود ہیں لیکن اگر اس کو رگڑا نہ جائے تو چاہے جب میں لٹے پھرے کوئی اندیشہ نہیں ہاں اس کی ہر وقت سخت احتیاط رکھنی ضروری ہے کہ رگڑ نہ لگنے پائے۔ (انفاس عیسیٰ)

اخلاقِ ذمیرہ کا امالہ

فرمایا کہ ریاضت سے اخلاقِ ذمیرہ کے اصول کا ازالہ نہیں ہوتا بلکہ ان کی تہذیب ہو جاتی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ان اصولوں کے آثار کا اہالہ ہو جاتا ہے یعنی ان اخلاق کا مصرف بدل جاتا ہے مثلاً کسی شخص میں منجملہ اخلاقِ رذیلہ کے بخل اور غضب موجود ہو تو ریاضت سے اس کی خبر نہیں جاتی کہ غضب و بخل ہی نہ رہے بلکہ تہذیب اس طرح ہو جاتی ہے کہ پہلے مواقعِ خیر میں بخل کرتا تھا اور بندگانِ نیک پر غصہ کرتا تھا اب ناشروع جگہ بخل کرے گا۔ اور مغیوضانِ الہی اور اپنے نفس پر غصہ کرے گا تو اسباب بعد اس طرح اسبابِ قرب بن گئے۔ ہکذا قال موشد می، اور اس سے اس اختلاف کا فیصلہ ہو گیا کہ ریاضت سے تبدیل اخلاق ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ تبدیلِ اصول تو نہیں ہو سکتی۔ حدیث میں ہے اذا سمعتم برجل زال عن جبلۃ فلا تصدقوہ اور تبدیلِ آثار و مصارف ہو سکتی ہے اس لئے حکم ہے مجاہدہ و ریاضت کا۔ (التکشف ص ۸۹۔ اشرف المسائل)

اخلاق ذمیمہ کا علاج

اخلاق ذمیمہ کے دو علاج ہیں۔ ایک جہزنی یعنی خاص وہ یہ ہے کہ ہر مریض کو اخلاق ذمیمہ کا علاج کیا جائے۔ جیسا احیاء العلوم وغیرہ میں لکھا ہے اس کو طریق سلوک کہتے ہیں۔ دوسرا کلی یعنی عام، وہ یہ کہ ذکر و شغل سے یا جس طرح شیخ کامل تجویز کرے، حق سبحانہ و تعالیٰ کی محبت قلب میں پیدا کی جاوے جب اس کا غلبہ ہوگا اپنی ہستی و خودی منہمل ہونا شروع ہوگی اور سب اخلاق ذمیمہ کہ اس خودی و دعوائے ہستی سے پیدا ہوتے ہیں نائل ہو جاویں گے۔ اس کو طریق جذب کہتے ہیں اور طریق اول کو بے خطر ہے مگر طویل ہے اور طریق ثانی کو خطرناک ہے مگر قریب ہے اور ہر شیخ کا مذاق مختلف ہوتا ہے۔ (تکلف ص ۵، ۵ - اشرف المسائل)

کسی گناہ کو صغیر سمجھ کر کرنا جہل ہے

امراض کے درجات ہیں۔ امراض جسمانی میں بھی جیسے بخار ایک مرض ہے اس کے درجات مختلف ہیں کوئی شدید ہے کوئی اشد ہے جیسے دق کا بخار اور کوئی معمولی ہے اس طرح امراض نفسانی میں بھی درجات ہوتے ہیں۔ غفلت کے بھی مختلف درجات ہیں ایک غفلت شدید اور قوی ہے اور ایک اشد و اقوی ہے جو درجہ شدید و قوی ہے وہ اتراوی و اشد کے مقابلہ میں تو گو ضعیف ہے، مگر فی نفسہ ضعیف نہیں اس کی ایسی مثال ہے جیسے گرم پانی دو طرح کا ہو، ایک تو وہ جو بدن پر ڈالنے کے قابل نہیں بہت تیز ہے مگر آبلہ بھی نہیں ڈالتا۔ اور دوسرا وہ ہے جو پڑتے ہی بدن پر آبلہ ڈال دیتا ہے۔ تیز پانی بدن پر آبلہ نہ ڈالے وہ آبلہ ڈالنے والے کے مقابلے میں گو ضعیف ہے مگر اس قدر ہلکا بھی نہیں کہ بے تکلف منہ پر ڈال لیا جائے اب اگر کوئی اس کو دوسرے درجے

کے مقابلے میں ہلکا سمجھ کر کسی کے ہاتھ منہ پر ڈال دے تو وہ دوسرا شخص چلائے گا اور
 چلائے گا اور یہ بھی کہے گا کہ تم اندھے ہو تم کو نظر نہیں آتا کہ پانی کتنا ناز ہے اس کے جواب میں
 اگر وہ یہ کہے کہ حضور میں تو دوسرے پانی سے ہلکا لایا تھا تو آپ کیا کہیں گے یہی کہ اس کے
 اعتبار سے یہ ہلکا ہی مگر فی نفسہ تو ہلکا نہیں بلکہ پھر بھی شدید اور قوی ہے۔ اسی کو مولانا
 فرماتے ہیں ۷

آسمان نسبت بہ عرش آمد فرو و
 لیکس عالی ست پیش خاک تو د

یعنی آسمان عرش ہی کے مقابلے میں چھوٹا اور لپٹا ہے ورنہ واقع میں زمین سے تو بہت
 بڑا اور بلند ہے۔ یہیں سے سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ گناہوں کی جو دو قسمیں ہیں صغیرہ و
 کبیرہ یہ فرق اعمانی ہے کہ کبیرہ کے مقابلے میں بعض صغیرہ ہیں۔ ورنہ حقیقتاً
 میں صغیرہ کوئی نہیں کیونکہ گناہ کی حقیقت ہے خدا کی نافرمانی، پھر یہ فعل چھوٹا اور ہلکا کیونکہ
 ہو سکتا ہے۔ کیا افسوس ہے، جب بعض لوگ کسی امر کی بابت استفسار کرتے ہیں اور ان
 سے کہا جاتا ہے کہ یہ گناہ ہے تو اس کے بعد وہ یہ سوال کرتے ہیں کہ صغیرہ ہے یا کبیرہ۔
 گویا اگر صغیرہ ہونا معلوم ہو گیا تو اس سے نہ بچیں گے، حالانکہ وہ محض کبیرہ کے مقابلے
 میں صغیرہ ہے باقی قصہ دین کے سوختہ کرنے کے لئے بہت کافی ہے۔ صاحبو اگر کسی سے یہ
 کہا جائے کہ تیرے چہرے میں چنگاری لگ گئی ہے تو کیا وہ بھی یہ تحقیق کی جاتی ہے کہ چھوٹی
 چنگاری ہے یا بڑی۔ ہرگز نہیں بلکہ فوراً پریشان ہو جاتے ہیں اور اس کے بچانے کی فکر
 کرتے ہیں معلوم ہوا کہ ہم لوگ گناہ کو مضر نہیں سمجھتے اور چنگاری کو مضر سمجھتے ہیں۔ اگر ہم
 گناہ کو مضر سمجھتے تو اس کے ادنیٰ درجہ سے نفرت کرتے اور اس کے ارتکاب سے پریشان
 ہو جایا کرتے کیونکہ مضر کا کوئی درجہ بھی انسان کو گوارا نہیں ہوتا مگر یہ بے فکری بتلاتی ہے
 کہ ہم اس کو مضر نہیں سمجھتے۔ گو اعتقاداً مضر سمجھتے ہیں مگر عملاً تو یہی حال ہے اور صوفیاء تو

اس اعتقاد کو جس کے مقصد پر عمل نہ ہو اس کو یقین ہی نہیں کہتے ان کے نزدیک اعتقاد یعنی وہی ہے جس کے موافق عمل بھی ہو اور یہ حکم محض اصطلاحی نہیں کہ صوفیاء نے دو معنیوں سے الگ ایک اصطلاح گھڑی ہے بلکہ صوفیاء نے اس حکم کو نصوص سے سمجھا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ نجات کی جملہ کے لئے اگر اعتقاد بلا عمل بھی کافی ہو جائے مگر نجات کاملہ کے لئے کافی نہیں۔ اسی کو نصوص سے اس طرح سمجھا ہے جو تعالیٰ یہود کے بارے میں فرماتے ہیں

وَلَقَدْ عَلَّمُوا الْبَنِيَّ اِسْتِرَاةَ مَالِهِ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَيَسَّ مَّا تُرْوٰى لِهٖ اَنْفُسُهُمْ
لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۙ (البقرہ)

یعنی وہ جانتے ہیں کہ جو شخص اس کو یقین سحر کو اختیار کرے اس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں کاٹا (وہ جانتے) یہاں لفظ علموا کے بعد جس میں اثبات علم کا لو کا نوا علمون کیا؟ جس میں نفی ہے علم کی اس کی یہی وجہ ہے کہ ان کا عمل علم کے خلاف تھا اس لئے جن تعالیٰ نے ان کے علم کو جہل شمار کیا تو صوفیاء نے نصوص کو اور احکام کو دیکھ کر یہ اصطلاح مفرک ہے غرض یقین مطلوب ہے اور یقین کامل بدون عمل کے حاصل نہیں ہوتا اور نہ اس کے ثمرات مطلوبہ حاصل ہو سکتے ہیں یقین و اعتقاد کا ثمرہ مطلوبہ نجات مطلقہ بدون تعذیب ہے اور یہ اعتقاد بلا عمل سے حاصل نہیں ہوتا یعنی غالباً توقع یہی ہے کہ بدون عمل نجات کامل نہیں ہوتی۔ گو کس فرد میں تخلف ہو جائے۔ نیز مجاورت بھی اسی اصطلاح کے موافق ہیں یعنی اس اعتقاد کو جس کے موافق عمل نہ ہو اعتقاد شمار نہیں کیا جاتا مثلاً ایک شخص اپنے باپ کے ساتھ گستاخی کرتا ہو تو کہتے ہیں اسے کم نجات یہ تیرا باپ ہے حالانکہ یہ علم اس کو پہلے سے حاصل ہے کہ یہ میرا باپ ہے، مگر چونکہ اس کا عمل اس علم کے خلاف تھا اس لئے علم کو بے اثر نہ کہہ سکتے علم کے سمجھ کر کہا جاتا ہے یہ تیرا باپ ہے۔ نیز حدیث میں ہے مَنْ سَرَّكَ الصَّلٰوٰتُ مُتَعَدِّاۗفَدُ كَفَرًا۔ اس کا بھی مطلب ہے کہ نماز کا عمداً ترک کرنا یہ بتلاتا ہے کہ اس شخص کو اس کی فریضت کا اعتقاد نہیں یعنی کامل اعتقاد نہیں بلکہ اعتقاد میں نقص ہے۔ یہی نقص کی وجہ سے

اس پر کفر کا اطلاق کیا گیا جو مقابل ہے ایمان کا جب ایمان اعتقاد کامل کا نام ہوگا تو اس کا ارتفاع کفر سے مسمی ہوگا۔ نیز ایک حدیث میں ہے لایزنی السزانی حین یزنی وهو موہن (زانی کو زنا کرنے کی حالت میں ایمان کا استحضار نہیں ہوتا) یہ سب نصوص صوفیا کی اصطلاح کے مویدات ہیں تو صوفیا کے نزدیک تو گویا اعتقاد ابھی ہم گناہ کو مضر نہیں سمجھتے کیونکہ عمل اس کے خلاف ہے اور جس اعتقاد کے خلاف عمل ہو وہ ان کے یہاں اعتقاد ہی نہیں البتہ فقہاء کے نزدیک یعنی ان کی اصطلاح کے موافق ہمارا ان کو مضر سمجھنا یہ اعتقاد ہے مگر علاوہ حالاً ان کے نزدیک بھی لوگوں کو مضر ہونے کا اعتقاد نہیں ہے جیسی تو صغیرہ پر جبر آتا ہے تو غفلت کا ایک درجہ تو یہ ہو جس کو درجہ ضعیفہ کہا جاتا ہے مگر وہ اقویٰ کے مقابلے میں ضعیف ہے ورنہ فی نفسہ یہ بھی قوی ہے، اور دوسرا درجہ کفر جو دیا عناد ہے یہ اقویٰ و ارفع ہے ہر چند کہ اس درجہ کے بجز خدا نے ہم کو محفوظ رکھا ہے مگر دوسرا درجہ معصیت کا جس میں ایسی غفلت ہو کہ مطلوب کا استحضار نہ ہو اس میں ہم بھی مبتلا ہیں اور اس سے ظالم نہیں ہیں اب جس درجہ کی غفلت ہوگی اسی درجہ کی مذمت ہوگی۔ (السید الخ)

معصیت کو مضر نہ سمجھنا شیطان کی تدبیر ہے

حال: ایک بات تاہل عرض یہ ہے کہ احقر کو صدور معاصی سے محبت و تعلق مع اللہ کم نہیں ہوتا بلکہ اگر کبھی نفس میں کسی قدر حجاب آتا بھی ہے تو یہ خیال اس حجاب کو رفع کرتا ہے کہ کیا اس تعلق کو اپنے افعال حسنہ کا ثمرہ سمجھتا ہے جو افعال قبیحہ سے اس میں کمی ہو جا نہیں جو کچھ ہے بلاستی کے محض موہوب ہے نہ کسی فعل صالح پر اس کا ترتیب موقوف تھانہ قلت عمل صالح سے اس میں کمی ہوتی چاہئے؟ اس کی بابت کیا ارشاد ہے کہیں یہ حالت موجب جرات علی المعاصی تو نہیں؟

تحقیق: یہ حالت بد ہے نیک نما، کلمہ حق اُردید بہا الباطل ہے شیطان کا دھوکا ہے، یہ ظاہر ہے کہ محبت عبد مع الحق ظل ہے۔ محبت حق مع العبد کی اور معیت سے ثانی میں کمی ہوتی ہے للمنافاة بین الرضا والسخط پس اول میں بھی کمی لازم ہے اور جو چیز کم نہیں معلوم ہوتی ہے وہ حقیقت تعلق کی نہیں وہم اور خیال تعلق کا ہے پس یہ حالت سبب جبراً ضرور ہے۔ غرض معصیت کو علتِ سخط ضرور سمجھے لیکن طاعت کو موثر فی الرضا نہ سمجھے، کیونکہ ہماری طاعت میں ایسا اثر نہیں ہے لیکن معصیت میں ضرور یہ اثر ہے۔ (فلا تنزل قدما ملک) (ترتیب سالک ملہ ازل ص، ۲۵۵)

نفس کے مکائد کی تحقیق

حالت: اس شرح میں امراتس روحانی مثلاً ریاد کبر و فخر و حب جاہ و مال وغیرہ سے پاک ہونے کی بھی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ عجیب معاملہ ہے اس بے استحقاق کے ساتھ، کہ خاکسار نے کبھی کسی منصب یا عہدہ کے لئے یا کسی اعزاز کے لئے کسی جلد و جہد نہیں کی بلکہ اکثر اشرفِ نفس بھی نہیں ہوا مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے خلق میں ظاہری قومی و علمی مناصب کے اعزاز بلا طلب مرحمت فرمائے، اب تک مجھے اس بارے میں صرف اسی قدر اہتمام رہا کہ میری طلب اور اشرف نہ ہو اور مل جائے تو قبول کر لیا۔ اب اس باب میں حضرت کی ہدایت کا منتظر ہوں کیونکہ ایسے موقعے پیش آتے رہتے ہیں۔ شرم و حیا کو کچھ دیر نظر انداز کر کے یہ بھی عرض کر دوں کہ بچوں اللہ تعالیٰ و فضلہ یہ چیزیں نفس میں فخر و کبر کا موجب اب تک نہیں بنیں یہ صرف اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ورنہ بندے کی کیا مجال جو کچھ کہے یا کر سکے۔ حضرت سے اپنے کسی عیب کو چھپانا طیب سے اپنی بیماریوں کا اخفا ہے اس لئے عرض کی ضرور ہوتی۔

تحقیق: مشورے میں تو برکت ہی برکت ہے جو تفصیل تحریر فرمائی ہے، اپنی ذات میں تو یہی کافی ہے اور اخیر حالت منتہی اور کامل کی یہی ہوتی ہے، لیکن چونکہ یہ طریق قاضی بہت ہے اور اس کا پورا مصداق ہے ع در راہ عشق و سوسہ اہرمن بے بہت

اس لئے احتیاطِ بلخ سے اس میں کام لیا گیا ہے اور مصرع اولیٰ کے ساتھ دوسرا مصرع اس پر ترتیب کے طور پر لگا یا گیا ہے ع

مشدار گوش را بہ پیام مروش (وحی) دار

اور وحی بتلاتی ہے کہ فقیہٌ واحدٌ اشد علی الشیطان من الفاعباد جس سے دوام پر صاف دلالت ہے ایک یہ کہ اس کے مکائد دقیق ہیں، دوسرا یہ کہ ان مکائد پر فقیہ کو اللہ تعالیٰ مطلع فرمادیتا ہے اس لئے اس کی ہستی شیطان پر عاشق ہے، پس ان مکائد میں ایک مکیدہ یہ ہے کہ سالک پر تلبیس کر دیتا ہے یعنی کسی مقدمہ معصیت سے جلدی کام نہیں لیتا۔ سالک جب اس میں رنگ معصیت نہیں پاتا تو اس کے مقدمہ ہونے سے اس کو ذہول ہو جاتا ہے، پھر اس سے ایسے وقت کام لیتا ہے کہ وہ لایید ری ولا یحسب کے درجے میں آجاتا ہے اس لئے مصلحین شبہ وضعفہ میں بھی معالجہ کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اس شبہ میں ائمہ طریق نے یہ تدبیر کی ہے کہ افعال مبایعہ جو صورتاً ذلت ہوں اختیار کرتے ہیں مگر اس نادان نے اس میں بھی ایک فتنہ سمجھا ہے یعنی شہرت۔ اس لئے ایک دوسرا علاج تجویز کیا ہے، یعنی ایسے اعراد و امتیازات کے اوقات میں احتضار اپنے ذنوب و عیوب و نقائص و ردائل کا اور ساتھ ساتھ تکرار استغفار کا اس مدتِ طویلہ تک التزام رکھا جاوے، جب تک مبصر شہادتِ صحت کے راسخ ہونے کی اور علاج کے ضروری نہ ہونے کی سند نہ دیدے۔ فقط (ترتیب سالک حصہ دوم ص ۹۰ و ۹۱)

ایک ایسا مراقبہ جس سے اپنے عیوب نظر آئیں

ایک شخص نے رقعہ میں یہ مضمون لکھ کر حضرت والا کو دیا کہ مجھ کو کسی تدبیر سے اپنا کوئی عیب نظر نہیں آتا۔ اس کو زبانی جواب ایک بسوٹا تفریر میں دیا جس میں ایک مراقبہ بھی بتایا کہ اپنے افعال و اقوال کے متعلق سوچے کہ آیا یہ حق تعالیٰ کے روبرو پیش کرنے کے قابل ہیں یا نہیں۔ پھر سب عیب نظر آنے لگیں گے وہ شخص یہاں سے چلے گئے اور حسب ذیل خط لکھا۔

حالیہ: گزارش یہ ہے کہ جس روز سے میں تھانہ بھون سے آیا ہوں اس روز سے برابر غور و فکر کے ساتھ ہر کام میں اپنے نفس کے ساتھ محاسبہ کر رہا ہوں اور جس مراقبہ کو جناب نے مجلس مبارک میں ذکر فرمایا تھا کہ یوں سوچے کہ یہ کام یا یہ بات حق تعالیٰ کے سامنے ہو تو کر سکتا ہوں یا نہیں۔ تو اس مراقبہ سے معلوم ہوا کہ میری جتنی باتیں اور کام ہیں سب بیکار ہیں۔ میری کوئی بات اور میرا کوئی کام اس قابل نہیں کہ باری تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جاوے۔ پہلے سے جو اپنی غلطیاں نظر نہیں آتی تھیں ان کی وجہ محض بے پروائی اور بے توجہی تھی۔ حضور کی تنبیہ سے پہلے میں اپنے قلب کو مثل ایک ایسی صندوقچی کے سمجھتا تھا۔ جس پر وارنش کیا ہوا ہو اور جس کے اندر عیب و غریب اشیا رکھی ہوں۔ مگر جناب کی تنبیہ کے بعد جواب اس صندوقچی کو کھول کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس کے اندر تو گوہ درگاہ ہو رہا ہے، لہذا حق نے اپنے خیال سے کہ بھلا کیا کوئی عیب ہی نظر نہیں آتا تھا۔ تو بہ کی، اور حضور کی تنبیہ کا یہ اثر ہوا کہ اب مجھ کو اپنے عیوب اس قدر صاف نظر آنے لگے ہیں کہ میں اپنے عیوب پیش کر کے ان کے علاج دربانٹ کر دوں۔

تحقیق: مبارک ہو، یہ گوہ خاکساری کی خاک سے مل کر کھاد کا کام دے گا،

اور ایسی اجناس پیدا ہوں گی کہ روحانی غذا ہو جاویں گے۔ دعا کرتا ہوں اور یہ پیش کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔ مگر ایک خط میں ایک بات سے زیادہ نہ ہو۔
(النور شعبان ۱۳۵۲ھ۔ تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۸۷)

حقیقتِ دنیا

جس چیز میں فی الحال حظِ نفس ہو اور آخرت میں اس کا کوئی ثمرہ متباعد نہ ہو وہ دنیا ہے۔

دُنیا لغتاً نزدیک کی چیز کا نام ہے اور عرفاً مطلق اس حالت کا نام ہے جو موت سے پہلے ہے اور شرعاً خاص اس حالت کا نام ہے جو مانع عن الآخرت ہے، اور مجازاً ان اموال و ائمتہ پر اطلاق کیا جاتا ہے جو اس کی مانعیت کے اسباب بن جائیں پس جو احوال از قسم اقوال ہوں یا از قبیل افعال و اعمال یا عقاید و علوم ہوں یا اسی طرح جو اموال کہ آخرت کے واجب التحصیل سے مانع ہوں گے وہ سب دنیائے حرام و مذموم میں داخل ہیں اور ان کے مذموم ہونے میں کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا (تعلیم الدین) دنیا کے تمام جھگڑوں، بیکھڑوں اور مخلوقات اور موجودہ چیزوں کے ساتھ تعلق رکھنے کا نام دنیا کی محبت ہے، البتہ علم و معرفتِ الہی اور نیک کام جن کا ثمرہ مرنے کے بعد ملنے والا ہے، ان کا وقوع اگرچہ دنیا میں ہوتا ہے مگر حقیقت میں وہ دنیا سے مستثنیٰ ہے اور ان کی محبت دنیا کی محبت نہیں بلکہ آخرت کی محبت ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے دنیا کی تمام چیزوں کو زمین کی زینت کا سامان بنایا ہے تاکہ لوگوں کو آزمائیں کہ کون ان پر فریفتہ ہو کر آخرت کو ضائع کرتا ہے اور کون بقدر ضرورت سفر کا گوشہ سمجھ کر اپنی آخرت کو سنوارتا ہے۔

(تبلیغ دین ص ۵۶)

تَبِ دُنْيَا

یاد رکھیں کہ دُنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشہ ہے اور اسی سے اکثر باطنی ہر ضیہ
ہلکے مثلاً غرور و نخوت، کینہ، حسد، ریا، تفاخر اور بڑھوتری کی حرص پیدا ہوتی
ہے اور جب انسان کو حیاتِ دُنوی کی درستی اور آرائش کا شوق پیدا ہوتا ہے، تو
صنعت و حرفت اور زراعت و تجارت کے ناپائیدار مشغلوں میں ایسا پھنس جاتا ہے
کہ آگے پیچھے مبداء یا معاد کی اس کو کچھ خبر ہی نہیں رہتی۔ اور ظاہر و باطن دونوں دنیا
ہی کے ہو رہتے ہیں۔ قلبِ محبتِ دنیا میں مشغول ہو جاتا ہے اور بدن اس کی اصلاح و
ذہن میں مصروف۔ حالانکہ دُنیا تو شہِ آخرت ہے اور اس سے مقصود یہی ہے کہ مسافر ان
آہزت باسانی اپنا سفر ختم کر سکیں۔ مگر بے وقوف لوگوں نے اسی کو مقصودِ اصلی سمجھ لیا
اور طرح طرح کے مشغلوں اور قسم قسم کی خواہشوں میں ایسے پڑے کہ آنے والے وقت
کو بالکل بھول گئے۔ ان لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص حج کی نیت سے روانہ
ہو اور جنگلوں میں پہنچ کر سواری کے گھاس دانہ اور اس کے موٹا تازہ کرنے کی فکر میں
لگ جائے اور ہمارے ہوں سے پیچھے رہ جائے۔ افسوس ہے اس کی حالت پر کہ تنہا جنگل
میں رہ گیا اور قافلہ کو زح کر گیا۔ جس نیت سے چلا تھا یعنی حج وہ بھی گیا گذرا ہوا اور نتیجہ یہ ہوا
کہ جنگل درندوں نے سواری کو بھی چیر بھاڑ ڈالا اور اس کو بھی منہ کاٹ ڈالا بنا گئے۔ یاد رکھو
کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور منزل کا پٹراڑھ ہے اور تم جسمِ خاکی پر سواری ہو کر سفرِ آخرت
کر رہے ہو اس لئے تم کو چاہئے کہ اپنی سواری کا گھاس دانہ بقدر کفایت اٹھاؤ اور سفری ضرورتوں
کا کام آنے والا سامان ہمساکر کے وہ بیچ بو جو جس کو آخرت میں کاٹو۔ اور پھر دائمی زندگی آرام سے
گزار سکو اور اگر اس ماتحت سواری کی پرورش و فرہی میں مشغول ہو جاؤ گے تو قافلہ کو زح کر جائے
گا اور تم منزل مقصود پر نہ پہنچ سکو گے۔ (تبلغ دین ص ۵۷ تا ۵۹ ملخصاً)

حقیقتِ حُبِ جاہ

ارشاد : لوگوں کے دلوں کا سخر ہو جانا جس سے وہ لوگ اس کی تعظیم کریں، جاہ کہلاتا ہے، حُبِ جاہ ایسا مرض ہے کہ اس کا پتہ چلنا مشکل ہے، جیسا کوئی واقعہ پیش آئے اور گرانی ہو تب پتہ چلتا ہے کہ افزہ! ہم میں بھی حُبِ جاہ کا مرض ہے۔ یہ محض وہی انتزاعی کمال ہے اور انتزاعی بھی ایسا کہ جو دوسرے کے خیال کے ساتھ قائم ہے کیونکہ جاہ دوسروں کی نظر میں معزز ہونے کا نام ہے جس کا مدار دوسرے کے خیال پر ہے وہ جب چاہے بدل دے تو ساری جاہ خاک میں مل جاتی ہے مگر طالبِ جاہ خوش ہے کہ لوگ مجھے اچھا کہتے ہیں جس جاہ سے ضرر ہوتا ہے یہ وہ جاہ ہے جو طلب سے حاصل ہو۔ (کمالات اشرفیہ ص ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۸۸)

یہ وہ بلا ہے جو کہ دین و دنیا دونوں کو مضر ہے۔ دینی ضرر تو یہ ہے کہ جب آدمی دیکھتا ہے کہ دنیا مجھ پر نفا ہے تو اس میں عجب دگر پیدا ہو جاتا ہے آخر کار ہی عجب دگر کی وجہ سے برباد ہو جاتا ہے۔ بہت لوگ اس میں آکر ہلاک ہو گئے۔

یہ تو دین کا ضرر ہوا اور دنیا کا ضرر یہ ہے کہ مشہور آدمی کے حاسد بہت پیدا ہو جاتے ہیں۔ پس صاحبِ جاہ کا دین بھی خطرے میں رہتا ہے اور دنیوی خطر و لا کا اندیشہ رہتا ہے۔ ہاں جب حق تعالیٰ کی طرف سے بدون طلب کے جاہ حاصل ہو، وہ نعمت ہے۔ (کیونکہ) (تعظیم العلم ص ۶۴)

مال کی طرح انسان جاہ کا بھی بقدر ضرورت محتاج ہے تاکہ اس کی وجہ سے مخلوق کے ظلم و تعری سے محفوظ اور بے خوف ہو کر باطمینان قلب عبادت میں مشغول رہ سکے لہذا اتنی طلب جاہ میں مضائقہ نہیں ہے (تبلیغ دین ص ۵۵)

حُب دُنیا اور حُب جاہ کا علاج

حَالُو: مکائد نفس اور رذائل سے بچنے کا بھی لحاظ رکھتا ہوں کبھی کبھی اچھے کھانے پکڑے اور عمدہ مکان بنانے کی طمع ہوتی ہے اور جی چاہتا ہے کہ زیادہ روپیہ پیسہ پاس ہو اس سے جب دنیا کا شبہ ہوتا ہے جب کسی قدر اس خیال کا غلبہ ہوتا ہے تو کتاب تبلیغ دین وغیرہ میں جب دنیا کی مذمت اور زہد وغیرہ کا بیان دیکھ لیتا ہوں اس کے استحضار سے طمع مضمحل ہو جاتی ہے نفس یہ بھی چاہتا ہے کہ کوئی شخص بُرا نہ کہے اور اعزہ و احباب کے متعلق اس کا خیال بھی ہوتا ہے کہ وہ جائز تقریبات میں مجھ کو فراموش نہ کریں اس کے خلاف پیش آنے سے طبیعت میں پریشانی محسوس ہوتی ہے ہمیشہ سے اکثر تقریبات میں میں خود نہیں شریک ہوتا ہوں مگر اس سے ضیق ہوتی ہے کہ اہل تعلق میں سے کوئی یاد نہ کرے اس سے بھی جب جاہ کا شبہ ہوتا ہے اس کے متعلق بھی جب کتاب تبلیغ دین وغیرہ میں کچھ مضمون پڑھ لیتا ہوں طبیعت میں سکون ہو جاتا ہے۔ طالب حق کے واسطے اس قسم کے خیالات نہایت شرمناک معلوم ہوتے ہیں۔ براہ شفقت و کرم حضور دعا تدبیر سے میری دستگیری فرمائیں۔

تحقیق: دعا بھی کرتا ہوں اور تدبیر یہ ہے کہ اقتضائے نفس کی مخالفت کی جائے اور آثار بک شکایت کی جو بناء ہے یعنی اپنا استحقاق، اس کی ضد کا استحضار اس طرح کیا جاوے کہ اپنے تقاضوں و نااہلی کا استحضار ہنرار کے ساتھ کیا جاوے۔

(ماخذ النور، رجب ۱۳۵۶ھ، تربیت السالک جلد دوم ص ۱۶۰)

حُب مال

سوال: ایک طالب نے حُب مال کے کچھ آثار دیکھ کر پوچھا کہ ان میں کوئی گناہ اور فسادہ تو نہیں۔

جواب: تحریر فرمایا کہ الحمد للہ نہ کوئی مفسدہ ہے نہ گناہ ہے یہ سب اثر حب مال کے تو ہیں مگر یہ حب طبعی ہے جو کہ مذموم نہیں نہ کہ حب اعتقادی یا عقلی جو کہ مذموم ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتح فارس و شاہدہٴ عتاقم کے وقت یہی دعا کی تھی کہ لے اللہ آپ کا ارشاد ہے زُتِنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ (الآیتہ) جب آپ نے یہ حُب پیدا کی ہے تو فطری ہوئی اس لئے ہم اس کے ازالہ کی درخواست نہیں کرتے کہ جلیات نہیں بدلا کرتے۔ البتہ اس کی درخواست کرتے ہیں کہ اس حُب کو اپنے حُب میں معین فرمادیکھئے تاکہ یہ اسباب طاعت میں سے ہو جاوے اور موانع طاعت کے لئے (جیسے ناداری کی پریشانی وغیرہ) یہ سدباب ہو جاوے کہ جلیات کا ان کے مصرف میں صرف ہو جانا یہی ان کی تعدیل ہے۔ اور یہی مامور بہ ہے (اس میں اپنے ضعف اور حکمت تخلیق مال کی طرف بھی اشارہ فرمایا) اور یہی امر مصرح ہے دوسری آیت میں قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِئِمَّتُكُمْ أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَرِجَالِهِ الَّذِينَ آمَنُوا فَلَئِنْ سَأَلْتُمْ لَتَنفِرُوا فِي سَبِيلِهِ فَاذْكُرُوا مَا كُنْتُمْ يُعَلِّمُونَ (آل عمران: ۳۱) منجر ہو جاتے ہیں بعض عوامل کی طرف ان کا تدارک کر لیا جائے فہنیا لکم العلم والعمل والحمد لله اعلم (اشرف السوانح)

حُبِّ مال کا علاج

حالیہ: دوران ملازمت بقتلہ تعالیٰ میں نے نہایت ایمان داری سے کام کیا تھا کہ تحفہ جات کے قبول کرنے سے بھی احتراز کیا اور آمدنی کا بیشتر حصہ اپنی ذات پر خرچ نہیں کیا بلکہ دوسروں کی ذات پر صرف کیا۔ میری نہ کوئی اولاد ہے نہ بی بی اور میرا ذاتی خرچ بہت کم رہا اس بنا پر میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ مجھ کو الفت نہ نہیں مگر ایک اقعہ سے یہ محسوس ہوا کہ

نہ الواقع بے حلافت زرمیر سے قلب میں ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ میں نے ایک مکان خرید کیا۔ خریداری کے کچھ عرصے کے بعد ایک شخص جو میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ بائع نے تم کو (یعنی مجھ کو) دھوکا دے کر اور مکان کا کرایہ زیادہ بتلا کر زیادہ قیمت وصول کر لی اس وقت گھر سے میرے قلب کو بہت صدمہ پہنچا۔ مجھ کو اس وقت علم ہوا کہ محبت زرمیر سے قلب میں شدت سے موجود ہے ورنہ یہ صدمہ نہ پہنچتا۔ اس حالت کا علاج میں نے اپنے طور پر جو ضرور الہ کے مواظپ پڑھنے کی وجہ سے غالباً میرے ذہن میں آیا۔ یہ تجویز کیا اولاً یہ کہ میں نے نماز تہجد شروع کر دی۔ دوم یہ کہ بار بار موت کو یاد کرنے کی کوشش کی۔ سوم یہ کہ اپنے نفس کو سمجھانے کی کوشش کی کہ اگر بائع نے دھوکا دیا ہے تو وہ میرے لئے بول مفید ہے کہ بروز حشر اس کی نیکیاں کثیر تعداد میں میرے نامہ اعمال میں لکھی جائیں گی اور فی الحال یہ نتیجہ ظاہر طور پر مرتب ہو گیا کہ میں نماز تہجد پڑھنے لگا جس کے پڑھنے کی توفیق پہلے نہایت کم ہوتی تھی۔ پنجم یہ کہ میں نے قلب کو یوں مطمئن کرنے کی کوشش کی کہ میں اور میرا مال کل ایک الٹی ہے۔ اگر کچھ ردیبیر جو بظاہر میرے قبضہ میں تھا کسی کو پہنچا دیا تو مجھ کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ ششم۔ میں نے یہ سوچا کہ مکان کو وقف کر دوں مگر اس صورت میں میرے وہ اعزہ جن کی میں اپنی زندگی میں مدد کرتا ہوں میری وفات کے بعد بالکل محروم ہو جائیں گے، اب حضور والا سے استدعا یہ ہے کہ میرے لئے دعا فرمائیں کہ میرے قلب کی حالت درست ہو جائے اور اس عرض کے حاصل کرنے کے لئے جو عمل مناسب ہو تجویز فرمائیں میں معافی چاہتا ہوں کہ خط طویل ہو گیا مگر حالات تحریر کرنا علاج کے لئے ضروری معلوم ہوا تحقیق: فکر اصلاح سے بید مسرت ہوئی اور بے ساختہ دعا نکلی اللہ تعالیٰ ہم دشکر میں زیادہ برکت فرمائے۔

اب حقیقت عرض کرتا ہوں جس خسارے سے رنج ہوا یہ رنج مال کے حبیبی سے ہے جو اگر اس سے بھی زیادہ ہوتا مذموم نہ تھا بلکہ بعض اوقات وہ عدل و حکمت کا اثر

ہوتا ہے۔ مذکورہ جب عقلی ہے۔ سو رنج اس کی دلیل نہیں باقی جو معالجات تجویز کر کے گئے ہیں حالت موجودہ میں تو ان کی ضرورت نہ تھی کیونکہ جب مرض نہ ہو تو دوا کی کیا ضرورت لیکن نافع پھر بھی ہیں۔ دوا سے ایک یہ کہ معالجات بجائے خود طاعات مستعملین موجب ثواب ہیں دوسرے اس وجہ سے کہ جب طبعی کبھی منجر آمد مفضی ہو جاتی ہے جب عقلی کی طرف جو کہ ضرر ہے صوان معالجات میں اس کا انداد ہے، جیسے بعض ادویہ بطور حفظ مانع دم استعمال کر لی جاتی ہیں اور وقف کی ایک شرعی صورت اس ہو سکتی ہے کہ اعزہ مستحقین بھی اتفارع سے محروم نہ رہیں وہ یہ کہ وقف نامہ میں ان کے اتفارع کی شرط لکھی جاوے لیکن آخری جہت مساکین کو ہر حال میں قرار دینا لازم ہے امید ہے کہ سب شبہات کا جواب ہو گیا ہو گا۔ اگر کوئی بات باقی ہو تو بے تکلف کمر دریا فت فرمایا جاوے باقی دعا کرتا ہوں۔

(ماخذ التور ربيع الثاني ۱۳۵۹ھ و تربیت العالمک جلد دوم ص ۱۸۳)

حقیقت کبر

کبر کے اقسام اور ان کا علاج

سوال: ایک طالب نے کبر کے متعلق بہت سی تفصیلات و جزئیات لکھ کر درخواست کیا کہ اگر مجھ میں تکبر ہے تو اس کا علاج تجویز فرمائیں۔

جواب: تحریر فرمایا کہ اس کا نام بھی بمناسبت نام سائل رکھ دیا یعنی شمس الغضائی لطمس الرذائل۔

جواب ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

جواب: یہاں کئی چیزیں ہیں متشابہ جن میں کبھی اشتباہ ہو جاتا ہے۔

۱۔ کبر ۲۔ عجب ۳۔ حجاب ۴۔ ریا اور ۵۔ مجتہد
پھر ہر ایک میں دو درجے ہیں ۱۔ حقیقت و ۲۔ صورت۔ تو یہ دس چیزیں ہیں
اور ہر ایک میں کلام طویل ہو سکتا ہے۔

مگر مختصر بقدر ضرورت جس سے تھوڑی مناسبت والے کو ہر درجے کے سمجھنے میں
ضروری بصیرت ہو سکتی ہے اور واقعات جزئیہ کو اس پر منطبق کر سکتا ہے وہی لکھتا ہو
باقی میں کو مناسبت ضروری بھی نہ ہو اس کے لئے نکلیات کافی ہیں نہ جزئیات کے لئے
تجزیاتی ہے۔ بلکہ اس کو ضرورت ہے کہ جب کوئی واقعہ پیش آئے اسے کسی محقق کے
سامنے پیش کرے اگر تفتیح کی ضرورت ہو اس کا بھی جواب دے پھر جو وہ فیصلہ کرے
اس کو علماً علماً قبول کرے۔

وہ مختصر کلام یہ ہے کہ تکبر کا حاصل یہ ہے کہ کسی کمال دنیوی یا دینی میں اپنے
کو بافتیار خود دوسرے سے اس طرح بڑا سمجھنا کہ دوسرے کو حقیر سمجھے تو اس میں دو
جزد ہوں گے اپنے کو بڑا سمجھنا اور دوسرے کو حقیر سمجھنا یہ تو اس کی حقیقت ہے جو
وام اور معصیت ہے اور ایک اس کی صورت ہے، اس کے بھی بہت اجزاء ہیں۔

بجز ایک جزو یعنی اختیار کے۔ یعنی بلا اختیار ان اجزاء کا خیال آگیا یہاں تک تو معصیت
نہیں لیکن اس کے بعد اس خیال کو با اختیار خود چھا چھا یا با وجود اچھا نہ سمجھنے کے با اختیار
خداں کو باقی رکھا۔ یہ حقیقت کبر کی ہو جائے گی اور معصیت ہوگی اور یہ جو قید لگائی گئی
ہے کہ دوسرے کو حقیر سمجھے، یہ اس لئے کہ اگر کوئی واقعی بڑائی چھوٹائی کا اس طرح
معتقد ہو کہ دوسرے کو ذلیل نہ سمجھے تو وہ تکبر نہیں جیسے ایک شخص بیس برس کی عمر والا دوسرے
کے بچے کو سمجھے کہ یہ عمر میں مجھ سے چھوٹا ہے یا ایک ہڈی پڑھنے والا طالب علم علم نحو پڑھنے والے
طالب علم کو سمجھے کہ یہ مجھ سے پڑھاں میں کم ہے یا ایک مالدار آدمی کسی مسکین کو سمجھے کہ مجھ سے
مال میں کم ہے مگر اس کو حقیر نہ سمجھتا ہو تو وہ کبر نہیں۔ البتہ اگر یہ تفاوت واقعے کے خلاف ہو تو

ایسا اعتقاد کذب ہوگا۔ مگر کبر و کذب متغائر ہیں۔ مگر ایسی بڑائی چھوٹائی کا اعتقاد کبر تو نہیں لیکن اگر وہ محل تفاوت عرفاً یا شرفاً کمال ہو تو یہ اعتقاد احیاناً مفضی کبر کی طرف ہو جاتا ہے۔ اس لئے سدباب کے طور پر اس کا بھی وہی علاج کرنا چاہئے جو حقیقت کبر کا علاج ہے، اور وہ ایک خاص مراقبہ ہے، جس کی ایسے ہر وقت میں تجدید (تکرار) کرنی جاوے، جبکہ اس تفاوت کی طرف التفات ہو، وہ مراقبہ یہ ہے، کہ ..

(الف) گو میرے اندر یہ کمال ہے مگر میرا پیدا کیا ہوا نہیں حق تعالیٰ کا عطا فرمایا ہوا ہے
(ب) اور عطا بھی کسی استحقاق سے نہیں ہوا بلکہ محض مہبت و رحمت ہے پھر
(ج) عطا کے بعد بھی اس کا بقا، میرے اختیار میں نہیں بلکہ حق تعالیٰ جب چاہیں
سلب کر لیں اور

(د) گو اس دوسرے شخص میں فی الحال یہ کمال نہیں ہے مگر فی المآل ممکن ہے کہ میرے کمال سے زیادہ کمال اس کو حاصل ہو جائے کہ میں اس کمال میں اس کا محتاج ہو جاؤں اور وہ (ہ) اگر فی المآل بھی نہ ہو جیسا بعض اوقات ظاہری اسباب سے اس کا گمان غالب ہوتا ہے تو فی الحال ہی اس شخص میں کوئی ایسا کمال ہو جو مجھ سے مخفی ہو اور دوسروں پر ظاہر ہو یا سب ہی سے مخفی ہو حق تعالیٰ کو معلوم ہو جس کے اعتبار سے اس کے اوصاف کا مجموعہ میرے اوصاف کے مجموعے سے اکل ہو اگر کسی کے کمال کا بھی احتمال قریب ذہن میں نہ آوے تو اس احتمال کو ذہن میں حاضر کرے کہ شاید یہ علم الہی میں مقبول ہو اور میں غیر مقبول ہوں۔ یا اگر میں بھی مقبول ہوں تو یہ مجھ سے زیادہ مقبول ہوتو مجھ کو کیا حق ہے کہ اس کو حق سمجھوں اور

(و) یہ خیال کرے کہ اگر بالفرض یہ سب امور میں مجھ سے کم ہی ہے تو ناقص کا کمال پر حق ہوتا ہے جیسے مریض کا تندرست پر، ضعیف کا قوی پر، فقیر کا غنی پر، تو مجھ کو چاہئے کہ اس پر شفقت و رحم کر دوں، اس کی تکمیل میں کوشش کر دوں، اور اگر کسی طرح

قدرت نہ ہو یا اہمیت نہ ہو یا فرصت نہ ہو تو دعائے تکمیل ہی سے سہی اور اس خیال کے بعد تکمیل میں سعی شروع کر دے، تو اس تدبیر سے اس کے ساتھ تعلق شفقت کا پیدا ہو جائے گا اور طبعی خاصہ یہ ہے کہ جس کی تکمیل و تربیت میں سعی کرتا ہے اس سے محبت ہو جاتی ہے اور محبت کے بعد تحقیر نہیں ہوتی۔ اور

(ز) یہ بھی نہ ہو سکے تو اس کے ساتھ لطف و اخلاق کے ساتھ کبھی کبھی بات چیت کر لیا کرے اس کا مزاج پوچھ لیا کرے، اس سے جانبین میں تعلق ہو جاتا ہے اور ایسے تعلق کے بعد تحقیر دور ہو جاتی ہے۔ البتہ اگر وہ شخص ایسا ہے کہ شرعاً اس سے بغض رکھنا مامور ہے، تو تدابیر مذکورہ میں سے بعض کا استعمال اس عارض کے سبب نہ کیا جائے گا۔ مگر بغض کا پھر بھی بعض کے ساتھ اجتماع ہو سکتا ہے، ان بعض کو استعمال کرے۔

یہ سب کلام تو تکبر کے متعلق تھا اور عجب میں ایک قید کم ہے، باقی سب اجزاء وہی ہیں۔ یعنی اس میں دوسروں کو چھوٹا سمجھنا نہیں صرف اپنے کو بڑا سمجھنا ہے اس میں بھی حقیقت و صورت کے ویسے ہی درجے ہیں اور وہی احکام ہیں اور معالجات مذکورہ میں سے جن میں سے دوسرے کا تعلق نہیں وہ سب معالجات اس میں بھی ہیں۔

اور ایک چیز اشیائے خمسہ مذکورہ میں حب جاہ ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ جیسا اپنے آپ کو اپنے دل میں بڑا سمجھتا ہے اس کی بھی کوشش کرتا ہے کہ دوسرے بھی مجھ کو بڑا سمجھیں اور میرے ساتھ تعظیم و اطاعت و خدمت کا معاملہ کریں۔ چونکہ اس کا منشاء بھی تکبر یا عجب ہی ہے اس لئے اس کے اقسام و درجات و معالجات وہی ہیں جو کبر میں گذرے ہیں اور اشیائے خمسہ مذکورہ میں سے ایک چیز ریا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی عمل و نیوی کو لوگوں کی نظر میں بڑائی حاصل کرنے کا ذریعہ بنا دے۔ اشیائے اربعہ مذکورہ میں یہ ذریعہ بنانے کی قید نہ تھی چونکہ یہ بھی عجب اور کبر ہی سے پیدا ہوتا ہے اس میں بھی سب وہی درجات و اقسام و احکام و معالجات ہیں اور سب احکام

تلی ہیں کبھی کبھی خصوصیت مقام سے بعض نئی صورتیں یا نئے معاملات بھی ثابت ہوتے ہیں جو مرتبی (شیخ) کی رائے پر متعین کئے جاتے ہیں۔ سب سے اخیر کی ایک قسم خجالت ہے وہ ایک طبعی انقباض ہے جو خلاف عادت کام کرنے سے یا حالت پیش آنے سے بلا اختیاراً نفس پر وارد ہوتی ہے۔ اور سالک کو بعض اوقات غایت احتیاط کے سبب اس پر شبہ ہو جاتا ہے۔ کبر و غمبیرہ کا مگر واقعے میں وہ کبر نہیں ہوتا، اور معیار اس کا یہ ہے کہ جس طرح یہ شخص ایک دینی یا خیس (کمینہ و ذلیل) کام کرنے سے شرماتا ہے اسی طرح اگر کوئی شخص اس کے ساتھ غایت درجہ کی تعظیم و تکریم کا معاملہ دل سے کرے تب بھی اس کو ویسا ہی انقباض ہوتا ہے یا نہیں اگر ہوتا ہے تو خجالت ہے ورنہ کبر یہ تو اس کی حقیقت ہے جو غیر اختیاری ہونے کے سبب مذموم نہیں۔ اور ایک صورت ہے کہ واقعے میں تو کبر وغیرہ ہے مگر نفس نے تاویل کر کے اس کو خجالت میں داخل کر کے تسلی حاصل کر لی۔ یہ اختیاری ہونے کے سبب مذموم ہے بلکہ دوسرے ذمائم مذکورہ سے بھی اشنع (بری) ہے کیونکہ تاویل کر کے غیر مباح کو مباح بنایا ہے، جو اعلیٰ درجہ کی تلبیس و تدلیس ہے تو اور اتنا؟ میں تو حقیقت مذموم تھی اور صورت غیر مذموم اور اس میں بالعکس جیسا مع الذلیل (دلیل کا) گزر چکا۔ چونکہ واقعات ثانیہ میں سب اقسام کے اجزاء مذکور ہیں اس لئے سب احکام کی تحقیق کی گئی (طالب کے خط میں کبر کی آٹھ مثالیں مذکور تھیں جن کے بارے میں تحقیق مطلوب تھی) اب اخیر میں ایک معالجہ عمدہ ذکر کرتا ہوں کیونکہ معاملات مذکورہ وقتی تھے، جن سے اثر کار صوح نہیں ہوتا، الا نادراً اور مبتدی کو ایک معتد بہادت تک اس معالجہ کی ضرورت ہے وہ یہ کہ بہ تکلف اوضاع (وضع) و اطوار و حالات تلبیل الجاہ (کم مرتبہ) لوگوں کے اختیار کرے حتیٰ کہ تواضع را سخ ہو جاوے۔ مگر اس میں بھی اس کا خیال رکھے کہ غایت درجہ کی دنانت (کمینہ پن) اور خستیت (ذلت) کو اختیار نہ کرے جس سے تواضع شرکی صورت اختیار کر لے۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہ امور اختیار کئے جائیں جن سے اک گو نہ نفس کو انقباض ہو
مگر دوسروں کی نظر میں وہ قابل التفات نہ ہوں جس سے شہرت تو وضع کا احتمال ہو۔
(ازیت السالک جلد دوم ص ۱۰۵۔ النور ربیع الاول ۱۳۵۲ھ)

کبر کا علمی اور عملی علاج

۱۔ ارشاد: تکبر کا علمی علاج تو یہ ہے کہ اپنے عیوب کو سوچا کرے اور یوں سمجھے
کہ مجھے اپنے عیوب کا یقین کے ساتھ علم ہے اور دوسرے کے عیوب کا ظن کے ساتھ علم ہے
اور جو شخص عیوب یقینی ہو وہ محبوب ظنی سے بدتر ہے اس لئے مجھے اپنے کو سب سے کمتر
سمجھنا چاہئے اور عملی علاج یہ ہے کہ جس کو تم اپنے سے چھوٹا سمجھتے ہو اس کے ساتھ تعظیم و
تکریم سے پیش آؤ اور یہ عملی علاج جزو اعظم ہے بدون اس کے علمی علاج تنہا کافی
نہیں تجربہ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ جب تک علمی علاج نہ کیا جاوے گا تکبر دور نہ ہوگا۔
(انفاس عیسیٰ)

۲۔ حالہ: آج کل ایک اور نہایت شرمناک امر لاحق ہوا جس کے اظہار سے
طبیعت انکار کرتی ہے اور حیا مانع ہوتی ہے مگر اسی خیال سے کہ اس طرح سے شاید
زیادتی ہوتی چلی جاوے یا اس سے کوئی دوسرا نقصان پیدا ہو جائے کوئی چارہ نہیں دکھایا۔
اس لئے عرض ہے کہ کچھ عرصہ سے اپنے اندر آثار ترفع کے پاتا ہوں۔ چھوٹی
عمر کے بانیچے درجہ کے طالب علموں سے سلام و کلام کرتے ہوئے ان کے پاس
بیٹھے ہوئے عاری آتی ہے اور وہ تمام امور جو پہلے باسانی اور بلا تکلف جیسا کہ طلباء کا طرز
عمل ہونا چاہئے انجام پاتے تھے اب وقت سے پورے ہوتے ہیں اور ان کے کرنے
میں شرم ہی آتی ہے۔ اکثر باتوں میں اپنی وقعت کا خیال رہتا ہے اور ایسے امور کے ارتکاب
کی طرف رغبت ہوتی ہے جس سے ایک امتیاز پیدا ہو۔

تحقیق: انسان صرف مکلف اس کا ہے کہ ان اخلاق رذیلہ کے مقتضیات پر عمل نہ کرے۔ رہا یہ کہ اقتضایات ہی زائل یا ضعیف ہو جاویں اس کا نہ انسان مکلف ہے نہ یہ سہولت میسر ہو سکتا ہے۔

عظ بسیار سفر باید تا پختہ شود خامی
 اور نہ بوجہ تحصیل علوم کے آپ کے لئے اس کا یہ وقت ہے بس آپ جس قدر مکلف ہیں آپ اس پر کتنا کچھ یعنی دل میں اعتقاد رکھیں کہ میں سب سے کتر ہوں۔ اور اس اعتقاد کے لئے اپنے معائب کا استحضار معین ہو گا اور جن کی بے وقعتی ذہن میں آدے ان کی خوب تکریم کچھ اور تکلف سے ان سے سلام کچھ۔ گو نفس کو ناگوار ہو، ناگواری غیر اختیاری ہے اس پر مواخذہ نہیں ہے لیکن معاملہ اختیاری ہے، اس میں خلل موجب مواخذہ ہے انشا اللہ اس سے خود فساد کا منشا بھی ضعیف ہو جاویگا۔ واللہ الموفق (تربیت السالک جلد اول ص ۲۳۳)

حجاب اور کبر میں فرق

حالیہ: فدوی ایک مرتبہ قرابت مندی میں گیا ہوا تھا (اور وہاں اس کو خرید و فروخت کی ضرورت نہیں پڑا کرتی) تو گوشت کی دوکان پر جانے کی ضرورت ہوتی تھی مگر نہیں گیا تھا۔ اک گونہ حجاب محسوس کیا تھا۔

تحقیق: حجاب اور چیز ہے اور کبر اور چیز ہے۔ حجاب کی حقیقت خجالت ہے جس کا سبب مخالفت عادت ہے حتیٰ کہ اگر اس شخص کی تعظیم کا سامان عادت کے خلاف کیا جاوے اس سے بھی شراباوے (تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۱۳)

انقباض کبر نہیں

حالیہ: گزارش یہ ہے کہ حضرت والا نے ایک شخص کو کبر کا علاج یہ بتایا تھا کہ مسجد

میں ہر نماز کے بعد اعلان کرے کہ میرے اندر بیکر کا مرض ہے سب لوگ دعا کریں کہ مجھ سے یہ مرض مٹا دے۔ اس پر مجھے خیال ہوا کہ تجھ سے یہ کہا جائے تو کیا کرے گا تو میں اپنے اندر دیکھتا ہوں کہ اس کی ہمت نہیں معلوم ہوتی اور نہ جی اس کو خوشی سے قبول کرتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میں اسے اندر تو کبیر نہیں پھر دل کبھی کہتا ہے کہ یہ حیا کی وجہ سے ہے اب حضرت کبیر سے کہیں ہونے کی وجہ سے تو علاج ارشاد فرمادیں۔

تختہ : ایسا احتمال دلیل خستیت ہے مبارک ہو۔ کبیر کے لئے صرف یہی علامت کافی نہیں کیونکہ کبھی اس انقباض کا سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ مرض نہ ہونے کے سبب علاج کی ضرورت نہیں اور کبھی کبیر بھی سبب ہوتا ہے تو اب معیار اس کا دو امر ہیں ایک یہ کہ دوسری علامات بھی پائی جاتی ہیں یا نہیں۔ دوسرا امر یہ کہ اگر احتمال ہی پر مصلح اس کو تجویز کرے تو اس پر عمل کیا جائے یا نہیں۔ گو عمل کراہت طبعہ ہی سے ہو جیسے تلخ دوا بنا کر وہ ہے مگر مریض اگر طالب صحت اور طبیب کا مطیع ہے تو عمل میں موافقت کرے گا۔
(ترتیب السالک حصہ دوم ص ۱۱۲)

عجب کا علاج

حال : مجھ میں کچھ عجب کا مادہ معلوم ہوتا ہے یعنی بعض اوقات دل میں یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم نماز پڑھتے ہیں روزہ رکھتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں حج کر چکے ہیں اور اب راہِ طہارت میں آکر پیر بھی بے نظیر شہرہ آفاق اور متبع سنت پایا۔ وکالت اور زمینداری کا کام بھی خوب چلا رہے ہیں۔ بعض اوقات یہ بھی جی چاہتا ہے کہ لوگوں کی زبان سے دُنوی ڈینوی اور دے بجالانے کی تعریف سنتا رہوں بالخصوص اس بات کو سن کر بڑا مسرور ہوتا ہوں کہ حضورؐ نے سونا چھڑاتے ہیں نہ کھانا نہ وکالت نہ زمینداری تو ایسا شیخ تو شاید ہی کسی نے پایا ہو لہذا کالت و زمینداری رکھ کر ہر طرح کی اصلاح کا سامان بنا دے اور اس قدر شفقت رکھے میں

تو یہ سمجھتا تھا کہ جب تک انسان اپنے کو ان ہر دو ہمیشہ سے علیحدہ نہ کرے اس وقت تک اصلاح ناممکن ہے، وجہ بالا کی بنا پر مجھ کو خود پسندی معلوم ہوتی ہے اور کبھی کبھی دوسروں کی یعنی جو اپنے ہم جنس ہیں ان کی تحقیر معلوم ہوتی ہے اور انہوں میں معلوم ہوتا ہے کہ ان کو حضور کے دربار میں حاضر ہونا نصیب نہ ہوا۔

تیسرے: اگر استحضار نعم کے ساتھ اس کا استحضار بھی کر لیا جاوے کہ نعمتیں میرے استحقاق کی وجہ سے نہیں ہیں بلکہ مہربت الہیہ ہیں اگر وہ چاہیں ابھی سلب کر لیں اور یہ ان کی رحمت ہے کہ بلا استحقاق عطا فرما رکھی ہیں اور دوسروں کے متعلق اس کا استحضار کر لیا جاوے کہ اگر چہ یہ لوگ ان خاص فضیلتوں سے خالی ہیں لیکن ممکن ہے کہ ان کو اس فضیلتیں دی گئی ہوں کہ ہم کو ان کی خبر نہ ہو اور ان کی وجہ سے ان کا رتبہ حق تعالیٰ کے نزدیک بہت زیادہ ہو تو ان دونوں استحضار کے بعد جو سردر رہ جائے گا وہ عجب نہ ہو گا یا تو فرحت طبعی ہوگی۔ جو مذہب نہیں اور یا شکر ہو گا جبکہ نعم کے احسان کا بھی استحضار ہو جس پر اجر ملے گا۔
(ماخوذ النور صفر ۱۳۵۴ھ و ترمیت السالک حصہ دوم)

خود بینی و بد بینی کا علاج

حالیہ: جلد حالات باطنہ قابل شکر ہیں کسی مرض کی شکایت نہیں مگر دو عارضوں کی جڑ ہنوز قلب کے اندر بخوبی باقی ہے جس سے گاہ گاہ جمعیت میں پورا خلل واقع ہو جایا کرتا ہے ایک تو برخوش خود بینی اور دوسرے بر غیر بد بینی، بس اب صرف دو کدورتوں سے نہایت تنگی رہتی ہے اور میری تدبیر ان میں بخوبی کارگر نہیں ہوتی لہذا اب حضرت والا سے رجوع کرتا ہوں۔ امید کہ اس غلش کی بیخ کنی کے لئے دعا و توجہ فرمائی جاوے گی اللہ تعالیٰ آنحضرت قبلہ کو اس کا اجر عطا فرمادیں آمین۔

تیسرے: انسان نہ اس کا مکلف ہے کہ ذمائم کا مادہ ہی فنا ہو جائے اور نہ اس کا

مکلف ہے کہ ان کا دوسرے بھی نہ آوے، بلکہ صرف اس کا مکلف ہے کہ اس کا قصد نہ کرے اور اس کا تقاضا پر عمل نہ کرے، اسی پر دواومت کرنے سے اس کا مادہ بھی اور دوسرے بھی منفرد کا عدم ہو جاتا ہے البتہ مطلقاً اور مراقبہ اپنے عیوب کا اس ضمن حال میں معین ہوتا ہے۔ عمل کر کے اگر ضرورت سمجھی جائے پھر اطلاع دی جائے۔ (تربیت اسلمک جلد اول ص ۲۸۰)

حقیقتِ شہوت

خلافِ شریعت امور کو پسند کرنا شہوت یا خواہش نفسانی ہے اس کا جو اعلیٰ درجہ ہے یعنی کفر اور شرک وہ تو اسلام ہی سے خارج کر دیتا ہے اور جو اتنی درجہ و کمال اتباع سے ڈگمگا دیتا ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔

اول۔ بدعت جو علوم اور عقائد سے متعلق ہے۔

دوسری۔ معصیت جو اعمال کے متعلق ہے اور

تیسری قسم رائے جو احکام تکوینیہ کے متعلق ہے، اور ہر ہوا (یعنی خواہش نفسانی)

میں یہ خاصیت ہے کہ راہِ مستقیم سے ہٹا دیتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ ۖ وَرِوَاہِشَاتِ نَفْسَانِی كَا اتِّبَاعِ مَت كُرُو

عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ (الآیۃ) یہ تم کو اللہ کے راستہ سے بے راہ کر دے گی

خواہش نفسانی اسی بری چیز ہے کہ دنیا کی بھی خرابی اور دین کی بھی صدمہ یا معصیتیں

ہیں جملہ اثرات کی جڑ اگر ہے تو خواہش نفسانی ہی ہے یہی روکنے کی چیز ہے دیکھئے اگر نفس

کو روکا نہ جائے تو کیا انجام ہوتا ہے۔ اس نکتہ کو سب نے سمجھا ہے حتیٰ کہ حاکم جس کو مذہب

سے علاوہ بھی نہیں بعض افعال سے روکتا ہے اور بعض کی اجازت دیتا ہے جن افعال سے

روکتا ہے وہ وہی تو ہیں جن کو لوگ کرنا چاہتے ہیں مگر اس کے نزدیک باعثِ مضرت

ہیں۔ دنیاوی مصلحتوں کا مقتضایا یہی ہے کہ ہر شخص کو اپنی خواہش پورا کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ اگر حاکم ان افعال سے نہ روکے تو دیکھیے کیا ہو۔ ڈاکوؤں کو ڈاکہ ڈالنے سے، چوروں کو چوری کرنے سے، زبردستوں کو زبردستوں پر ظلم کرنے سے۔ غرض ہر شخص کو خلیٰ بالطبع کر دے کہ اپنی خواہش کے موافق جو چاہو کرو تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس حالت میں کس لطف سے زندگی بسر ہوگی۔ قانون کیا ہے مالک کے احکام کی ایک حد قائم کرنے والی چیز ہے۔ فرض کر دے کہ کسی کو روپے کی ضرورت ہے کسی سے چھیننے کو جی چاہتا ہے تو اس کو کیوں منع کرتے ہو اور اگر چھین لے تو چالان کیوں ہوتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اجازت دینے میں کئی ایسی مضرت ہے کہ اس کے مقابلہ میں ضرورت کا خیال بھی نہیں کیا جاتا اسی طرح دنیوی امتظاموں کو دیکھ کر یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ خواہش نفسانی روکنے کی چیز ہے۔

دیکھیے تا فرمانی ہوتی کیوں ہے اگر غور کیا جائے تو سبب اس کا ضرور ایسا نکلا گا کہ منجملہ افراد خواہش نفسانی کے ہو گا۔ فرض کیجئے ناز نہ پڑھنے کا سبب یہ ہو کہ نیند آرہی تھی، عشاء کا وقت ہو اگر آرام میں خلل گوارا نہ ہوا، سو کر صبح کر دی آرام اور تین پڑھنا خواہش نفسانی ہی ہے۔ تاخیر بھی اکثر جب ہی ہوتی ہے کہ آدمی کسی دوسرے کام میں لگا ہوا ہے اس کے ادھورا رہ جانے سے نقصان مال کا اندیشہ ہوتا ہے اس نقصان کو گوارا نہ کیا اور ناز میں تاخیر کر دی یہ جب مال ہے کہ منجملہ خواہشات نفسانی ہے اسی طرح ناز میں بے توجہی بھی جب ہی ہوگی کہ دوسری طرف توجہ ہو۔ توجہ کا ایک طرف نہ رہنے دینا بھی نفس ہی کی خواہش سے ہوتا ہے غرض کسی نے ترک طاعت کیا یا ارتکاب معصیت تو صرف نفسانی خواہش سے اس کے اندر بھی کچھ ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ
شَرِيعَتِهَا كَاتِبَاتٍ كَيْفَ أَوْلَانِ جَاهِلُونَ

الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (الجماعہ) کی خواہشوں کا اتباع نہ کیجئے۔
 اس آیت میں یہ بتلادیا کہ جو شریعت کے مقابل میں کام ہوں وہ خواہشیں اور
 ہوائے نفسانی ہیں لَا يَعْلَمُونَ کا مفعول ذکر نہیں فرمایا بلکہ یہاں مطلق علم کی نفی کر دی
 کہ خواہشات اس لئے مذموم ہیں کہ وہ ایسوں کا فعل ہے جو بالکل جاہل ہیں:
 طریق کار، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:
 لا یومن احدکم حتی کئی شخص ایماندار نہیں ہوتا جب تک
 یکن ہواہ تبعالما کہ اس کی خواہش اس چیز کے تابع نہ
 جتا بہ (الحديث) ہو جائے جس کو حق تعالیٰ کے پاس سے

لایا ہوں یعنی شریعت

لہذا ہمہ تن اپنی خواہشوں کو شریعت کے تابع بنائیں عقائد ہوں تو شریعت کے
 موافق اور اعمال اخلاق معاشرت و معاملات کی اصلاح کریں کہ سب شریعت کے تابع ہوں
 اور ہر چیز میں خیال رکھیں کہ نفس کی خواہش ہے یا نہیں۔ جب اس پر کوئی محافظت کر لیا
 نہیں کہ معصیت اس سے سرزد ہو سکے۔ تھوڑے دنوں عادت ڈالنے سے اس کا
 نفع معلوم ہو سکتا ہے۔ ہر کام کو کرنے وقت سوچ لیا کریں کہ اس میں نفس کو لذت آتی
 ہے یا نہیں۔ اگر لذت آتی ہے تو سمجھ لیں کہ یہ ضرور ایک ذمہ معصیت ہے۔ پھر اس
 لذت سے مغلوب نہ ہو جائیں اور اس کی مضرت کو پیش نظر رکھیں نفس کو خواہشات
 سے روکیں۔ مرض کا علاج یہی ہوتا ہے کہ اس کے مادے اور سبب کو قطع کیا جائے
 جب سبب جاتا رہے گا مرض بھی نہ رہے گا جو کام کیا جائے پہلے سوچ لیا جائے کہ یہ
 کام حق تعالیٰ (کی منشا) کے خلاف تو نہیں اور یہ میرے لئے مفید ہے یا مضر
 نیز اس کے ترک کے لئے خوف معین ہے اس لئے خوف الہی کی تحصیل ضروری ہے،
 (شریعت و طریقت)

عشق مجازی

بعض مشائخ نے جو بعض طالبین کو قصداً عشق مجازی پیدا کرنے کا مشورہ دیا ہے، مراد اس سے عشق حلال ہے نہ کہ حرام کیونکہ معصیت تو موصل الی اللہ ہو سکتی ہے اور جو اس مشورے سے غرض ہے وہ عشق حلال مثلاً اولاد، بیوی وغیرہ سے بھی حاصل ہو سکتی ہے کیونکہ عشق میں گو وہ مجازی ہو یہ خاصیت ضرور ہے کہ اس سے قلب میں سوز و گداز پیدا ہو جاتا ہے اور اس سے باقی تعلقات قلب سے دفع ہو جاتے ہیں اور خیال میں یکسوئی پیدا ہو جاتی ہے اب صرف ایک کام رہ جاتا ہے کہ اس تعلق کو حق تعالیٰ کی طرف پھیر دیا جائے تو بہت آسانی سے قلب فارغ ہو جاتا ہے، غرض اصل مقصود ترک تعلقات یا قلب میں سوز و گداز پیدا کرنا ہے مگر چونکہ اس زمانے میں اس طریق میں خطہ شدید ہے کیونکہ نفس میں شہوت پرستی اور لذت جوئی زیادہ ہے اس لئے قصداً ایسے طریق کا بتلانا جائز نہیں ہاں اگر کوئی اتفاقاً مبتلا ہو جائے تو تدابیر سے اس کا امانہ عشق حقیقی کی طرف کر دینا چاہئے اور طریقوں کا بدل جانا زمانہ کے بدل جانے سے کئی تعجب کی بات نہیں اور غضب یہ ہے کہ بعض لوگ اس کو ذریعہ قرب الہی سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی پناہ۔ اگر معصیت ذریعہ قرب الہی کا ہو تو سارے ادبائش اور رنڈمی بھڑکے کا مل ولی ہو کر ہیں۔

(المتکشف)

عشق مجازی کی مصرت بچنے کی ترکیب

اگر ایسا ہو کہ کوئی عشق مجازی میں مبتلا ہو جاوے تو اول عفت و پارسانی اختیار کرے یعنی کوئی امر خلاف شرع اس کے ساتھ نہ کرے حتیٰ کہ اس کو قصداً نہ دیکھے نہ اس سے باتیں کرے نہ اس کی باتیں سنے نہ دل میں قصداً اس کا خیال کرے کیونکہ شرع کی مخالفت

عشقِ حقیقی کے منافی ہے اور منافی کے رہتے ہوئے کب امید ہے کہ عشقِ حقیقی حاصل ہو۔ دوسرے اس سے ظاہر آدوری اختیار کر لے اس طرح کہ اتفاقاً و مفاہاتاً بھی اس پر نظر نہ پڑے نہ اس کی آواز کان میں پہنچے تاکہ اس کے قلب میں سوز و گلاز پیدا نہ ہو، اور اگر تصداق اتفاقاً اس سے منتہی رہا تو عمر بھر اسی شغل میں رہے گا کبھی ذہن نہ تنے گی کہ ادھر سے مطلوب حقیقی کی طرف توجہ ہو۔ تیسرے یہ کہ خلوت و جلوت میں یہ سوجا کرے کہ اس شخص کا کمال یا حسن و جمال کہاں سے آیا اور کس نے عطا کیا۔ جب موصوف مجازی کی یہ ذہن رہا ہے تو موصوف حقیقی کی کیا شان ہوگی ع

پہر باشد آن نگار خود کہ بندد این نگار ہا

اس سے اس کا عشقِ مخلوق سے خالق کی طرف مائل ہو جائے گا یہی معنی ہیں اس قول کے کہ بیخ لامل عشقِ مجازی کا از الہ نہیں کرتا اہلہ کر دیتا ہے (یعنی اس کا مصروف بدل دیتا ہے) (استکشف)

دوسری تدابیر اس کے دفعیہ کی یہ ہیں :-

۱۔ ایک وقت خلوت کا مقرر کر کے اور غسل تازہ کر کے صاف کپڑے پہن کر خوشبو لگا کر تہائی میں رو بہ قبلہ ہو کر اول دو رکعت نماز توبہ کی نیت سے پڑھے، پھر اللہ تعالیٰ کے دربر و خوب استغفار اور توبہ کرے اور اس بلا سے نجات کی توبہ کرے، اور پانچ سو سے لیکر ایک ہزار مرتبہ تک لا الہ الا اللہ کا ذکر اس طرح کیا جائے کہ لا الہ کے ساتھ تصور کیا جائے کہ میں نے سب غیر اللہ کو قلب سے نکال دیا اور لا الہ کے ساتھ خیال کیا جائے کہ میں نے محبت الہی کو قلب میں جمایا یہ ذکر جہر کے ساتھ ہو۔

۲۔ کوئی حدیث کی کتاب یا دلیلیے ہی کوئی کتاب جس میں دوزخ کے عذاب اور غضبِ الہی جو نافرمانوں پر ہو گا اس کا ذکر ہو کثرت سے مطالعہ کیا جائے۔

۳۔ ایک وقت معین کر کے خلوت میں یہ تصور بانوہا جائے کہ میں حق تعالیٰ کے سامنے

میدان قیامت میں حساب کے لئے کھڑا ہوں اور حق تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اے بے حیا کیا تجھ کو شرم نہیں آئی کہ ہم کو چھوڑ کر ایک مردار کی طرف مائل ہوا۔ کیا تجھ پر ہمارا یہی حق تھا کیا ہم نے تجھ کو ہی لئے پیدا کیا تھا اے بے حیا ہماری ہی دی ہوئی چیزوں کو۔ آہ نکمہ کو۔ دل کو ہماری نافرمانی میں تو نے صرت کیا۔ کچھ شرم بھی نہ آئی۔ اسی طرح بہت عرصے تک اسی مراتب میں غرق اور مشغول رہنا چاہئے۔

تنبیہ :-

اگر ان تدبیروں سے کچھ فائدہ نہ ہو یادیر لگے تو پریشان نہ ہونا چاہئے، اس کوشش میں اجر ملتا ہے جو اصل مقصود ہے۔ حتیٰ کہ اگر اس میں جان بھی جاتی رہے تو شہادت کا درجہ ملتا ہے۔

یعنی جو شخص عاشق ہو اور پاک دامن رہا اور اس کو چھپایا اور صبر کیا پھر وہ مر گیا تو وہ شخص شہید ہے (حدیث)

اور جو یہ مشہور ہے کہ بغیر عشق مجازی کے عشق حقیقی حاصل نہیں ہوتا یہ قاعدہ کلیہ نہیں، خطوط انصافیہ اور لذت شہوانیہ حاصل کرنے کے لئے بزرگوں کے اقوال کو آڑ بنا رکھا ہے، اور دل کا حال تو اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے اور خود ان سے بھی پوشیدہ نہیں انصاف اور حق پرستی ہو تو سب کچھ امید ہے۔ (بو اور النوادر)

حسن پرستی

میلان کے دو درجے ہیں۔ ایک تو کسی شے کی طرف توجہ اور ایک محبت یعنی توجہ تقاضے کے درجے میں۔ اول درجہ تو امر طبعی ہے۔ حق تعالیٰ نے مرد کی طبیعت میں میلان رکھا ہے، نیز یہ کسی تدبیر سے جا سکتا ہے اور نہ اس کے کھونے کا انسان مکلف ہے اور دوسرا درجہ اختیاری ہے یعنی اختیار کو وجود عدم میں دخل ہے۔ انسان کسی چیز میں اتنا انہماک

رکنا ہے کہ اسی کا ہور ہے لو کسی چیز سے اتنا پچ سکتا ہے کہ محبت کا درجہ نہ رہے جب یہ
 اختیار ہے تو انسان اس کا مکلف بھی ہے۔ (یو اور النوادر)

شہوات دنیا موجب نقص نہیں بلکہ یہی موجب کمال میں ٹاٹ کا پڑھ اگر زانی نہ ہو تو کیا
 کمال ہے۔ اندھا نظر بد نہ کرے تو کیا کمال ہے۔ بلکہ کمال تو یہ ہے کہ حسن کا ادراک ہو اور اس کی
 طرت طبیعت کا بھی میلان ہو۔ پھر بھی نا محرم کو نظر اٹھا کر نہ دیکھے کشش و میلان کا بالکل
 زائل ہو جانا تو عادتاً غیر ممکن ہے البتہ تدابیر سے اس میں ایسا ضعف و ضحکال ہو جاتا ہے کہ
 مقاومت میں تکلیف نہیں ہوتی اور وہ تدبیر صرف اس میں منحصر ہے کہ علا اس کشش کے
 تقاضے کی مخالفت کی جلتے خواہ کتنی ہی کلفت ہو۔ اس کو برداشت کیا جاتے۔ اسی
 ذریعے کسی کو جلدی اور کسی کو دیر میں طبیعت کے اختلاف کے موافق کشش میں
 ضعف و ضحکال ہو جاتا ہے اور رکنے کے لئے ہمیشہ قصد و ہمت کی ضرورت
 ہوتی ہے مگر اس ضعف کے سبب اس قصد میں آسانی کے ساتھ کامیابی ہوتی
 ہے اور اس سے زیادہ توقع رکھنا محض آرزو تے خام ہے۔ مگر یہ خارق ہو تو
 ادبات ہے۔ اس اصل سے تمام فطریات میں کام لینے سے پریشانی بالکل کا فور
 ہو جاتی ہے (کمالات اشرفیہ)

شہوت رانی میں جب اس پر عمل کیا جائے لذت آتی ہے اور بعد میں بھی
 لذت رہتی ہے۔ اس تقاضے کو پورا کرنے کے بعد کچھ کوفت نہیں ہوتی۔ اگر کسی
 کدو حانی کوفت ہو تو ہو سکتی ہے لیکن ایسے بہت کم ہیں۔ عام حالت یہی ہے
 کہ شہوت رانی کے بعد چسکا پڑ جاتا ہے۔ پہلے سے زیادہ آگ بھڑک جاتی ہے،
 گھوڑی دیر کے لئے سکون مل جاتا ہے اور شہوت بالنساء سے بھی زیادہ آشد
 شہوت بالامارد ہے۔ آج کل مردوں سے ابتلا بہت عام ہو رہا ہے۔ یہ فعل

حرام ہونے میں سب سے زیادہ بڑھا ہوا ہے۔

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہ شہوت سے پاک صاف ہیں مگر ان میں اکثر نظر بد کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں۔ حالانکہ زنا آنکھ سے بھی ہوتا ہے۔ اس میں بہت کچھ احتیاط کرتے ہیں۔ حالانکہ نظر فعل کا مقدمہ ہے اور فقہ کا مسئلہ ہے کہ حرام کا تقہر بھی حرام ہے۔ اس لئے نظر کی حفاظت بھی بہت ضروری ہے۔ (وعظ الاکمال فی الدین)

معالجہ

یہ بد نظری کا گناہ ایسا ہے کہ اپنے اثر سے تمام طاعات کے ثور کو تار یک کر دیتا ہے اس لئے اس کا علاج اہتمام سے کرنا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ یہ مادہ خلقی ہے پس وہ شر نہیں بلکہ اس میں بہت سے مصالح ہیں۔ البتہ اس مادے کے تقاضے پر عمل کرنا ضروری ہے اور وہ اختیاری ہے، اور اختیاری کی ضد بھی اختیاری ہے پس فعل سے رکنا اختیاری ہوا۔ اس میں کوئی معذوری نہیں۔ یہ خیال کر دو کہ اگر اس عورت کے شوہر کو اس خیال کی اطلاع کر دوں تو کتنی رسوائی ہو تو حق تعالیٰ تو بے کچے مطلع ہیں۔ کتنی شرم کی بات ہے کہ وہ اس ارادہ کو دیکھ رہے ہیں اور اسی سلسلہ میں جہنم کے عذاب کا بھی تصور کرے یا نفس سے یہ کچے کہ جس طرح تو مجھے دوسری عورتوں سے مزا حاصل کرنے کو کہتا ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص میری بیوی سے مزا حاصل کرنا چاہے اور مجھے اس کا علم ہو جائے تو میں اس حالت میں کیا کر دوں گا۔ ظاہر ہے کہ مرنے مارنے پر تیار ہو جاؤں گا۔ اسی طرح کیا دوسروں کو غیرت نہ آئے گی، کہ اگر ان کو خبر ہو جائے تو وہ بھی مجھے مار ڈالیں۔ ہر طرح کا نقصان پہنچانے پر آمادہ ہو جائیں اور کیسی رسوائی ہو۔ پھر جہنم کا نقشہ پیش نظر کر لے۔

بغیر ہمت کے کچھ نہیں ہوتا۔ اصل علاج نظر بد کا یہی ہے کہ جس وقت ایسا

موتغ ہو کر سے یہ خیال کر لیا جائے کہ حق تعالیٰ اس وقت اس کو دیکھ رہے ہیں اور قیامت میں بھی باز پرس کریں گے۔ اگر سزا کا حکم فرمادیا تو پھر کیا گزرے گی۔ بار بار اس خیال کو مستحضر کرنے سے انشاء اللہ تعالیٰ کامیابی ہوگی۔ پس ہمت کرو۔ یہی اس کا علاج ہے۔ کچھ روز تو ضرور تکلیف ہوگی۔ پھر انشاء اللہ تعالیٰ عادت ہو جائے گی اور پھر اس میں جو لذت و فرحت ہوگی اس کا اندازہ کیا کیا جاسکتا ہے (انفاس عیسیٰ)

رغبتِ اضطراریہ الی الاجنبیہ کا علاج

حالیہ: ایک صاحب نے غیر محرم کی طرف شدید رغبت کا ہونا تحریر کیا جس پر ارشاد فرمایا:

تحقیق: رغبتِ اضطراریہ الی الاجنبیہ پر مواخذہ نہیں بلکہ مواخذہ قصد پر ہے اگر عدا کسی امر دیا عورت کی طرف توجہ کرے گا تو گناہ ہوگا۔ اس کا علاج بے تفتاقی برتنا اور توجہ الی اللہ کرنا ہے۔ اگر یہ تدبیر ظاہر اُکافی نہ معلوم ہو تب بھی چاہئے کہ نم نہ کرے، انشاء اللہ تعالیٰ اسی طرح رفتہ رفتہ ایک دن دفع ہو جاوے گا، اور اگر عمر بھر بھی دفع نہ ہو تو اس تدبیر کرنے کے بعد سبکدوش ہو گئے۔ اب تم کو اس خیال سے کچھ ضرر نہیں بلکہ نافع ہوگا کیونکہ تم مجاہدے میں مشغول ہو چنانچہ حدیث میں ہے من عشق فعنف وکتم فمات فمہو شہید یعنی جو کسی پر عاشق ہو گیا پھر اس نے عفت اختیار کی اور اپنے عشق کو چھپا یا وہ شہید ہے عفت کی قید میں عفت جو ارج و عفت قلب سب داخل ہیں اور عفت قلب سے مراد وہی ہے کہ بالانقیاب اور بالعقد خیال نہ لائے اور شہید ہونا بھی عقلاً ظاہر ہے کہ جب تپا دق کا گھلا ہوا شہید ہے تو تپ عشق کا مارا تو ضرور رہی شہید ہوگا کیونکہ حرارت جسمی (بخار کی حالت) سے حرارت عشق اشتداد ہے۔ (اشرف السوانح)

بد نظری کی شکایت پر دعا کی درخواست

حالیہ: (خلاصہ سوال) ایک طالب علم نے جو زیر تربیت ہیں کچھ حوادث سے بدیشائیاں اور کچھ بد نظری کی شکایت لکھ کر دعا اور اصلاح کی آسان صورت کی درخواست کی تھی، اور یہ بھی لکھا تھا کہ ہر شے حسین کر دیکھنے کو طبیعت میں اس قدر تقاضا پیدا ہوتا ہے کہ باوجود سچی نظر کر لینے کے پھر نظر اٹھ جاتی ہے، حالانکہ حضرت عیالہ کے فرمان کے بموجب عذاب دوزخ وغیرہ کو سچا ہوں مگر طبیعت کچھ ایسی مجبور ہوتی ہے جس کا رکنا دشوار اور شاق نظر آتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ دل کے اندر سے کوئی دل کو پکڑ کر ابھار رہا ہے حضرت عیالہ کیا کروں نہایت ہی اس فعل بد سے مجبور ہو گیا ہوں جس پر خط کھینچ دیا گیا ہے اس کا جواب حسب ذیل دیا گیا۔

تختہ: خط حاضر ناظر کا غیر اختیاری مصائب پر تو اجر ملتا ہے ان کے ازالہ کی بھی دعا کرتا ہوں لیکن مصائب اختیار یعنی معاصی پر نہ اجر ملتا ہے اور نہ اس کے ازالہ کی دعا ہو سکتی ہے کیونکہ اس کا ازالہ تو خود عیب کا فعل ہے۔ اس دعا کی تریہ مثال ہے کہ اے اللہ فلاں شخص فلاں کھانا کھانے لگے۔ فلاں کھانا نہ کھاوے۔ اس دعا کے کیا معنی البتہ توفیق کی دعا ہو سکتی ہے وہ بھی جبکہ فاعل اسباب کو جمع کرے اور اعظم اسباب قصد ہمت ہے اور اس کے متعلق جو عذر خط کشیدہ عبارت میں لکھا ہے بالکل غلط ہے۔ سوچو کہ اگر ایسے موقع پر کہ نفس میں تقاضائے شدید ہو تمہارا کوئی بزرگ موجود ہو جو تمہاری اس نظر اٹھانے کو دیکھ رہا ہو تو کیا اس وقت تم ایسی بے جانی کر سکتے ہو؟ اگر کر سکتے ہو تو تم علاج ہو اور اگر نہیں کر سکتے تو مطمئن ہو کہ نظر از خود نہیں اٹھتی نہ مجبور ہی ہوتی ہے نہ رکنا شاق ہوتا ہے نہ کوئی ابھارتا ہے۔ سب کچھ تم ہی کرتے ہو تو اس کے خلاف پر بھی تم قادر ہو سو تمہارا یہ عذر ہی بیہودہ ہے۔

(ماہوز النور رمضان ۱۳۵۲ھ، تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۴۲)

حُسن کا دیکھنا اختیاری ہے

حَالہ: حضرت نے دریافت فرمایا ہے کہ حُسن کا دیکھنا اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔ جواباً عرض ہے کہ بندہ کا دیکھنا اختیاری ہے مگر استعمال اختیار دشوار معلوم ہوتا ہے۔

تَحقیق: کیا دشوار ہے کیا نفس کے روکنے سے کوئی بیماری ہو جاتی ہے یا مانس گھٹنے لگتا ہے یا اور کوئی تکلیف ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔

بد نظری کا علاج

حَالہ: چلتے پھرتے کسی لڑکے یا کسی عورت کی طرف نظر پڑ جاتی ہے تو بندہ اس وقت نظر کو فوراً ہٹا لیتا ہے اب حضرت دالاسے یہ دریافت کرنا ہے کہ نظر اول بصیحت کا سبب ہے یا نہیں۔

تَحقیق: اس نظر اول میں قصد ہوتا ہے یا نہیں اگر حد و ث میں قصد نہ ہو تو اس کے بقا میں قصد ہوتا ہے یا نہیں اگر البقاء میں بھی قصد نہ ہو تو اس نظر سے جو صورت ذہن میں پیدا ہوتی ہے اس کے بقا یا اس کے التذاذ میں قصد ہوتا ہے یا نہیں۔
(ماہذ النور جمادی الاخریٰ ۱۳۵۴ھ - تربیت السالک جلد دوم ص ۱۴۸)

گانے بجانے کی طرف میلان ہونے کا علاج

حَالہ: ایک مرض لکھتا ہوں وہ یہ کہ اگرچہ گانے بجانے کو عقیدتاً بُرا جانتا ہوں مگر گانے اور باجے کی طرف میری طبیعت کو بہت کشش ہوتی ہے چلتا رہتا ہوں تو سن کر دک جاتا ہوں پھر کچھ خیال آتا ہے تو آگے بڑھ جاتا ہوں۔ یہاں مسجد خانقاہ میں بھی شب کو

جب کوئی اچھے شخص سے ذکر کرتا ہے تو میں خود اپنا بھول جاتا ہوں۔ کبھی کبھی کسی بانسری بجانے والے کو بلوا کر بانسری بھی سنتی ہے۔ ہدایت فرمائیے۔

تختہ بخشش و میلان کا بالکل زائل ہو جاتا تو عادتاً ممنوع ہے البتہ تدبیر سے اس میں ایسا ضعف و اضمحلال ہو جاتا ہے کہ مقاومت ضعیف نہیں رہتی اور وہ تدبیر صرف اس میں منحصر ہے کہ عملاً اس مقصد کی مخالفت کی جاوے۔ گو کلفت ہو اس کو برداشت کیا جاوے۔ اسی سے کسی کو جلدی کسی کو دیر میں علیٰ اختلاف الطباع اس کشش میں ضعف و اضمحلال ہو جاتا ہے اور کف کے لئے قصد و ہمت کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے مگر اس ضعف کے سبب اس قصد میں سہولت کامیابی ہو جاتی ہے۔ (ترتیب السالك حصہ دوم ص ۱۳۱)

حقیقت یا

ارشاد : اللہ تعالیٰ کی طاعت میں یہ قصد کرنا کہ لوگوں کی نظر میں میری قدر ہو جاتے (ریا کہلاتی ہے) اس کی حقیقت ارأءة الخلق للغرض الدنیوی ہے یعنی عبادت کا اظہار کسی دنیوی غرض سے کیا جاوے یا کسی فعل مباح کا اظہار کسی معصیت کی غرض سے کیا جاوے۔ اگر عمل میں دنیا کے فاسد یعنی معصیت کی نیت ہو تو وہ یقیناً ریا ہے اور اگر دنیا کے مباح کی نیت ہو تو اگر عمل دنیوی ہے تو وہ ریا نہیں اور اگر عمل دینی میں ہے تو وہ بھی ریا ہے۔ (انفاس عیسیٰ ص ۱۶۲)

ریا کی اصلیت یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اپنی عبادت اور عمل خیر کے ذریعہ سے وقعت و منزلت کا خواہاں ہو اور یہ عبادت کے مقصود کے بالکل خلاف ہے کیونکہ عبادت سے مقصود حق تعالیٰ کی رضامندی ہے اور اب چونکہ اس مقصود میں دوسرا شریک ہو گیا کہ رضائے خلق اور حصول منزلت مقصود ہے لہذا اس کا نام شرک اصغر ہے۔ (تبلغ

طاعات میں رضائے خلق کا مقصود ہونا یا ہے

ملاحظہ: حضرت کے مواعظ میں سے کبھی اگر اپنے پاس بیٹھنے والوں سے کوئی بات کرتا ہوں تو دل میں یہ محسوس ہوتا ہے کہ زیادہ ہے چونکہ اپنے نفس میں ریاء کا احساس ہے ہر وقت یہ بات محسوس ہوتی ہے کہ جو کچھ کہتا ہے وہ میرے افعال کے خلاف ہے دل ہی دل میں طے کر لیتا ہوں کہ آئندہ نہ کر دوں گا۔ لیکن ریاء کا اس درجہ غلبہ ہے کہ پھر شروع کر دیتا ہوں اور یہی خیال ہوتا ہے کہ گو یا خلاف منصب و عہد گوی ہے جو کہ میرے لئے منفر ہے اس کا جو مناسبت علاج ہو تجویز فرمایا جاوے۔

تحقیق: ریاء ہر خیال کا نام نہیں بلکہ جس خیال کی بناء قصد رضائے خلق بذریعہ دین ہو اور یہ اختیاری امر ہے۔ جب اس کا قصد نہ ہو وہ ریاء ہی نہیں۔ اگرچہ وہ ہم ریاء ہو وہ ہم ریاء و سوسہ ریاء ہے جس پر مواخذہ نہیں ایسے وہم سے عمل صالح کو ترک نہ کیا جاوے (ماخوذ النور جلدی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ و تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۶۱)

ریا کے خیال سے نیت کا بدلنا معتبر نہیں

سوال: ایک طالب نے لکھا کہ بعض مرتبہ کسی اچھے کام میں مشغول ہوتا ہوں اور اچانک کسی شخص پر نظر پڑ جاتی ہے تو اکثر بیشتر یہ خیال ہوتا ہے کہ اس کام کو اور اچھی طرح کریں مجھے اتنا تو یقیناً معلوم ہے کہ یہ ریاء ہے لیکن یہ سمجھ کر کہ انسان کیا چیز ہے جو اس کو دکھلا کر کام کریں۔ فوراً اپنی نیت کو حق تعالیٰ کی طرف پھیر لیتا ہوں کیا اس طرح نیت ٹھیک کر لینے سے وہ ریاء یا نہ رہے گی۔

جواب: تجویز فرمایا کہ میرا مذاق اس میں یہ ہے کہ صرف تصحیح نیت اس میں کافی نہیں کیونکہ یہ تصحیح نیت اس شخص کے نزدیک مقصود بالذات نہیں مقصود

بالذات تحسین عمل للخلق ہے اور تصحیح نیت اس تحسین کا آلہ، تاکہ عاملہ ریاء سے بھی بچا رہوں اور مقصود نفس بھی حاصل ہو جاوے، تو جس اخلاص سے تحسین ریاء مقصود ہو وہ مقدمہ ریاء ہونے کے سبب ریاء ہی ہے۔ اس صورت میں ریاء سے حفاظت کی صورت صرف یہ ہے کہ اس خطرے کے بعد عمل میں تغیر نہ کرے، اور اسی کے ساتھ نیت خالص رکھے مجھے معلوم نہیں کہ دوسرے اطباء نے باطن کی اس میں کیا تحقیق ہے اگر اس کے خلاف بھی ہو تب بھی میں اپنی رائے پر قائم ہوں۔ ذوقیات میں ایک کا اجتہاد دوسرے پر حجت نہیں۔ (اشرف السوانح)

ریاء میں قصد کو بدل لینا کافی نہیں بلکہ اس کا استحضار ضروری ہے

حالیہ: ریاء اختیاری ہے لہذا اس کا علاج بھی اختیاری ہو گا مثلاً کسی کام میں ریاء کا قصد ہو تو اس میں اس قصد کو بدل کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا قصد کریں گا۔ اگر ریاء سے خارج ہونے اور خلوص حاصل کرنے کے لئے یہ کافی ہو تو اور علاج کی ضرورت نہیں یہ

طریقہ صحیح ہے یا غلط؟

تحقیق:۔۔ یہ طریقہ صحیح اور کافی ہے مگر محض اس کا جاننا اور اس پر قدر ہو جانا کافی نہیں۔ اکثر اہل طسراق کو یہ دھوکا ہو جاتا ہے، بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ مدت دراز تک اس کا استحضار اور اس کا استعمال رہے تاکہ اس میں رسوخ اور تسکین ہو جائے۔ اور ریاء حدیث انتفس میں بھی نہ رہے واصلہ قولہ تعالیٰ فی الانفاق۔ ومثل الذین ینفقون اموالہم ابتغاء مرضات اللہ وتثبت من انفسہم۔ فعلم ان التثبت مطلوب مع تحقق الاخلاص فی النية

(النور۔ مجرم ۱۳۵۱ھ)

آفاتِ سانی

گالی دینا

حدیث شریف میں ہے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے قتال کرنا کفر ہے اور ایک دوسری حدیث میں ہے جو شخص کسی شخص کو عیب لگانے کے لئے ایسی بات کہے جو اس میں نہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کی آگ میں اس وقت تک رکھے گا جب تک وہ اپنے کہے کی سزا نہ بھگت لے۔

لعنت کرنا

لعنت کے معنی ہیں کسی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور یا غضب و قہر میں مبتلا یا دوزخی کہنا۔ یا بطور بددعا کے یہ کہنا کہ اس کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے دور کر دے یا اس پر غضب الہی نازل ہو۔ یا دوزخ میں جائے وغیرہ۔ حدیث شریفہ میں ہے کہ جس شخص پر لعنت کی جاتی ہے، اگر وہ لعنت کا مستحق نہیں ہوتا تو یہ لعنت اس کے لئے پر لٹتی ہے، اور فرمایا مومن پر لعنت کرنا ایسا ہے جیسے اس کو قتل کر دیا۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ، شریعت و طہ لقیقت ص ۱۸۳-۱۸۴)

دل لگی و تمسخر کرنا

قرآن کریم میں حکم ہے۔

لَا يَسْمُرُونَ قَوْلَ مَنْ قَتَلَهُمْ
عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ
وَلَا لِنِسَاءٍ مِّنْ نِّسَاءِ عَدَاؤِي
يَكُونُ خَيْرًا لِّمَنْ هُنَّ

کوئی جماعت کسی جماعت کے ساتھ ٹھٹھانہ کرے
شاید وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بہتر ہو۔
اور عورتیں عورتوں سے تمسخر نہ کریں شاید وہ
ان سے بہتر ہوں۔

تسخر کے معنی یہ ہیں کہ کسی کی اہانت و تحقیر اور اس کے عیب کا اظہار اس طرح کیا جاتے جس سے لوگ ہنسیں یا دل لگی کرنا جس سے دوسرے کو ایذا پہنچے اس میں بہت سی صورتیں داخل ہیں مثلاً۔

۱۔ کسی کے چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، بولنے منہ سے وغیرہ کی نقل اتارنا یا قد و قامت یا شکل و صورت کی نقل اتارنا۔

۲۔ اس کے کسی قول و فعل پر ہنستا۔

۳۔ آنکھ یا ہاتھ پیر کے اشارے سے اس کے عیب کا اظہار کرنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ دوسرے کو گدل کا مذاق اڑاتے ہیں آخرت میں ان کے لئے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا اور اس کی طرف بلا یا جاوے گا جب وہ سرکتا سکتا وہاں تک پہنچے گا تو بند کر دیا جائے گا اسی طرح برابر جنت کے دروازے کھولے اور بند کئے جائیں گے یہاں تک کہ وہ مایوس ہو جائے گا اور بلائے پر دروازہ جنت کی طرف نہ جائے گا۔

چغلی خوری

کسی کا عیب یا ایسا قول و فعل جس کو وہ چھپانا چاہتا ہو، دوسروں پر ظاہر کرنا چغلی ہے۔ چغلی کھانا کبیرہ گناہ ہے۔ پھر اگر وہ عیب واقعی اور صحیح بات ہے تو من چغلی کا گناہ ہوگا اور اگر واقعے کے خلاف ہے یا اپنی طرف سے اس میں کسی یا زیادتی کی یا بڑے عنوان یا بڑے طرز سے نقل کیا تو افتراء اور بہتان بھی ہے جو مستقل کبیرہ گناہ ہے اور جس کی طرف سے چغلی کی گئی ہے اگر اس کے کسی عیب کا اظہار بھی ہے تو غیبت بھی ہے جو تیسرا گناہ کبیرہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چغلی لے کر ادھر سے ادھر جاتے ہیں

جو دوستوں میں باہم فساد ڈولواتے ہیں اور جو بے قصوروں کے عیب ڈھونڈتے ہیں،
بدترین انسان ہیں اور سرمایا کہ چھلنچور جنت میں نہیں جائے گا اور جہنمی عذاب قبر ہے
(شرعیات و طریقت ص ۱۸۹)

مدح سمراتی

حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے مجمع میں اپنے دوست کی تعریف کی تو رسول
مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اپنے دوست کی گردن کاٹ دی۔ مطلب یہ
ہے کہ اس کے نفس میں خود پسندی اور بڑائی پیدا کر کے اس کو ہلاک کر دیا (دوسرے)
نفس اپنی تعریف سن کر بھولتا ہے اور اعمال خیر میں سُست پڑ جاتا ہے۔ حدیث میں آتا
ہے کہ مسلمان بھائی کو کُنْ جُھرتی سے ذبح کر دینا اس سے بہتر ہے کہ اس کے منہ پر اس کی تعریف
کی جائے اس لئے کہ مدح مغرور ہو جاتا ہے اور اپنے نفس کو قابل تعریف سمجھنے لگتا ہے،
حالانکہ یہ اس کی ہلاکت دیتا ہی کی جڑ ہے۔

اکثر دنیا دار مسلمانوں کی عادت ہے کہ وہ مالدار اور صاحب جاہ لوگوں کی تعریف
کرتے ہیں (اس میں) اکثر باتیں ایسی بیان کی جاتی ہیں جو واقعہ کے خلاف ہوتی ہیں یہ
مریخ جھوٹ اور کبیرہ گناہ ہے۔ (شرعیات و طریقت ص ۱۸۹)

کذب (جھوٹ)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ
اور جھوٹی بات سے کنارہ کش رہو۔
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ وَإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ
ہمیشہ سچ بولو اور جھوٹ مت بولو۔
(متفق علیہ)

خلاف واقعہ بات کہنا کذب ہے، بے تحقیق کسی بات کا نقل کرنا اور سنی مسلمان
 بات کو بددین تحقیق کے فوراً زبان سے نکال دینا بھی گناہ ہے۔ (انفاس عیسیٰ)
 کئی بالمرء کذبا ان یحدث
 آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ کافی ہے
 کہ جو بات سُنے بیان کر دے۔
 بکل ما سمع

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جھوٹ بولنے سے بچو کہ جھوٹ اور فجور
 ساتھ ساتھ ہیں اور یہ دونوں جہنم میں ہیں اور سزا یا جھوٹی شہادت تین مرتبہ بزرگ
 کے برابر ہے۔ نیز حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے
 خواب دیکھا کہ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور دوسرا کھڑا ہے اور اس کے ہاتھ میں لوہے کا زبور
 ہے (چمٹے کے مانند ایک آلہ جس کے اگلے سرے مڑے ہوئے ہوتے ہیں) اور اس بیٹھے ہوئے
 کے کلمے کو چیر رہا ہے یہاں تک کہ گدھی تک جا پہنچتا ہے۔ پھر وہ کلا درست ہو جاتا ہے
 پھر اس کے ساتھ ایسا ہی کرتا ہے۔ میں نے اپنے ساتھی (حضرت جبریل علیہ السلام)
 سے پوچھا تو کہا کہ وہ شخص جھوٹا ہے۔ اس کے ساتھ قیامت تک یوں ہی کرتے رہیں گے
 (یعنی قبر میں عذاب ہوتا رہے گا۔ (نسائی۔ ابن ماجہ۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ بہیقی زیور جلد اول)

جھوٹ کا علاج

سوال: ایک طالب علم نے حضرت والا کے اس استفسار پر کہ جھوٹ اختیار سے
 بولتے ہو یا بالاضطرار، یہ لکھا کہ یہ جھوٹ بولنا ہے تو اختیاری لیکن کثرت انہماک
 سے اضطراری جیسا ہو چکا ہے۔ حضرت اس کا علاج فرمادیں۔

جواب: حضرت والا نے پھر جواب تحریر فرمایا کہ جب ہمت و اختیار سے
 چھوڑ دو گے اور بہ تکلف اس کی عادت کر لو گے تو اسی طرح عدم صدور اضطراری جیسا
 ہو جائے گا۔ یہی علاج ہے۔ (اشرف السوانح)

ردھی یا کرخت بات کرنا

حاصل: ایک یہ ہے کہ گفتگو نرم اور شیریں نہیں ہوتی۔ ردھی سمخت اور کرخت ہو جاتی ہے جس سے دوسروں کو اذیت یقیناً پہنچتی ہوگی خواہ کسی معاملے میں یا ویسے۔ جیوں چاہتا ہے کہ گفتگو ایسی ہو جائے جس سے سنتے والے کو دلچسپی اگر نہ ہو تو کم سے کم اذیت بھی نہ ہو۔ طبیعت حاضر جواب نہیں، اس لئے نوراً جواب نہ سوچنے کی وجہ سے لہجہ یا آواز سمخت ہو جاتی ہے، ورنہ روکھے تو ہو ہی جاتے ہیں۔ اس کا احساس اور ندامت ہے مگر تہذیب ارشاد ہو تو یہ رنج ہو۔

تحقیق: ایسے امور میں اکثر عادات اور فطرت کا خلط ہو جاتا ہے اور اس لئے ایک پر دوسرے کا اشتہاء ہو جاتا ہے۔ تہذیب سے عادت کی اصلاح ہو جاتی مگر فطرت باقی رہتی ہے۔ اچانک اس کو عادت سمجھ کر علاج کو ناکام سمجھا جاتا ہے یا اچانک عادت کو فطرت سمجھ کر اس کا علاج بھی نہیں کیا جاتا لہذا ضرورت ہے کہ معالجہ سب کا جاری رکھا جائے جو جزو مضمحل ہو جائے شکر کرے اور اس میں ہتھامت کی سعی رکھے اور جس میں اضمحلال نہ ہوں میں فطری ہونے کا احتمال سمجھ کر مایوس نہ ہو اور اس میں بلا انتظار اضمحلال کے اس کے نقصان پر عمل نہ کرنے پر اکتفا کرے یہ سب تہذیب تھی۔ اب تہذیب لکھتا ہوں و دیکھ رہے کہ اس نصلت کے مضار کا وقت پر استحضار رکھے اور بہ تکلف عمل میں اس کی مقاومت کرے اور اس پر اصرار رکھے اس سے کسی جزو میں اضمحلال ہو جاوے گا اور کسی میں تکلف کی ضرورت رہے گی جس پر قدرت یقینی ہے اور اس تکلف کی سہولت کے لئے دعا بالخاصہ موثر ہوگی۔۔

(ماخوذ النور ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ وتر بیت السالک جلد دوم ص ۱۷۷)

فضول گوئی کا علاج

سوال : ایک طالب نے فضول گوئی کا مرض لکھا اور اس کا سبب یہ لکھا کہ جب کوئی مجھ کو خوشی ہوتی ہے یا کوئی فکر نہیں ہوتا تو ایک جوش سا پیدا ہوتا ہے اور اس میں بہت باتیں کرتا ہوں یہاں تک کہ فحش اور غیبت تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور جب تک یہ نوبت نہیں آتی وہ جوش کم نہیں ہوتا۔

جواب : علاج تخریر فرمایا کہ علاج کی حقیقت ہے ازالہ سبب مرض جب مرض کا سبب جوش ہے خوشی کا۔ اس کا علاج اس جوش کا کم کرنا اور اس خوشی کو اس کی فضیلت یعنی فکر و غم سے منسوب کرنا ہے۔ اور سب سے زیادہ فکر و غم کی چیز موت اہوال بعد الموت میں یعنی واقعات برزخ و معشر و صراط و عقوبات معاصی (گناہوں پر عذاب) پس ایسے وقت میں ان واقعات کو مستحضر کر لیا جاوے۔ اگر ویسے استحضار ضعیف نہ ہو تو کوئی کتاب اس مضمون کی لیکر مطالعہ شروع کر دیا جائے اور بہتر ہے کہ فوراً خلوت میں جا کر مراقبہ یا مطالعہ کر لیا جائے اس کا علاج تو فوراً ہو جائے گا۔

پھر اگر ضعف طبیعت سے ہیبت کے غلبہ سے تکلیف ہونے لگے تو رحمت رجا کی حدیثوں کو مستحضر کر لیا جائے۔

پس اعتدال ہو جائے گا اور اصل خوشی رہ جائے گی جو مامور بہ ہے۔

قل بفضل اللہ وبرحمۃ فبذالک نلیفرحو۔

اور یہ فضول حصہ خوشی کا زائل ہو جائے گا جو منہی عنہ ہے۔

لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ

(اشرف السوانح)

زبان پر قابو نہ ہونے کا علاج

حالیہ: مجھ میں ایک زمانے سے یہ مرض ہے کہ حق بات بولنے یا صاف کہنے میں سختی ہو جاتی ہے اور اس سے لوگوں کے قلب کو تکلیف ہو جاتی ہے کوئی تو بالکل رنجیدہ ہو جاتا ہے اور کوئی وقتی طور پر رنجیدہ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اپنے آپ کو بڑی کلفت ہوتی ہے کہ میاں ایک شخص کے دل کو تکلیف پہنچی۔ بسا اوقات تو اس شخص سے معافی چاہتا ہوں مگر اپنے قلب کو ایک رنج رہتا ہے کہ ایک شخص کو تکلیف دی۔ بسا اوقات نماز کے بعد دعا بھی کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو زبان پر قابو دے دین تاکہ زبان سے فضولیات نہ نکلیں۔ حضرت والا کو بہت زمانے سے اس مرض کا حال لکھنے کو تھا مگر کل مجلس میں بعد ظہر جو حدیث حضرت والا نے مَنْ نَسِمَ الْمُسْلِمُونَ کی بیان فرمائی تو اپنا مرض یاد آگیا حضور سے دست بستہ التجا ہے کہ اس مرض کا جو مناسب علاج حضور تجویز فرمادیں اس پر عمل کروں۔

تحقیق: چند روز اس کا التزام کر لیا جاتے کہ کسی کو بالکل یہی نصیحت نہ کی جائے اور یاد رکھ کر محبت سے اس پر عمل کیا جائے۔ چند روز ایسا کرنے سے انشاء اللہ تعالیٰ احوال پیدا ہو جائے گا اور اگر کوئی موقع نصیحت کا ایسا ہو کہ آپ کے علم میں فوراً ہی کہنا واجب ہو تو کسی دوسرے شخص کے واسطے سے کہہ دیا جاوے تاکہ واجب فوت نہ ہو۔ (ماخوذ از انور ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ و تربیت السالک جلد دوم ص ۱۶۸)

لغو عمل کی بے برکتی

فرمایا کہ میں تقسیم کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص اپنے فضول کاموں میں غرق کرے تو اس کو معلوم ہوگا کہ لغو اور فضول کاموں سے ضرور بطور اختصار کے گناہ تک قریب ہو گیا ہے۔ مثلاً مجھے خود یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ بعض دفعہ کوئی شخص آکر بلا ضرورت پوچھتا ہے کہ آپ فلاں

جگہ کب جائیں گے۔ اس سوال سے مجھ پر گرانی ہوتی ہے اور مسلمانوں کے قلب پر گرانی؟
 ! التاخذ بمعصیت ہے۔ اگر سوال کرنے والا اخلص ہو جب بھی مجھ پر گرانی ہوتی ہے کہ اس
 کو ہمارے ذاتی افعال کی تفتیش کا کیا حق ہے غرضیکہ کئی لغو اور فضول کام ایسا نہیں جس کی
 سرمد معصیت سے زملی ہو۔ بس لغو اور فضول ابتداءً ترمباح ہے مگر انتہاءً معصیت ہے۔
 (امثرف السوانح)

ذکر اللہ سے لغو مجالس کا تدارک

فرمایا کہ جب زبان کو ذرا بھی وسعت دی جاتی ہے تو گناہ میں ضرور مبتلا ہو جاتی ہے
 اس کی ایک تدبیر جو تدبیر ہونے کے ساتھ تدارک بھی ہے، یہ ہے کہ جب در چار آدمی جمع
 ہو کر باتیں کریں تو باتیں ختم کرنے سے پہلے کچھ ذکر اللہ اور ذکر رسول بھی کر لیا کریں اس کا ثبوت
 حدیث سے بھی ثابت ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

قَالَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَمَّ مَا جَلَسَ تَوَمَّ مَجْلِسًا لَمْ يَذْكُرُوا اللَّهَ فِيهِ
 وَلَمْ يُصَلُّوا عَلَيَّ بِنَبِيِّهِمْ إِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ تَرَةٌ فَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ وَإِنْ شَاءَ
 غَفَرَ لَهُمْ (ترمذی)

یعنی جس مجلس میں لوگ باتیں کرتے ہیں اور اس مجلس میں حق تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے اور
 پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہیں بھیجتے وہ مجلس ان کے لئے قیامت کے دن
 حسرت کا باعث ہوگی اور بھی کچھ نہ ہو تو ختم کرتے وقت یہی کہہ لیا کرو۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ
 وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

یہ جملہ جامع ہے ذکر اللہ اور ذکر رسول دونوں کو علما نے لکھا بھی ہے کہ یہ
 کفارہ مجلس ہے۔ (کالات اشرفیہ)

غیبت

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :-

وَلَا يَغْتَابُ بَعْضُكُمُ بَعْضًا الْآيَةَ اور کوئی کسی کی غیبت نہ کیا کرے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

الْغَيْبَةُ أَشَدُّ مِنْ الزِّنَا غیبت زنا سے سخت تر ہے

(وعظ المقصدی للغير ص ۹)

کسی کی پیٹھ پیچھے اس کی ایسی بات کہنا کہ اگر وہ سنے تو اس کو ناگوار ہو اگرچہ وہ بات اس کے اندر ہی موجود ہو، اور اگر وہ بات اس میں نہیں ہے تو وہ غیبت سے بڑھ کر ہتان ہے۔ اسی طرح کسی کی نقل اتارنے سے، مثلاً آنکھ دبا کر دیکھنا۔ منگڑا کر چٹا بھی (غیبت ہے) بلکہ یہ زیادہ بُرا ہے۔

غیبت کا مذموم ہونا (قرآن اور حدیث سے) ظاہر ہے، اس کی مضرت دین و دنیا میں ہے۔ دنیا کی مضرت تو یہ ہے کہ اس سے باہمی تشویش و ناانفقاہی ہوتی ہے آپس میں فساد ہو جاتا ہے اور دین کی مضرت یہ ہے کہ قیامت کے دن غیبت کرنے والے کی نیکیاں اس کو مل جائیں گی جس کی غیبت کی تھی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ غیبت حق العیب ہے جبادہ معاف کرے گا تب معاف ہوگا۔ (تعلیم الدین ص ۱۰۲)

غیبت کا علاج

مالو، حضرت والا کے فیض اور توجہ سے غیبت وغیرہ سے بڑی حد تک بچنا ہوں لیکن بے تکلف دوستوں میں بیٹھنے کی ذہنیت جب کبھی بھی آتی ہے تو ضرور کسی کی غیبت و شکایت ہو جاتی ہے بعد میں افسوس ہوتا ہے لیکن دوسری مجلس

میں پھر یہی حرکت سرزد ہوتی ہے، اس کا علاج چاہتا ہوں۔

تحقیق: استحضار دہمیت اور بعد صدور صاحب حق سے معاف کر اگر تدارک اور یہ جزو اخیر سب اجزاء سے زیادہ ضروری اور موثر ہے۔

(ماخوذ النور ریح الثانی ۱۳۵۹ھ و تربیت السالک جلد دوم ص ۱۸۲)

حالت: نیز اگر کسی کی غیبت سنی ہو تو اس کا تدارک اس کے حق میں دعا کرنے سے ہو جائے گا یا نہیں۔ نیز خود جن جن حضرات کی غیبت کی ہے اب ان کی بھلائیاں بیان کر دیتا ہوں کہ ہر شخص میں کچھ نہ کچھ بھلائی تو ہوتی ہی ہے اور ان کے اور اپنے حق میں دعائیں بھی کرتا ہوں کیا یہ معالج کافی ہے یا نہیں۔ اگر کافی نہ ہو تو تدارک کی سبیل ارشاد فرمائی جائے انشاء اللہ عمل کروں گا۔

تحقیق: مغتاب کے محاسن بیان کرنا مستقبل میں مستقل معالج ہے۔ باہمی تدارک نہیں۔ اس کے لئے دعا کرنا بروئے حدیث ایک درجہ میں تدارک ہے لیکن کلیات سے ذوق اس کا تدارک ہو جانا عجز من التحلل کے ساتھ مقید معلوم ہوتا ہے بشرطیکہ عجز کی بنا معتدبہ ہو اور احوط و ازجر للنفس اس حال میں یہی ہے کہ اس سے معاف کر لے اس سے آئندہ کے لئے ایک رادع قوی ہو جائے گا۔ (ماخوذ النور صفر ۱۳۶۲ھ و تربیت السالک جلد دوم ص ۲۰۰)

غیبت کا ایک عجیب عملی علاج

تہذیب۔ غیبت کا ایک عجیب و غریب عملی علاج یہ ہے کہ جس کی غیبت کرے اس کو اپنی اس حرکت کی اطلاع کر دیا کرے۔ تھوڑے دن اس پر مداومت سے انشاء اللہ یہ مرض دفع ہو جائے گا۔ (انفاس عیسیٰ)

غیبت اور بسیار خوری کا علاج

حالیہ ، دو بڑے مرض یہ ہیں ، ایک زبان کا غیبت اور جھوٹ میں مبتلا رہنا دوسرے کلام انداز سے زیادہ کھایا جانا جو بے تعداد امراض ظاہری و باطنی کا سبب ہے اس سے پہلے اپنی طرف سے کوشش کر چکا ہوں لیکن ربانی نصیب نہیں ہوئی مگر اب امید ہوگئی ہے کہ جناب کے تجویز فرمودہ علاج و دعا سے اللہ تعالیٰ رحم فرمادیں گے۔ ان دو مضمون کے ہاتھ سے سخت مصیبت اور ہلاکت میں ہوں۔

مختصر: اول مرض کا علاج یہ ہے کہ بے سوچے ہرگز کوئی کلام نہ کیا جاوے اگرچہ بعض اوقات یہ بھی یاد نہ رہے گا کہ سوچ کر بولوں مگر خیال رکھنے سے اکثر اوقات یاد رہے گا اور رفتہ رفتہ پھر انشاء اللہ تعالیٰ ذہول نہ ہوگا پس جب سوچ کر بولا جاوے گا زہر کلام سے پہلے یہ سوچنا چاہئے کہ اس کلام سے گناہ تو نہ ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ اس سے بہت کچھ اصلاح ہو جائے گی اور دوسرے مرض اس وقت مرض ہے جب شبع یعنی سیری سے کبھی زیادہ کھایا جائے اور سیری تک کھانا مباح ہے کچھ مرض نہیں ، سو اگر سیری سے زیادہ کھایا جاوے تو اس کا علاج بھی وہی سوچنا ہے کہ زیادہ سے ضرر ہوگا پس اس مضمون سے انشاء اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح ہو جائے گی۔ (تربیت السالک جلد اول ص ۴۴)

غیبت کے وقت کلام سے رکنا مستحسن ہے

حالیہ: اس خط کے بعد (اس سے پہلے ایک خط آیا تھا) یہ حال ہے کہ اب کسی مجلس میں کسی کی نسبت کوئی ایسی بات کہنے کا ارادہ پیدا ہوتا ہے جو غیبت میں داخل ہو سکتی ہے تو فوراً یہ تصور ہوتا ہے کہ اس سے معاف کرنا ناہٹے گا۔ یہ تصور آتے ہی زبان رُک جاتی ہے بسا اوقات بولنا شروع کر دیتا ہوں۔ ساتھ ہی یہ تصور بھی پیدا ہو جاتا ہے اول

بجائے اس بات کے کوئی دوسری بات کہہ دیتا ہوں۔

حقیقت، عملِ احسن ہے اور اس سے احسن یہ ہے کہ دوسری بات بھی نہ کہی جاوے بلکہ خاموش ہو جائیں۔ اس میں نفس کا زجر بھی زیادہ ہے، نیز دوسروں کے لئے تنبیہ ہے، کہ جب کلام کا نامناسب ہونا متحضر ہو جائے، اس طرح سے رک جانا چاہئے دوسری بات کی طرف منتقل ہونے میں یہ تنبیہ نہیں جو کہ نفع متعدی ہے (تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۸۵)

حقیقتِ غضبِ معصہ

مضمون: خونِ قلب کا بدلہ لینے کے لئے جوش مارنا غضب ہے اس کے درجہٴ شریعت اور اخلاق کے بیان میں ملاحظہ ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پڑا پہلوان اور طاقتور وہ نہیں ہے جو لوگوں کو بچھاڑ دے بلکہ قوی اور پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔ ایک روایت میں ہے کہ قوی وہ ہے جو غصہ کا مالک ہو یعنی غصہ پر غالب ہو یہ نہ ہو کہ غصہ کے منشا کے مطابق ذرا عمل کرے بلکہ اس کو نہ لچت کی تعلیم کے موافق استعمال کرے اس لئے غصہ میں جوش پیدا ہونا طبعی امر ہے، اس میں ملامت نہیں۔ مگر انسان کو خدا تعالیٰ نے اختیار بھی دیا ہے اس کو روکنا چاہئے۔ اس اختیار کو صرف نہ کرنا انسانیت کے خلاف ہے۔ غصہ کو بھی حق تعالیٰ نے بہت سی مصلحتوں سے انسانیت کی تربیت میں داخل کیا ہے، اس سے بہت سے کام نکلتے ہیں لیکن اختیار کو بھی مانتو ساتھ رکھ دیا ہے کہ جس جگہ غصہ کا کام (شرعاً مامور) ہو وہاں کام لے اور جو جگہ غصہ کے کام کی نہیں وہاں کام نہ لے۔ (دعوت غوائل الغضب)

غصہ فی نفسہ غیر اختیاری ہے لیکن اس کے اقتضاء پر عمل کرنا اختیاری ہے اس لئے اس کو ترک بھی اختیاری ہے، اور اختیاری کا علاج بجز استعمال اختیار کے کچھ نہیں۔

گراں میں کچھ تکلف و مشقت بھی ہو اس استعمال کی تکرار و مداومت سے وہ اقسماً
ضعیف ہو جاتا ہے اور اس ترک میں زیادہ تکلف نہیں ہوتا البتہ اس اختیار کے استعمال
میں کبھی ندرے تکلف ہوتا ہے۔

طریق کار :-

حدیث شریف میں ہے لَا يَقْضَيْنَنَّ قَاضٍ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضَبَانُ
یعنی حاکم کو چاہئے کہ غصہ کی حالت میں فیصلہ کبھی نہ کرے بلکہ اس وقت مقدمہ ملتوی کر دے
اور نارنج بڑھادے یہاں حاکم سے مراد وہ شخص ہے جس کی دو آدمیوں پر حکومت ہو اس میں
علم استاد اور گھر کا مالک بھی شامل ہے۔ لہذا غصہ میں بچوں یا دیگر ماتحتوں اور مرکزوروں
کو کسی جرم پر بھی سزا دینے میں جلدی نہ کریں بلکہ غصہ فرو ہونے کے بعد سوتج سمجھ کر سزا دی
جائے اور یاد رکھیں کہ جس حق کا مطالبہ کرنے والا کوئی نہ ہو اس کا مطالبہ حق تعالیٰ کی طرف
ہے ہوگا یہاں تک کہ اگر کافر ذمی پر کوئی حاکم ظلم کرے تو حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف سے مطالبہ کریں گے لہذا سزا دینے کے
وقت احتیاط لازمی ہے۔ (انفاس عسی - کمالات اشرفیہ)

اگر طبعی طور پر غصہ زیادہ ہو اور ذرا سی بات پر حد سے زیادہ غصہ آجاتا ہو۔
اس وقت عقل نہ رہتی ہو، تو جس پر غصہ کیا جاوے بعد غصہ فرو ہو جانے کے مجمع میں
اس کے سامنے ہاتھ جوڑیں پاؤں پکڑیں بلکہ اس کے جوتے اپنے سر پر رکھ لیں، ایک دو
بار الیا کرنے سے نفس کو عقل آجائے گی۔ قول اور فعل میں ہرگز تعجیل نہ کریں۔ بہ تکلف
تقاضے کی مخالفت کریں۔ جب کوئی کوتاہی ہو جائے استغفار کریں اور اگر کسی شخص کے
قول میں زیادتی و تجاوز و دشمنی سے ہو گیا ہو تو اس سے معاف کر لیں۔ زبان سے
انگڑ بڑھنے پڑھیں اگر کھڑے ہوں تو بیٹھ جائیں اگر بیٹھے ہوں تو لیٹ جائیں اور ٹھنڈے
پانی سے دھو کر ڈالیں اور ٹھنڈا پانی پی لیں۔ فوراً کسی کام میں لگ جائیں۔ بالخصوص مطالعہ

کتاب میں۔ اگر اس سے بھی غصہ نہ جائے تو اس شخص سے علیحدہ ہو جائیں یا اس کو علیحدہ کر دیں جیسا موقع ہو۔

طریق علاج

یہ یاد کریں کہ اللہ تعالیٰ کی مجھ پر زیادہ قدرت ہے اور میں اس کی نافرمانی بھی کیا کرتا ہوں۔ اگر وہ بھی مجھ سے یہی معاملہ کریں تو کیا ہوا اور یہ سوچیں کہ بدون ارادہ خداوندی کے کچھ واقع نہیں ہوتا۔ سو میں کیا چیز ہوں کہ مشیت الہی سے مزاحمت کروں۔
(تعلیم الدین ص ۸۱)

غصہ کا علاج

حال: احقر اپنا ایک مرض کہ وہ غصہ ہے اس کا مقتضایہ پر گاہے عمل بھی ہو جاتا ہے عرض کرتا ہے یہ غصہ گاہے گھر والوں پر ہوتا ہے جبکہ وہ کسی امر میں احقر کے خلاف کرتے ہیں۔ بالخصوص جب اپنی زوجہ پر غصہ آتا ہے تو اکثر اس کے مقتضی پر عمل ہو جاتا ہے اس لئے کہ وہ اپنی محکوم اور تابع ہے اور گاہے ایسے مخاطب پر بھی آتا ہے جو ظاہر اور حق بات کو تسلیم نہ کرے اور کبھی طلبا پر بھی آتا ہے جبکہ وہ سبق یاد کرنے اور مطالعہ میں کوتاہی کرتے ہیں۔

تختہ: غصہ کے مقتضی پر عمل کرنے کا ہر درجہ مذموم نہیں مگر چونکہ اکثر درجہ مبہم سے تجاوز ہو جاتا ہے اس لئے بطور علاج کے بعض درجات مبہم سے بھی رد کا جانا ہے اس بنا پر ان سب صورتوں میں مشترک علاج یہ ہے کہ غصہ کے وقت کلام بالکل نہ کیا جائے۔ جب ہیجان بالکل ضعیف ہو جائے اس وقت ضروری خطاب کا مضائقہ نہیں اور اگر اس خطاب سے ہیجان عمود کر آئے پھر ایسا ہی کیا جائے۔ (ماخوذ النور ذیل عقدہ ۱۳۵۵)

و تربت السالک حصہ دوم ص ۱۳۱)

حقیقتِ بغض و کینہ

ارشاد : جب غصہ میں بدلہ لینے کی قدرت نہیں ہوتی تو ضبط کرنے سے اس شخص کی طرف سے دل پر ایک قسم کی گرانی ہو جاتی ہے۔ اس کو حقد یعنی کینہ (اور بغض) کہتے ہیں۔ (تعلیم الدین ص ۸۱)

اس کا نشاء غصہ ہے اور میٹھے غصہ میں ہوتا ہے اور میٹھے غصہ میں دو عیب ہیں۔ ایک عیب تو خود وہ غصہ تھا اور دوسرا عیب یہ کینہ ہے تو کینہ صرف ایک عیب نہیں بلکہ بہت سے گناہوں کا تخم ہے۔ جب غصہ نکلا نہیں تو اس کا خار دل میں بھرا رہتا ہے اور بات بڑھتی اور رنجیدگیاں پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں۔ (غزائل الغضب)

کینہ وہ ہے جو اختیار اور قصد سے کسی کی بُرائی اور بدخواہی دل میں رکھی جائے اور اس کو ایذا پہنچانے کی تدبیر بھی کرے۔ اگر کسی سے رنج کی کوئی بات پیش آوے اور طبیعت اس سے ملنے کو نہ چاہے تو یہ کینہ نہیں بلکہ انقباض طبعی ہے جو گناہ نہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کینہ پرورد بخشا نہیں جاتا، اور فرمایا اللہ تعالیٰ پیر اور جمعرات کو جب بندوں کے نامہ اعمال اس کے سامنے پیش ہوتے ہیں تو ہر استغفار کرنے والے کی مغفرت کر دیتا ہے لیکن اہل کینہ کی بخشا نہیں ہوتی۔ نیز فرمایا۔ ان دو آدمیوں کی بخشش نہیں ہوتی جن کے درمیان عداوت اور کینہ ہو بشرطیکہ عداوت کا منبع دنیادی امور ہوں لیکن اگر کسی مسلمان کو کسی سے دین کے متعلق خدا تعالیٰ کے واسطے دشمنی ہو تو یہ عداوت مستحسن اور قابل اجر ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں الْحُبُّ لِلَّهِ وَالْبُغْضُ لِلَّهِ کا امر ہے (انفاس عیسیٰ ص ۱۴۱) ایسا ہی بُغض کا حال ہے کہ حق تعالیٰ کے نافرمان بندوں سے عداوت ہونی چاہئے جن کو یہ درجہ نصیب ہوتا ہے ان کی یہ حالت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے

نافرمان بندوں کے پاس اٹھنا بیٹھنا اور ان سے بات کرنا تک چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر ان کی صورت نظر آتی ہے تو آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی ہے کہ "خداوند! کسی ناسخ شخص کا مجھ پر احسان نہ کرائیو۔ کہ اس کے احسان کی وجہ سے میرے دل میں اس کی محبت آجائے۔" حُبِّ قِيِّ اللّٰهِ اور لِقَاضِيِ اللّٰهِ اِہی کا نام ہے اور جس مسلمان میں یہ نہیں تو سمجھنا چاہئے کہ اس کے ایمان میں ضعف ہے۔ (تبلیغ دین ص ۲۶)

طریق کا مس

اپنے مخالف کو کوئی نقصان کسی سے پہنچ جائے اور قلب میں فرحت محسوس ہو تو عقلاً اور اعتقاداً اس کا استحضار کیا جاوے کہ یہ فرحت قابل دفع ہے، اور دعا بھی کی جائے کہ اس فرحت کو اللہ تعالیٰ دفع فرمائیں (اس لئے کہ) سے

کفر است در طریقت ما کینہ دشتن
 آئین ماست سینہ چو آئینہ دشتن (انفاس عیسیٰ ص ۱۱۱)

بعض اوقات کسی سے اتنا انتقام لینا جیسا کہ کسی سے کوئی رنج پہنچا ہو تو اتنا ماہر کہدینا کہ ہاں تمہاری اس حرکت سے مجھے رنج ہر ذرہ ہے اچھا ہے۔ اس سے دل صاف ہو جاتا ہے البتہ زیادہ پیچھے پڑنا نہ چاہئے۔ (کمالات اشرفیہ ص ۴۷)

جس شخص سے کینہ ہو اس کا تصور معاف کر کے اس سے میل جول شروع کریں گو یہ تکلف سہی۔ چند روز میں کینہ دل سے نکل جائے گا۔ (تعلیم الدین ص ۸۱)

حقیقتِ حسد

ارشاد: کسی شخص کی اچھی حالت کا ناگوار گزرنا اور یہ آرزو کرنا کہ یہ اچھی حالت اس کی زائل ہو جائے (یہ حسد ہے) اس کے تین درجے ہیں۔ ایک تو

کیفیت انسانیہ ہے جس میں انسان معذور ہے۔ ایک اس کے مقتضا پر عمل ہے۔ اس میں انسان بااثر (یعنی گنہگار) ہے ایک اس کے مقتضا کی مخالفت ہے، اس میں انسان باجور (یعنی ذاب پلنے والا) ہے۔ (انفاس عیسیٰ ص ۱۶۹)

حد کے باعث یا تو تکبر و غرور ہوتا ہے یا عداوت و خباثت نفس، کہ بلاوجہ خلافتِ کی نعمت میں بخل بھی کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ جس طرح میں کسی کو کچھ نہیں دیتا اسی طرح حق قائلے بھی دوسرے کو کچھ نہ دے، البتہ دوسرے کو نعمت میں دیکھ کر حرص کرنا اور چاہنا اس کے پاس بھی یہ نعمت رہے اور مجھے بھی ایسی نعمت حاصل ہو جائے غبطہ اور رشک کہلاتا ہے اور غبطہ شرعاً جائز ہے۔ (تبلیغ دین ص ۴۷)

طریق کار اور علاج

حد کا مقصد توبہ ہے کہ محسود (یعنی جس پر حد کیا جائے) اہکی عیب جوئی کریں اور غم و غم کے گھونٹ رات دن نہیں لہذا نفس پر حیر کریں اور قصد اس کے منشا کی مخالفت کر کے اس کی ضد پر عمل کریں۔ یعنی محسود کی تعریفیں بیان کریں، گو نفس کو ناگوار ہو گا زبان پر تو اختیار ہے اس کے ساتھ نیاز مندی کے ساتھ ملاقات و کلام کریں اور اس کے مز پر زبان سے رنج ظاہر کیا کریں۔ اس کے سامنے بھی اور دوسروں کے سامنے بھی، اور کبھی کبھی اس کو ہدیہ دیا کریں اس سے اعراض کو دل چاہے تو اس سے ملیں اگر وہ سامنے آجاتے فاس کی تعظیم کریں اس کو ابتداءً بالسلام کریں۔ (انفاس عیسیٰ ص ۱۶۹-۱۷۰)

اس کے ساتھ احسان، سلوک اور تواضع سے پیش آئیں۔ ان معاملات سے اس شخص کے قلب میں تمہاری محبت پیدا ہوگی۔ پھر وہ تم سے اس طور سے پیش آئے گا۔ اس سے تمہارے دل میں اس کی محبت پیدا ہوگی اور حد جاتا رہے گا۔ (تعلیم الدین ص ۱۷)

کبر اور حسد کا علاج

حالیہ: احقر قبل مغرب مصلے کے قریب بیٹھا تھا کہ ایک صاحب جو کہ یہاں مسجد بزرگ ہیں مسجد میں تشریف لائے، ان سے احقر کا کچھ تعارف نہیں ہے، انہوں نے ایک اور مولوی صاحب سے مصافحہ کیا اور بیٹھ گئے اس پر احقر کو یہ خیال ہوا کہ مجھ سے نہیں ملے اور ان صاحب سے ملے۔ فوراً ہی اس کے معنی سمجھ میں آئے کہ یہ حسد ہے، اس پر احقر نے نفس کو طاعت بھی کی مگر عرضیہ ہذا کا مضمون لکھتے وقت یہ بھی خیال ہوا کہ شاید یہ کبر ہو، چونکہ خود کو بڑا سمجھ کر یہ خیال ہوا کہ مجھ سے کیوں نہیں ملے جو واقعہ نفس پر گذرا تھا عرض کر دیا۔ اس پر حضرت والا ارشاد فرمائیں۔

تحقیق: احتیاطاً دونوں مرضوں کا علاج ضروری ہے۔ حسد کا اس طرح کہ عہد کے لئے ہر نماز کے بعد دعا کی جائے اور معاملات میں اس کی تعظیم کی جائے اور مجمع میں اس کی مدح کی جائے اور کبر کا علاج بھی اس میں شامل ہو گیا۔ (ماخوذ النور۔ شوال ۱۴۱۰ھ و تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۲۱)

حقیقت اسراف

بے ضرورت کوئی چیز خریدنا یا خرچ کرنا اسراف ہے (دعواتِ عبدیت ص ۱۲۳) اور اس کی حقیقت تجاوز عن الحد (یعنی حد ضرورت سے بڑھ جانا) ہے (کمالاتِ شریفہ ص ۲۴) اور ضرورت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک واقعی اور ایک فرضی۔ واقعی ضرورت وہ ہے جس کے بغیر دینی یا دنیوی کام رک جائے۔ یا اس میں سخت وقت یا پریشانی ہو یہ تو اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق مباح ہے اور بعض صورتوں میں ضروری بھی ہے، مگر اس کی تو انتہا ہو سکتی ہے اور فرضی ضرورت (جس کا دوسرا نام حرص ہے) اس

کوئی انتہا نہیں (اس کو پورا کرنے کے لئے) دنیا میں جو بھی رقم لی جائے گی متناہی ہوگی پھر متناہی لا متناہی کے برابر کیے ہو سکتی ہے (مطلب یہ کہ کبھی پوری نہیں ہو سکتی تو یہ) اسراف معیت ہے اور وبال اخروی تو آخرت میں ہوگا مگر دنیا میں بھی نتیجہ دیکھ لیجئے کہ خانہ کے فائدان اس کی بدولت تباہ ہو گئے۔ (وعظ میرٹھ ص ۱۸)

حقیقتِ نخل

نخل کا علاج

حالہ: احقر میں عرصہ سے ایک بات یہ ہے کہ کوئی چیز کھاتا ہوتا ہوں اس وقت اگر کوئی شخص آگیا تو اس خیال سے کہ اس کو بھی کھلانا پڑے گا بہت گرانی ہوتی ہے چنانچہ بلاتا بھی کم ہوں بعد میں بسا اوقات ایسے فعل سے بڑی ندامت ہوتی ہے معلوم نہیں کہ اس کا سنتا کیا ہے امید ہے کہ علاج سے مطلع فرمائیں گے۔

تختہ: جس چیز کا خرچ کرنا شرعیاً یا مردہ و تا ضروری ہو اس میں تنگدلی کرنا نخل ہے اس کے دور جے میں ایک خلاف مقضائے شریعت اور یہ معیت ہے۔ دوسرا خلاف مقضائے روت اور یہ معیت نہیں (لیکن خلاف اولیٰ ہے) فضیلت تو یہ ہے کہ یہ بھی نہ ہو اور تدریس کی ہے کہ اس مقضائے مخالفت کی جلے لیکن اگر ہمت نہ ہو تو کوئی ظکر کی بات نہیں اور اگر اوجہ استطاعت کے اس پر عمل کیا تو بعض کے نزدیک یہ بھی نخل ہے اس لئے کہ (کلمات لٹریچر)

جو ضرورتیں اتفاقیہ پیش آجائیں ان کو پورا کرنا بھی ضروری ہے حدیث میں آیا ہے کہ جس مال کے ذریعہ آدمی اپنی آبرو کو بچائے وہ حدتہ ہے۔ مثلاً کسی مالدار کو اندیشہ ہو کہ بیٹا (یا ڈوم وغیرہ) میری ہجو کرے گا اور اگر میں اس کو کچھ دیدوں تو اس کا منہ بند ہو جائے گا، اور باوجود اس علم کے اگر اس کو کچھ نہ دیا تو وہ شخص نخل سمجھا جائے گا کیونکہ اس نے اپنی آبرو محفوظ رکھنے کی تدبیر نہ کی اور بدگو کو بدگوئی کا موقع دیا۔ (تبلیغ دین ص ۵۵)

حقیقتِ حرص

توجہ اور میلان الی دنیا (یعنی) قلب کا مال وغیرہ کے ساتھ مشغول ہونا حرص ہے۔ اگر اس توجہ کو کسی دوسری طرف پھیر دیا جائے تو توجہ الی دنیا نہ رہے گی۔ پھر جس چیز کی طرف توجہ کو پھیرا جاوے اگر وہ طبعاً بھی محبوب ہو تو اس کی طرف توجہ اشد ہوگی اور اس سے توجہ الی دنیا کا ازالہ بھی قوی ہوگا۔ پس اپنی توجہ کو حق تعالیٰ کی طرف متوجہ کر دو، اور چونکہ حق تعالیٰ سے طبعی تعلق ہے، اس لئے یہ توجہ اشد و اکمل ہوگی تو جتنی توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہوگی اتنی ہی توجہ دنیا سے ہٹے گی۔ (کمالات اثرفیہ ص ۹۳)

حرص تمام بیماریوں کی جڑ ہے۔ یہ ایسا مرض ہے کہ اس کو امراض کثیرہ کہنا چاہئے کیونکہ اس کی وجہ سے جھگڑے فساد ہوتے ہیں۔ اسی کی وجہ سے مقدمہ بازیاں ہوتی ہیں۔ اگر لوگوں میں حرص مال نہ ہو تو کوئی کسی کا مال نہ دباتے۔ بدکاری کا منشا بھی لذت کی حرص ہے، اخلاق رذیلہ کی جڑ بھی یہی حرص ہے۔ کیونکہ عارفین کا قول ہے کہ تمام اخلاق رذیلہ کی اصل کبر ہے اور کبر ہوس جاہ ہی کا نام ہے۔ پس کبر کا منشا بھی یہی حرص ہوا۔ انسان کا طبعی خاصہ ہے کہ اگر اس کے پاس مال کے دو جھگڑ بھی ہوں جس میں سونا چاندی پانی کی طرح بہتے ہوں پھر بھی وہ تیسرے کا طالب ہوگا جتنا ہوں کو پورا کر دے اتنا ہی بڑھے گی۔ جیسے خارشِ ذالہ جتنا کھلاتا ہے خارشِ بڑھتی رہتی ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے **أَهْرِ لِلْإِنْسَانِ مَا قَمَعْتُمْ**۔ بھلا انسان کی ہر آرزو پوری ہو سکتی ہے (یعنی کبھی پوری نہیں ہو سکتی) یہی وجہ ہے کہ حرص کو کبھی راحت نہیں مل سکتی۔ اس کے ہوس کے پیٹ کو مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔

گفت چشم تنگ دنیا دار را

یا قناعت پر کند یا خاک گور (کمالات اثرفیہ ص ۹۵، ۸۰)

(کیونکہ) ایک آرزو ختم نہیں ہوتی دوسری شروع ہو جاتی ہے اور تقدیر پر راضی ہے نہیں تو

ہر کام میں یوں دل چاہتا ہے کہ یہ بھی ہو جائے اور وہ بھی ہو جائے اور سب امیدوں کا پورا پورا شوق ہے، اس لئے نتیجہ اس کا پریشانی ہی پریشانی ہے، گو ظاہر میں اولاد اور مال سب کچھ ہے مگر اندرونی حالت سب کی پریشانی ہے۔ (نجات کا طریقہ ص ۱۶)

طریق کار اور علاج

خرج کو گھٹائیں تاکہ زیادہ آمدنی کی فکر نہ ہو اور آئندہ کی فکر نہ کریں کہ کیا ہوگا اور یہ سوجیں کہ حریس و طامع ہمیشہ ذلیل و خوار رہتا ہے (یہاں حُجَّتِ دینا کا بیان بھی مطالعہ میں رکھیں انشا اللہ تعالیٰ مفید ہوگا) (تعلیم الدین ص ۸۲)

کسی کے پاس اچھی چیز دیکھ کر دل چاہنے کا علاج

حالیہ: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! گزارش ہے کہ احترام جیب بھی کوئی اچھی چیز کسی کے پاس دیکھتا ہے تو خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ اگر میرے پاس ہو تو اچھا ہوا اور اس سے یہ کام لوں پھر کوشش کرتا ہوں کہ وہ چیز مجھے کسی طرح سے حاصل ہو جائے اس شخص سے زائل کرنے کی نہیں چاہتا ہوں بلکہ صرف اپنے پاس رکھنا مقصود ہوتا ہے لہذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجھ میں حرص دینا ہے اگر یہ خیال صحیح ہو تو علاج ارشاد فرمایا جاوے تو عین عنایت ہوگی اور حضرت والا دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ اس ناکارہ کو اپنی مریضات پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں آمین ثم آمین

تھیوتے: مرض تو نہیں مگر مفضی الی المرض ہونے کا احتمال ہے، علاج اس کا یہ ہے کہ مجرد اس تمنائے یہ عزم کیا جاوے کہ اگر یہ چیز مجھ کو مل بھی گئی تو فوراً کسی کو مہیہ کر دوں گا خصوصاً اس شخص کو جس کے پاس ایسی چیز پہلے سے موجود ہے یا اگر اس سے بے تکلفی نہ ہوتی تو کسی دوسرے کو دیدوں گا اور اگر وہ چیز اتفاق سے اپنی ضرورت کی ہوتی تو اس کے دام مسکین کلاسے دوں گا جب تک ایسی تمنا زائل نہ ہوگی اس وقت تک ایسا ہی کروں گا۔ یہ تدبیر نافع ہوگی دعا بھی کرتا ہوں۔ (ماخوذ النور شعبان ۱۳۵۳ھ و تربیت السالک جلد دوم ص ۱۴۰)

اثرات النفس

حاصل: ایک بات دریافت طلب ہے کہ میں نے ایک درزی کی آنکھ کا علاج کیا اس نے ایک چھتری دینے کا وعدہ کیا لیکن ابھی اس نے نہیں دی تھی کہ میں نے بوجہ ضرورت ایک پرانی چھتری پر غلات چڑھالیا جس سے وہ مثل ٹٹی کی ہو گئی اور ایک دوسری پرانی چھتری پر پرانے غلات کی مرمت کر لی۔ اس کے بعد وہ مریض نئی چھتری نہایت خوبصورت لایا جانے اس کے دیکھتے ہی بہت خوشی ہوئی اور وہ چھتری لے لی یہ اثرات النفس ہے یا نہیں میں نے تو یہ بھی چاہا تھا کہ کسی کو دسے دوں۔

حقیقت: اثرات النفس انتظار یعنی احتمال کو نہیں کہتے بلکہ خاص اس انتظار کو جس کے یہ آثار ہوں کہ اگر تہ طے تو قلب میں کدورت ہوگی پر غصہ آئے اور اس درجہ کا اثرات بھی اہل توکل کے لئے مذموم ہے اور اہل حرفہ (پیشہ ور) کے لئے مذموم نہیں مثلاً طبیب کے لئے یہ نقص نہیں ہے۔ (بوادر النواذر)

بدگمانی کا علاج

حاصل: احقر کی یہ حالت ہے کہ بدگمانی کا مرض ایک مدت دراز سے قلب میں پرستہ، زرد راسی باتوں میں دوسرے بھائی بہنوں سے بدگمان ہوتا ہے۔ اپنی فہم ناقص کے موافق تدریجی کس مگر یہ مرض بعد نہیں ہوا اللہ علاج تجویز فرمائیے کہ یہ بدگمانی کا مرض خبیث دور ہو۔

حقیقت: جب ایسی بدگمانی قلب میں آجائے۔ اول علیحدہ بیٹھ کر یاد کرے کہ اللہ تعالیٰ نے بدگمانی سے منع فرمایا ہے تو یہ گناہ ہوا، اور گناہ پر عذاب کا اندیشہ ہے تو اے نفس حق تعالیٰ کے عذاب کو کیسے برداشت کر لگا یہ سوتھ کر توبہ کرے اور دعا بھی کرے کہ اے اللہ میرے دل کو صاف کر دے اور جس پر بدگمانی ہوئی ہے اس کے لئے بھی دعا کرے کہ اے اللہ اس کو دوزخ جہان کی نعمتیں عطا فرما۔ دن رات میں تین بار ایسا کرے اگر پھر بھی اثر ہے

دوسرے تیسرے دن بھی ایسا ہی کرے، اگر پھر بھی اثر رہے۔ اب اس شخص سے مل کر کہے کہ بلاوجہ مجھ کو تم پر بدگمانی ہو گئی تم معاف کر دو، اور میرے لئے دعا کرو کہ یہ دور ہو جائے۔ (ماخوذ تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۱۱۔ النور، مع الاول ۱۳۵۴ھ)

تصفیہ نفس و قلب

اخلاق نذیہ مثل ریاء، عجب، شہوت و غضب کے دفع کرنے کے دو درجے ہیں۔

۱۔ یہ کہ اپنے اختیار سے ان کا قصد کرے اور جو پیش آئے اس کو برا سمجھے اور اس کے نقصان کے موافق عمل کرے گو خطرات و سواوس کا بھوم رہے یا مانتیاری اور فرض ہے اور خطرات کا بھوم غیر اختیاری کچھ ضر نہیں۔
۲۔ یہ کہ ان اخلاق ذمہ کی بیخ دہن ہی کا اتصال ہو جائے یعنی نفس میں ان کا تقاضا اور میلان بھی نہ ہے اور یہ ایسے ہی مغفوض ہو جائیں جیسے گندگی مغفوض اور مکروہ ہوتی ہے سو اس کی تحصیل مستحب، اور موجب کمال ہے اور عادتاً مجاہدہ، ریاضت اور خلوت طریقہ پر موقوف ہے اور یہی دوم تہ ہے میں نماز میں حضور قلب کے، اول یہ کہ نماز یا کسی نیک عمل میں بطور مقصودیت کے کوئی غیر اللہ قلب میں حاضر نہ ہو یعنی عبادت سے مقصود کسی مخلوق کی رضایا اس سے مال و جاہ کا حاصل کرنا نہ ہو، بہ حضور قلب فرض ہے اور غیر اس کے نماز قبول نہیں ہوتی اور عذاب ریاء کا مستحق ہوتا ہے۔

دوسرا تہ یہ کہ نماز میں بجز اللہ تعالیٰ کے طلب کا التفات بطور تجمل بھی کسی جانب نہ ہو۔ پھر اس میں بھی دوم تہ ہے، ایک یہ کہ باختیار خود کسی غیر کا خیال طلب میں نہ لائے اس کا شعوع کہتے ہیں اور آیات و احادیث سے یہ امر بھی موکد معلوم ہوتا ہے گو درجہ فرض میں نہ ہو درجہ تہ یہ ہے کہ بلا قصد بھی کسی کا خیال نہ آئے یہ بغیر فائے نفس و قلب کے نصیب نہیں ہوتا اور اس کی تحصیل مستحب ہے (المتکشف)

حق تعالیٰ سے غافل کر نیوالی چیز سے نفرت ہو جانا محمود ہے

حدیث: عبداللہ بن ابی بکر سے روایت ہے کہ حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ایک باغ میں نماز پڑھ رہے تھے اتنے میں ایک لمبی (ایک پرندہ یا جھکی کبوتر) اڑا اور چاروں طرف پھرنے لگا نکلنے کا راستہ ڈھونڈتا تھا اور راستہ نہ ملتا تھا۔ ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ امر خوشنما معلوم ہوا کہ میرا بلخ ویسا گنجان ہے کہ پرندہ کو نکلنے میں تکلف ہوتا ہے اور تھوڑی دیر تک ان کی نگاہ اس کے ساتھ ساتھ رہی پھر اپنی نازکی طرف متوجہ ہو گئے تو دیکھتے کیا ہیں کہ یہ یاد نہیں رہا کہ کتنی نماز پڑھی۔ اپنے دل میں کہا کہ میرے اس مال کے سبب تو بچہ کو بڑا فتنہ پہنچا (کہ نماز میں قلب حاضر نہ رہا) پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کیا جو نماز میں ان کو پیش آیا تھا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ باغ فی سبیل اللہ جہاں چاہتے صرف فرمائیے۔ (رواہ مالک)

فص: مراقبہ قلب کی عادت صرف ان کے کرام کے اعمال میں سے ہے کہ ہر وقت قلب کی دیکھ بھال رکھتے ہیں کہ اس وقت کیا حالت ہے جب تغیر پاتے ہیں اس کی تلاقی کرتے ہیں۔ ان صحابی کے فعل سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کو جائز رکھنے سے اس کی محمودیت ظاہر ہے کیونکہ ان کا یہ امتیاز ہی مراقبہ کا اثر ہے کمالاً مخفی۔

فص: حق تعالیٰ سے غافل کرنے والی چیز سے نفرت ہو جانا یہ ایک حال محمود ہے جس کو غیرت کہتے ہیں۔ اس حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے۔

فص: اکثر بزرگوں کی حکایتیں مشہور ہیں کہ طالب کے قلب کو جس چیز سے زیادہ وابستہ دیکھا اس کے جو کر دینے کا حکم فرمایا۔ اس معالجہ کی اصل اس حدیث سے نکلتی ہے کہ ان صحابی نے یہ علاج تجویز کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برقرار رکھا جس کو اصطلاح میں تقریر کہتے ہیں۔ (التکشف)

اِحْبَاب

از

تَرْبِيَةُ السَّالِكِ

نافعیت تربیت السالک

حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے کتاب
تربیت السالک کے مقدمہ میں بطور خطبہ حسب ذیل مضمون ارقام فرمایا ہے

الابعد - الْحَمْدُ لِلَّهِ وَالصَّلَاةُ فَقَدْ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَلَكِنْ كُونُوا
رَبَانِيَيْنَ الْآيَةِ وَهُوَ الَّذِي يَرَى النَّاسَ بِصِفَارِ
الْعُلُومِ قَبْلَ كِبَارِهَا كَمَا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

آیت بنا بر تفسیر مذکور تربیت دینیہ کو بلحاظ استعداد و امور بہ بتلا رہی ہے جس کے مختلف
و متعدد شعبوں میں ایک خاص قسم تربیت کی علما و علماء قریب قریب مفقود ہو رہی ہے اور
وہ تربیت باطن کی ہے۔ باعتبار مقامات و احوال و افعال و آثار و واردات و خطرات
کے اور تجربہ ہے کہ بدون اس تربیت خاص کے اصلاح باطن کی نہیں ہوتی اور جس کو
بدون اس کے اصلاح سمجھا جاتا ہے وہ خود حالت غیر مقصود ہے اور اس غلطی میں بکثرت
مستفیدین و مفیدین مبتلا ہیں۔

الحمد لله والمنته کہ شیخین جلیلین حضرت مولانا و مرشدنا الحافظ الحاج الشاہ
محمد ابرار اللہ صاحب تھانوی ثم الملکی اور ان کے خلیفہ اعظم حضرت مولانا و ہادینا
الحافظ الحاج رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سترہا و علم برہما کی خدمات
بایزکات کی حاضری و کثرت لزوم کی بدولت اس تربیت کے اصول صحیح جو کوئی
ہوش تک پہنچے وہ اپنے لئے بھی اور دوسرے طالبین کے لئے بھی غلطیوں سے
نکلنے والے اور تشریش و کلفت سے بچانے والے اور امر حق تک پہنچانے والے
اور شفا و جمعیت کے بخشنے والے ثابت ہوئے اس لئے اپنا بھی دل چاہا اور بعض

اکارم اجاب نے بھی تحریک فرمائی کہ اس قسم کے جو خطوط آیا کریں اور ان کے جواب جایا کریں اگر وہ نقل کر لئے جایا کریں اور جب کچھ معتد بہ حصہ ہو جایا کرے وقتاً فوقتاً شائع کر دیتے جایا کریں تو مستثنیٰ یہ کے لئے ایک نہایت بکار آمد دستور العمل تیار ہو جائے، چنانچہ سوال ۳۲۹ سے اس کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اللہ تعالیٰ سے دعائے تام کرتا ہوں اور اس کا نام تربیت السالک رکھتا ہوں۔ اور ان مضامین میں بعضے سوال و جواب کی شکل میں ہیں۔ اس کی علامت مس اور ج ہے، اور بعضے جو اپنے حال کی اطلاع دیتے ہیں اور اس پر رائے ظاہر کی جاتی ہے اس کو بلفظ حالہ و تحقیق لکھا گیا ہے اور گویہ مضامین دقیق اور لذیذ نہیں ہیں مگر نسخہ طلبتہ میں نہ غموض ہوتا ہے اور نہ کسی کو اس پر وجد ہوتا ہے۔ ایسے مضامین غامضہ علمی کی امداد الفتاویٰ میں نقل ہونے کا التزام کیا گیا ہے،

تربیت السالک کے جوابات کا اہامی ہونا

ایک بار جب تربیت السالک کے منتخب مضامین بغرض اصلاح حضرت کے سامنے پیش کئے جا رہے تھے تو نہ صرف حاضرین مجلس بلکہ خود حضرت والا بھی متاثر ہو جاتے اور بے اختیار فرماتے کہ بھلا یہ مضامین میں اپنی معلومات سے لکھ سکتا تھا بزرگ نہیں یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ طالبین کی اصلاح کے لئے میرے قلم سے بوقت ضرورت ایسے مضامین نافعہ لکھوادیئے چنانچہ اس وقت جب میں سوالات کو سنتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ ان کا جواب کیا ہونا چاہئے تو بالکل سمجھ میں نہیں آتا اور ہر سوال کو من کر تجیر ہوتا ہے کہ ایسے مشکل سوال کا کیا جواب دیا ہوگا اور جب جواب سنتا ہوں تو تعجب ہوتا ہے کہ کیا یہ میرا ہی لکھا ہوا جواب ہے کیونکہ ایسے جوابات واقعی میری معلومات سے کہیں زیادہ بالاتر ہیں۔ اگر جوابات میری معلومات کا نتیجہ ہوتے تو میری معلومات تو اس وقت بھی وہی ہیں اس وقت

کیوں جوابات ذہن میں نہیں آتے اس سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی تائید تھی ورنہ میری کیا حقیقت ہے کہ میں ایسے جوابات لکھ سکوں۔

یہ بھی تمدنِ نابالغہ (انہ کہ فخرًا) ارشاد فرمایا کہ اگر انہیں سوالات کو دوسرے اہل طریق کی خدمت میں پیش کر کے جوابات حاصل کئے جائیں تب ان جوابات کی قدر ہو اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ فن کے تمام ضروری مسائل کی تحقیق و تدوین کئی صدی تک کے لئے ہو گئی ہے اور ایسی تعمیر کے ساتھ کئی صدی سے نہ ہوئی تھی یہ سب محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ اور بڑے میاں (یعنی حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کی برکت ہے (ترتیب اساتذہ الاول)

منتخب مضامین

طریق الوصول الى الله بعد الفاسد الخلاق

سوالہ: حضور مولانا و مرشدنا مولوی محمد اشرف علی صاحب قبلہ دام برکاتہم السلام علیکم۔ بحمد اللہ بخیریت ہوں اور صحتوری ذات والادام دیدگاہ خدا سے مستعدی۔ حضور و اولادِ جبرئیل کہ سرانجام باچہ خواہد بود۔ اس مرتبہ بعد علالت کیفیت یہ ہو گئی ہے کہ جب دو تین روز جسم کرناز تہجد و روزانہ تسبیح کا مشغل کرتا ہوں طبیعت خراب ہو جاتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر مشغل مذکور چھوٹ جاتا ہے، رمضان شریف میں ہر چند چاہا کہ حسب معمول ورد و وظائف کو شروع کروں لیکن وہی حالت پیش آئی جو عرض کر چکا ہوں۔ اخیر عشرہ رمضان میں نہایت مستعدی سے چاہا کہ ۲۱ ماہ مذکور سے اعتکاف کروں اور تلافی مافات کروں لیکن ۲۰ ماہ مذکور سے طبیعت خراب ہوئی اور ۹ شوال تک اس علالت کا سلسلہ رہا۔ ۹ شوال سے پھر نماز تہجد کو اٹھا تین روز تک محنت کی تھی کہ کل ۱۱ شوال کو پھر حرارت پیدا ہو گئی معلوم نہیں کہ کیا منظور خدا ہے، تعلقات دنیوی سے قطع کر کے چاہا تھا کہ اللہ اللہ کروں لیکن میری بد قسمتی

پہی کیے نہیں دیتی۔ ان واقعات سے طبیعت ایسی متوحش اور پریشان ہے کہ کیا عرض کروں
 وہی مثل ہوئی کہ نہ اُدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے، آج طبیعت کو بے حد قلق اور افسوس
 ہوا ہذا خدمت بابرکت میں عرض کیا گیا۔ اگرچہ شکایت تنفس تابعدار کمرہ سے ہے۔ لیکن باوجود
 اس شکایت کے اور ادو کلائف کو انجام دیتا تھا۔ دوسرے آواز اس قدر لپٹ ہو گئی ہے
 کہ ذکر چہ نہیں کر سکتا۔ البتہ ایسی آواز سے کہ خود سن سکوں، جب افامہ ہوتا ہے کرتا ہوں، اور
 حالت نادرستی طبیعت کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ باقی خیریت ہے اور حالت بدستور ہے۔

جواب: مخدومی السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ بزرگان دین کا ارشاد ہے طریق الوصول اللہ
 بعد انفا س الخلاق یعنی جس قدر مخلوقات کے مانس ہیں خدا تعالیٰ تک پہنچنے کے اتنے
 ہارتے ہیں اور اصل مقصود وصول الی اللہ ہے یعنی ضعف نسبت مع الخلق وقوت نسبت
 مع الخالق خواہ کسی طریق سے ہو پس جس طرح اور ادو نوافل کی کثرت اس کا ایک
 رستہ ہے اسی طرح مرض اور حزن و القباض اور ضیق قلب و تاسف و ندامت و
 غلت و انکسار بھی ایک رستہ بلکہ اقرب رستہ ہے پس حالت مرقومہ خط سامی میں گونفسانی
 اور جسمانی کلفت و صعوبت ہے لیکن روحانی ترقی و نفع ہے بالکل مطمئن رہئے اور جس
 قدر ہو سکے اور جس طرح ہو سکے کر لیا کیجئے اور نہ ہو سکے نہ کیا کیجئے۔

در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست

بر صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

البتہ نفس یوں چاہتا ہے کہ مجھ کو ذکر و مشغل کا ثمرہ عاجل دنیا میں مل جاوے، سو یہ خطائے
 عظیم ہے۔ اصل موقع مشاہدہ ثمرہ کا آخرت ہے جس نے یہ نکتہ پختہ کر لیا اس کو رضا و تقویٰ
 کی عطاوات نصیب ہوئی اور جو اس نکتہ سے غافل ہے عمر بھر مشوش رہے گا۔ مخدوم ماجو کچھ
 میں نے لکھا ہے گو مختصر ہے مگر نہایت جامع اور تجربہ کی بات ہے آپ شک نہ لائیے والسلام

(انوار التکشف ص ۲۵)

قَوْلٌ مِّنْ عَرَفَ نَفْسَهُ كِي شَرْحِ

حالیہ: براہ کرم آگاہ فرمایا جاوے کہ حدیث شریف مِّنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ میں کس طرح پہچاننا اپنے نفس کا وارو ہے کہ جس سے پہچان رب کی حاصل ہو جاتی ہو۔ اس شناخت نفس کا کیا طریقہ ہے اور حصول شناخت و معرفت خدا تعلق سے کیا مراد ہے؟

تحقیق: اول تو اس کے حدیث ہونے میں کلام ہے ثانیاً اس میں معرفت رب کے طرق میں سے ایک طریق کی تعلیم ہے اور اس کے علاوہ اور طرق بھی ہیں غرض معرفت مقصود اس طریق پر موقوف نہیں پس اس حدیث کی تحقیق حصول مقصود کی شرط نہیں بلکہ محض حل مراد مقصود ہوگا جو مشابہ ہے مقالات کی تحقیق کے جس کے متعلق میں پہلے مشورہ دے چکا ہوں کہ غیر ضروری ہے مقصود تربیت میں محض حالات کی اطلاع اور معالجہ کا استفادہ ہے۔ معلم جس طریق سے چاہے معالجہ کرے سو معرفت مقصود وہی ہے جس کا اشارے نے حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کمال کا عقیدہ رکھو اور ان کے تصرفات کا استحضار رکھو یہ تصرفات تمام مخلوقات میں ہیں جن میں انسان کے اندر تصرفات زیادہ عجیب ہیں پھر ان میں بھی اپنے نفس کے اندر تصرفات زیادہ مستحضر مشاہدہ ہو سکتے ہیں اس بناء پر نفس کی تخصیص کر دی گئی ورنہ نفس مقصود نہیں صرف تصرفات کا استحضار برابر ہے اسی لئے تفکر کا محل قرآن مجید میں اَلنَّفْسُ اور اَفَاقِ دُونوں کو فرمایا ہے۔ فی قولہ تَعَالَىٰ سَبِّحْهُمْ اٰیَاتِنَا فِي الْاَفَاقِ وَفِي اَنْفُسِهِمْ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۲۵)

تصور حق خود مقصود نہیں ذریعہ مقصود،

حالیہ: تصورات حق کے بعد خشیت اور اتمام طاعات کا نہ ہونا جو عرض کیا تھا اس پر

حضرت والا کا ارشاد کہ تصور خود مقاصد سے ہے اور خوف و خشیت اس کے مقدمات ہیں۔
 مقصود کے بعد اس کے مقدمات سے مستغنی ہونا چاہئے۔ قلت فہم کے باعث سمجھ میں نہیں آیا
 صحیح یہی ہے جو حضرت کا ارشاد ہے مگر فہم ناقص اب تک یہ سمجھا تھا کہ رضا ہی مقصود ہے جو
 نضر ہے طاعات اور اس کے اہتمام میں اور تصور مقدمہ ہے، خوف و خشیت کا جس کے بعد تمام
 طاعات بيسر ہوتا ہے اور اسی پر نتیجہ رضا مرتب ہو جاتا ہے۔ بار خاطر والانہ ہو تو کچھ توضیح
 زیادہں اگر ضرورت بھی خیال فرمادیں درنہ بہتر۔

تحقیق: معلوم ہوتا ہے میری پوری عبارت پر غور نہیں کیا گیا۔ میں نے یہ نہیں لکھا کہ
 تصور خود مقاصد سے ہے میری عبارت یہ ہے کہ خوف و خشیت و اہتمام بدرجہ خاص خود
 مقدمات انہیں مقاصد کے ہیں جن کو میں نے دولت سے تعبیر کیا ہے اور اوپر گزشتہ
 عبارت میں جس کو دولت کہا ہے وہ مجموعہ ہے ان چیزوں کا فرائض و واجبات و موکرات
 کا التزام قیام مسجد، درود شریف، تصور ذات حق جس کا حاصل مامورات کا ذکر وہ
 اعمال و طاعات و ذکر و فکر کا مجموعہ ہے، التزام ہے اور ان کا مقصود ہونا ظاہر ہے۔
 اور خوف و خشیت اور رضیات کے اہتمام کو جو ان کا مقدمہ کہا گیا ان کا مطلق درجہ نہیں بلکہ
 وہ درجہ جو آپ کے ذہن میں ہے یعنی درجہ غلبہ طبعی، اس لئے میں نے اس میں خاص کی قید لگانا
 ہے اور یہ ثابت ہے کہ خوف و خشیت طبعی یا اہتمام طبعی یعنی داعیہ طبعیہ یہ مامور بہا نہیں
 ہیں کہ محمود ہیں اور اگر حاصل ہو جائیں تو ان سے اعانت ہوتی ہے مامورات ہیں۔ باقی
 خوف و خشیت عقلی و اہتمام ارادی یہ خود مامور بہ ہیں اور آپ کو حاصل ہے، اس کے فقدان
 کے آپ بھی شاکل نہیں ان کو مقدمہ نہیں کہا گیا۔ باقی ان کا مقصود ہونا مقصودیت رضا کے
 منافی نہیں۔ رضا مقصود المقصود ہے اور یہ چیزیں اپنے مقدمات کے اعتبار سے مقصود
 ہیں۔ اگر اب بھی خلجان ہوئے تکلف لکھ دیا جائے۔ (ماخوذ تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۱۶ تا

حضور کی شدتِ سکرات کا راز

حالیہ: ایک روز شبہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سکراتِ موت کی زیادہ تکلیف کیوں پہنچی اور آپ کو بخار کی شدت دو گونہ کیوں ہو کر تھی جی جی حضرت والا کے مواعظ سے ایک دو وجہ معلوم ہو کر تسلی ہوئی پھر خود بخود دل میں یہ بات آگئی، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افضل الرسل و خاتم الانبیاء ہیں اس لئے آپ کے مقامات بھی خاتم المقامات ہیں شدتِ بخار اور شدتِ سکراتِ موت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ صبر کی اکمیت اور ترقی حق تعالیٰ کو منظور ہوگی اس بات کے سمجھ میں آنے سے دل میں سرورِ ساحسوس ہو رہا ہے معلوم نہیں کہ یہ مفہوم کیسا ہے۔

تھیٹھو: شدتِ وعک کی حکمت تضاعفِ اجر یہ تو خود حدیث میں مخصوص ہے اس پر شدتِ سکرات کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔ آپ کی لکھی ہوئی توجیہ اور یہ حکمت مفہوم یا مقیاس علی مخصوص متقارب ہیں اور اس مقیاس میں ایک اور احتمال بھی ہے مگر وہ حکمت نہیں علت ہے، اور وہ علت شدتِ وعک کی بھی ہو سکتی ہے اور حکمت و علت میں کچھ تناقی نہیں دونوں صدق ہیں اور مجتمع ہو سکتی ہیں کیونکہ علت وجود میں متقدم ہوتی ہے اور حکمت متاخر پس اپنے اپنے زمانے میں دونوں موجود ہو سکتی ہیں وہ علت قوت مزاج و شدتِ تعلق بالامتہ ہے قوت مزاج میں حرارت نیز ہوگی اور شدتِ تعلق بالامتہ سے روح کے تعلق کا انفکاک شدید ہو گیا۔ واللہ اعلم (ترتیباً لکھا)

(حصہ دوم ص ۲۸۳)

عدم ایمان کی حقیقت

حالیہ: میں تو حضرت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب بالکل ہی ڈوب رہا ہوں، اور

بگیری کا سخت محتاج ہوں کبھی کبھی اپنے ایمان میں شک تو ہوتا ہی رہتا تھا لیکن اب تو بار بار با
 سلام ایمان کا یقین ہونے لگتا ہے اور کوئی تاویل بن نہیں آتی خصوصاً ایمان بالآخرت
 کے عذاب و ثواب کی فکر نہیں معلوم ہوتی نہ جنت و جہنم کی ترغیبات و ترہیبیات کا دل پر
 مطلق کوئی اثر محسوس ہوتا ہے۔ پھر آخر یہ کس قسم کا ایمان ہے البتہ ایک بات سمجھ میں نہیں آتی
 تھی کہ پھر احکام یا اوامر و نواہی کا آخر کیوں خیال رہتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں ایمان و یقین سے خالی ایک منافقانہ دینداری ہے اور اکثر
 اپنے نفاق کا وہم نہیں بلکہ یقین ہوتا رہتا ہے یا زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ
 آخرت کا خیال ایک احتمال عقل کے درجہ میں ہے اور جو کچھ کرتا ہوں وہ احتمال ضرر کی
 بنا پر نہ کہ یقین آخرت کی بنا پر البتہ اتنا ضرور ہے کہ اپنی اس حالت کو پسند نہیں کرتا ہوں۔
 اور دل بھی چاہتا ہے کہ کسی طرح کامل ایمان داخل حاصل ہوتا اور روزانہ اس کی
 دعا بھی کرتا رہتا ہوں لیکن خواہش و دعا واقعہ تو پھر حال نہیں۔۔۔ حضرت اپنے
 ظاہر و باطن دین و دنیا سب کی ہر طرف سے یا اسی ہی یا اسی نظر آتی ہے۔

جواب: خطر ہی میں جواب موجود ہے مگر غور نہیں فرمایا گیا وہ جواب خط کشیدہ
 عبارت میں مصرح ہے (یعنی البتہ اتنا ضرور ہے کہ اپنی اس حالت کو پسند نہیں کرتا
 ہوں کیونکہ کوئی شخص جو واقعاً خالی عن الایمان ہو اس خلوع عن الایمان کو ناپسند نہیں
 کرتا بلکہ اقصاف بالایمان کو ناپسند کرتا ہے اور متبعین بالایمان سے عداوت رکھتا
 ہے پس یہ ہی کافی دلیل ہے۔ (تجدید تصوف و سلوک)

فرق دعویٰ و کلمات بالنعمة

سوال: زید کہتا ہے کہ انا خیر منہ مطلقاً تکبر نہیں نمازی کو اس نیت سے
 اپنے کو بہتر سمجھنا اور بے نمازی پر ترجیح دینا کہ یہ نماز کی توفیق نعمت خداوندی ہے جو مجھے

دی گئی ہے اور اس شخص سے روکی گئی ہے مبنیٰ تو کیا ہو محمود بلکہ مقصود و مامور ہے
 غرض کسی نعمت کو ان اللہ سمجھ کر اپنے کو اس شخص سے بہتر سمجھنا جو اس نعمت سے محروم ہے تکبر نہیں
 البتہ اس سے قطع نظر کر کے یا نماز کو اپنا فعل ذاتی اور کار گزار ہی سمجھ کر دوسرے سے بہتر سمجھنا
 تکبر ہے بلکہ دوسرے کی جانب نسبت یہی ہو مذموم و منہی عنہ ہے جس کا نام عجیب و خود ستائی
 ہے یہ صحیح ہے یا غلط۔

جو اسے - زید نے جو تفصیل کی ہے صحیح ہے بلکہ جبکہ صرف مرتبہ عنوان میں نہ ہو بلکہ
 معنون کا مرتبہ بھی اس کو حاصل ہو جس میں اکثر دھوکا ہو جاتا ہے یا مخصوص مبتدیلوں کو اس
 کی باطنی پہچان جو وجدان سے معلوم ہو سکتی ہے یہ ہے کہ اگر قلب میں اپنے دوسرے
 عیوب سے ذہول اور خود اس کمال کے زوال سے بے فکر ہے اور دوسرے کے کمالات
 سے بھی ذہول اور اس میں اس کمال کے پیدا ہوجانے سے بے التفاتی اور اپنے اس طائر
 کے عدم قبول کے احتمال سے اور اس کی معصیت کے خوف احتمال سے بے فکری ہو تو مرتبہ
 معنون کا حاصل نہیں ہے اور اگر سب امور پیش نظر ہوں اور رزاں ترساں ہو تو معنون
 حاصل ہے فقط والسلام۔ (ماخوذ انکشاف ص ۳۲-۳۳)

ایمان کے معنی پر شبہ کا ازالہ

حالیہ: حضرت ایمان کے معنی یہ سمجھ میں آتے ہیں کہ جو شے خود اپنے علم و مشاہدے
 میں براہ راست نہیں آتی اس میں دوسرے کے علم کی تصدیق یا اس کے بیان پر اعتبار کر کے
 مان لینا۔ اللہ تعالیٰ۔ ملائکہ کتاب (کلام اللہ) رسالت۔ قیامت سب سے قبیل کی غیبی باتیں
 ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کی بنا پر مانا جاسکتا ہے بلکہ اَمَّنَ الرَّسُولُ
 سَمَّا نُزِّلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کو کبھی جبرئیل علیہ السلام یا (کوہ) بلور کی طرح کسی کی آواز وغیرہ کا اعتبار کر کے ایمان

یہی مانا جاتا ہے۔ بظاہر ایسے ایمانی علم سے صدق و کذب کا عقلی احتمال تو مرتفع ہوتا نہیں
اب اگر کسی مومن کے دل میں اس قسم کا احتمال بطور وسوسہ کبھی کبھی خطور کرے تو کیا یہ اس کے
ایمان کے منافی ہو گا یا مذہب میں والاتفاق ہو گا یا محض ضعف ایمان؟

تھیں: نہ ایمان کے منافی ہے نہ تہذیب ہے نہ نفاق ہے نہ ضعف ایمان جبکہ
احتمال کذب کو جزو ابطال سمجھا جاوے بلکہ بروئے حدیث صریح الایمان ہے اور قواعد طریقی
سے منوجہ ایسے اعتقاد سے اجر میں زیادہ ہے جو ایسے خطرات سے خالی ہے کیونکہ اس میں
جاہدہ نہیں جو دوسری وجہ سے وہ افضل ہے کہ اقرب الی المقصود ہے کیونکہ مجاہدے
سے خود مقصود مشاہدہ ہے اور زیادت اجر اور زیادت فضیلت میں کسی جانب سے لزوم نہیں

كَمَا فِي جَمْعِ الْفَوَائِدِ عَنْ إِبْنِ دَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيِّ قَوْلُهُ عَلَيْهِ

السَّلَامُ لِلْعَامِلِ فِيهِمْ (فِي أَيَّامِ الْفِتَنِ) مِثْلُ
أَجْرِ خَمْسِينَ رَجُلًا يَعْمَلُونَ مِثْلَ عَمَلِكُمْ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ
أَجْرُ خَمْسِينَ مِثْلًا أَوْ مِثْلُهُمْ قَالَ أَجْرُ خَمْسِينَ مِنْكُمْ الْحَدِيثُ
قُلْتُ فَالْقَسَابَةُ أَفْضَلُ وَالْعَامِلُ فِي الْفِتْنَةِ أَكْثَرُ أَجْرًا

بہر حال جس کو جو عطا ہو جائے اس کے لئے وہی اصلح ہے اس کو نعمت سمجھ کر اس پر شکر
کیا جائے۔ (ماخذ التہجد جلدی الثانی ۱۳۵۳ھ، ترمذی السائل جلد دوم ص ۲۹۶)

نجات اعمال پر ہے ایمان پر نہیں اس کا جواب

حالیہ: احقر کچھ عرصے سے ایک خلیجان میں پڑ گیا ہے اس کا دفعیہ کسی طرح نہیں
ہوتا۔ لاچار بندگان والا کے حضور میں پیش کر کے دفعیہ چاہتا ہے اور اس خیال سے
کہ حضرت والا کا وقت خراب نہ ہو بہت اختصار کے ساتھ عرض کیا جائے گا۔ وہ خلیجان
ہے کہ میں نے بار بار بروقت تلاوت قرآن پاک غور کیا کہ نجات آخر وہی یادہ فضائل

جو مسلمانوں کے لئے موعود ہیں یا رضائے باری تعالیٰ، ایک ہی مضمون کو جس عنوان سے بھی تعبیر کیا جائے اس کے لئے قرآن میں ہر جگہ وَعَمَلُوا الصَّالِحَاتِ کی قید ضرور لگی ہوئی ہے کہیں اس کو تقویٰ سے تعبیر کیا گیا ہے اور کہیں دیگر عنوانات سے مگر صرف ایمان پر وعدہ کچھ بھی نہیں۔ جیسے

الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ (پس) اور ذَالِكَ لِمَنْ
 حَسْبِيَ رَبِّيْهِ اور وَلَا يُلْقَاهَا اِلَّا الصَّابِرُونَ
 (اس کو طول دینا حضرت والا کا وقت ضائع کرنا ہے۔)
 اس سے آگے اپنا خُلُوعِنِ الْاَعْمَالِ الصَّالِحَةِ تحریر کر کے
 قلع شدید ظاہر کیا ہے۔ اسی لئے یہ مضمون تربیت السالک میں درج

کیا گیا اور جواب ذیل علی تقدیر تسلیم الخط ہے۔

تختہ: اَللّٰهُ وَاٰلِىَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِيْنَ كُوْنِ سِىْ قِيْدِىْ، اور
 فَاٰخِرُوْنَ اَعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا
 وَاٰخِرَسَيِّئًا، عَسَىٰ اَللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ، ہا میں بعض اعمال
 کی کمی پر بھی کیا وعدہ ہے اور ثُمَّ اُوْرثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ
 اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا (الٰی قولہ) وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
 لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ (میں) الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا كِىْ نَصِيْبَ

کس اعتبار سے ہے اور جنات کا وعدہ کس لئے ہے وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَس لُئِ
 ہے اور وان زفىٰ دان سرق کی کس عموم پر دلالت ہے۔ اس وقت تنبیح کی
 فرصت نہیں اس لئے فی الحال اس پر اکتفا کیا گیا۔ (ماخوذ تربیت السالک حصہ دوم)

غیر مومن ہونے کا شبہ

حالیہ: اب تک حضور والا غفلت و انہماک فی الدنیا بہت تھا اب روز بروز نشہ غفلت کم ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فی الحقیقت نہ میں مومن ہوں نہ مسلم ہوں نہ مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہے نہ واسطہ میرا ایمان اور اسلام محض ایک رسم اور اتفاق ہے۔ قیل و قال اور ایک فرضی خیال اور دھوکہ ہے بلکہ حالاً دیکھا جانے تو مجھ میں اور ایک دہریہ میں کچھ فرق نہیں۔

تختہ:۔ مریض کو اپنی صحت و مرض کی کیا تشخیص۔ یہ کام طبیب کا ہے اور مریض کا کام صرف اعتماد علی الطبیب ہے اگر میں طبیب ہوں تو تشخیص کر کے کہتا ہوں کہ یہ سب علامات ہیں ایمان کامل کی۔ مگر مع البیتہ جو ایک رفیع حالت ہے اور صحابہ میں بعض کی یہی حالت تھی ان کی مشابہت مبارک ہو اور ایسے شخص کا خاتمہ بفضلہ تعالیٰ مع الایمان ہو کر آتا ہے۔ اس کے بعد آپ دیکھیں گے کہ ان کیفیات پر جو کہ مصائب کی اعظم افراد ہیں اتنا ملے گا کہ آپ تمنا کریں گے کہ کاش ان کیفیات میں اور اشتداد ہوتا۔ (تربیت السالک جلد دوم)

(ص ۳۹۹)

اتباع سنت نعمتِ عظمیٰ ہے

حالیہ: یہ ہے کہ احوال و کیفیات و اشارات و نکات و لطائف مشہورہ تصوف میرے نزدیک اس سے بہت ہی کم مرتبہ میں معلوم ہوتے ہیں کہ ایک قدم جناب رسالت اب آفتاب رسالت و معدن نبوت کی متابعت میں چلا جاوے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام انوار و کیفیات اور تمام علوم کا وجود آفتاب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا طفیلی ہے۔ اگر آفتاب رسالت کی شعاعیں نہ ہوتیں تو یہ تمام انوار و علوم تبدیل بہ ظلمت ہوتے مشکوٰۃ نبوت

کے فیضان کو چھوڑ کر دوسرے علوم وغیرہ کی طرف متوجہ ہونا عین ضعی (روشنی) میں آفتاب کو چھوڑ کر سہا کو تلاش کرنا ہے۔ والعم ما قال

مصطفیٰ اندر جہاں انگہ کے گوید ز عقل

آفتاب اندر جہاں انگہ کے گوید سہا

یہ معلوم ہوتا ہے کہ طریق سنت کبریتِ احمد ہے لیکن زمانے میں طریق غیر سنت اہلِ قلم کا قالب ہو گیا ہے کہ متبع سنت نینہ بہ غلبہ حال پکارا اٹھتا ہے :

روئے زمین ز تار یکی مست کرانِ عشق

محتاج شست و شوی دگر شد کجاست نوح

عجب العجائب یہ ہے کہ متبع سنت کو کافر کہا جاتا ہے لیکن وہ بزبانِ حال کہتا ہے :

کافران رہ عشقیم اگر انصاف است

صد مسلمان تو اے خواجہ دیک کافر ما

لیکن باوجود اس حالت کے میں اپنے آپ میں اعمال سنت کی بہت کمی پاتا ہوں

ظلمت منة من احياء الظلام الى

ان اشتكت قد ماہ العز من ورم

ببيت يجافي جنبه عن فراشه

اذا اتشقلت بالمشركين المضاجع

البتہ اس بات کی تسلی ہے کہ حضورِ روحی قدّارہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ضعفائے امت پر

ترحم ہے

دلا خوش باش کان محبوب جاں را

بدر ویشان و مسکیناں سرے ہست

تختہ: ماشا اللہ نعمت عظمیٰ و غنیمت کبریٰ ہے اللہم احينا عليه

دامتنا علیہ واحشرنا علیہ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۴۰۶)

اتباع سنت سب مصلح پر غالب ہے

حالیہ: خادم پیشتر بوقت تہجد آٹھ رکعت پڑھتا تھا اور ہر رکعت میں مختلف سوئی پڑھتا تھا عرصہ ہوا کہ ایک روز خادم کتاب مبارک ضیاء القلوب مصنفہ جناب حضرت داتا صاحب قدس سرہ کا مطالعہ کر رہا تھا کتاب موصوف میں لکھا دیکھا کہ تہجد کے وقت بارہ رکعت پڑھے اور ہر رکعت میں سورہ اخلاص تین تین بار پڑھے اس روز سے یہ تقاضائے قلب اس پر عمل ہے اگر یہ عمل میرے مخدوم حضور قدس کی رائے عالی و طریقہ تعلیم کے خلاف ہو تو ارشاد فرمائیں۔

حقیقت: مشائخ نے یہ طریقہ ان پڑھ لوگوں کیلئے تجویز فرمایا ہے ورنہ نفل بجز ہواقت سنت لے ہی ہے کہ کوئی سورت معین نہ کریں اور ظاہر ہے کہ اتباع سنت کو سب مصلحتوں پر ترجیح ہے۔
(تربیت السالک حصہ ششم رابع اول ص ۵۷)

صدرا اعمال کے وقت ایک قسم کی نورانیت محسوس ہونا نعمت عظمیٰ ہے

حالیہ: چار روز سے یہ حالت نئی پیدا ہوئی کہ گاہ بگاہ بلا قصد رحمت حق کا استحضار قلب پر ہوتا ہے اس استحضار رحمت حق سے قلب کے اندر بوقت صدور اعمال ایک خاص قسم کی نورانیت محسوس ہوتی ہے جو کبھی اس سے قبل محسوس نہ ہوئی تھی مگر اعمال کی ادائیگی کے وقت کسی وقت کسل یا کم ہمتی ہوتی ہے تو جیسے پہلے حضرت حق کی عظمت و ہیبت کا استحضار ہو کر عمل میں سہولت پیدا ہو جاتی تھی اب اس حالت میں بہت ہی کمی پیدا ہو چکی ہے اور اس حالت میں بھی کمی پاتا ہوں کہ نفس اس عمل کو عطا ئے حق سمجھ کر ادا کرنے کو رغبت سمجھتا تھا اب ابھر حضرت والا کی دعا کی برکت سے قوت میں ہمت سے کام لیتا ہے اور اس قوت و ہمت کو بھی عطا ئے حق ہی

بگھٹتا ہے۔ یہ میرا بھنا کیا ہے اور یہ میری کیا حالت ہے اگر یہ میری حالت قابل اصلاح ہے تو لہذا حضرت والا میری دستگیری فرماتے ہوئے جو تندریر یا علاج ہو مشرف فرمائیں۔
 تھتھتھتھ: حق تعالیٰ کی نعمتوں سے جو مجھ پر ہیں جتنا مسرور ہوتا ہوں اتنا ہی دوستوں پر جو نعمتیں ہیں ان پر بھی۔ الحمد للہ الحمد للہ۔ یہ حالات سب نعمتیں ہیں اور عظیم نعمتیں اللہم زد و شتر زد۔ اخیر میں جس تغیر کا بیان کیا ہے تو جیسے موسم کے تغیرات ایک تندرست آدمی کے لئے بھی لازم ہیں اسی طرح یہ تغیرات بھی۔ یہ ایسے ہی تغیرات ہیں امر اخر نہیں ہیں۔ موسم کے بدلنے سے یہ خود معتدل ہو جاتے ہیں کسی تندریر مستقل کی ضرورت نہیں نہ کچھ نہ کرنا چاہئے البتہ جو تغیر اسباب اختیار سے ہو وہ قابل اعتناء ہے (النور ۲۵۲)

تر بیت السالک حصہ دوم ص ۲۰۷ و ۲۰۸

حدیث لَا خَيْرَ مَنْ لَا يَأْلِفُ وَلَا يُؤَلَّفُ

پرشبہ اور اس کا جواب

حالیہ: ایک خاص عرض ہے کہ احقر اپنے کو اس کا مصداق پاتا ہے:

لا خیر من لا یألف ولا یؤلف۔ اور یہ مرض پاتا ہوں اور بہت روز سے ہے کہ میری طبیعت کسی سے مانوس نہیں اور غالب شہر ہے اور لوگ بھی احقر سے مانوس نہیں۔ بہر حال حضرت مجھے تو اپنا فکر ہے۔

تھتھتھتھ:۔ الفت کے اصل معنی اجتماع کے ہیں جو مقابل ہے تفرق کا۔ آیت
 تَرَانِي وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ لَنْ نَتَفَرَّتْ وَ أَلِكِ عِلْتٌ مِّنَ الْفِتْنِ
 بَيْنِي وَبَيْنِكُمْ فَرَأَانَا اس مقابلہ کا موید ہے۔ تصنیف کو تالیف اسی لئے کہتے
 ہیں اس کے لئے انس ہوتا لازم نہیں کبھی مع الانس بھی ہوتا ہے چنانچہ بعض اوقات
 تالیف بمعنی ایسا بھی متعل ہوتا ہے۔ پھر اجتماع کبھی محمود ہوتا ہے۔ جب دنیا کے
 مباح پادین کے لئے نافع ہو کبھی مذموم، اور کلیاتِ شرع کا مذموم کے مراد لینے سے

مانع ہونا ظاہر ہے پس اجتماع محمود کا مراد ہونا متعین ہو گیا۔ اب حدیث کا حاصل یہ
 ہے کہ میں اجتماع محمود سے نفور نہیں ہوتا۔ ورنہ صحبتِ ضائع سے تعذیر خود وارد
 ہے اور اکابر طریقی نے تو حش عن الخلق کو انس باللہ کے لوازم سے فرمایا ہے۔ اس ما
 میں افادہ و استفادہ ضروری ہے جو آبی نہ ہو وہ اس حدیث کی وعید کا مصداق نہیں ہو سکتا
 (زینت السالك حصہ دوم ص ۲۷۶)

تخیلات کے ہجوم کا علاج

حالیہ: احقر کی حالت اس قدر الجھ ہوئی اور مشتبه ہے کہ میں اکثر پریشان ہی
 رہتا ہوں اور حضرت والا سے عرض کرنے کے متعلق حیران ہی رہتا ہوں۔ اس حالت کا
 خلاصہ یہ ہے کہ اپنے اندر جملہ ردائل پاتا ہوں اور ایسی بُری قسم کے کہ مجھ کو قریباً یقین ہے
 کہ کسی انسان کے اندر نہ ہوں گے مسلمان کا تو کیا ذکر ہے لیکن ساتھ ہی ملکاتِ محمودہ کا
 احساس بھی الحمد للہ اپنے اندر پاتا ہوں۔ غیر اختیاری کے مسئلہ نے میری کسی قدر ڈھارس
 بندھا رکھی ہے لیکن اس میں بھی سخت اشتباہ رہتا ہے کہ اس قسم کے تخیلات اختیاری
 ہیں یا غیر اختیاری۔ مجھ میں تو تخیل بلکہ فسادِ تخیل بہت ہی زیادہ ہے، جو منشاء بہت
 سے خیالی گناہوں کا ہوتا ہے گو حضرت اقدس کے طفیل میں اس وقت جبکہ ردائل ابھر
 ہیں۔ فوراً احساس ہونے لگتا ہے اور عمل نہیں ہونے دیتا۔ لیکن خیال کے درجہ میں تو گناہ
 ہو ہی جاتا ہوگا۔ بلکہ ہو جاتا ہے۔ ایسے خیالی گناہوں سے بچنا نہایت مستبعد نظر آ رہا ہے،
 جیسے کہ بے عجب، سو وطن شہوانی خیالات وغیرہ۔ کیونکہ ان میں یہی پتہ نہیں چلتا کہ یہ
 گناہ تک کب پہنچتے ہیں اور کس حد تک گناہ ہی میں داخل نہیں ہوتے جب خیالات
 ناسدہ کا ہجوم ہوتا ہے تو بالکل مردودیت کا گمان ہونے لگتا ہے، ایسی خراب حالت
 برے باطن کی ہے کہ ہر امر میں منافقت ہی نظر آتی ہے، اللہ تعالیٰ ہی آخرت میں شرم

رکھے۔ اکثر حزن ہی طاری رہتا ہے اور یاس کا غلبہ رہتا ہے، باوجود ان سب روئی حالتوں کے حضرت والا کی توجہ کا بھی بدیہی اثر محسوس کرتا ہوں۔ ذکر میں الحمد للہ رغابت درجہ دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے مگر اس میں یہ شبہ رہتا ہے۔ کہ یہ کیفیات تو مقصود ہی نہیں ہیں غیر مقبولین بلکہ کفار کو بھی حاصل ہو سکتی ہیں۔ غرض غالب حزن و یاس ہی رہتی ہے۔ لیکن اس لکھنے میں بھی متردو ہوں۔ کیونکہ اکثر بوجہ استحضار حقی و دلچسپی ذکر مسرور رہتا ہوں پس گہ جنیں بناید و گہ ضد ایں، کا مضمون ہو رہا ہے۔ پس حضرت والا سے علاج کا خواستگار ہوں شد دستگیری فرمائیں اور ہلاکت سے بچائیں۔

تحقیق: اس کا تو سہل علاج یہ ہے کہ جب ایسے تخیلات کا مجموعہ ہو اپنے قصد اختیار سے کسی نیک خیال کی طرف توجہ ہونا اور متوجہ رہنا چاہئے۔ اس کے بعد بھی اگر تخیلات باقی رہیں یا نئے آویں ان کا رہنا یا آنا یقیناً غیر اختیاری ہے کیونکہ مختلف قسم کے دو خیال ایک وقت میں اختیاراً جمع نہیں ہو سکتے۔ پس اشتباہ رفع ہو گیا، اور اگر بالا اختیار اچھے خیال کی طرف توجہ کرنے میں ذہول ہو جاوے تو جب تنبیہ ہو ذہول کا تدارک تو استتقار سے اور پھر اس تدبیر پر استحضار سے کام لیا جاوے۔ (تربیت اساتذہ حصہ دوم ص ۳۹۷-۳۹۸)

درود شریف چھوٹا یا بڑا پڑھنا بہتر ہے جس میں دلچسپی ہو

حالیہ: درود شریف بہت سے ہیں کوئی چھوٹا کوئی بڑا کسی درود شریف کی بڑی بڑی فضیلتیں معلوم ہوتی ہیں چھوٹا درود شریف تعداد میں زیادہ پڑھا جاتا ہے بڑا درود شریف تعداد میں کم پڑھا جاتا ہے معلوم کرنا یہ ہے تعداد میں زیادہ پڑھنا بہتر ہے یا بڑا درود شریف پڑھنا بہتر ہے چاہے تعداد میں کم ہو۔

تحقیق: درود شریف چھوٹا ہو یا بڑا جس سے دلچسپی ہو وہ پڑھنا بہتر ہے۔

لَهَذَا اجَابَ الْمَوْلَى الْأَعْظَمُ وَالشَّيْخُ الْأَفْخَمُ
 أُسْتَاذِي مَوْلَانَا مُحَمَّدٌ يَعْقُوبٌ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى
 لَعَامِلٌ عَنْ طُولِ الْقِيَامِ وَكَثْرَةِ السُّجُودِ أَيُّهُمَا
 أَنْضَلُ وَجَمَعَ الْخَاطِرَ أَنْتَدَّ مَطْلُوبٌ فِي الطَّرِيقِ
 كَمَا هُوَ كَالْجَمْعِ عَلَيْهِ عِنْدَ الشُّيُوخِ وَقَدْ أَعْتَنِي بِهِ الشَّارِعُ
 كَمَا صَرَّحَ بِهِ فِي النَّصِّ حِينَ خَفَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ
 لَمَّا سَمِعَ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فِي قَوْلِهِ خَفَّتْ أَوْ لَفَّتْ أُمَّهُ
 وَحِينَ قَدِمَ الْعِشَاءَ عَلَى الْعِشَاءِ وَبِلِلَّهِ الْحَمْدُ عَلَى مَا عَلَّمَنِي
 فِي الْمَسْئَلَةِ وَفَهَّمَنِي وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَيْرُ (النور ص ۳۵۹) (۵)

(بریت المالک حصہ دوم ص ۳۶۹)

زیارت انجذاب الی الشیخ بہ نسبت انجذاب الی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

حالیہ: یہ امر قابل گزارش ہے کہ فدوی کو بفضلہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کا خیال لگا رہتا ہے اور ادھر کشتش بھی رہتی ہے۔ اسی طرح جناب والا کا خیال لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو اکثر اوقات خیال نہیں رہتا اور نہ ادھر کشتش رہتی ہے، اور کبھی زیارت سے مشرف بھی نہیں ہوا، اور نہ چنداں اس کی جستجو ہے۔ زیارت کے نہ ہونے پر چنداں حسرت نہیں، لیکن اس کی تلاش و جستجو نہ ہونے پر البتہ بے غم اور حسرت ہے جیسے اور لوگوں کو اس کا بالطبع خیال ہے۔ احر کو نہیں۔

تعمیر:۔۔ بالکل غلط وہم ہے اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عالم ظاہر میں تشریف رکھتے تو کیا اس دوسرے سے اشتیاق زیادہ ہوتا اور اگر یہ دوسرا اشتیاق دلا

عالم ظاہر میں نہ ہوتا تو کیا اس کی قبر کا اشتیاق قبر نبوی سے زیادہ ہوتا۔ موازنہ کا طریقہ ہے۔ (یوادر النوادر ص ۶۶)

عافیت طلب کرنا تفویض و رضا کے خلاف نہیں

حالیہ: حضرت والا میرا اس طرح دعا کرنا کہ ابھی عافیت عطا فرمائیے مجھ میں بہا نہیں یہ تفویض و رضا کے خلاف تو نہیں مگر دل میں حق سبحانہ تعالیٰ سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ بلکہ جب کبھی دورے (مرض) ہوئے یہ خیال کرتا رہا کہ اللہ تعالیٰ بخوف رحیم ہیں، اپنے بندوں پر مہربان ہیں جو کچھ فرماتے ہیں۔ اس میں بندے کی مصلحت ہے۔ اگر یہ میری حیات تک بھی رہے تو میں راضی ہوں۔

تختہ: اس حالت کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ ابھی عافیت عطا فرمائیے تفویض و رضا کے خلاف نہیں۔ درددنی حدیث الا تسقاء اللہم استقنا غیثاً مفیئاً مریئاً مریئاً نافعاً غیر ضاراً عاجلاً غیر آجل (رواہ ابو داؤد) وفی روایتہ عاجلاً غیر راتاً (جمع الفوائد عن الکبیر والبنار) ماخذ النور ربيع الاول ۱۳۶۲ھ و تربیت السالک حصہ دوم ص ۹۴

حالیہ: اس موقع پر اپنے ایک اور دوسرے کا جو بہت دلوں سے دل میں ہے ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ رات کو سوتے وقت دعا میں جب فوضت امری الیک پڑتا ہوں تو بہم جاتا ہوں کہ تفویض کا لفظ زبان سے ادا کرتا ہوں۔

تختہ: اخبار ایا انشاء کوئی غیر مسلم جب اسلام قبول کرتا ہے اور امنتاً یا امنتاً کہتا ہے اس کا نہ سہما مرضی ہے یا نامرضی پس جو معنی امنت کے ہیں وہی فوضت کے، هذا اذا كانت الهیبة من صورۃ الدعوی اذا لکلام کما یشعربہ قولکم کہ اللہ تعالیٰ کی شان الخ فجو ابہ ما سیاقی

فی قولی جیسے بحکم مایشاء
 مالہ: مگر دل میں یہ خطرہ موجود پاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تو بحکم
 مایشاء ویفعل مایرید ہے۔ وہ میری ذاتی خواہشوں اور مصلحتوں کی
 بیانت کہیں نہ رہیں گے۔

تحقیق: جیسے بحکم مایشاء ویفعل مایرید دلائل سے
 ثابت ہے۔ اسی طرح رؤف بالعباد اور ان ربی رحیم وود بھی دلائل سے
 ہی دلائل سے ثابت ہے تو دونوں میں تضاد کیا ہوا۔ اور جہاں بندہ کی مصلحت
 کے خلاف کسی امر کا وقوع ہوا ہے۔ اس کا سبب اولین خود بندہ ہوا ہے کہ قصداً
 اپنی مصلحت کے خلاف کوئی اختیار یعنی کفر و معصیت و ابتغاءِ عوج پھر اگر اس پر
 اضلال اور منافع کا اضلال مرتب فرما دیا گیا تو سوال کا محل کون ہوا۔ وہو معنی
 قولہ تعالیٰ مایفعل اللہ بعد ایکم ان شکرتکم وامنتم (النساء)
 وقولہ تعالیٰ وما کان اللہ لیضل قوماً بعد اذ ہداهم حتی
 یبین لہم ما یتقون (التوبہ) قولہ تعالیٰ وما ظلمناہم و لکن
 کانوا انفسہم یظلمون (وغیر ہا من الایات) پس ثابت ہو گیا کہ جو شخص
 اپنی مصلحتوں کی رعایت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے خلاف کارا دہ نہیں کرتے اگرچہ
 اس پر قادر ہیں۔ و ہذا حاصل یفعل مایشاء (ماخوذ النور ربیع الاول
 ۱۳۶۲ء و تربیت السالک حصہ دوم ص ۹۵)

تحقیق تو وحد و تعدد نسبت باطنہ

سوال: اکثر بزرگوں کو متعدد سلاسل سے اجازت حاصل ہوتی ہے تو کیا ان حضرات کو
 تعدد نسبتیں، مثلاً نسبت چشتیہ و نقشبندیہ مجیزین سے حاصل ہوئی تھیں یا محض

اجازت ہی ہوتی تھی اور کیا متعدد نسبتوں کا ایک شخص میں جمع ہونا ممکن ہے۔ اسی طرح ایسا شخص جس کو متعدد سلاسل سے اجازت ہے جس شخص کو اجازت دے تو اس شخص کو بھی متعدد نسبتیں حاصل ہونا چاہئے۔ لیکن حضرات چشتیہ میں آثار دیگر سلاسل کے معلوم نہیں ہوتے اور اگر ہیں تو کس طرح تعدد نسبت کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔

جواب: نسبت ایک حقیقت واحدہ ہے اختلاف استعداد سے اس کے الوان مختلف ہوتے ہیں جس میں چشتیت وغیرہ کی خصوصیت نہیں۔ ممکن ہے کہ ایک چشتی اور ایک نقشبندی کی نسبت ایک لون کی ہو اور ممکن ہے کہ دو چشتیوں کی نسبت کا لون مختلف ہو۔ اسی طرح اختلاف اوقات سے اس لون میں اختلاف ہو سکتا ہے پس صاحب اجازت کے لئے نسبت کا حصول شرط ہے خواہ اس کا لون کچھ ہی ہو اور خواہ مجیز اور مجاز کے الوان بھی مختلف ہوں۔ اس تحقیق کے بعد کوئی اور سوال متوجہ نہیں ہوتا۔ (بوادر التوادر ص ۶۱)

عذر کی وجہ سے نافع کا بدل مجاہدہ اضطراریہ یعنی تشویشات وغیرہ ہیں

حالیہ: اس مرتبہ سفر میں کچھ ایسی صعوبتیں پیش آئیں کہ اکثر معمولات نافع ہو گئے تھانہ بھون واپس آنے پر بھی پریشانیوں کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ دو بچے بیمار ہیں جو وقت در وقت سے بچتا ہے ان کی تیمارداری میں مہرت ہو جاتا ہے۔ ابھی تک پورے معمولات جاری نہیں ہو سکے۔

تحقیق: جس طرح وضوء کا بدل تمیم ہے اور اجر میں اس سے کم نہیں۔ اسی طرح مجاہدہ اختیار یہ یعنی اعمال وادرا کا بدل مجاہدہ اضطراریہ یعنی تشویشات و دلیات ہیں اور اجر میں ان کے برابر بلکہ بعض منافع میں ان سے اقویٰ ہیں۔ ان کو نعمت سمجھ کر اطمینان سے کام میں بقدر وسع مشغول رہنا چاہئے۔ البتہ دعا کرتے رہیں کہ وہ بدل بہ راحت و جمعیت ہوں کہ دعا منوں ہے۔ غرض جب تک وہ باقی رہیں تفویض

وزن ہے اور دعاسنون ہے — اور جب وہ زائل ہو جاویں
شکر واجب ہے اور دونوں حالتوں میں بقدر وسع کام میں مشغول رہنا اور بطریق
ہے۔ (النور جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ۔ تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۶۶)

نماز و جماعت پر آمادہ کرنے میں سختی کا علاج

حالیہ: لوگوں کو نماز و جماعت پر آمادہ کرنے کے لئے میرے گزشتہ عریضہ کے
جواب میں حضرت نے صرف وعظ کو پسند فرمایا۔ اپنی سختیاں چھوڑ کر عمل تو حضرت ہی کے
پنڈیدہ طریقہ کے مطابق شروع کر دیا ہے، لیکن یہ خود میرے لئے بہت جمید مجاہدہ
ہو گیا ہے میری طبیعت میں ذرا سختی ہے۔

تحقیق: صحیح ہے مگر جی کو سمجھانے سے اس کا توراہی (تیسری) بہت کم

ہو سکتا ہے۔

حالیہ: پہلے تو کافی نرمی سے کام لیتا ہوں لیکن جب بار بار کی تفہیم یا دیگر
تدابیر کار آمد نہیں ہوتیں تو بس سخت مزاجی کا ظہور ہوتا ہے۔

تحقیق: تو بار بار کہنا ہی ضروری نہیں حق تبلیغ ایک بار کہنے سے ادا ہوتا ہے
بہت ہی زیادہ شفقت ہو دو بار، حد میں بار۔ اس سے زیادہ درپے ہونا تصدیق ہے
جس پر وَمَا عَلَيْكَ أَنْ لَا يَسْرُكَ فَرَمَا يَأْتِيكَ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۶۸)

آرام کی چیزوں میں بے رغبت نہ ہونا چاہئے

حالیہ: حضرت میں تو اکثر دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ ہمارے اعمال حال و حال کی
حفاظت فرما۔ بظاہر کھانا پینا اور آرام کی چیزوں سے رغبت نہیں۔ یوں خیال آتا ہے کہ
اجاب پٹھے پرانے کپڑوں میں کفنا کر پرانی قبر میں اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیں اگر وہ اپنے

فصل سے کچھ دیں تو بجائے اپنی مرغوبات کے بس ان ہی کے لئے خرچ ہو۔
 تحقیق ہے: سب حالات و خیالات محمود و مطلوب میں البتہ رغبت کی نفی اس میں بعض
 اوقات غلطی ہو جاتی ہے۔ صودۃ یا حقیقتہ جب نعمت موجود ہوتی ہے بالقوہ یا بالفعل
 رغبت محسوس نہیں ہوتی۔ فقدان کے بعد اس کا احساس ہوتا ہے لہذا رغبت کی نفی کے دعویٰ
 سے بچنا چاہئے۔ اور اگر ایسا احساس بھی ہو اس کا اعتبار نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ یہ دعا کرنا چاہئے
 کہ اے اللہ جتنی رغبت ہے وہ دین میں معین ہو مانع نہ ہو۔ کما روی عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 (تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۲۶)

موت سے خوف دراصل حق تعالیٰ کا خوف ہے

حالیہ: ایک امر ناگزیر جس سے بالکل مفر نہیں یعنی موت اس کے ہول سے دل
 لرزتا ہے جب خیال کرتا ہوں کیا کروں؟۔

تحقیق ہے: مومن کا موت سے خوف کرنا درحقیقت حق تعالیٰ سے خوف کرنا ہے
 کیونکہ مومن کو اگر یہ اطمینان ہو جاتا کہ موت کے بعد نجات ہو جاوے گی تو یقیناً موت سے
 ذرا تو وحش نہ ہوتا پس یہ خوف احتمال عقوبت سے ہے اس لئے محمود و مطلوب ہے البتہ
 اگر وہ یہی طور پر اس خوف پر شوق طبعی غالب ہو جاوے خواہ حالت حیات میں خواہ ترس
 موت تو پھر خوف نہیں رہتا اگر یہ حالت نہ نامور بہ ہے نہ لازم ہے لہذا اس کا فقدان
 موجب قلق نہ ہونا چاہئے (تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۳۰)

بوقت موت عذاب کا ڈر اس میں شان عظمت باری تعالیٰ کی طرف توجہ دلانا ہے

حالیہ: عرض یہ ہے کہ وعظ سنت ابراہیم (رسالہ المبلغ ع ۵ ج ۱ بابت ماد
 جمادی الاول ۱۳۵۵ھ صفحہ ۱۴ سطر ۱۳ تا ۱۷) میں یہ مضمون دیکھ کر کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ قسم ہے اللہ کی اگر تم ان امور کو دیکھو جن کو میں دیکھتا ہوں اور تم کو ان باتوں کی خبر ہو جاوے جن کی مجھ کو خبر ہے تو عمر بھر رونے پھرد اور ہنسنا بھول جاؤ میں اسرائیل کو دیکھ رہا ہوں جو صعد کو منہ میں لئے کھڑے ہیں اور حکم کے منتظر ہیں کہ اب حکم ہو اور اس میں پھونک ماروں کہ سارا عالم درہم درہم ہو جائے، ایسی حالت میں مجھ کو کیسے چین آئے اور میں کیسے بے فکر ہو بیٹھوں، سخت ہیبت قلب پر طاری ہے۔ موت ہر وقت سامنے ہے، اس مضمون کو دیکھنے سے قبل یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہے اگر ذرا ہم اس کے اوامر کی تعمیل اور نواہی سے اجتناب کریں تو پھر ہمارے لئے موت اور برزخ و آخرت میں چین ہی چین ہے انشاء اللہ تعالیٰ ما یفعل اللہ بعد ابکم ثم اور اس مضمون کے دیکھنے کے بعد قریب مہینہ بھر سے یہ خیال دامنگیر ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھا کر صحابہ کو ذرائع تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کے ناقابل برداشت اور زبردست عذاب الیم سے بوقت موت اور برزخ و آخرت میں باوجود شکر و ایمان پورا کرنے کے بھی کلفت و الم سے بچ جانے کا یقین نہیں بلکہ قوی خطرہ ہے۔

اللہم احفظنا من کل بلاء الدنیا و عذاب الآخرة

تحقیقاً: یہ معنی ہی سمجھنا غلط اور محض غلط ہیں۔ اس میں عذاب کا ذکر ہی نہیں اور ہو بھی کیسے سکتا ہے جبکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کا بعد بلکہ بعد بھی احتمال نہیں۔ اس حدیث کے امثال سے تو حق تعالیٰ کی شان عظمت کی طرف توجہ دلانا ہے جو کہ مطلوب ہے اور وہ اس توجہ کے ساتھ کہ ان اللہ لا یضیح اجرا للمحسنین ای العاملین المخلصین جمع ہو سکتا ہے اب کیا اشکال رہا۔ (ماخوذ ترمذی السالک حصہ دوم)

رضائے حق کو مقصود سمجھنا بڑی دولت ہے،

خطیکے از اجازت یافتگان احوال بندہ یہ ہے کہ جو ارشادات حضور نے بندہ کے پیغمبر کے جواب میں متعلق احوال و کیفیات کے فرمائے ہیں از حد تسلی ہوئی سو حضور کے ارشادات سے متنبہ ہو کر اپنے دل میں سوچا اور مطالعہ کیا اور ارشادات کو بغور دیکھا ہے۔ آخر اپنے ناقص فہم میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ برابر حالات و کیفیات مقصود اور ضروری سلوک نہیں اور نہ اس کا اثر ہے۔ کیونکہ اختیاری نہیں ہیں مہموب ہیں۔ بمنظور ہی حق ہر ایک کو اپنی استعداد کے موافق وارد ہوتے ہیں اور یہ مثال ذہن میں آئی۔ جیسا کہ انسان پیدا ہوا اس کو روح اور حیات تو سب کو ایک جیسی ہے اور اپنا اختیاری کام خور و نوش ہر ایک کرتا ہے مگر حسن خوبی، قد و قامت شجاعت وغیرہ اپنی استعداد فطری کے موافق جو رب العالمین رکھی ہے وہی ہوتی ہے۔ اسی طرح علم، ہنر، حرفت وغیرہ انسان کو اپنے اختیاری ہونے پر سیکھنا ضروری ہے اور استاد بھی ایک ہوتا ہے۔ محنت بھی یکساں کرتا ہے مگر اسخ علم، ہنر وغیرہ کا علیحدہ علیحدہ اسی استعداد فطری کے موافق ہوتا ہے۔ اسی طرح سلوک میں بھی اختیار کے موافق شیخ کا دامن پکڑنا اور کام کرنا ضروری ہے اور شیخ کے حضور سے خالی ہرگز کوئی نہ رہے گا۔ مگر استعداد کے موافق کمالات میں فرق ضرور ہوگا اور چونکہ انسان کا اصل مقصود اس دنیا جہان میں عبادت حاصل کرنا ہے حسن و خوبی قد و قامت مقصود نہیں مگر دنیا میں یہ چیزیں اچھی ضرور ہیں اگر حاصل ہو جائیں تو انعام ہے ورنہ عتاب نہیں، کیونکہ غیر اختیاری مہموب من اللہ ہیں۔ اسی طرح سلوک میں مقصود رضائے حق ہے جس کا مدار اطاعت پر ہے۔ دنیا میں جو بندہ اس پر کار بند ہے اس کو رضا حاصل ہے۔ اور حالات و کیفیات مثل حسن و خوبی کے لذت ہیں مگر وہ اس جہان میں فنا ہو جائیں گے۔ آگے ساتھ نہ دیں گے یہاں ہی حسن خوبی کی طرح ختم ہو جائیں گے اور طاعت کا ثمرہ انشاء اللہ تعالیٰ وہاں بھی حاصل ہوگا۔ اب حضور کے متنبہ فرمانے سے دل مطمئن ہو گیا

اور سب خواہشات کو دل سے نکال دیا ہے مجسز رضائے حق کوئی مقصود نہیں رکھتا جس کے حصول کا طریقہ یہ سمجھا ہے کہ اطاعت اور اعتمادِ شیخ لازمی ہے اور شیخ کو اپنا خیر خواہ سمجھا جائے اور شیخ کے سامنے مُردہ بدست زندہ رہنا چاہئے۔ پس اسی پر دل کو جمایا ہے دعا فرمادیں کہ اس پر میرا خاتمہ ہو۔

تحقیق: بیحد دل خوش ہوا۔ اللہ تعالیٰ علم و فہم میں فرید برکت فرمادے۔ علم و فہم بڑی دولت ہے اور اول مشعلِ راہ ہے۔ دعائے عمل و استقامت و حسن خاتمہ کرتا ہوں۔ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۵۸)

اعمال میں بے توجہی کا علاج

حالیہ:- میں حضور کی ہدایت کے موافق بعد نماز تہجد چھ تسبیح ذکر نفی و اثبات اور چھ تسبیح ذکر اسم ذات دو ضربی اور بعد نماز مغرب تین ہزار ذکر اسم ذات یک ضربی کرتا ہوں اور صبح کو قرآن شریف کی تلاوت بھی ایک گھنٹہ کم و بیش کر لیتا ہوں مگر ان سب اعمال میں نہایت بے توجہی رہتی ہے۔ اکثر جی گھبراتا ہے اور طبیعت کا تقاضا ہوتا ہے کہ چھوڑیہ سب کچھ نہ کرو بالکل بے سود ہے، مگر خدا کا شکر ہے کہ مغلوب نہیں ہوتا بلکہ کام سب پورا کرتا ہوں گو بے توجہی ہوتی ہے۔

تحقیق: اس کا سبب مشخص ہونا چاہئے اگر ضعف دماغ ہے تو اس کی تدبیر فروری ہے اور اگر بھوم مشاغل و تعلقات، معاملات خانگی ہے تو اس کی تقلیل بقدر ممکن فروری ہماور جو ممکن نہ ہو تو بجز زبانی مشورہ فروری ہے اور اگر طبیعت میں کیفیت شوقیہ کم ہے تو کتب سیر بزرگان کا خاص اہتمام سے مطالعہ کیا جائے مثل تذکرۃ الادلایا و مقاصد السالحین وغیرہ اور اگر ان میں سے کوئی سبب نہیں تو زبانی گفتگو کی ضرورت ہے۔ (تربیت حصہ پنجم ص ۲۱۳)

غیر واجب کا ترک شیطانی نہیں

حالیہ: بعد نماز عشا نام کو محدود دے چند رکعت تہجد بھی پڑھ لیتا ہوں اگرچہ پچھلی شب میں اٹھتا ہوں مگر نماز و ذکر کی توفیق نہیں ہوتی دن کو اپنے نفس کو ملامت وغیرہ سب کچھ کرتا ہوں مگر کچھ نتیجہ نہیں نکلتا۔ شیطان و نفس غالب ہو رہے ہیں۔

تحقیق: غیر واجب کا ترک کرنا نفس و شیطان کا غلبہ نہیں ہے۔ یہ علامت و ندامت انشا اللہ تعالیٰ ایک روز کام کرے گی۔ اگر اس وقت زیادہ نہ ہو تو چار پائی پر بیٹھ کر ایک دو تسبیح پڑھ لیا کیجئے۔ (تربیتہ حصہ اول ص ۲۱)

بوقت گرانی طبع عبادت میں جبر زیادہ ملتا ہے

حالیہ: مجھ کو اس سفر کا شوق و ولولہ طبعاً کبھی نہیں ہوا اور اب بھی نہیں معلوم ہوتا ہے عقلاً و ایماناً طبیعت کو مجبور کر کے انشا اللہ تہیہ کیا ہے اور ہے، اللہ تعالیٰ قوت و ہمت عطا فرماوے طبیعت اب بھی بچکی جاتی ہے، حضور سے ایسی دعا و توجہ کی التجا ہے کہ جو حضور مکرمین کے واسطے مناسب سمجھیں۔

تحقیق: شوق بمعنی ولولہ نہ بالذات مطلوب ہے نہ شرائط قبول سے ہے، اخلاص کے ساتھ عمل ہونا کافی ہے گو ولولہ نہ ہو بلکہ گو طبعاً گرانی ہی ہو۔ حدیث سلخ الوضوء علی المکارہ اس کی نقلی دلیل ہے جس سے مدعا مذکور سے زائد یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایسے مکارہ سے اور اجر و فضل بڑھ جاتا ہے اور عقل حقیقت اس کی یہ ہے کہ طاعات بعض کے لئے مثل غذا کے ہیں اور بعض کے لئے مثل دوا کے اور ظاہر ہے کہ دوا کا نافع ہونا اس کی رغبت پر موقوف نہیں نیز ایسی حالت میں اس کا استعمال اور زیادہ ہمت اور مجاہدہ ہے اور اس میں حکمتیں بھی ہوتی ہیں جیسے عجب سے حفاظت اور اپنے نقص کا مشاہدہ و نحوہا پس عبد کا مذہب یہ ہونا چاہئے۔

بُدرد صاف ترا حکم نیست دم در کش
کہ اُنچہ ساقی مارِ نخت عین الطاف است

(تربیت السالک حصہ دوم ص ۴۸۱)

میلان طبع میں تغیر پیدا ہونا موجب غم نہیں

مالرہ کیے از منتہیان سے مولائی اور کنی فانی غارق

فی گنجۃ الشهوات والعصیان

حالت یہ ہے کہ پہلے تو غیر اللہ کی طرف میلان قلیل سے بھی نفرت اور غیرت آتی تھی کہ محبوب
حقیقی کے ہوتے ہوئے غیر ہرگز قابل التفات نہیں اور اب ذرا سی چیز بھی اپنی طرف
اٹل کر لیتی ہے حتیٰ کہ نظر شہوت وغیرہ سے بھی پاک نہیں بجز اللہ تنبہ جلد ہو جاتا ہے،
اور توبہ و استغفار مٹا کر لیتا ہوں مگر نہ معلوم قلب اب غیر اللہ کی طرف اس قدر جلد کیوں
اٹل ہو جاتا ہے۔

تختہ ۱۔ ابتدا میں شوق کا غلبہ ہوتا ہے اور انتہا میں انس کا شوق میں
مانعت طبعیہ ہے اور انس میں مانعت عقلیہ مگر امتحان کا موقع یہی ہے پس میلان
موجب غم نہیں اس پر عمل البتہ موجب غم ہے اس میں تساہل موجب غیرت ہے حدیث
یہ ہے وَاللّٰهُ يُعَارِضُ اَنْ يَّرْزِيَّ عَبْدًا اَوْ اَمَةً اَوْ اَمَةً اَوْ اَمَةً اَوْ اَمَةً اَوْ اَمَةً
وَالْعَبَّانِ تَرْفِيَانِ بِسِمْتِ سَمِ لِيْنَا جَاهِمِي (تربیت السالک
حصہ پنجم ص ۱۲۱)

رفع تعارض در نگیر بر انتقام و وعائے انتقام

سوال: امثال الاقوال ص ۸۸ حصہ دوم میں یہ عمارت ہے (فِي كَوْنِ اِرَادَةِ
الْاِنْتِقَامِ خِلَافِ الطَّرِيقِ) كَانَ يَقُولُ مِنَ الشُّهُوَةِ
الْحَفِيَّةِ لِلْوَلِيِّ اِرَادَةُ النَّصْرَةِ عَلٰی مَنْ ظَلَمَ تَرْجُمَةً اِنْتِقَامِ كَارِئِهِ

کرنا طریق کے خلاف ہے) فرمایا کہ ولی میں یہ بھی ایک مخفی شہوت نفسانی ہے کہ وہ اس کا ارادہ کرے کہ مجھے ظالم پر نصرت حاصل ہو اور مناجات مقبول منزل دوم **وَاجْعَلْ تَارَةً عَلَيَّ مَن ظَلَمْنَا وَانصُرْنَا عَلَيَّ مَن عَادَنَا** الخ (ترجمہ اور ہمارا انتقام لے اس سے جو ہم پر ظلم کرے اور مدد دے ہمیں اس پر جو ہم سے دشمنی کرے) اس دعا کی ابتداء ص ۵۹ **اللَّهُمَّ اقْسِمْنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُولُ بِهِ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيكَ** الخ سے ہے۔
 بحوالہ حاکم و احمد عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یہ عبارت مناجات مقبول کے حاشیہ میں ہے اب عرض یہ ہے کہ بظاہر اس موقوفہ اور حدیث میں تعرض معلوم ہوتا ہے کیونکہ دعا بھی تو نصرت ہی کے ارادے سے کی جاتی ہے حضرت والا براہ کرم تشریح فرما کر ممنون فرمائیں۔

تحقیق: جو ارادہ انتقام خلاف طریق ہے وہ عید کا ارادہ ہے جو منافق ہے علم و کرم کے خصوص جبکہ اس انتقام میں حدود سے تجاوز ہونے کا بھی مشابہ ہو جیسا کہ اکثر بوجہ ضعف قوت علمیہ و علمیہ کے واقع ہو جاتا ہے اور جس انتقام کی دعا ہے اس میں حق تعالیٰ کا ارادہ ہو گا جو احتمالات مذکورہ سے مستراح ہے **فَكَيْفَ يُقَاسُ أَحَدُهُمَا عَلَى الْآخِرَةِ لِيَلْزَمَ التَّكَارُفَ** نیز اپنے انتقام کا محل شخص معین ہو گا جس میں نفسیات کا بھی احتمال ہے، اور انتقام الہی کی طلب میں محل متعین نہیں اور غیر متعین میں یہ احتمال نہیں۔ **فَأَيْنَ هُمَا مِنَ الْآخِرَةِ** خلاصہ جواب یہ ہے کہ خود انتقام لینے میں غلط حکمت ہونے کا احتمال ہے اور حق تعالیٰ کے انتقام میں یہ احتمال نہیں۔ لہذا پہلے انتقام کا ارادہ بھی ایک درجہ میں منکر ہے اور دوسرے انتقام کے ارادے کی طلب بالکل منکر نہیں۔ (بوادرو نوادر)

اپنی حالت کا نقص سمجھنا اور تاویل کو منکر جاننا یہ بھی ایک قسم کی توبہ ہے

ملاحظہ: حضرت کچھ ایسی حالت ہے کہ باوجود تامل و تفکر کے اکثر و بیشتر اپنی مزعمومہ خرمیاں ہی فرمایاں نظر آتی ہیں عیوب نہیں دکھائی دیتے صد حسرت و تاسف کہ میرے عیوب مجھ پر منکشف نہیں ملتے ایم دلیل میں امدنی خوبی بھی نمایاں طور پر سامنے آجاتی ہے اور عیب کا گویا کوئی پہلو بھی واضح نہیں ہوتا ہوتا ہے تو اضطراب و اختیار تصدیقے قصد کے توجیل سے نفس جلد سے جلد تاویل کر لیتا ہے،

تختہ: اس حالت کا نفس سمجھنا اور تاویل کو منکر جاننا یہ بھی ایک قسم کی توبہ ہے جو انشاء اللہ

تعالیٰ ربات کا ایک درجہ میں کفارہ ہو جاتا ہے اور اس کفارہ ہونے میں جو کمی رہ جاتی ہے اس کے لئے **اللہم اغفر لی ما علمت وما لم أعلم** اور اس عقاد کا استحضار و استغفار لاکر انشاء اللہ تعالیٰ اشغال مامور پر کیئے کافی ہو گا اور اس سے بصیرت کا فتح باب ہو جاوے گا وعدہ ہے من عمل بما علم علیہ اللہ ما لم یعلم او کا قال صلی اللہ علیہ وسلم (ترتیب السالك حصہ دوم ص ۲۰۲، النور معرم، ۱۲۵)

خفیف فکر پر بھی وعدہ اجر ہے

ملاحظہ: یہ ناکارہ مشاغل و افکار کے هجوم میں حیران و پریشان الحال و البال ہوں دن بھر دنیا کے دھندوں میں اور رات کو تھک کر خواب غفلت میں گرفتار کوئی مخلص نظر نہیں آتا کہ ہجوم مشاغل میں تخفیف ہو تو کچھ آخرت کے لئے بھی کر سکوں۔ مخدومی یہ ناکارہ بہت ہی محتاج دعا و توجہ ہے۔

تختہ: دعا سے کیا نفع ہے مگر طلب دعا کے علاوہ یہ بھی وظیفہ عبودیت ہی ہے کہ ۵

جو نیکہ ہر محنت بریند و بستہ باش چوں کشاید چابک و برجستہ باش

کیا احادیث میں خفیف فکر و تشویش پر وعدہ اجر نہیں ایسی تشویش منقص لطف تو بیشک ہے

مگر منقص (کم کرنے والی) اجر تو نہیں ہے اب خود فیصلہ کر لیجئے کہ قصور و اعظم اجر ہے بالطف۔

(ترتیب السالك حصہ دوم ص ۲۳۳)

دوام عمل کی حقیقت

حاصل: اول تو میں کرتا ہی کیا تھا مگر جو کچھ بھی ہوتا تھا آج کل بعض عوارض کی وجہ سے سب درہم برہم ہو گیا ابھی تک التزاماً پڑھنا نہیں ہوتا جب التزام کرتا ہوں عوارض و حوادث پیش آجاتے ہیں جس کی وجہ سے التزام کیا بالکل پڑھنا موقوف ہو جاتا ہے۔

تختہ: یہ بھی ایک قسم کا دوام ہے کہ کبھی ہو کبھی نہ ہو بالخصوص جب سبب اس کا غلط ہے دوسرے یہ کہ کامیابی اس پر موقوف نہیں کہ کبھی ناغہ ہی نہ ہو بل اس ضمن میں لگا رہے گوناغہ بھی ہو مگر اس ضمن کے درپے رہنے سے ایک روز مقصود حاصل ہوگا۔
(تربیت السالک جلد اول ص ۳۶۵)

تازہ ذکر کو کیسوتی سے محروم رکھنا اس رحمت میں بھی حکمت ہے

حاصل: (بعض واقعات کے ذکر کے بعد) ان حالات و افکار نے ذہن کو منتشر کر رکھا ہے معمولات میں بجا لشد فرق نہیں آیا مگر خطرات و خیالات کی پرورش نے ذکر و نماز کی کیسوتی اور طمانیت میں فرق ڈال دیا ہے، الّا تہجد کہ وہ ہجوم افکار سے بجا لشد پاک ہے تختہ: ایسے واقعات و تشویشات میں بھی رحمت و حکمت ہے کہ ان سے انکسار و افتقار پیدا ہوتا ہے۔ (النور ص ۱۳۶۷، تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۳)

تازہ ذکر میں، ہجوم خیالات غیر اختیاری ہیں

حاصل: (کچھ حالات لکھنے کے بعد) البتہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں ابھی تک معمول کامیابی بھی معلوم نہیں ہوتی۔ ناز اور ذکر کے وقت خیالات کا بہت ہجوم رہتا ہے اس کے لئے دعا فرمائیں میں بہت تنگ ہوں۔

تَحْتَوِ: قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللَّهُ عَلَيْهِ وَقَالَ الْعَارِضُ

الشَّيْخُ الرَّازِيُّ فِي تَرْجُمَتِهِ: هـ

گفت آساں گیر بر خود کار ہا کز روئے طبع

سخت می گیر دجہاں بر مرد ماں سخت کوش

عبد کلف ہے اور کس دلیل نے قرآن مجید سے زیادہ کس کا فیصلہ ہو گا مقبولین کے کمال اور فضیلت میں یہ ارشاد ہوا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اَتَقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طَٰئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَدٰكَّرُوْا (الاعراف) یہ نہیں فرمایا اِلَّا يَمَسُّهُمْ طَٰئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ پھر اِذَا کے ساتھ فرمایا ہے جس سے اس مس کا تَمَيُّن واقع معلوم ہوتا ہے۔ جب متقی اس سے خالی نہیں رہ جائے غیر متقین کا کیا ذکر۔ البتہ ایسے حالات میں تذکر مامور رہے، جس کا مفہوم بہت عام ہے اور اختیار میں ہے اب کیا سوال رہا فقط (ترتیب السالک جلد دوم ص ۲۳۸)

بے تدبیری بھی تدبیر ہے

حالیہ: میں تو حضرت بس مجموعی طور سے اپنے آپ کو ایسے حال میں پارہا ہوں کہ دین و دنیا دونوں کے اعتبار سے ڈوب رہا ہوں اور خود ہاتھ پاؤں مار کر نکل جانے کی بھی کوئی تدبیر نظر نہیں آرہی ہے۔ دماغ بالکل سطل ہے۔

تَحْتَوِ:۔ بعد تفویض محض کے یہ بھی ایک نعمت اور ایک علم عظیم کا مقدمہ ہے کیونکہ اس سے مشاہدہ ہو جاتا ہے کہ جب تدبیر موثر نہ ہو تو بے تدبیری ہی تدبیر ہے۔

(ترتیب السالک جلد دوم ص ۲۴۴)

معمولات میں فرق پڑنے سے قلق طبعی مضر نہیں

حالیہ: ایک عرصے سے بعض اسفار اور بعض رسائل و مضامین لکھنے کی وجہ سے معمولات کا نظام بگڑ رہا ہے۔ بہت ہمت باندھ کر پوری مقدار اور پابندی کرنا چاہتا ہوں

مگر سستی یا تساہل کا غلبہ ہو کر غفل ہو جاتا ہے اسی کشمکش میں ایک عرصہ سے غلبہ برپا نہیں کیا کہ نسخہ ہی استعمال نہ ہو تو حال کیا کہا جائے ناز۔ تلاوت ذکر و دعا استغفار کسی کا بھی شوق پہلا سا نہیں رہا اسی وجہ سے معمولات میں کمی پڑی ہے۔

حقیقت: ایسے تغیرات و اسباب تغیرات سب کو پیش آتے ہیں اکابر بھی اس سے خالی نہیں جس کا تدارک اعادہ توجہ و عمل ہے اسی طرح قوت ضبط بڑھ جاتی ہے اور تمکین نصیب ہو جاتی ہے اس لئے بدل نہ ہونا چاہئے۔ قلعہ طبعی مضر نہیں ہے بلکہ معین ہے تجدد و عمل کا۔ لیکن اختیاری قلعہ اور اس میں انہماک کے ساتھ اشتغال یہ مضر ہے۔ اس سے اعراض کر کے مستقبل کا انتظام درست کر لیا جاوے اگرچہ تکلف سے ہو، اور اگرچہ نشاط سے خالی ہو، چند روز میں پھر اکثر تو حالت دلخواہ ہو جاتی ہے اور یہ بھی ہوتی بھی مقصود حاصل ہے یعنی طاعت عاجلاً و اجراً جلاً (تربیت السالک جلد دوم ص ۳۶)

شکایت الی اللہ مذموم نہیں

حالیہ میں نے ایک رات تو اللہ تعالیٰ سے معاذ اللہ جنگ ہی شروع کر دی اور زور زور سے کہنے لگا بیشک ان بیماریوں میں بھی میرا ہی نفع ہے لیکن یہ نفع آپ بیماری کے بغیر بھی تو پہنچا سکتے ہیں آپ کی قدرت میں سب کچھ ہے آپ عاۓ اللہ کے خلاف بھی کر سکتے ہیں یہ آپ پر حاکم نہیں آپ اس پر حاکم ہیں غرض اسی طرح کہو اس کمی منت تک کرنا زبا۔ پھر کچھ استغفار کیا مگر اس طرح کہ گویا جنگ میں کچھ حق بجانب ہوں۔ استغفر اللہ ثم استغفر اللہ۔ حقیقت: وہ بے حجابہ معرفت و ادلال تجا جو ایک حال ہے اور مقام سے ادنیٰ اس اعتبار سے اس کو اضافی نفع کہا جاوے گا جس کا تدارک استغفار سے مقام عبدیت میں ضروری ہے جو بوفیقہ تعالیٰ واقع بھی ہوا (تنبیہ) اس تحریر کے وقت معلوم نہیں حال سے یا خیال سے حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت یعقوب علیہ السلام و حضرت یونس علیہ السلام کے بعض

واقعات اور بعض مقالات نے ذہن میں حطور کیا ہے جیسے :

قوله تعالى لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُمُ (الِ)، فَأَغْفِرْ لَنَا (الاعراف)

إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزُنِي إِلَى اللَّهِ (يوسف)

إِذْ ذَهَبَ مُغَاظِبًا - الی - إِنْ كُنْتُمْ مِنَ الظَّالِمِينَ (الانبیاء)

لیکن ایسے قیاس و تطبیق کو خطرناک سمجھ کر سکوت میں سلامتی سمجھیں اور اس معروض میں جو عطاء، بلا و اسطہ سبب خاص تجویز کیا گیا اس کا منشا ذہنوں ہے حکمت مختصہ بالاسباب الخاص سے گو وہ حکمت ہم سے مخفی ہو اور اگر اس حکمت میں بھی یہی رسوم ہو تو اس کامرج تقدیر کا راز ہے جس کی کہنہ ہماری استعداد علمی سے فوق ہے کہ وہ اس کا تحمل نہیں کر سکتی اس لئے اس کے ادراک سے طبع قطع کر دی گئی اور یہی عدم تحمل منشا ہے نہی عن الخوض فی المسئلة کا جیسے کوئی حکیم شفیق قرص شمس میں نظر جانے سے منع کرے لا لنقص فی الشمس بل لنقص فی البصر واللہ اعلم (تربیت السالک جلد دوم ص ۳۷۰)

امراض روحانی کا علاج

حالیہ: یہ تو امراض جسمانی کی حالت ہے، رہے امراض روحانی، ان کی حالت امراض جسمانی سے بدتر ہے امراض جسمانی کا اہتمام تو ہے امراض روحانی کے متعلق یہ بھی نہیں اگر اسی حالت میں خاتمہ ہو گیا تو خیر الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ مجھے آپ کی دعا اور توجہ کی سخت ضرورت ہے، جس وقت یاد آجائے میرے لئے دعا فرما دیا کیجئے جب میں اپنی حالت پر غور کرتا ہوں تو خوب روتا ہوں مگر کیا نتیجہ۔ ایک پارہ قرآن شریف کا پڑھ لیتا ہوں اور بارہ سو مرتبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دو مختلف مجلسوں میں عامیانه طور پر پورا کر لیتا ہوں۔ ہر نماز کے ساتھ ایک قضا تا ز پڑھ لیتا ہوں مغرب کے بعد چار نفلیں زائد پڑھ لیتا ہوں۔ عشاء کے بعد چار نفلیں بہ نیت تہجد پڑھ لیتا ہوں۔ اس وقت کل یہ معمول، اطلاعاً معروض ہے۔

تختہ: امراض روحانی کا ایک علاج اختیاری ہے اور اس میں اہتمام کی

ضرورت ہے، دوسرا علاج غیر اختیاری بھی ہے یعنی مستقیم یا غم یا غم اگرچہ طاعات و اجیر میں کثرت یا طاعات و اجیر میں کیفیت کو نقص یا خلل ہی واقع ہو جاوے تب بھی نفع اس پر مرتب ہوتا ہے اگرچہ کلفت کے غلبہ سے یا اور اک کی کمی سے اس وقت محسوس نہ ہو مگر ترتب تو اسی وقت اور احساس بعد میں ہوتا ہے اب اس کا غم نہ کیجئے اور اگر از اذہ غم پر قدرت ہو تو پھر یہ غم بھی خود علاج ہے باقی دعائیں اس جزو کو شامل کر دیئے۔ (ترتیب السالک جلد دوم باب دوم ص ۱۲۳)

باوجود اپنے کو حصر جاننے کے جب کسی میں عیب نظر

آتا ہے تو اپنے کو اچھا خیال کرنا۔ اس کا علاج

حالیہ: حضرت میں اپنے آپ کو سب سے خیر سمجھنا چاہتا ہوں لیکن جب کسی کے عیب کو دیکھتا ہوں تو یہ خیال ہوتا ہے کہ میرے اندر عیب نہیں ہے تو میں اس سے اچھا ہوں۔
 حقیقہ:۔ ایسے وقت میں دو امر کو ذہن میں حاضر کیا جاوے ایک یہ کہ شاید اس شخص کا یہ عیب ظاہری عیب و افسی نہ ہو کوئی تاویل یا کوئی عذر اس کے پاس ہو دوسرا یہ کہ اگر واقعی بھی عیب ہو مگر ممکن ہے کہ اس میں عند اللہ کوئی خوبی حالاً یا مالا ایسی ہو جس سے وہ میرے سب کمالات اور محاسن پر غالب ہو جاوے۔ (ترتیب السالک جلد دوم ص ۱۲۳)

نفس کے کسی مشتبہ رذیلہ کا خود علاج تجویز کرنا بتدی کیلئے مفید ہوگا

حالیہ: تبلیغ دین اور حضرت کے مواعظ زیر مطالعہ ہیں میں سمجھتا تھا کہ کبر پر بفضلہ تعالیٰ غالب آچکا ہوں لیکن اس ہفتہ میں اپنے ہر فعل پر غور کے ساتھ دیکھنے سے کئی مرتبہ مجھ کو اپنے اندر کبر و عجب کا احساس ہوا گو نفس نے ہر اس فعل کی جس پر مجھ کو عجب و کبر کا گمان ہوا تاویل پیش کرنے کی کوشش کی مثلاً

۱۔ ایک صاحب نے میرے دماغ و ذہانت کی مدح کی جس کو سن کر مجھ کو نہایت مسرت ہوئی اور مدح کو سچ سمجھا عقلی طور پر خوب ذہن نشین ہے کہ میرا کوئی کمال میرا ذاتی

نہیں ہے۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے بلا استحقاق عطا فرمایا اور جب ماہے واپس لے لے۔ مدح کو پرچ سمجھنے کی بابت نفس نے یہ تادیل کی جب تم اس کو اپنا کمال نہیں سمجھتے اور اللہ پاک کا انعام سمجھتے ہو تو اس خوبی کو خوبی نہ سمجھنا اللہ تعالیٰ کی ناشکری ہوگی۔

۲۔ ایک بار بازار سے آٹھ آنے کا گھی لانے میں عار محسوس ہوئی فوراً خیال ہوا کہ شرم کی وجہ تکبر ہے نفس نے تادیل کی تمہارے ملازم موجود ہیں میں معزز سرکاری عہدیدار ہوں اگر کوئی دیکھے گا کہ آٹھ آنے کا گھی خرید رہا ہوں تو ذلت کی نگاہ سے دیکھے گا مگر میں نے اس کو نفس کی تادیل سمجھا اور نفس کی تادیل کے لئے اس پر آمادہ ہو گیا کہ اب چار آنے کا گھی خرید کر لاؤں گا تو پھر اس بات پر شرم آنے لگی کہ چار آنے کے گھی کے لئے اتنا بڑا برتن لیواؤں گا تو کاندرا جتن سمجھے گا۔ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ملازم آگیا جس کے اس وقت نہ ہونے سے مجھے بازار جانا پڑ رہا تھا اس کے آنے پر جانا ملتوی کر دیا۔

۳۔ ایک بار میں نے اپنے ایک ماتحت کو اشارہ سے بلایا اس نے دیکھا مگر وہ اپنے کام میں مشغول رہا۔ مجھے طبعی طور پر ناگوار ہوا لیکن میں نے اس کے معترضاً عمل نہیں کیا بعد میں خیال آیا کہ ایسے مواقع پر تواضع کا بڑا تاؤ کرنا سیاست اور انتظام میں مغل ہو گا لہذا میں نے مصنوعی غصہ طاری کیا اور اس کے پاس جا کر تنبیہ کی میری اس تنبیہ میں ظاہراً تکبر کی نشان دہی نہیں لیکن قلب تکبر سے پاک تھا حضور والا مطلع فرمادیں کہ ایسے مواقع پر جہاں تواضع کا بڑا تاؤ سیاست اور انتظام میں مغل ہونا معلوم ہو۔ ظاہراً تکبر توں کا سا بڑا تاؤ کرنے کی شرعاً رخصت ہے یا نہیں۔

حقیقت: خط حرفاً حرفاً پڑھا طلب اور اہتمام اور فکر سے دل خوش ہوا۔ دل سے دوائی سب کا جواب یہ ہے کہ مبتدی کو ایسی کاوش نافع تو اس لئے ہے کہ اس سے نظر بڑھتی ہے مگر تحقیق کی منکر یا اس تحقیق پر اصلاح کو اس طرح مبنی کرنا کہ اگر نفس میں ذلیلہ ثابت ہو جائے

تو اس کا تدارک کریں ورنہ مطمئن ہو جائیں یہ مضر ہے اس لئے کہ ایسی تحقیقات اکثر دجلانی ہوتی ہے کہ ان میں دونوں جانب دلائل و کلام کی بہت گنجائش ہوتی ہے اگر رد ذیلہ کو ثابت کیا جائے بعض اوقات غلو و تمعن ہو جاتا ہے۔ پھر ہر چیز میں ایسے ایسے سوالات پیدا ہونے لگتے ہیں جو ایک مستقل مشغلہ ہو جاتا ہے جو ضروری مقاصد سے مانع ہو جاتا ہے اور اگر مطمئن کر دیا جائے تو نفس کو یہی عادت ہو جاتی ہے اور فکر کی چیزوں سے بھی بھیکر ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات خود مصلح کی رائے بھی مشتبہ ہو جاتی ہے اس وقت طالب کو زیادہ شبہات پیدا ہونے لگتے ہیں لہذا یہ طریق بجائے نافع ہونے کے مضر ہو جاتا ہے اس لئے صحیح طریق یہ ہے کہ جس امر میں ذرا بھی مشبہ ہو جائے اس شبہ کو حقیقت سمجھ کر اس کا تدارک علیٰ بغنی نفس کی مخالفت کی جاوے اور اگر ہمت نہ ہو یا کسی امر صریح و بین طور سے خلاف مصلحت مشاہد ہو تو بجائے تدارک علی کے استغفار اور جناب باری تعالیٰ سے دعا و التجائے اصلاح کی بکثرت کریں پس یہی معمول رکھا جاوے اور جس امر کے نتیجے ہونے میں کوئی اشتباہ نہ ہو اور تاویل کی گنجائش نہ ہو۔ اس میں بہت کر کے نفس کی مقاومت و مخالفت کی جاوے اور رسمی و وہمی مصالح کی پروا نہ کی جائے والسلام۔ (ماخوذ بواد النوار ص ۹۵۱ - ۹۵۰)

اپنے کو کسی مقام خاص کا مستحق سمجھنا

حالیہ: ساہا سال سے کوشش تکمیل اعمال اختیاری و تقویٰ میں مصروف ہوں لیکن کامیابی مفقود نامرادی پر قفل کرتا ہوں تو یہ اور تو یہ شکنجی پر قفل و سنگر تخلیہ قلب و حصول یکسوئی اور اس میں ناکامیابی ان اُدھیر بن میں زمانہ گزرتا چلا جاتا ہے لیکن کوئی حالت ایسی پیدا نہیں ہوتی ہے جس سے صاف اندازہ ہو کہ یہ حالت حاصل ہو گئی۔ حقیقت: یہ تمام ادبام ہیں مکامراً (جیسا کہ اکثر ہوا ہے) بلکہ ایک گونہ اپنے کو ایک عالی درجہ کا مستحق سمجھنا ہے جیسے کوئی بہت ادنیٰ درجہ کا شخص کہے کہ اتنے روز

ہوئے شاہی خدمت کرتے ہوئے مگر اب تک بادشاہ نے داماد نہیں بنایا کیا یہ گستاخی نہیں
ذہب کہا گیا ہے ۔ آرزو میخواہ لیک اندازہ خواہ
برتا بد کوہ را یک برگ کاہ

(تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۵۱)

تفاوت نماز فرض و نفل

مالو نماز میں بمقابلہ فرض کے سنت میں اور بمقابلہ سنت کے نفل میں اطمینان
دل بستگی زیادہ ہوتی ہے اور یہ امر اختیاری نہیں یہ معاملہ برعکس معلوم ہوتا ہے اس طرف
زہد کی ضرورت ہے یا نہیں ؟

تحقیق: نمازوں کے انواع میں جو تفاوت لکھا ہے میرے نزدیک یہ امر طبعی ہے
طبیعت کی خصوصیت اس کا سبب ہے منشاء اس کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض نفوس کی خاصیت
ہے کہ لزوم ان پر گراں ہوتا ہے اور عدم لزوم کی صورت میں بوجہ بٹاشنت کے ان کا کام
پہل ہوتا ہے اور بعض طبیعتوں کی طبعی خاصیت ہے کہ لزوم میں ان کو آسانی ہوتی
ہے اور اختیار دیدینے میں تساہل ہوتا ہے اور دونوں بوجہ طبعی ہونے کے غیر مذموم
ہیں اگرچہ باعث تباراثر کے دوسرا مذاق اچھا معلوم ہوتا ہے بہر حال اس کی فکر میں نہ پڑے
حالہ: دوسری عرض یہ ہے کہ ہر رات عشا کے بعد جب سونے لگتا ہوں بلکہ شام
ہوتے دل میں بہت شدت کے ساتھ یہ خواہش ہوتی ہے کہ یا اللہ تہجد کا وقت کب آئیگا
اور جب آخر شب کو حضرت کی برکت سے اور اللہ پاک کی مدد سے اُٹھ کر وضو و مسواک کرنے
لگتا ہوں تو دل میں بہت خوشی پیدا ہوتی ہے اور جی چاہتا ہے کہ بہت جلدی نماز شروع کروں
اور جب نماز میں کچھ چہرے سے قرأت شروع کرتا ہوں تو دل چاہتا ہے کہ ساری رات نماز پڑھوں
لیکن اس کے ساتھ ہی ذکر کے لئے دل میں ایک کشش ہوتی ہے تو گو بادل کو سمجھا بھجا کر نماز کو
ختم کر کے ذکر شروع کرتا ہوں۔ دن میں بھی یہ خیال رہتا ہے کہ تہجد کا وقت کب آوے

اس خوشی کے ہونے پر میرے اندر یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ تہجد اور ذکر میں جتنی خوشی ہوتی ہے فرضیات میں اتنی خوشی نہیں ہوتی۔ ہاں پہلے کی حالت کی نسبت آج کل فرضیات میں بھی کچھ لذت محسوس ہوتی ہے لیکن تہجد کی نسبت کم۔

تحقیق: فرض میں تو دوسری شق یعنی ترک کا اختیار ہی نہیں اور تہجد میں شق کا بھی اختیار ہے۔ باوجود اس کے فعل کی توفیق ہونا اس میں انعام حق کا زیادہ مشاہدہ ہے اس لئے اس میں زیادہ فرحت ہوتی ہے اور ایسی حالت مطلوب ہے گو دوسرے اعتبار سے توفیق فرض میں زیادہ انعام ہے تو کبھی ایک اعتبار کا اثر طبیعت پر غالب ہوتا ہے کبھی دوسرے کا اور یہ غمیر اختیار ہی امر ہے۔ (البدائع)

عمل میں زیادہ کاوش کرنا غلطی ہے

سوال: ایک صاحب نے عرض کیا کہ بغض اوقات قلب بالکل خالی معلوم ہوتا ہے بہت کوشش کرتا ہوں لیکن کچھ نہیں ہوتا۔

جواب: فرمایا کہ کوشش میں مبالغہ کرنا غلطی ہے۔ سرسری توجہ کافی ہے ورنہ کاوش کا انجام اچھا نہیں ہے۔ طبیعت پر تعب ڈالنے سے پریشانی بڑھتی ہے اور کبھی مایوسی تک نوبت پہنچتی ہے کیونکہ ایسے امور یعنی کیفیات وغیرہ اختیار میں نہیں اور جو امور اختیار میں نہ ہوں ان کے پیچھے پرنے کا انجام آخر میں تعطل ہوتا ہے، کیونکہ اگر بالفرض کامیابی نہ ہوتی تو شیطان راہ مارتا ہے، اغوا کرتا ہے کہ اتنا سمر مارتے ہیں پھر بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلتا، پھر کیا ناترہ بیگانہ محنت کرنے سے سخت می گیرد جہاں بر مردمان سخت کوشش

اور یہ قلب کا خالی رہ جانا قبض کہلاتا ہے اور قبض بسط سے بھی ارفع ہے اس واسطے کہ اپنی حقیقت قبض ہی میں معلوم ہوتی ہے، اگر بسط دائم رہے تو بہت سے اطلاق و ذلیل پیدا ہو جائیں چنانچہ حق تعالیٰ نے رزق ظاہری کی بابت فرماتے ہیں کہ و لو بسط الله الرزق لعباده لبغوا فی الارض یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے رزق کو فراغ فرمادیتے اپنے بندوں کے لئے تو وہ مشرکت کرتے، یہی حال رزق باطنی کا ہے کہ اگر احوال و کیفیات دائم رہیں تو بہت

سی باطنی خرابیاں پیدا ہو جائیں مثلاً کبر و عجب و طغیان وغیرہ۔ پس قبض میں بھی صدمہ مصلحتیں ہیں۔ جو قلب خالی معلوم ہوتا ہے تو واقعی میں خالی نہیں ہوتا بلکہ بھر ہوا ہوتا ہے لیکن جو چیز اس میں بھری ہوئی ہے وہ ایسی ہے کہ بظاہر محسوس نہیں ہوتی لیکن بعض اوقات وہی ضروری ہوتی ہے، چنانچہ مشک (چمڑے کا تھیلہ) میں کبھی پانی بھرتے ہیں کبھی پھونک کر بھرتے ہیں اور اس کے ذریعہ تیرتے ہیں۔ اس وقت ہوا کا بھرنا ہی ضروری ہوتا ہے اس وقت اگر اس میں کوئی سونے چھوڑے تو اس کے ڈوبنے کا مقدمہ ہے اور یہ جاننا مربی حقیقی کا کام ہے کہ کس وقت ہوا بھرنا مفید ہوگا اور کس وقت پانی بھرنا۔ بہر حال خواہ بسطہ سوخواہ نبض مربی کا بہر حال میں شکر ادا کرنا چاہئے، یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ہم خالی ہیں، کام میں لگا رہے اور حالات سے مصلح کو اطلاع دیتا رہے انشاء اللہ کامیابی یقینی ہے اس راہ میں حرمان ہرگز ہرگز نہیں ہوتا۔ (کمالات اشرفیہ، ملفوظ نمبر ۱۰۱۲)

ریا کے خیال سے عمل ترک کرنا شیطانی خیال ہے

سوال: ایک مرد نے لکھا کہ بعض وقت یہ خیال آ کر کہ لوگ ریاکار ہیں گے یا چھا کہیں گے تو نفس خوش ہوگا انفل وغیرہ پڑھنے سے باز رہتا ہوں کیا یہ ناکارہ ہر طرح سے محروم ہی رہے گا۔

جواب: خیر نہ ریاکار کا خیال تو شیطانی خیال ہے باوجود اس خیال کے بھی کام کرنا چاہئے اور مجھ سے کیا پوچھتے ہو کہ محروم رہو گے۔ یا کیا جھکو اپنا ہی حال معلوم نہیں، پھر یہ کہ اپنی کوتاہی جب سبب محرومی کا ہو تو دوسرا کیا علاج کرے معلم کلام اتنا ہے کہ طالب کام کرے اور اطلاع حالات کی دیکر جو کچھ پوچھنا ہو تو اس سے پوچھے بدون اس کے یہ کوئی کبیر تو ہے نہیں کہ چٹا دی جائے۔

معمولات میں پابندی نہ ہو سکتا (کمالات اشرفیہ، ملفوظ نمبر ۹۶)

ملاحظہ: ایک شخص نے عرض کیا کہ مجھ سے وظائف اور ادنیٰ پابندی باوجود اتہام کے نہیں ہوتی جس کی وجہ سے قلب از حد متاثر ہوتا ہے۔

جواب: ہنسا ارشاد فرمایا آپ اس کے زیادہ درپے نہ رہیں کیونکہ یہ خود ایک متقل شغل ہو جاوے گا جو حجاب سے باقی رہی کوتاہی تو استغفار اس کے تدارک کے لئے کافی ہے اور بعض متہم اس کوتاہی اور عدم پابندی میں بھی مختلف مصلحتیں ہوتی ہیں طبیعتیں مختلف ہیں اور اللہ عزوجل ہر نفس کی طبیعت کو خوب پہچانتے ہیں بعض طبیعتیں فطری طور پر ایسی ہوتی ہیں ان میں پابندی ہونے سے تین خرابیاں ہو جاتی ہیں اول تو عجب یعنی کہ ہم ہر وقت

کام کرتے ہیں کسی نام نہ نہیں ہوتا۔ دوم اگر عزت مرتب ہوں تو اپنے آپ کو ان مستحق سمجھنا یعنی یہ کہنا کہ میں بڑے ہم آہنگ کے مستحق ہی میں ہیشہ امداد و وظائف وغیرہ میں مشغول رہتے ہیں۔ سوم عدم عزت پر اللہ تعالیٰ کا لشکر ہونگا ہم اتنی مشقت و محنت و ریاضت و مجاہدہ کرتے ہیں اور ہم کوشش نہیں کرتے تو اگر ایسی طبیعتوں میں پابندی نہ ہو تو بجائے عجب کے تواضع ہوتی ہے کہ ہم کس ملاق میں کام تو لیں، سو ہی نہیں سکتا اور بجز وہ کیا آجاتا ہے اور عزت کے مرتب ہونے پر اپنے آپ کو مستحق نہیں سمجھتا بلکہ خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے، اور عدم عزت پر خدا تعالیٰ سے شاک نہیں ہوتا اور یہ سمجھتا ہے کہ میں نے کیا ہی کیا ہے جو عزت ملیں پس یہ مصلحتیں ہیں کوتاہی میں۔ (اشرف للسائل)

خیالات منکرہ سے پریشان نہ ہونا چاہئے
 فسر یا کہ سالک کو خطرات منکرہ سے پریشان نہ ہونا چاہئے نہ ان کی بنا پر اپنے کو مردود سمجھنا چاہئے کیونکہ ان خطرات کو تو شیطان قلب میں ڈالتا ہے جیسے کوئی بری بری باتیں کسی کے کان میں کہے اور سننے والے کو اس کے روکنے پر قدرت نہ ہو، تو باوجود ناگوار ہونے کے اس کو مجبوراً بلا قصد و بلا اختیار سنا ہی پڑے گا یعنی وہ سامع ہوگا مستمع (سنانے والا) نہ ہوگا نہ حاکم ہوگا۔ لہذا اس کا کیا تصور بلکہ اس کو جو ناگوار ہی کی وجہ سے اذیت ہو رہی ہے اس کا اسے اجر ملے گا۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی اپنے محبوب بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے کے لئے نہایت شوق کے ساتھ چھپٹا ہوا چلا جا رہا تھا کہ راستہ میں اس کا دشمن ملا اور اس کو اس ارادے سے باز رکھنے کے لئے اس کو سنا سنا کر بادشاہ کی شان میں بے ادبی کے کلمات بکنے لگا تو گونا گوار تو بہت ہوگا لیکن عقل و طلب کا تقضیٰ ہی ہے کہ اس نا ائق اور نیک حرام کی بیہودہ بکو اس کی طرف التفات ہی نہ کیا جائے ورنہ اگر رد و کد شروع کر دیا تو حاضر ہی دربار کا وقت گزر جانے کا اندیشہ ہے پس اس کو چاہئے کہ صبر کئے ہوئے خاموشی کے ساتھ چلتا چلا جائے پھر جب دربار میں رسائی ہو جائے گی تو اول تو وہ کم سخت آپ ہی بیچا چھوڑ دے گا ورنہ کان پکڑ کر نکلوا دیا جائے گا چنانچہ عادت اللہ یہی ہے کہ بعد وصول تام خطرات فنا ہو جاتے ہیں۔ اگر بمقتضائے اسباب و مصالح خاصہ پھر بھی فنا نہ ہوں تب بھی کچھ غم نہ کرے کیونکہ خطرات خیر اختیار پر مطلق مواخذہ نہیں، نہ وہ

سیت ہیں البتہ اذیت و کلفت ضرر دہوتی ہے مگر اس پر بھی اجر ملتا ہے اور درجے بڑھے ہیں۔ (ماخوذ از شرف السواعی حصہ اول)

ارادہ اور نیت کا بھی اجر ملتا ہے

مال: ایک صاحب نے لکھا کہ ارادوں کی بے بسی سے بعض وقت جی چاہتا ہے کہ بس کہا ہی نہ کروں لیکن اس پر بھی قدرت نہیں۔

تحقیق: ارادہ اور نیت پر بھی اجر ملتا ہے گو عمل سے خالی ہو، اس کو مفت کیوں خالص کیا جائے۔ عمل کی کوتاہیوں پر استغفار کرتے رہنا چاہئے۔ لیکن استغفار کے بعد پھر کام میں لگ جانا چاہئے۔ ہر وقت کوتاہیوں کا مرنہ مضر ہے، مایوسی و پست ہمتی پیدا ہوتی ہے۔ حضرت شیخ اکبرؒ نے لکھا ہے کہ توبہ و استغفار کے بعد معاصی کا ذہل قبول توبہ کی علامت ہے۔ اس زمانہ میں خاص کر رجا کا غلبہ ہی مفید ہے۔ (از نقاس عینی حصہ دوم)

اولاد کے لئے فکرِ معاش

حالہ: حضرت کل بعد مغرب بہت رقت ہوئی بہت دل گھرا یا حالانکہ بہت ٹھنڈی ہو چلی رہی تھی لیکن ایک دم تمام جسم پسینہ میں نہا گیا اور یہ خیال آیا کہ مجھے اپنی اولاد کے معاملات سے اس قدر دلچسپی ہو گئی ہے کہ دن رات اسی خیال میں مستغرق رہتا ہوں۔ یہ خیال ہے کہ تیرا وقت قریب آ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہونے کی ضرورت ہے۔ اپنے اعمال و افعال جو کچھ ہیں وہ نظر میں۔ اول ان بچوں کے پاس ہونے کا قصہ درپیش تھا۔ اسی کے ساتھ ان کی ملازمت کا معاملہ شروع ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً ایک مہینہ بلکہ اس سے بھی زیادہ مدت سے سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھے غرضیکہ ہر وقت بچوں کا خیال رہتا ہے۔ رات کو جب کبھی آنکھ کھلی تو بچوں کے امتحان میں کامیابی کے لئے، یا ان کی نوکری کے لئے دعا کی۔ پلنگ پر جب لیٹا تو بچوں کی کامیابی کے لئے دعا کی۔ پلنگ سے جب صبح کو اٹھا تو پہلا کام بچوں کی کامیابی کے لئے

دعا کرنا۔ نماز کے بعد بچوں کی فلاح و بہبود کے علاوہ اور سب دعائیں کرنا چھوڑ دینا۔ اس خیال سے بہت تکلیف محسوس ہوتی ہے، کہ خدا نخواستہ اگر مرتے وقت بھی بچوں کا خیال رہا تو میں دین کار ہوں گا نہ دنیا کا۔ بالکل تباہ ہو جاؤں گا۔ سرکار توکل میرے اندر نہیں رہا۔ قلب میرا تاریک ہو گیا حالت میری بد سے بدتر ہو گئی، مجھے اپنی حالت دیکھ کر بہت غم اور رنج ہوتا ہے۔ حضور میری دست گیری فرماویں۔ خدا جانے میں کہاں جا رہا ہوں۔ میرے حق میں حضور دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے راہ راست پر لاوے مجھے کچھ پڑھنے کے لئے تعلیم فرمادیں جس سے میرے قلب کی حالت درست ہو۔ مجھے اس وقت اپنی ذات سے نفرت محسوس ہو رہی ہے۔ بُرا ہوں۔ بہت بُرا ہوں لیکن حضور کا غلام ہوں حضور اپنے اس خوار و ذلیل غلام کی طرف خاص توجہ فرماویں۔

جواب: یہ احساس اور فکر خود علامت ہے ایمان کامل کی اللہ تعالیٰ مزید تکمیل اور سوخ عطا فرمادیں اور توکل کے نقص کے شبہ میں بھی محض وہم ہے۔ توکل کامل کے درجات ہیں۔ کاملین کا ساتھ نہیں مگر جو درجہ مامور بہ ہے (اور کوئی مامور بہ ناقص نہیں ہوتا) وہ بھی بفضلہ تعالیٰ حاصل ہے جس کی کھلی علامت ہر حالت میں دعا کرنا ہے، اگر کارساز پر نظر نہ ہوتی تو دعا ہی کیوں کی جاتی اور یہی نظر توکل مامور بہ ہے، اور اس کے ہنگے کے درجات زیادہ کمال کے ہیں۔ مگر یہ بھی ناقص نہیں۔ بالکل اطمینان رکھا جاوے رہا یہ شبہ کہ اولاد سے شدید تعلق ہے اور یہ کہ اگر آخر وقت میں اس کا احتضار ہا تو محض تباہی ہے یہ خوف علامت ایمان کی ہے اور اس خوف پر بشارت ہے حفاظت ایمان کی، کمانی قولہ تعالیٰ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ اور ظاہر ہے کہ منفرت موقوف ہے ایمان کے محفوظ رہنے پر تو خوف پر اس طرح بشارت ہے حفاظت ایمان کی۔ پھر تباہی کا وہم کیوں کیا جائے اور راز اس میں یہ ہے کہ اولاد کے مصلح و فلاح کا اہتمام طاعت ہے اور ان کا حق مامور بہ،

نوا اور یہ کہ استحضار سوائے خاتمہ کا سبب کیسے ہو سکتا ہے، اللہ ان کی
 ایسی محبت کہ جس میں دین کی بھی پروا نہ رہے اور اس محبت میں معصیت کا بھی بے تکلف
 ارتکاب کر لیا جائے یا احکام ضروریہ میں خلل ہونے لگے تو یہ ہے غیر اللہ کی محبت مذمومہ
 یہ وضابطہ کا جواب ہے اور بالکل صحیح اور حقیقت ہے۔ لیکن اس کے ساتھ عادت اللہ
 ہے کہ وہ من کے آخر وقت میں یہ جانز محبت بھی فنا کر دی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی
 کی محبت کے غلبہ میں دم نکلتا ہے۔ (النور رمضان ۱۳۵۹ھ)

خلاف طبع امر کیلئے یہ سمجھنا کہ اپنے معاصی کا نتیجہ ہے
 حالہ: (بچے از مجازین) عرصہ چھ سال کا ہوا احقر نے اپنی اصلاح کے متعلق ایک
 ویدہ میں ضمنیاً بھی عرض کیا تھا کہ احقر کی یہ آرزو ہے کہ اگر کوئی میرا مخالف اور دشمن میری
 مخالفت کرے تو میں اس سے کوئی رنج نہ رکھوں بلکہ اس کی مخالفت کو اپنے ہی افعال و حرکات
 کا نتیجہ سمجھوں تو احقر کے ان الفاظ کے (کہ مخالف کی مخالفت کو اپنے ہی کئے کا نتیجہ سمجھوں)
 جواب میں حضور والا نے یہ تحریر فرمایا تھا کہ "اس کا استحضار اختیاری ہے مگر استحضار سے
 اس میں رسوخ ہو جائے گا۔ سو عرض ہے کہ احقر برابر اس ارشاد پر عمل کر رہا ہے کہ جب کئی
 واقعہ طبیعت کے خلاف پیش آتا ہے تو اس کو احقر اپنے ہی افعال و حرکات کا نتیجہ سمجھتا،
 مگر اب ایک عرصہ تک تو یہ سوچ لیا کرتا تھا کہ حق تعالیٰ کی مرضی یہی تھی، اس سے تسلی
 ہو جاتی تھی مگر اب اس مراقبہ کی (کہ حق تعالیٰ کی مرضی یہی تھی) بالکل ہمت نہیں ہٹی
 کیونکہ فوراً یہ خیال ہوتا ہے کہ چونکہ یہ واقعہ میرے افعال و حرکات کا نتیجہ ہے تو گویا تو نے
 اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کیا تو پھر اس موقع پر یہ مراقبہ کرنا کہ حق تعالیٰ کی مرضی یہی تھی
 کہیں بے ادبی نہ ہو۔ چنانچہ احقر اب یہ نہیں سوچتا کہ حق تعالیٰ کی مرضی یہی تھی مگر اس کا
 نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر پریشانی بہت بڑھ جاتی ہے اور پھر کوئی چیز ایسی نہیں ملتی جو مزہ
 تسلی ہو تو اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا جب احقر یہ سمجھ رہا ہو کہ یہ ناگوار واقعہ

خود میرے ہی غلط افعال و حرکات کا نتیجہ ہے تو اس وقت یہ مراقبہ کرنا کہ حق تعالیٰ کی مرضی یہی تھی کیا یہ کچھ بے ادبی ہے تاکہ احترازیے موقع پر اس سوچنے سے کہ حق تعالیٰ کی مرضی یہی تھی آئندہ بھی باز رہے۔ باقی عقیدہ تو یہی ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے باقی شبہ جو بے ادبی کا ہوا ہے وہ ہر بار اس کے مستحضر کرنے میں ہرگز تھیوتی :- اعتقاد میں دونوں کا جمع ہونا تو عملی اشکال ہی نہیں جیسا خود سوال کے اخیر میں مذکور ہے البتہ ذوق جامع ہونا باعث بار بعض آثار عملی اشکال ہے جس میں اس اشکال کے علاوہ بعض اوقات ایک دوسرے محذور کا لزوم بھی محتمل ہے یعنی مجبور تھیوتی سے تفسیل محبت پس جہاں اس جمع کی ضرورت نہ ہو وہاں تو اسلم جمع اول ہی پر نفاذ کرنا ہے لیکن جہاں ضرورت ہو جیسا یہاں بدون اس استحضار کے تسلی کا فقدان سوال میں ظاہر کیا گیا ہے۔ اس صورت میں ضعفاء کے لئے اس جمع کی صورت یہ ہے کہ تسبیب عن المعاصی کا استحضار تو بلا واسطہ کیا جاوے اور تسبیب عن مشیتہ الحق کا استحضار بلا واسطہ تسبیب اول کے کرے یعنی یوں سمجھے کہ یہ نتیجہ میرے معاصی کا ہے اور اس نتیجہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اس لئے مرتب فرمایا ہے کہ میرے معاصی کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے اور مستقبل میں مجھ کو ہدایت ہو جائے پس اس طرح سے دونوں استحضار بلا کسی محذور کے جمع ہو جائیں گے۔ (ماخوذ تریبیت السالک حصہ دوم ص ۳۶۲ تا ۳۶۳ - النور رمضان ۱۳۵۹ھ)

حفاظت مال کا عبادت ہونا

سوال: عصر کے بعد بلا ناغہ درجہ حضور نے تعلیم فرمادیا پڑھ لیتا تھا، رات کو بھی مطالعہ سے بہت کم فرصت ملتی تھی۔ کام کی کثرت سے کسی سے بات کرنی نہ ہوتی تھی رمضان شریف میں بھی فرصت نہ ملتی تھی۔ اگرچہ کسی قسم کی لیاقت اس ناکارہ

کراتی عمر میں حاصل نہ ہوئی لیکن اتنی عمر اس مشغلہ میں حتیٰ تعالیٰ نے صرف کرائی جیسی تاریخ البالی فدوی کو حاصل تھی کہ اب زمانے میں کم لوگوں کو میسر ہے۔ اب بھائی مرحوم کے انتقال کے بعد سارا بار جائیداد وغیرہ کا میرے ذمہ پڑ گیا کہ جس سے سخت پریشانی ہے جو فدوی بیان نہیں کر سکتا میں اس کام سے بالکل ناواقف ہوں کبھی کیا ہی نہیں حساب سے محض ناواقفیت ہے اس وجہ سے سخت پریشانی کا سامنا ہے۔ دن رات نگرے خالی نہیں گزرتا۔ فدوی کے یہاں ان پانچ ماہ میں چار تو میں ہو چکیں ان کے صدمہ سے دل اس قدر کڑور ہو گیا ہے کہ میان نہیں ہو سکتا اور پھر اس کام کا فکر کہ تمام مشاغل چھوڑ گئے۔ اس وقت جو فدوی کی حالت ہے بس حتیٰ تعالیٰ ہی مدد فرمائیں۔ اگر کسی وقت فرصت ملی تو ہم ذات غیر معین مقدار میں پڑھ لیتا ہوں۔ ابھی تک لیاقت منضبط نہیں ہوئے اور کئی چارہ کار سمجھ میں نہیں آیا۔ جو کچھ حضور کا حکم ہے فدوی حاضر ہے۔ موت ہر وقت پیش نظر رہتی ہے ان کے یتیم بچے ہیں ان کی تربیت کا بار بھی میرے ہی ذمے ہے جس سے بہت خوف ہے کہ کہیں ان کے حقوق میں کوتاہی نہ ہو جائے۔ آج کل جائیداد کے کام میں سخت دشواریاں ہیں خصوصاً مجھ بے وقوف و ناواقف کے واسطے حضور دعا فرما دیں کہ حق تعالیٰ میری مدد فرمائیں اب جیسے میرے واسطے حکم ہو اس سے مطلع فرمایا جائے۔

جو اسب: اپنے مال کی حفاظت بھی عبادت ہے خصوصاً جبکہ دو مرا طر تیرہ معاش نہ ہو اور بدن انتظام معاش کے دل جمعی نہ ہو اور بدن دل جمعی کے طاعت نہ ہو جب اس وقت عام طبائع ضعیف کی یہی حالت ہے نیز نیامی کی نگرانی بھی عبادت ہے جبکہ ان کا کوئی نگران نہ ہو جب عبادت ہے تو عبادت سے کیا گھبراتا۔ رہی پریشانی، وہ اس کا سبب ناراضی ہے اور یہ عارضی ہے، اور عارضی بھی ہر طرح الزوال پس ایسی ہر طرح الزوال پریشانی جو سبب ہو جاوے جمعیت دائم کی قابل تحمل ہے اور اس عارضی کے سبب جو ناغہ وغیرہ ہو جاوے قابل گورائی ہے۔ بس جب تک کام نکالیں نہ آوے ضرور اس میں دخل دیں۔

اور توجہ رکھیں اور ناواقفی کا تدارک کسی واقف خیر خواہ کو شریک کام کر لیں۔ جب کام قابو میں آجائے پھر مناسب انتظام کر کے تفرغ للعبادت کی صورت نکال لیں کہ اس وقت یہ آسان ہوگا اور ایسے تفرغ کے میسر ہونے تک اُردا میں اختصار کو گوارا کریں مگر مداومت کی کوشش کریں اور اہل اللہ کے ملفوظات اور حالات کا مطالعہ کبھی ناغہ نہ کریں خواہ روزانہ پانچ ہی منٹ کے لئے ہو۔ (تربیۃ النور ص ۳۲۲۔ تربیت السالک ص ۱۲۴)

ناز میں ذکر قلبی کے موجود ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں

حالیہ: عرض ہے کہ بعض مرتبہ تری نازی میں امام کے پیچھے جب ہاتھ باندھ کر فارغ ہوتا ہوں تو قلب خود بخود ذکر کی طرف مائل ہو جاتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قلب سے ذکر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ جاری ہے۔

تھتوت: محمود حالت ہے، اس میں تغیر کی ضرورت نہیں۔ البتہ زبان کو حرکت نہ ہو اور اگر بجائے دوسرے افکار کے سورہ فاتحہ کے الفاظ کا تخیل ہو تو زیادہ بہتر ہے اور اگر اس میں تکلف ہو تو پھر اس حالت موجودہ کا بھی مضائقہ نہیں۔ (ماخذ تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۲۶ و النور۔ ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ)

غیر اختیاری امور کا تدارک

حالیہ: خادم کی یہ حالت ہے کہ سوائے نماز پنجگانہ کے اور کچھ کام نہیں ہوتا۔ نماز تہجد کو بھی آنکھ نہیں کھلتی اور اگر کھلتی ہے تو وہ سستی ہے کہ اٹھنا نہیں جاتا مجھے اپنی حالت پر افسوس ہوتا ہے۔

تھتوت: افسوس علامت ہے محبت کی جو مطلوب ہے مگر افسوس کے بھی حدود ہیں جو چیز اختیاری ہو وہاں افسوس کے ساتھ اختیار سے یہی کام لینا چاہئے۔ مثلاً تہجد

اور خیر میں نہیں ہوتا تو بعد عشا پڑھ لیا جاوے اور جو چیز اختیار نہ ہو وہاں صبر و
استقرار و دعا کرنا چاہئے۔ (ماخوذ تربیت السالک جلد دوم ص ۲۶۸)

آثارِ فنا

مالہ: آج کل کچھ دنوں سے اپنے تمام عیوب ہر وقت مستحضر رہنے لگے ہیں اپنے
تمام ظاہری اطوار و عادات و اعمال میں اور باطنی اعمال میں ہزاروں طرح کی برائیاں
نظر آتی ہیں۔ سوچتا ہوں توجی گھبرا جاتا ہے کہ آخر کس طرح ان کی اصلاح ہوگی مجھ پر
بڑی بے حسی طاری ہے۔ امور اختیار یہ میں حتی الامکان اہتمام رکھتا ہوں۔ مگر
کچھ بنائے نہیں بنتا۔ بڑا خوف معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت میری تو یہ حالت ہے اور لوگ
بڑے حزن من رکھتے ہیں اکثر اوقات اپنی تعریف بھی لوگوں کی زبان سے سنتا ہوں جس
سے بڑی دھت ہوتی ہے کہ یا اللہ میرا انجام کیا ہوگا۔ یہ بڑا دھوکا ہے اور خاص
ربا کاری ہے۔ لوگ میری طرف سے کس قدر دھوکے میں ہیں۔ حضرت والا مجھے اپنی اس
مالت پر طرح طرح کے دھوکے پیدا ہوتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نفس و شیطان
کی آمیزش سے بالکل تباہ ہو جاؤں۔ میں لوگوں سے حتی الامکان بہت ہی کم ملتا ہوں۔
اور نہ کسی سے ملنے کو جی چاہتا ہے۔ مجھے کسی بات میں کوئی دلچسپی ہی معلوم نہیں ہوتی
زندگی بالکل بے کیف ہی معلوم ہوتی ہے۔ جب کسی تردد خاطر و غمخیزہ سے معمولات ترک
ہوجاتے ہیں تو بہت دل گھبراتا ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ میں خسر الدنیا والآخرہ
لا بصدق ہو جاؤں حالانکہ عقلاً یہ سب امور قابل توجہ معلوم نہیں ہوتے مگر چونکہ آج کل
طبیعت پران کے اثرات کا غلبہ ہے اس لئے حضور والا سے عرض کر کے ٹوڈ بانہ اتھاس ہے کہ
بری تسکین قلب و اصلاح حال کے لئے دعا فرمائیں۔

تختہ: دعا بھی کرتا ہوں اور بشارت بھی دیتا ہوں کہ یہ سب آثار فنا کے ہیں۔
(تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۰۵-۲۰۶)

تنگی رزق کیلئے عوام کو وظیفہ جائز ہے

مالم: چونکہ امداد اللشاق کے مطالعہ سے معلوم ہوا ہے کہ مالی حالت کی تنگی کے لئے فاتحہ شریف صبح کے فرض اور سنتوں کے درمیان اپنے اکابر اس معمول کو اپنے لوگوں کو ارشاد فرماتے ہیں اور بعض مواعظ سے معلوم ہوتا ہے دنیا کے حصول کے لئے وظائف پڑھنا پسند نہیں فرماتے ہیں کیا یہ پڑھنا خلوص اور رضا کے خلاف تو نہیں ہے۔

تھیوت: رضا ہر شخص کی جدا جدا ہے۔ عوام کی رضا کا جو درجہ ہے یہ اس کے خلاف نہیں۔ (النور جہادی الادنیٰ ۱۳۵۱ھ) تربیت السالک حصہ دوم ص ۴۴

لوگوں سے تکلیف پہنچنے پر چین نہ آنا معصیت نہیں

مالم: خاکسار کو ایک مرض ہے کہ اگر کوئی شخص مجھے کسی قسم کی تکلیف و نقصان پہنچا دے تو چین نہیں آتا ہے جب تک کہ اس سے اتنا مقام نہ لوں۔

تھیوت: چین نہ آنا معصیت نہیں صرف کلفت ہے جس کا تحمل مجاہد اور موجب اجر ہے تو چین نہ آنا مضر نہ ہوا بلکہ نافع ہوا۔ باقی کلفت کا علاج، یہ معلم دین کا منصب نہیں لیکن تبرعاً دیکھے دیتا ہوں کہ چند روز تحمل کرنے سے یہی عادت ہو جائے گی۔ پھر اس درجہ کلفت نہ ہوگی۔ (النور صفر ۱۳۵۲ھ) تربیت السالک حصہ دوم ص ۴۵

حالات و کیفیات کا انتظار بیکار ہے

مالم: حالات و کیفیات اگر مقصود نہیں مگر دل میں ایک شوق ہے کہ دیکھوں وہ کیا چیزیں ہیں اور وہ کسی خاص مراقبہ یا شغل سے حاصل ہو سکتے ہیں یا موہوب ہیں اگر میرے مال کے مناسب ہو تو کچھ ارشاد فرمایا جاوے۔

تحقیق: جب مقصود نہیں تو تاشاہی دیکھنے سے کیا فائدہ۔ باقی یہ کہ کیا چیز ہیں
 جو کم بیش سب کو پیش آتے ہیں اور سب ہی کو ان کا شاہد ہوتا ہے۔ کسی بیشی و ضعف
 و زت کا فرق ہے مثلاً کسی وقت قلب میں رقت ہوتی ہے کسی وقت بیقراری ہوتی
 ہے کسی وقت ایسی محبت آتی ہے کہ غیر محبوب سے دل برداشتہ ہو جاتا ہے یہی ہیں
 کیفیات، اور اکثر خلوت و اشغال پر مرتب ہو جاتی ہیں مگر لازم نہیں اور بکثرت
 مرتب ذکر و تذکرہ اولیاء سے بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ (ماخوذ تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۳۵
 النور جلدی الثانی ۱۳۵۲ھ)

عوارض نفسانی کا علاج

ماہر: ایک ماہ کا عرصہ ہوا کہ خادم کی دوکان کے سامنے ایک شخص ہم پیشہ تجار
 نے دوکان کھولی اور ہم سے حسد رکھنے لگا۔ نرخ میں کمی کر کے گاہکوں کو توڑنا چاہتے ہیں۔
 اس کی وجہ سے میرے قلب میں تشویش اور فکر ہو گیا ہے اور جب ہمارا گاہک ان کے
 پاس جاتا ہے تو قلب دکھتا ہے اور مردہ دلی پیدا ہوتی ہے، طبیعت بے چین ہو گئی ہے۔
 دل کو بھاتا ہوں کہ جو قسمت کا ہے، یہی ملے گا، مگر دل ہے کہ بکھرا جاتا ہے طبیعت فکر مند
 اور غضب رہتی ہے یہاں تک کہ کھانے اور آرام میں کمی ہونے لگی اور اللہ تعالیٰ سے دعا
 بھی کرتا ہوں کہ یہ بات نہ رہے اور حضرت والا کی دعا کا محتاج ہوں اور اس کا علاج فرما۔
 تحقیق: علاج معصیت کا ہوتا ہے، یہ عوارض نفسانیہ غیر اختیاری ہوتے
 کے سبب معصیت نہیں لہذا بجائے علاج دعا کرتا ہوں (تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۵۱ النور جلد اول)
 اتباع شریعت کی نیت سے ہونا چاہئے نہ کہ وارد کی نیت سے
 تحقیق: وارد اگر شریعت کے موافق ہو تو اتباع شریعت کی نیت سے عمل کیا جائے کہ
 اتباع وارد کی نیت سے۔ ناقصین کے لئے یہ سخت خطر ہے کی چیز ہے۔ (تربیت السالک حصہ دوم
 ص ۲۰۲ - النور زیج الاول ۱۳۵۳ھ)

صبر کی دعا، بلا کی دعا ہے

حالیہ ۱۔ حضرت عالی دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ صبر جمیل کی توفیق عنایت فرمائے۔
 تحقیق:۔ راحت و عافیت کی دعا کرتا ہوں اور کرنا چاہیے پھر خواہ وہ بصبر و صبر ہی عطا ہو
 اور خود صبر کی دعا، بلا کی دعا ہے، چنانچہ یہ مضمون ایک حدیث میں آیا ہے رواہ الترمذی
 من حدیث معاذ قوله صلى الله عليه وسلم لمن سمعته يقول اللهم انى
 اسئلك الصبر فقال سئلت الله البلاء فسله العافية كذا فى
 تخریج العسراقى لاحادیث الاحیاء۔ اور نصوص میں جو دعائے صبر آئی
 ہے اس کا ایک محل تو یہ ہے کہ وہاں یا صبر علی البلاء مراد نہیں ہے۔ صبر علی الطاعة
 یا عن المعاصی ہے اور یا اگر صبر علی البلاء ہے تو مستقلاً مقصود انہیں ہے بلکہ یا
 تو عافیت کی دعا کے ساتھ اس کو جمع کیا گیا ہے پھر جو صورت اس کے لئے علم الہی میں
 مصححت ہوگی اس کا وقوع ہر جادے کا اور یا وہ مقدمہ ہے کسی مقصود کا جو حاصل
 مقصود نہیں جیسے عسکری طالوت کی دعا۔ رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَنَبِّتْ
 اَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ (البقرہ) یا سحرہ فرعون کی دعا
 رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ (الاعراف) کہ ایک جگہ ثبات فی الجہاد
 و غلبہ علی الکفار اور ایک جگہ ثبات علی الایمان و رضا و تقویض مقصود بالدعا ہے۔
 اس کی تائید حدیث لا تتمنوا لقاء العدو و فاذا القیتموهم فاصبروا
 سے ہوتی ہے کہ جہاد جو کہ اعظم الطاعات ہے مگر اس کا وقوع اجیاناً مستلزم ہے
 تضرع عن العدو کو اس لئے مقصوداً اس کی تمنا سے نہیں ہو گئی کہ اس میں امن و جنت
 ہے تضرع کی اور وقوع کے وقت صبر کا امر فرمایا گیا۔ اسی طرح صبر کی طلب بلا کی
 طلب ہے لیکن وقوع بلا کے وقت صبر کا امر ہے البتہ جہاد وقوع کے بعد عادتاً مرفوع

یہ پہلی تہو جیسے کسی محبوب کی موت وہاں خود صبرِ شاہِ مقصود منتقل کے ہو سکتا ہے گو اصلی مقصود وہاں بھی رضا، بالقضاء ہے مگر یہ سب متقارب ہیں اس لئے ایک کی مقصودیت کو دوسرے کی مقصودیت کہہ سکتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ وہاں عافیت بمعنی رفع بلا مقصود نہیں اس لئے صبر کو اس مقصود کا مقدمہ نہیں کہہ سکتے۔ (ماخوذ از فورجادی الاخری ۱۳۵۰ھ دزبیت السالک حصہ دوم ص ۲۵۹ - ۲۶۰)

اُمورِ دنیویہ کے فنا کا اتھزاران کی تمنا کا علاج ہے

حالہ: مجھ میں ایک مرض بہت پرانا ہے جس کو کئی بار ارادہ کیا کہ اپنے عریضہ میں لکھوں مگر ابھی تک اس کی توبت نہ آئی وہ مرض یہ ہے کہ میری طبیعت ہمیشہ یہ چاہتی ہے کہ جو چیز اور جو بات ہو وہ اعلیٰ درجہ کی ہو جس کو نہ کوئی کم ہی کہہ سکے اور نہ جس میں کوئی عیب نکال سکے کم از کم اس زمانے کا سب سے زیادہ بہادر میں ہی ہوتا۔ بیعت کا خیال ہوا تو ہر وقت یہ دھن تھی کہ ایسا میرے جس کا کوئی ثانی نہ ہو اور جس میں کوئی عیب نکال نہ سکے۔ چنانچہ ائمہ کرام کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ایسا شیخ عطا فرمایا اور بفضلہ تعالیٰ میری طبیعت کو ایک اطمینان حاصل ہے۔ شاعری کا خیال آتا ہے تو یہی چاہتا ہے کہ کم از کم اتنا ہوتا کہ ہندوستان میں اول گنا جاتا فرض یہ ضبط لڑکپن سے ہے کھیل میں بھی یہی کیفیت رہتی تھی جب کسی لڑکے کو اپنے سے اچھا کھیلے پاتا تو رشک ہوتا۔ جس طرف طبیعت کا میلان ہوتا ہے، ہوتے ہی چلا جاتا، حالانکہ بفضلہ تعالیٰ اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ نہ اتنا علم ہی ہے کہ شاعر بن سکوں اور اتنا کیا علم تو بالکل ہی نہیں ہے۔ دل اتنا کمزور کہ اندھیرے میں ڈر لگتا ہے بہادری تو ایک طرت غرض میں اپنے خیالات پر بہت ملامت کرتا ہوں شرمندہ ہوتا ہوں توبہ کرتا ہوں مگر پھر بھی یہ خیالات ہر ذلت دماغ میں گھومنے رہتے ہیں اور طبیعت اس سے لطف لیتی ہے کہ اس جنگ میں شریک ہوا ہوتا۔ میں ہی سب سے زیادہ بہادری دکھاتا۔ سب کا

سرمد میں ہی ہو تا لیں فوج کو لڑانا یا بجائے قانون گو ہونے کے کلکتہ ہو تا تو یہ انتظام کرتا۔ اس طرح لوگوں سے برتاؤ کرتا۔ حالانکہ اصلیت یہ ہے کہ اپنے میں قانون گو کا یہی لیاقت نہیں پاتا۔ اب لس کا علاج جو حضور تجویز فرمادیں اس پر عمل کروں۔

تختیو: جس ذیوی چیز کی تمنا ہو اس کے فنا کا استحضار تاکہ اس کا بیج اور بے نتیجہ ہو نا ستحضر ہوا اور اگر وہ دین میں مضر ہے تو اس کے نتیجہ بد کا بھی استحضار۔ اس راویہ کے بار بار استعمال کرنے سے یہ ہوس مٹھل ہو جائے گی اور اگر وہ امر دینی ہے تو اس کی تمنا محمود ہے اس کے علاج کی ضرورت نہیں۔ البتہ شرط یہ ہے کہ جس کو وہ نعمت عطا ہوتی ہے اس سے زائل ہونے کی تمنا نہ ہو۔ ورنہ وہ حد اور حرام ہے۔ اگر خدا تا کر وہ ایسا ہوتا ہو اس کے متعلق مستقل سوال کیا جاوے۔ باقی اعتدال کی دعا بھی کرتا ہوں۔ (ماخوذ از لہذہ رجب المرجب ۱۳۵۳ھ و تربیت الالک حصہ دوم ص ۲۱۲-۲۱۵)

موجودہ نعمتوں پر شکر نہ کرنا بھی موجب سلب ہو سکتا ہے

حالیہ: چند معمولی معمولات کے سوا کچھ بھی نہیں پڑھتا، اور وہ بھی نہایت بے کیفی کے ساتھ پورے ہوتے ہیں۔ خیال ہوتا ہے کہ جو لوگ حضور والا سے وابستہ ہیں اور کام میں لگے ہوئے ہیں وہی کچھ حاصل کر رہے ہیں اور میں تو بالکل محروم ہوں۔ باوجود اس علم کے کہ عمل اختیار ہی ہے پھر بھی کچھ نہ کرنا بڑی شقاوت ظنی اور محرومی قسمت ہے۔ ساری زندگی ریاکارانہ معلوم ہوتی ہے تقریباً دو سال سے شرف قدم بوسی سے بھی محرومی ہے اور اس کو بہت بڑا خسران سمجھتا ہوں۔ زندگی میں کسی قسم کی دلچسپی اور مسرت محسوس نہیں ہوتی صحت کبھی بہت کمزور ہے، اس کی وجہ سے جو کام کرنا چاہتا ہوں وہ بھی نہیں ہو سکتے۔ حضور والا سے دعا کہ درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ میری مجبوریاں رفع فرمادیں، اور صحت سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ اپنے مرضیات پر کار بند ہونے کی توفیق عطا فرمادیں

اللہ پر دُشکر کی توفیق نصیب فرمادیں اور خسارہ آخرت سے محفوظ فرمادیں۔
 جواب: کیا اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں ظاہری و باطنی عطا ہوئی ہیں وہ استحقاق سے
 زیادہ نہیں ہیں کیا ان کا شکر واجب نہیں ہے جس کے متعلق خط میں ایک حرف بھی نہیں ہے
 کیونکہ ان کے سلب پر قادر نہیں اور کیا وہ سلب مصیبت نہیں اور کیا اس مصیبت سے
 مرنا اللہ تعالیٰ ہی بچانے ہوئے نہیں۔ (تربیت السالک)
 والدہ کیلئے طول جیسا کی دعا کرنا اجل مستی کے خلا نہیں

ملاحظہ: یہ کہ آج کل والدہ مدظلہا کی صحت اور اس کے ساتھ طول حیات کی دعا ہر نماز کے بعد
 لکھا ہوں مگر کل برسوں سے اس خیال کا غلبہ ہو رہا ہے کہ خواہ مخواہ اجل مستی کا قانون توڑ دینے پر
 اتنا اثر کریں۔

تختہ: یہ علت تو تمام حوائج کی دعائیں مشترک ہو سکتی ہے ہر حادثہ کے حدوث اور اس
 کی ابتداء کے لئے بعض قطع سے اجل مستی ہے تو کیا کوئی دعا بھی نہ کی جائے یا اسی طرح اکل و شرب تمام
 ذائقہ تو ہم بدن و نفس میں اجل مستی کی مزاحمت کا شبہ ہو سکتا ہے ولہذا یُنقَلُ عَنْ أَحَدٍ
 الْعَمَلُ بِمَقْتَضَاهُ۔ غرض سب دعائیں متعلقہ الاقدام ہیں جن کی حقیقت یہ ہے کہ ہم کو قدر
 و علم نہیں اس لئے اپنے زعم میں جو مصلحت ہو اس کے مانگنے کی اجازت ہے اگر تو در اس
 کے خلاف ہوگی اس پر راضی رہنے کا حکم ہے۔ رہا اصرار تو اس کا تو حکم ہے ان اللہ یحب
 الْمُہِیْنِ فِی الدُّعَاءِ اور اس کا راز یہ ہے کہ اس سے اپنا ضعف و عجز و احتیاج وانکسار
 ظاہر ہوتا ہے جو عبدیت کا مقتضا ہے اور اسی لئے مطلوب ہے۔

ملاحظہ: اسی طرح اور بہت سی چیزوں کے لئے دعا مانگتا رہتا ہوں۔ خیال ہوتا ہے
 کہ جب چھوڑ کر زیادہ سے زیادہ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِی الْآٰخِرَةِ حَسَنَةً
 بِرِزْقَاتِكَ کیا کروں۔

تحقیق: قرآن مجید میں جو دعا وارد ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ اس اجمال پر کتنا کیا جائے

ورنہ کتاب اللہ میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے طویل و درلغز ادعیہ وارد ہیں کیا بریکان میں بلکہ ایک صیغہ
دعا کا یہی ہے اور اس پر گفتا کرنا سوہم ہے استغنا کو۔

حالیہ: ہاں قبول دعا کا خیال ترک کر کے اگر ان کو صرف عبادت جان کر دیں تو اس میں نہ مستعدی کا سید
ہوتی ہے نہ امر کی تخیل، یہ زیادہوں کا رنگ ہے اور عارفین کا وہ طریق ہے جو اوپر عرض کیا گیا ہے اگر یہ رنگ
مطلوب ہوتا تو دعاؤں میں حاجات جزئیہ کا نام کہیں ہوتا۔ (ترتیب السالک حصہ دوم ص ۱۲۴)

طبیعت میں تعطل حالت قبض ہے

حالیہ: طبیعت میں تعطل کی کیفیت پھر پیدا ہو گئی کسی کام کو جی نہیں چاہتا یہ خط
بھی یہ مشکل لکھ رہا ہوں ہر وقت دل چاہتا ہے کہ کچھ نہ کروں۔ اعمال میں دل نہیں لگتا۔
جو عمل کرتا ہوں دل کو اس کے اثرات سے خالی پاتا ہوں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اوپر اوپر
ہو رہا ہے۔ ابھی تک معمولات میں فرق نہیں آیا دل لگے نہ لگے کئے جاتا ہوں۔ نفسانی
خواہشات بھی گاہے گاہے غلبہ کرنا چاہتی ہیں۔ حق تعالیٰ کی طرف ایک قسم کا دھیان پیدا
ہو گیا تھا اب وہ بھی نہیں تسلیں دین۔ دیوان حافظ ترتیب السالک دیکھتا ہوں۔
نہیں دل ہے کہ اڑا جاتا ہے، دعا فرماتیں کہ یہ بدذوقی دور ہو۔ سب اعمال یہ معلوم
ہوتے ہیں۔

تختہ: معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک طریق کی حقیقت کے استحضار سے ذہول ہونا
ہے اس کی حقیقت ہے اہتمام اعمال اختیار یہ و عدم مبالاۃ احوال غیر اختیار یہ اب نقص
تسزل کی شرح کیجئے۔ اس کا حاصل اب دوسرے عنوان سے لکھتا ہوں۔ یہ حالت قبض
کہلاتی ہے جو طریق کے لوازم عادیہ سے ہے، اور اس میں مصالح و حکم ہوتے ہیں جن کا
مشاہدہ کسی وقت میں خود ہو جاتا ہے اور اس کے متعلق حکماء کا ارشاد ہے ۵

آں صلاح تست آئس دل مشو
تازہ باش و چین میفنگن بر جبین

چوں کہ قبضے آیدت اے راہرو
چوں کہ قبض آمد تو در دے بسط میں

(ماخذ تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۱۹ و النور رجب ۱۳۵۸)
اصلاح حال انکشاف پر موقوف نہیں

حالیہ (یکے از مجازین) حضرت والا کی اعراض کروں کہ میں کس پریشانی میں ہوں۔
جا بھی آتی ہے۔ حضرت سلمہ کو بھی کیوں پریشان کروں۔ نہ میری یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہ مجھے
ہر کیا۔ افسوس تو یہ ہے کہ پہلے اپنا حال گرم سرد۔ رطوبت و یابس دل کھول کر عرض کر دیتا
تا اب اس سے بھی مجبور ہوں۔ اب تو میں یہی دعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ، اپنے رحم و کرم
سے حضرت سلمہ پر میری اس پریشانی کو انکشاف فرمادیں ورنہ میں بالکل اس کو نہیں سمجھا
یہ حال قابلِ تحریر ہے اگر یہی حال رہا تو آئندہ بھی مجھے امید نہیں کہ حضرت سلمہ کو کچھ
الباع کر سکوں۔

تختی: انکشاف کی ضرورت ہی نہیں، نہ آپ پر نہ مجھ پر کیونکہ جو مقصود ہے
انکشاف سے یعنی اصلاح حال۔ وہ اس انکشاف پر موقوف نہیں۔ اس بستگی زبان کی حالت
میں یہی مصلح کے قلب پر وجداناً حالت واقعہ کا ایسا اثر پڑتا ہے کہ اس حالت میں دعا اجالی
نورہ اصلاح حال کے لئے کافی ہو جاتا ہے چنانچہ دعا کے بعد اجالی مشورہ بھی پیش کرتا ہوں
۷ تا نگوید او بگو خاموش باش

اس اعمال کو مقصود سمجھا جاوے قیل وقال کو مقصود سمجھا جاوے، ولعم قایل ۷

گر چہ تفسیر زبان روشن گراست

لیک عشق بے زبان روشن تراست

(ماخذ تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۲۰ و النور رجب ۱۳۵۸ ۷)

ناز میں غیر ناز کا خیال ضرور تا مضر نہیں

حالیہ: حضرت نے ارشاد فرمایا ہے کہ البتہ ناز میں بلا ضرورت غیر ناز کا خیال نہ

لانا چاہئے تو عرض یہ ہے کہ اگر کسی ضرورت کی وجہ سے مشروع یا مباح امر کا خیال قصداً
لائے اور اس کو قصداً باقی بھی رکھے تو کیا اس میں مواخذہ نہیں۔

تحقیق: نہیں۔

حالیہ: اگر نہیں تو کیوں؟ آخر اس سے صلوة میں تو خلل آئے ہی گا اس لئے
کہ غیر صلوة ہے اس سے حضرت والا مطلع فرمائیں۔

تحقیق: خلل کا ہر درجہ موجب مواخذہ نہیں۔ یہ خلل بمعنی نقص ثواب ہے
جیسے تین بار تسبیح کہنے میں پانچ بار کہنے سے ثواب کم ہے بمعنی فساد یا کراہت نہیں۔ خلاصہ
یہ ہے کہ خیالات منکرہ و معاصی سے نماز میں ظلمت پیدا ہوتی ہے اور معروفہ طاعات سے
اگر وہ نماز ہی کے متعلق ہیں تو نور بڑھتا ہے اور اگر وہ غیر نماز ہے تو نور نہ بڑھتا ہے نہ
گھٹتا ہے اور جو نہ منکر ہو نہ معروف ہو بلکہ مباح تو ہو۔ اگر بضرورت ہو جس کی تفریح غیر مباح
قل آئندہ میں آتی ہے تو اس کا بھی یہی اثر ہے اور اگر غیر ضروری ہے تو نور گھٹتا ہے مگر
ظلمت پیدا نہیں ہوتی۔

حالیہ: ایک اور گزارش ہے کہ ایسی وہ کوئی ضرورت ہے کہ جس کی وجہ سے

نماز میں یہ خیال مشروع یا مباح لایا جا سکتا ہے۔

تحقیق: وہ ضرورت یہ ہے کہ اگر اس وقت اس کو موخر کیا جاوے تو کوئی
ضرر یا حرج لاحق ہو جاوے گا یا کوئی ضروری منفعت فوت ہو جاوے گی (ماخوذ از
ترتیب السالک حصہ دوم ص ۳۲۴ و النور محرم ۱۳۵۲ء)

صرف مجلہ ادعائے عافیت داریں کرنا خلاف سنت ہے

حالیہ حضور والا کچھ عرصے سے یہ خیال غالب ہے کہ مختلف قسم کے بہت سے مقاصد کیلئے فزڈعا کرنا یا دوسرے سے اپنے حق میں دُعا کرنا نافع نہیں ہے جتنا نافع مجلہ خود اپنے لئے صرف عافیت داریں کی دُعا کرنا یا دوسرے سے دُعا کرنا ہے جبکہ ہر بات سے اصل مقصود عافیت ہی ہے اور بلا عافیت ہر حال میں مقصود قوت ہوتا ہے دریافت طلب یہ ہے کہ یہ خیال یا مذاق طبیعت غلط اور بُرا تو نہیں ہے۔

تختہ یہ مذاق خلاف سنت ہے کیونکہ احادیث میں کثرت سے ایسی جزئیات کا سوال وارد ہوا ہے۔ چنانچہ ہرم اور مغرم اور فقر اور ذلت اور صمم و بکم و جنون و جذام اور سیسما اور خزن اور شامت الاعدام اور ناقہ اور ہدم اور تردی و لدغ الحمیہ و جاد سوء و جمع و برص و یل و بصر مشول و ہم و غم و سبع و حرق و غرق و ضرود سے استعاذہ آیا ہے اور تمنع بالسمع و البصر و صمت و وسعت رزق و غنا و نصر علی الاعداء و نظائر ہا کا سوال آیا ہے۔ نیز بلع و شمس نعل کے سوال کا وارد ہے اگر اس مذاق کو صحیح مانا جاوے تو لازم آتا ہے کہ نصوص میں غیر افضل کی تعلیم ہی گئی ہے و ہذا کاترئی۔ البتہ بعض حکمتیں جو اعمیہ میں بھی ہیں جن کی تفتیش کی حاجت نہیں اور کاتباع کافی ہے بطور احتمال کے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ جزئیات میں اگر کوئی ضروری سوال متروک ہو جاوے کلیات سے اس کا تدارک ہو جاوے اور راز جزئیات کے سوال میں یہ ہے کہ دعا سے صرف مشول کا حصول ہی مقصود نہیں جس میں اس مذاق کی گنجائش ہو سکے بلکہ اس کے ساتھ ایک دوسرا مقصود بھی ہے اور وہ اظہار ہے اپنے ضعف و عجز و موافقت و انکسار کا اور یہی وجہ دعا کے فضائل عظیمہ کی ورنہ محض اس کا ذریعہ عطائے مشول ہوتا مخصوص جب وہ مشول حصول دینا ہو، اگرچہ مباح ہو۔ ایسی فیصلت عظیمہ کا سبب نہیں ہو سکتا اور یہ دوسرا مقصود جزئیات کے سوال میں واضح و اتوسی ہے، چنانچہ نسبت اس اجمال کے کہ میرا پیٹ بھر دو وہ اس تفصیل سے

سوال کرتا کہ مجھ کو چار روٹی دو اور ایک پیالہ سالن کا دو اور ایک آنکھورہ پانی کا دیدو۔
 عرفاً سائل کی زیادہ ذلت و خستیت و دنائیت پر دال ہے اور جس قدر سائل اپنی ذلت
 زیادہ کرتا ہے اسی قدر ذلتِ جالبِ ترحم ہوتی ہے اور بعض حکمتوں سے جو ارجح از عیب
 کی محبوبیت اس تحقیق کے منافی نہیں۔ و لکن مقال مقام۔ واللہ اعلم (ترتیب لک حصہ سوم ۲۵۴)

انتخاب انز صد پند اشرف

۱. ایک طالب نے کلام مجید کی تلاوت کے فضائل دیکھ کر چاہا کہ سوائے تلاوت کے اور سب وظائف و اُوراد ترک کر دوں۔ تحریر فرمایا یہ بھی خبر ہے کہ کسی چیز کی طرف زیادہ کشش اسی وقت ہوتی ہے جب دوسری چیزیں بھی ہوں ورنہ اس سے طبیعت اُگتا جلتی ہے۔ ع

گر نیت غیبی نہ دہلڈتے حضور

اس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ سلف نے ایسا نہیں کیا۔

۲. ایک طالب علم نے لکھا کہ زبان پر ذکر اللہ ہے اور اندر خاک بھی اثر نہیں لفظہ تعالیٰ حال میں تو سرق نہیں آتا مگر ظاہر ہوتا ہے کہ دل محبت سے خالی ہے جو اب تحریر فرمایا کہ کسی محبت سے دل خالی ہے؟ اعتقادی و عقلی سے، یا انفعالی اور طبی سے، اگر شق ثانی ہے تو مضر نہیں اور اگر شق اول ہے تو اس میں خالی ہونے کا افسوس نہیں ہو کر تا۔ آپ کو افسوس کیوں ہے، یہ افسوس خود دلیل ہے کہ آپ اس سے خالی نہیں۔ یہ بھی لکھا تھا کہ یہ تو یقینی ہے کہ حالت جیسی چاہئے ویسی بالکل نہیں ہے۔

جواب فرمایا کہ وہ دن ماتم کا ہو گا جس دن یہ سمجھو گے کہ جیسی حالت چاہئے تھی ویسی ہوئی کیونکہ اس درگاہ میں تو حضرات انبیاء علیہم السلام بھی اپنی حالت کے متعلق یہی فرمایا کرتے ہیں کہ جیسی چاہتے ہیں ویسی نہیں ہے مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ كَالْحَالِ هُوَ تَائِبٌ، ایک طالب نے لکھا کہ نماز اور ذکر کے قبل اور بعد اکثر یہ خیال آتا رہا کہ اتنی محنت

بیکار ہے میں کوئی بزرگ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ رہے احکام اس کی پابندی کی جادے تو اس کے لئے زیادہ فکر کی کیا ضرورت ہے کیونکہ بخشائش تو رحمت پر منحصر ہے الخ

جواب تحریر فرمایا کہ ایک علاج یہ سوچنا ہے کہ اعمال صرف مغفرت ہی کے لئے نہیں ہوتے بلکہ مالک کا حق ہے ملوک پر اور مغفرت مستقل تبرع و عنایت ہے۔

۳۔ ایک طالب نے لکھا کہ میں اپنے آپ کو کسی سے بڑا نہیں سمجھتا مگر باوجود اس کے نفس اس بات کو بالکل برداشت نہیں کرتا کہ ذلت ہو بس دل یوں چاہتا ہے کہ کوئی عزت بیشک نہ کرے بڑا قطعاً نہ سمجھے مگر کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے ذلت ہو، پہلے کپڑے پہننے سے بھی عار آتی ہے کہ دیکھنے والے ذلیل سمجھیں گے۔ اس کا جواب تحریر فرمایا کہ شریعت میں یہی حکم ہے لَا يَتَّبِعِي لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يَذِلَّ نَفْسَهُ جب تک غالب حالت نہ ہو یہی طسرتی ہے۔ مگر حیب حال غالب ہو جاتا ہے تو ذلت کو موت سے زیادہ عزیز سمجھتا ہے مگر وہ غیر اختیاری ہے۔ اگر نہ ہو تو تمتا نہ کرے، اور اگر ہو جائے تو ازالہ نہ کرے۔

۴۔ ایک طالب نے شکایت لکھی کہ نہ طاعات کی طرف طبعی رغبت ہے نہ معاصی سے طبعی نفرت، تحریر فرمایا کہ رغبت و نفرت طبعیہ غیر مطلوب ہے۔ رغبت و نفرت اعتقادی کافی ہے یہی مامور بہ ہے۔ اس کے مقصدنا پر بار بار عمل کرنے سے طبعی رغبت و نفرت بھی ہو جاتی ہے، اگر نہ ہو تو بھی مضر نہیں۔

۵۔ ایک طالب نے لکھا کہ مختصر سے مختصر ذکر کا معمول رکھتا ہوں اس پر مدامت نہیں ہوتی۔ جماعت نماز میں بھی اکثر مسبوق ہونے کی توبت آتی ہے۔ جب ایسا ہوتا ہے تو آئندہ کے لئے احتیاط کا عزم کر لیتا ہوں مگر پھر جس دینی یا دنیوی مسئلہ میں ہوتا ہوں اس کو فوراً چھوڑ دینے اور جماعت اور تکبیر اولیٰ کی طرف سبقت کرنے میں غفلت ہوتی ہے۔ جانتا ہوں کہ تصور اختیاری ہے اور استعمال اختیاری کی

ریش بھی کچھ کرتا ہوں مگر غفلت سب پر غالب آجاتی ہے۔

ہیں کا جواب تحریر فرمایا کہ اس کا سبب ضعف جسمانی ہے جس کا اثر عزم پر طبعاً ہوتا ہے جس میں ایک گونہ غیر اضیاریت کا بھی درجہ ہے، مگر یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ اس کا احساس ہے اور اس کا قلق ہے۔ اس میں لگا رہنا چاہئے انشا اللہ اس کی برکت سے درجہ مطلوبہ بھی میسر ہو جاوے گا حقیقتاً یعنی وقوعاً یا حکماً یعنی جسراً و اثرأ، یہ حالت مضمناً کر بکثرت پیش آتی ہے۔

مکتوب ملقب بہ الیم فی التسم

۶۔ ایک طالب نے اپنے خط میں کوئی ایسا وظیفہ یا طریقہ پوچھا تھا جس سے طاعات میں ترقی اور معاصی سے اجتناب میسر ہو۔ جواب تحریر فرمایا کہ طاعات اور معاصی دونوں امور اختیار یہ ہیں، جن میں وظیفہ کو کچھ دخل نہیں، رہا طریقہ، سو طریقہ امور اختیار کا بجز استعمال اختیار کے اور کچھ بھی نہیں ہاں سہولت اختیار کے لئے ضرورت ہے جاہد سکی جس کی حقیقت ہے مخالفت (یعنی مقاومت) نفس اس کو ہمیشہ عمل میں لانے سے بتدریج سہولت حاصل ہو جاتی ہے۔ میں نے تمام فن لکھ دیا۔ آگے شیخ کے دو کام رہ جاتے ہیں، ایک بعض امراض نفسانیہ کی تشخیص دوسرے بعض طریقے مجاہدہ کی تجویز جو کہ ان امراض کا علاج ہے۔

۷۔ ایک طالب نے لکھا کہ جو باتیں اپنے اندر خلاف شرع رہیں ان کو بھی بُرا اور قابل ترک سمجھتا ہوں لیکن اپنے نفس سے اتنی نفرت اپنے دل میں نہیں پاتا جتنی اور لوگوں سے ان کی خلاف شرع باتوں پر ہوتی ہے۔ اس وجہ سے اندیشہ کبیر کا ہوتا ہے۔ اس کا جواب حسب ذیل تحریر فرمایا۔

نفرت میں تفاوت ہونا کبیر نہیں۔ نفرت اعتقادی تو دونوں جگہ یکساں ہے اور

جیسا کہ مامور ہے اور یہ تفاداتِ نفرتِ طبعی میں ہے جیسے انسان کو اپنے پاتخانے سے نفرت کم ہوتی ہے، اور دوسرے کے پاتخانے سے زیادہ ہوتی ہے اور ازاں تفاداتِ کافرات فی المحبت ہے، اور ظاہر ہے کہ انسان کو اپنے نفس سے زیادہ محبت ہوتی ہے بہ نسبتِ غیر کے اور یہی وجہ ہے کہ ماں اپنے بچے کے پاتخانے سے اتنی نفرت نہیں ہوتی جتنی غیر محبوب کے پاتخانے سے سراسر کاکبر سے کوئی تعلق نہیں۔ (تربیت لہسا لکھنؤ ص ۱۵۲)

۸۔ ایک تنگدست طالب نے اپنے بہت سے دسواں و اہم یہ لکھ کر علاج پوچھا جن میں یہ دسویں بھی لکھا کہ راحتِ دنیا کا مدار اعمالِ صالحہ نہیں ہیں بلکہ آخرت کی راحت بھی فضل پر موقوف ہے، پھر اعمالِ صالحہ ذکر و تہجد وغیرہ کی مشقت اگر نہ بھی ہو صرف ارکانِ اسلام پر قائم رہے تو کیا حرج ہے۔ اور یہ بھی لکھا کہ دعا مانگنے کو طبیعت نہیں چاہتی کہ اتنی مدت ہو گئی کوئی قبول بھی ہوئی ہو بس جو اللہ تعالیٰ چاہیں وہی ہو گا لیکن میں صرف مناجاتِ مقبول کی منزل پڑھ لیتا ہوں۔ اس طرح ایک ہفتہ سے ذکر میں بھی طبیعت نہیں لگتی۔ محض تعداد پوری کر لیتا ہوں۔ روزگار کا وظیفہ بھی پوچھا تھا۔ ان سب باتوں کا حسبِ ذیل جواب تحریر فرمایا۔

علاج کلی اور مفید تو یہی ہے کہ ان دسواں کو اعتقادِ ابراہیم چاہو اور ان کے مقصد پر عمل نہ کیا جاوے، یہ از خود رفع ہو جائیں گے اور اگر رفع بھی نہ ہوں تو کچھ مضر نہیں بلکہ یہ ایک گونہ مجاہدہ ہے جس سے عمل کا اجر بڑھتا ہے لیکن اگر ان دسواں کی وجہ فساد ہی معلوم کرنے کا شوق ہو تو مجھ سے سمجھ لیں کہ کافی ہے کہ مقصودِ اعمالِ صالحہ سے راحتِ دنیا نہیں ہے بلکہ راحتِ آخرت ہے اور اس کا مدار جو فضل و رحمت ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ اعمال کو دخل نہیں، بلکہ معنی یہ ہیں کہ ملے گا تو عمل ہی سے لیکن جتنا ملے گا اتنا اثر اعمال میں نہیں وہ فضل و رحمت کا اثر ہے لیکن عمل ہی نہ کرے گا وہ تالاؤں میں فضل و رحمت سے بھی محروم رہے گا۔ باقی طبیعت کا لگنا یہ شرط تہل

نہیں ہے۔ اگر دو اپنے میں طبیعت نہ لگے تب بھی اس کی خاصیت یعنی صحت مرتب ہوگی
 رہی دعا وہ ضرور قبول ہوتی ہے مگر اس کے قبول ہونے کی وہ حقیقت ہے جو مریض
 کی اس درخواست کی منظوری کی حقیقت ہے کہ کسی طبیب سے درخواست کرے کہ میرا
 علاج شروع کر دیجئے اور وہ سہل علاج شروع کر دے مگر سہل اس کی حالت کے
 مناسب نہ تھا۔ اس لئے دوسرے طریق سے علاج شروع کر دیا۔ اس کو کوئی یہ نہیں کہہ سکتا
 کہ طبیب نے جب سہل نہیں دیا تو مریض کی درخواست کو منظور نہیں کیا۔ اس طرح اہل
 مطلوب دعا سے حق تعالیٰ کی توجہ خاص ہے اور عبد نے جو طریق معین اختیار کیا ہے
 بقصود نہیں ہے بلکہ مقصود کا محض ایک طریق ہے، جیسے اس مقصود کے اور بھی طرق
 ہیں بسزا وہ جس طریق سے توجہ خاص فرمادیں۔ وہ اجابت دعا ہی ہے خواہ وہ عبد
 کا مجوزہ طریق ہو یا حق تعالیٰ کا مجوزہ طریق۔ یہ تو طاعات و حاجات میں کلام ہے
 بانی معاصی کا ارتکاب جو موصل الی التار ہو وہ ایسا ہے جیسے مریض کو بد پر مریزی
 سے لذت ملتی ہے اور اس سے صبر کرنے میں لذت فوت ہوتی ہے۔ لیکن جو شخص
 یہ جانتا ہے کہ لذت مقصود نہیں صحت مطلوب ہے صبر کرے گا۔ اسی طرح جس شخص
 کو نجات آخرت مقصود ہے وہ راحت دنیا کو مقصود نہ سمجھے گا۔ وہی سزا گناہ کی کسی
 کو یہاں ملتی ہے، کسی کو وہاں اور تجویز مناسب بلکہ واجب یہی ہے کہ طاعات
 میں حق الامکان مشغول ہوں۔ معاصی سے مجتنب، میں اور مقصود صرف نکلنے
 حق کو سمجھیں، خواہ اس کا ظہور یہاں ہو یا وہاں، اور ایسی حالت میں روزگار
 کا ذلیفہ پڑھنا و سادس میں اضافہ کرنا ہے۔

غلبہ ہدیت کے وقت کا مراقبہ

۹۔ ایک طالب کو تخریر فرمایا کہ اگر آپ کو آثار ہدیت اور سوہن بنفسہ کا زیادہ غلبہ ہو کر سے تو یہ سوچا کیجئے کہ بیش بریں نیست کہ ہم ہر حالت میں ناقص اور عاصی ہیں تو خدا تعالیٰ کے یہاں جس طرح کاملین کی نجات ہوگی اسی طرح نامہین کی بھی ہوگی۔ اگر صدر نشین نہ ہوں گے تو صفِ فعل ہی میں جگہ مل رہے گی۔ اگر اولیت نہ ہوگی تو جوتیاں لگنے کے بعد ہی ہوں بس یہ سمجھو **اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي** کی کثرت کرنی چاہئے۔ (اشرف المسائل)

۱۰۔ ایک طالب نے یہ لکھا کہ معصیتوں کا تقاضا عرصہ تک نفس کے مضمحل رہنے کے بعد اب پھر اسی شدت، جوش اور میحان کے ساتھ ہونے لگا، جس سے سخت حیران ہوں۔ جواب تخریر فرمایا کہ اکثر اہل طریق کو یہی حالت پیش آتی ہے۔ کچھ گہرا نئے کی بات نہیں۔ اس وقت جو نفس کا مقابلہ کیا جاتا ہے وہ مجاہدہ ثانیہ کہلاتا ہے اور اس مجاہدے کا اثر انشاء اللہ تعالیٰ راسخ ہوگا اور شاذ و نادر کسی امر طبعی کا خفیف تقاضا یہ منافی رسوخ کا نہیں۔ اس تغیر و تبدل کی مثال حیات میں ایسی ہے جیسے شب کے اخیر میں تاریکی کے بعد ایک نور ہوتا ہے جس کو صبح کا ذب کہتے ہیں نادانِ نفسا خوش ہوتا ہے کہ تاریکی گئی۔ پھر دعتاً وہ نور زائل ہو جاتا ہے اور تاریکی چھا جاتی ہے مگر تھوڑی ہی دیر میں پھر دوسرا نور آتا ہے جس کو صبح صادق کہتے ہیں وہ قائم بلکہ ترقی پذیر ہوتا ہے۔

انہیں صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ نفس کو روکنے میں سابق جیسی دشواری اور تنگی پیش نہیں آتی اس پر تخریر فرمایا کہ یہی علامت ہے کہ یہ غور الی الطبیعات ضعیف ہے ورنہ مقاومت دشوار ہو جاتی جیسے پہلے تھی۔

انہوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ حیرانی یہ ہے کہ معمولات بجالانے میں نفس مخالفت نہیں کرنا البتہ معاصی کا تقاضا پیدا کرتا ہے نہ جانے یہ کیا مرضی چلا ہے اور اس کی حقارت کیا تدبیر کرے۔ احقر سابقہ ارشاد فرمودہ معالجات پر بدستور عمل کرتا ہے، تحریر فرمایا کہ بس یہی تدبیر ہے اسی سے انشاء اللہ تعالیٰ سب شکایتیں دور ہو جاویں گی اور جب کبھی ایسا ہو یہی علاج ہے۔ فارغ ہونے کا قصد ہی نہ کیا جاوے۔ بخار کے موسم میں بعض کو ہمیشہ موسمی بخار ہوتا ہے مگر علاج اس کا یہی ہے کہ بخار کا نسخہ پیا جائے اس کی سہی بیکار ہے کہ بخار ہی نہ آوے۔ (اثر الف السوانح حصہ دوم)

۱۱۔ ایک طالب نے حضرت امام ربانی محمد دالف ثانی قدس سرہ العزیز کے مکتوب کے حوالے سے لکھا کہ وہ تحریر فرماتے ہیں "کہ باطنی امراض کا سردار ماسوائے حق کے ماتھ دل کی گرفتاری ہے اور دل کے گرفتار نہ ہونے کی یہ علامت ہے کہ ماسوائے حق کو کئی طور پر فراموش کر دے اور تمام اشیاء سے بے خبر ہو جائے حتیٰ کہ اگر تکلف سے بھی اشیاء کو یاد کرے تو اس کو یا نہ آئیں یہاں تک کہ ماسوائے حق کا خطور قلب پر ناہن ہو جائے" میں جب اس معیار پر نظر کرتا ہوں تو اس سے اپنے کو کورا پاتا ہوں۔ الحمد للہ جذر قلب میں تو ماسواء کا گذر نہیں مگر حوالی قلب میں غیب کا خطور بھی ہے اور یاد بھی ہے۔

اس کا حسب ذیل جواب تحریر فرمایا :-

اکثر اہل مقام پر کبھی کسی وقت حال کا غلبہ ہوتا ہے تو اس وقت مسائل کی تعبیر میں بھی جوش کا اثر ہوتا ہے۔ میرے نزدیک عنوان تیز ہے مگر معنون وہی ہے، جو نصوص سے مستفاد ہوتا ہے۔ میں اس کو ایک اور سہل عنوان سے تعبیر کرتا ہوں جو حضرت محمد صاحب کے کلام کی قریب تفسیر ہے، اور مشہور تعبیر سے قدرے واضح ہے۔ وہ یہ ہے کہ گرفتاری سے مراد مطلق تعلق نہیں کیونکہ تعلق مغلوب موسم نہیں

بلکہ ایسا تعلق مراد ہے کہ محل تعلق کے بعد یا وقت سے قلب پر ایسا اثر ہو کہ قلب کو ایسا بیچین کر دے کہ اسی کے تصور و حسرت میں اشتغال ہو جاوے اور اسی اشتغال سے طاعات میں قلت و ضعف آجاوے اور اگر یہ نوبت نہ پہنچے تو محض حُزن کا اثر مانع نہیں ہے۔ کیا حضرت یعقوب علیہ السلام کے حُزن شدید کا کوئی انکار کر سکتا ہے اور کیا ان کی حالت کو کوئی مانع عن الحزن کہہ سکتا ہے۔

انہی صاحب نے اس سے قبل یہ لکھا تھا کہ عرصہ سے اس کی طلب ہے کہ ذکر حق قلب میں ایسا پیوستہ ہو کہ بھولنے کی کوشش بھی کر دوں تو بھول نہ سکوں اور غیر کا خطر قلب میں نامکن ہو جائے الخ

اس کا یہ جواب تحریر فرمایا تھا کہ یہ تو مجھ کو بھی نصیب نہیں نہ جی چاہتا ہے کیونکہ اس صورت میں مختار نہ رہوں گا، مضطر ہو جاؤں گا۔ اس کے بعد انہوں نے مذکورہ بالا عرضیہ لکھا جس کا جواب اذ پر نقل کیا گیا۔

۱۲۔ ایک طالب نے لکھا کہ میرے اندر حُب جاہ ہے، جی چاہتا ہے کہ لوگ میری تعریفیں اور ثنائیں بیان کریں، تعریف سے ایک فرحت اور خوشی ہوتی ہے اگر کوئی مذمت کرے یا تعریف سے خاموش رہے تو یہ نفس پر نہایت ناگوار گذرتا ہے الخ

اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ ہر علاج میں مجاہدے کی ضرورت ہے یعنی داعیہ نفس کے ذم کا احتضار اور اس داعیہ کی علی مخالفت، اس مرض کا علاج بھی مرکب ہے انہی دو جزو سے۔ اول اس مذلیہ کی جو مذمتیں اور وعیدیں وارد ہیں ان کا ذہن میں حاضر کرنا بلکہ زبان سے بھی ان کا تکرار کرنا، بلکہ ان مضامین سے اپنے نفس کو زبان سے خطاب کرنا، کہ تجھ کو ایسا عقاب ہونے کا اندیشہ ہے، اسی کے ساتھ اپنے عیوب کا احتضار اور نفس کو خطاب کہ اگر لوگوں کو ان رذائل کی اطلاع ہو جاوے تو کتنا ذلیل و حقیر سمجھیں تو یہی غنیمت سمجھ کہ لوگ نفرت و تحقیر نہیں کرتے نہ کہ ان سے توقع تعظیم و مدح کی رکھی جاوے اور

علیٰ جز وہی ہے کہ مداح کو زبان سے منع کر دیا جادے اور اس میں ذرا اہتمام سے کام لیا جاوے۔ ہر سری لہجہ سے کہنا کافی نہیں اور اس کے ساتھ ہی جو لوگ ذلیل شمار کئے جاتے ہیں ان کی تعظیم کی جاوے گو نفس کو گراں ہو اس پر عمل کر کے ایک ہفتہ کے بعد پھر اطلاع دی جائے۔

۱۳۔ اسی طرح ایک طالب علم نے لکھا کہ میں کچھ عرصہ سے اپنے اندر ترفع کے آثار پاتا ہوں جو اب تحریر فرمایا کہ انسان صرف مکلف اس کا ہے کہ ان اخلاقِ مذلیلہ کے تصفیقات پر عمل نہ کرے، رہا یہ کہ مقتضیات ہی زائل یا ضعیف ہو جاویں اس کا نہ انسان مکلف ہے نہ یہ سہولت بیستر ہو سکتا ہے۔

ع بسیار سفر باید تا پختہ شود غلامے

اور نہ بوجہ تحصیل علوم کے آپ کے لئے اس کا یہ وقت ہے بس آپ جس قدر مکلف ہیں، آپ اس پر کتنا کیجئے یعنی دل میں اعتقاد رکھیں کہ میں سب سے کمتر ہوں، اور اس اعتقاد کے لئے اپنے معائب کا استحضار معین ہو گا اور جن کی بے وقعتی ذہن میں آوے ان کی خوب نگریم کیجئے اور تکلف سے ان سے سلام کیجئے۔ گو نفس کو ناگوار ہو، ناگواری غیر اختیاری ہے اس پر مواخذہ نہیں ہے لیکن معاملہ اختیاری ہے، اس میں اخلاق موجب مواخذہ ہے انشاء اللہ تعالیٰ اس سے خود منشاءے فساد بھی ضعیف ہو جاوے گا۔ واللہ الموفق۔

۱۴۔ ایک طالب نے لکھا کہ رضا بالقضاء کے حصول کے لئے کوئی علاج تحریر فرمایا جاوے اور اس کا معیار اور مقدار بھی کہ انسان اس کے متعلق کس قدر کام مکلف ہے، جو اب تحریر فرمایا کہ رضا بالقضاء کی حقیقت ترک اعتراض علی القضاء ہے، اگر الم کا احساس ہی نہ ہو تو رضا طبعی ہے اور اگر الم کا احساس باقی رہے تو رضا عقلی ہے اور اول حال ہے جس کا عہد مکلف نہیں اور ثانی مقام ہے جس کا عہد مکلف ہے تدبیر اس کی تحصیل کی استحضار رحمت و حکمت الہیہ کا واقعات خلاف طبع میں :- ہ (اشرف السوانح حصہ دوم ص ۱۵۲)

۱۵۔ ایک طالب کے استفسار پر نسبت کی حقیقت یہ تحریر فرمائی کہ نسبت کے لغوی معنی ہیں لگاؤ اور تعلق اور اصطلاحی معنی ہیں بندے کا حق تعالیٰ سے خاص قسم کا تعلق، یعنی اطاعت و آمیہ و ذکر غالب، اور حق تعالیٰ کا بندے سے خاص قسم کا تعلق یعنی قبول و رضا جیسا عاشق مطیع اور وفادار معشوق میں ہوتا ہے اور صاحب نسبت ہونے کی یہ علامت تحریر فرمائی کہ اس شخص کی صحبت میں رغبت الی الآخرة و نفرت عن الدنیا کا اثر ہو اور اس کی طرف دینداروں کی زیادہ توجہ ہو اور دنیا داروں کی کم، مگر یہ پہچان خصوص اس کا جزو اول عوام مجبورین کو کم ہوتی ہے۔ اہل طریق کو زیادہ ہوتی ہے۔ اور اس استفسار کا جواب کہ فاسق اور کافر بھی صاحب نسبت ہوتا ہے یا نہیں، یہ تحریر فرمایا کہ جب نسبت کے معنی معلوم ہو گئے تو ظاہر ہو گیا کہ فاسق و کافر صاحب نسبت نہیں ہو سکتا۔ بعض لوگ غلطی سے نسبت کے معنی خاص کیفیات جو ثمرہ ہوتا ہے ریاضت و مجاہدے کا سمجھتے ہیں۔ یہ کیفیت ہر مرتاض میں ہو سکتی ہے مگر یہ اصطلاح جہاد کی ہے

۱۶۔ ایک ذمی علم طالب نے صدق و اخلاص کے حقائق شرعیہ اور ان کے حصول کے لئے علاج اور معین دریافت کیا۔ جواب تحریر فرمایا کہ جس طاعت کا ارادہ ہو اس میں کمال کا درجہ اختیار کرنا یہ صدق ہے اور اس طاعت میں غیر طاعت کا قصد نہ کرنا یہ اخلاص ہے اور یہ موقوف ہے ماہ الکمال کے جاننے پر اسی طرح غیر طاعت کے جاننے پر اس کے بعد صرف نیت اور عمل جزو اخیر رہ جاتا ہے، یہ دونوں اختیار می ہیں۔ طریق تحصیل تو اسی سے معلوم ہو گیا آگے رہا معین وہ استحضار ہے وعدہ و وعید کا اور مراقبہ نیت کا۔

مثال صدق کی ناز کو اسی طرح پڑھنا جس کو شریعت نے صلوة کاملہ کہا ہے یعنی اس کو مع آداب ظاہرہ و باطنہ کے ادا کرنا، علیٰ ہذا تمام طاعات میں جو درجہ کمال کا شریعت نے بتلایا ہے مثال اخلاص کی ناز میں زیادہ کا قصد نہ ہو جو کہ غیر طاعت ہے۔ رضا غیر حق کا قصد نہ ہو جو کہ غیر طاعت ہے اور اس کے تعلقات ظاہر ہیں۔ (اشرف السوانح حصہ دوم)

مَقَالَاتِ حِكْمَتِ

إِفَادَاتِ

حَضْرَتِ حَكِيمِ الْأُمَّتِ

قَدَسَ سِرَّةُ الْعَزِيزِ

مسائل السلوک

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز نے تقریباً ڈیڑھ ہزار آیات قرآنیہ سے مسائل سلوک منبسط کئے ہیں اور اسی طرح تقریباً دو ہزار احادیث سے بھی استنباط کیا ہے ان میں سے بعض مضامین اس جگہ درج کئے جاتے ہیں تفصیل کیلئے کتاب مسائل السلوک، کتاب التکشف اور التشریح ملاحظہ کی جائیں۔
مؤلف

توحیدِ کامل

قوله تعالى قُلْ اِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ
ترجمہ: آپ فرمادیں گے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو مالک ہے سارے جہان کا۔ (سورۃ الانعام)
یہ توحیدِ کامل کی تعلیم پر دال ہے یعنی جمیع احوال شرعیہ و تکوینیہ میں استسلام اور تفویض کرنا عمل اور اطاعت سے بھی اور رضا بلقبضائے بھی۔

معرفت و حجاب

قوله تعالى: وَلَا يَأْتُونَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى (سورۃ توبہ)
ترجمہ: اور وہ لوگ نماز نہیں پڑھتے مگر ہارے جی سے
اس میں اشارہ ہے کہ یہ لوگ لذتِ عبودیت سے محروم اور شاہدہ جمالِ معبود سے محجوب ہیں
محمد بن فضل کا قول ہے کہ جس شخص کو امر کی معرفت نہ ہوگی وہ امر کی طرف کسل کے ساتھ
اٹھتا ہے اور جس شخص کو امر کی معرفت ہوگی وہ امر کی طرف اس کو رغبت اور راحت
سمجھ کر اٹھے گا۔

توحید افعال، صفات و ذات

قرآن تعالیٰ: **وَأَدْنَىٰ أَيْمَانِي كُنْتُ** اَدْنَىٰ بِعَهْدِكُمْ

ترجمہ: پورا کر دو تم میرے عہد کو، پورا کروں گا میں تمہارے عہد کو۔ (سورہ البقرہ)

مراتب و فامیں نہایت وسعت ہے، پس ہماری جانب سے اول مرتبہ ادائے کلمہ شہادت ہے اور حق تعالیٰ کی طرف سے جان و مال کی حفاظت، اور اخیر مرتبہ ہماری طرف سے فنا ہے۔ یہاں تک کہ فنا کی طرف سے بھی فنا ہو جانا، اور حق تعالیٰ کی طرف سے صفات و اسماء کے انوار سے آراستہ کر دینا ہے۔ پس وفا کی تفسیر میں جو آثار مختلف آئے ہیں وہ باعتبار مراتب متوسطہ کے ہیں، اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اول مرتبہ ہماری طرف سے توحید افعال ہے اور اوسط توحید صفات اور آخر توحید ذات اور حق تعالیٰ کی طرف سے وہ معارف و اخلاق ہیں جو ہر مرتبہ میں مناسب اس مرتبہ کے سالک پر فائز کئے جاتے ہیں

(ملاحظہ ہو ص ۵۳۳)

باطنی احوال کے حصول میں عجلت کی مذمت

قرآن تعالیٰ: **كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشْوَافِيهِ إِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا** (البقرہ)

ترجمہ: جہاں ان کو ذرا بجلی کی چمک ہوتی تو اس کی روشنی میں چلنا شروع کیا اور جہاں ان پر تاریکی ہوتی پھر کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔

یہی حال اس شخص کا ہے جو بسط میں طاعات بجالاتا ہے اور قبض میں چھوڑ بیٹھا،

منتہی کو بھی مگر شیطان سے غافل نہ رہنا چاہئے

قرآن تعالیٰ: **فَاذْلَمَهُمَا الشَّيْطَانُ**

ترجمہ: پس لغزش دے دی آدم و حوا کو اس درخت کی وجہ سے شیطان نے۔

اس میں دلیل ہے کہ منتہی بھی مگر شیطان سے مامون نہیں چنانچہ آدم علیہ السلام

کے اس وقت کامل ہونے میں کوئی شک نہیں مگر باوجود اس کے ان میں اور دوسروں میں
دو فرق ہیں ایک یہ کہ وہ کفر سے محفوظ تھے، دوسرے یہ کہ ان کی غلطی دوسروں کی محبت
کے مثل نہیں کیونکہ ان کو توبہ کے ایسے درجہ کی توفیق ہوئی کہ دوسروں کو نہیں ہوئی (سورہ التوبہ)

صدور لغزش پر اللہ تعالیٰ کا اپنے مجتہدین سے معاملہ

قوله تعالیٰ: ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ (ترجمہ: پھر ان کے حال پر توجہ فرمائی)
حق تعالیٰ کی عادت اپنے مجتہدین کے ساتھ جاری ہے کہ جب ان سے کوئی امر ان کے
مقام کے منافی صادر ہو جاتا ہے تو ایک نوع کے حجاب سے ان کی تادیب کی جاتی ہے
اور جب وہ اس کی تلخی چکھ چکے ہیں تو ان پر کرم کی بارش فرمائی جاتی ہے۔ (کذائی الحج
لمحضاً) (سورہ توبہ)

ذات و صفات میں اتباع ظن کی مذمت

قوله تعالیٰ: وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا (سورہ توبہ)
ترجمہ:۔۔ اور ان میں اکثر لوگ صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں۔
اس سے علمائے رسوم بہت کم محفوظ ہیں۔ چنانچہ اکثر اہل ظاہر متکلمین کے
دلائل (ذات و صفات کے متعلق) متعارض پائے جاتے ہیں (جو شان ہوتی ہے
ظنّیات کی) پس جو شخص اس سے بچنا چاہے وہ سلف صالح کا اتباع کرے اور فلسفياً
میں مشغول نہ ہو جس سے بجز شک بڑھنے کے کوئی حاصل نہیں۔

خشوع حاصل کرنے کا سہل طریقہ

قوله تعالیٰ: وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ الَّذِينَ

يَنْظُرُونَ أَنَّهُم مُّغْلَبُونَ رَبَّهُمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (البقرہ)

ترجمہ: اور بے شک وہ نازد شوار ضرور سے مگر جن کے قلوب میں خشوع ہے ان پر کچھ دشوار نہیں وہ فاشعین، وہ لوگ ہیں جو خیال رکھتے ہیں اس کا کہ وہ بیشک اپنے رب سے ملنے والے ہیں، اور اس بات کا بھی خیال رکھتے ہیں کہ بیشک وہ اس کی طرف واپس جانے والے ہیں۔ (سورۃ البقرہ)

یہ آیت دال ہے اس پر کہ خشوع سبب ہے سہولت صلوٰۃ کا اور اس پر بھی کہ قناعت و رجوع کا اختیار سبب ہے حصول خشوع کا۔ سو دیکھیے حق تعالیٰ نے کس طرح سے سہولت عبادت و حصول خشوع کا خوشگوار طریقہ بتا دیا۔

ذکر سے قلب کا اطمینان

قوله تعالى: أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ. (الرعد)

ترجمہ: خوب سمجھ لو اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔
الروح میں ہے کہ اس اطمینان کا سبب ایک نود ہے جس کو اللہ تعالیٰ مومنین کے قلب پر فائز فرماتا ہے جس سے پریشانی اور وحشت جاتی رہتی ہے۔

شرعی احکامات کسی حال میں ساقط نہیں ہوتے

قوله تعالى: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ. (سورۃ الحجر)

ترجمہ: اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہئے یہاں تک کہ آپ کو موت آ جائے۔
یقین کی تفسیر موت ہے۔ تو اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ کوئی مرتبہ سلوک میں ایسا ہے جس میں تکالیف شرعیہ ساقط ہو جاتی ہیں۔

عزالت کا شرط وصول ہونا

قوله تعالى: فَأَوْأَىٰ إِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهِ (سورة الكهف)

ترجمہ: تو تم چل کر غار میں پناہ لو۔ تم پر تمہارا رب اپنی رحمت پھیلا دے گا۔

یعنی اپنے محبوب کے ساتھ خلوت کرو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی رحمت و منفعت یعنی معرفت و تجلیات کو ظاہر اور ہمایا فرمادے گا۔ بعض عارفین نے کہا ہے کہ غیر اللہ سے عزالت اور خلوت وصل حق کا موجب ہے بلکہ بغیر عزالت کے وصل نہیں ہوتا ہے۔

ترغیب صحبت فقراء و اہل اللہ

قوله تعالى: وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ

ترجمہ: اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کے لئے کرتے ہیں۔ (سورة الكهف)

اس آیت میں حکم ہے ان فقراء کی صحبت کا جو اپنے مولا کی خدمت کے لئے انقطاع اختیار کر چکے ہیں، اور گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو ان سے صحبت رکھتے تھے، اس صحبت کا نامہ ان فقراء کو پہنچاتا تھا۔ مگر دوسرے اس صحبت سے خود مستفید ہوں گے کیونکہ فقراء کی ایسی قوم ہے کہ ان کا جلیس محروم نہیں رہتا۔ صحبہم فہم القوم لایشتقی جلیسہم (حدیث)

مال و جاہ کی کثرت مقبولیت کی علامت نہیں

قوله تعالى: وَظَلَلْنَا عَلَيْكُمُ الْعَمَامِرَ إِلَىٰ قَوْلِهِ كَأَنُؤُا نَفْسِهِمْ يُظَلِّمُونَ (البقرہ)

ترجمہ: - اور سایہ نگیں کیا ہم نے تم پر ابر کو اور پہنچایا ہم نے تمہارے پاس ترجمین اور بیڑیں کھاؤ نفیس چیزوں کو جو ہم نے تم کو دی ہیں اور انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا

لیکن اپنا ہی نقصان کرتے تھے۔ (سورہ البقرہ)
 اس میں دلیل ہے کہ باوجود معاصی کے نعمتوں کا جاری رہنا یہ استدراج اور خطر ہے
 اور بہت سے جاہل صوفی اس بارے میں دھوکے میں ہیں کہ وہ کثرت جاہ و مال کو
 بقولیت کی علامت سمجھتے ہیں۔

سالک کو اپنے مقام کا دھوکا

قَوْلُ تَعَالَى: وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنۡ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ
 لَنَنصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (التوبہ)

ترجمہ: اور ان میں بعض آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے عہد کرتے ہیں کہ اگر اللہ
 تعالیٰ ہم کو اپنے فضل سے عطا فرمادے تو ہم خوب خیرات کریں اور ہم خوب
 نیک نیک کام کیا کریں۔ (سورہ توبہ)

یہ اٹاہہ ہے ان لوگوں کی طرف جن میں ذوق محبت تو ہے نہیں اور اپنے نفس کے لئے
 بعض مقامات کو حاصل سمجھ جاتے ہیں پھر امتحان کے موقع پر پورے نہیں اترتے۔

سالک کے عذر کے قبول و رد کا راز

قَوْلُ تَعَالَى: وَاٰخِرُوْنَ مُرْجُوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ۔ (التوبہ)

ترجمہ: اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حکم آنے تک ملتوی ہے (سورہ توبہ)
 اس میں اس کی اصل ہے کہ بعض اوقات سالک کے معاملہ کو خوف ورجا کے درمیان
 حلق چھوڑ دیا جاتا ہے اس کے عذر کو نہ مریجا قبول کیا جاتا ہے کہ اس میں نصیحت کا اثر
 ضعیف ہو جاتا ہے اور نہ مریجا رد کیا جاتا ہے کہ اس سے اول تو حش ہوتا ہے پھر مایوسی
 پھر بُرد اور یہ سب اس کے لئے مضر ہیں اور اس مطلق رکھنے میں اس کی بہت سی
 مصلحتیں ہیں۔

الہام کا ثبوت

قوله تعالى: وَ عَلَّمْنَاهُ مِمَّنْ لَدُنَّا عِلْمًا (سورۃ الکہف)

ترجمہ: اور ہم نے اپنے پاس سے ان کو ایک خاص طور کا علم سکھایا تھا۔
 یہ تعلیم ممکن ہے کہ بواسطہ وحی ہو یا بواسطہ الہام، اور یہ الہام انبیاء و غیر انبیاء
 سب کو ہوتا ہے اور یہ آیت اصل ہے اثبات علم لدنی میں اور اس علم لدنی کو علم حقیقت
 و علم باطن بھی کہتے ہیں۔ گو ان واقعات جزئیہ مذکورہ فی القصر کا علم اس نوع میں داخل نہیں
 لیکن حضرت علیہ السلام کو علم لدنی بھی عطا کیا گیا ہے۔ نیز یعنی ہم نے ان کو اپنے پاس سے علم
 دیا تھا وہ ایسی پوشیدہ چیزوں کا علم ہے جو عقل و شریعت اور جو اس سے معلوم نہ ہو سکیں
 (بلکہ الہام سے معلوم ہوں)

اہل اللہ کے قلوب کو مضبوط کیا جانا

قوله تعالى: وَ رَآ بَطْنًا عَلٰی قُلُوبِهِمْ الخ (سورۃ الکہف)

ترجمہ: اور ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا اور یہی حالت ہے مالک
 صادق الارادہ کی کہ اس کے قلب اور ہرگز کو مضبوط کر دیا جاتا ہے پھر وہ
 بلا کی پرواہ نہیں کرتا اور مصیبتوں سے متحیر نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ اس کا
 خبر گیر اور مکفایت کرنے والا ہو جاتا ہے اور سلوک کی دادیوں میں اس کو گزارا
 ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے اور اس کے پاس اس کو قرار
 ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی وعدہ فرمایا ہے اپنے رستہ میں چلنے والوں سے بقولہ تعالیٰ اور جو لوگ
 ہمارے لشکوش کریں گے ہم ان کو اپنے رستے بتلا دیں گے

حقوق واسطہ نعمت کی دلیل

قوله تعالى: **أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ**

ترجمہ یعنی تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کیا کر۔ (سورہ مائدہ)
اس میں تصریح ہے کہ واسطہ فی نعمت کا شکر بھی مثل شکر نعم کے مطلوب ہے
اور اس واسطہ میں والدین اسناد اور پیر سب آگئے۔ البتہ معارضہ شریعت کے وقت اتباع
ان لوگوں کا جائز نہیں۔ بعد و اتبع سبیل من اناب الیٰ لیکن لا یجوز
اتباع مثل ذالک لقولہ تعالیٰ۔ و اتبع سبیل من اناب الیٰ۔

اہل دنیا کا توحید خالص سے انقباض

قوله تعالى: **وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ**

ترجمہ: اور جب فقط اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل منقبض ہوتے
ہیں جو کہ آخرت کا یقین نہیں رکھتے۔ اور جب اس کے سوا اوروں کا
ذکر کیا جاتا ہے تو اسی وقت وہ لوگ خوش ہو جاتے ہیں۔ (سورہ رمن)
اس کے ثابہ بعض جہلامعنی طریق کی حالت ہے کہ توحید خالص کے ذکر سے منقبض ہوتے
یہاں اولیاء کے ساتھ استغاثہ کرنے والوں کی حکایات سے خوش ہوتے ہیں

احادیث کے استنباط

علوم وہی

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص چالیس روز تک اللہ کے لئے خلوص (کے ساتھ عبادت) اختیار کرے علم کے چمچے اس تلب سے (جوش زن ہو کر) اس کی زبان سے ظاہر ہوتے ہیں (روایت کیا اس کو زین نے)

عادت چلہ

اکثر بزرگوں سے چلہ نشینی کا اہتمام منقول ہے یہ حدیث اس کی اصل ہے۔ ف مسئلہ اثبات علم امر اور بزرگوں کے کلام میں منصوص ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض خاص بندوں کو بعض علوم و دعطا ہوتے ہیں جو نہ منقول ہیں نہ مکتب ہیں کبھی اس کو علم وہی سے تعبیر کرتے ہیں کبھی علم امر کہتے ہیں اور خود ان سے اس قسم کے دقائق و حقائق منقول بھی ہیں جو ان سے پہلے کسی کی زبان سے نہیں نکلے، یہ حدیث ایسے علوم کی تحقیق اور اعتبار کی اصل ہے۔ (التکشف ص ۴۴۴)

نماز میں وساوس کا علاج

قاسم بن محمد سے ایک شخص نے پوچھا کہ مجھ کو نماز میں وہم اور شبہ بہت ہو جاتا ہے نہوں نے فرمایا کہ (کچھ روادہ نہیں) اپنی نماز (اسی حالت سے) ختم کر لیا کرو کیونکہ یہ (کو شش کرنے سے)

پڑھنے نہ ہو کہاں تک کہ ناز سے فارغ بھی ہو جاؤ گے اور لیں ہی کہتے رہو گے کہ میں نے ناز پوری نہیں پڑھی (مگر کچھ رہ گیا ہے، اس لئے پھر پڑھو گے مگر پھر بھی فارغ ہو کر یہی دوسرے رہے گا تو کہاں تک اعادہ کرو گے اس لئے بہتر یہی ہے کہ کچھ پرواہ نہ کرو) (روایت کیا اس کو مالک نے مشکوٰۃ)

علاج دفع وسوسہ

اس روایت میں یہ اور علاج ہے کہ اس کی پرواہ نہ کی جائے اور اس پر عمل اور اس کی طرف التفات نہ کرے یہ علاج تجربے سے اکسیر اعظم ثابت ہوا ہے اور حاشیہ میں لمعات و رفات سے فان ملیس میذہب انہم کی طرح تقریر کی ہے یعنی یہ دوسو سال وقت تک نفع نہ ہو گا جب تک کہ تم ایسا نہ کرو گے کہ ناز ختم کرو اور (شیطان سے) یوں کہو کہ مانا ہم نے ناز پوری نہیں پڑھی نہ ہی اللہ تعالیٰ بڑا کریم ہے وہ اسی کو قبول کر لے گا یا معاف کر دیگا ہم آپ کی خیر خواہی سے باز آئے ہم جاتیں ہمارا خدا جانے۔ (التکشف ص ۴۰)

ناز میں حضور قلب

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں جو وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے پھر کھڑے ہو کر در رکعت اس طرح پڑھے کہ اپنے دل اور چہرے سے اس کی طرف متوجہ رہے مگر اس کے لئے جنت واجب ہو جائے گی۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے مشکوٰۃ)

حدیث: مقبلاً علیہما بقلبہ میں غور کرنے سے یہ طریق معلوم ہوتا ہے کہ شرح اس کی یہ ہے کہ علیہما کی ضمیر بے رکعتیں کی طرف اور رکعت مرکب ہے اقوال و افعال متعددہ سے تو اقبال علی الرکعتہ اقبال علی ہذہ الاجزاء ہے پس حاصل طریق کا یہ ہوا کہ بقول و فعل ناز میں صادر ہو وہ توجہ اور قصد سے ہونا چاہئے محض مشق اور یاد سے نہ ہو

مثلاً زبان سے سبحانك اللهم کہا تو اس کی طرف مستقل توجہ ہو کہ میں زبان سے یہ کہہ رہا ہوں پھر بحمدك کہا تو اسی طرح اس کی طرف بھی مستقل توجہ اور قصد ہو اسی طرح آخر نماز تک اس طرح کرنے سے برابر ساعات نماز میں توجہ الی الطاعة رہی اور ایک طرف جب توجہ ہوتی ہے تو دوسری طرف نہیں ہوتی پس لامحالہ اس سے غیر صلوة کی طرف متوجہ نہ ہوگی پس حضور کامل میسر ہوگا اور وجہ میں اشارہ اس طرح ہے کہ جوارح کے مشغول کر دینے کو بھی اشتغال طب میں دخل ہوتا ہے پس تکمیل حضور کے لئے کف جوارح بھی ضرور ہے ورنہ چہرہ پھرنے سے بواسطہ نگاہ کے خیالات منتشر ہونگے (اتکشف عنہ)

ایثار در فضائل

روایت: عمر بن مہمون الادوی سے منقول ہے کہ حالت مرض میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صاحبزادے عبداللہ بن عمر سے فرمایا کہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جاؤ اور یوں کہو کہ عمر بن الخطاب اس امر کی اجازت چاہتے ہیں کہ (بعد وفات آپ کے حجرے میں) اپنے دونوں ساتھیوں کے پاس دفن کئے جائیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ یہ مقام میں نے تجویز تو اپنے لئے کر رکھا تھا مگر میں حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو اپنے نفس پر ترجیح دیتی ہوں (اور دفن کی اجازت دیتی ہوں)

الکرام اہل ادب کی یہ بھی عادت مشاہدہ کی جاتی ہے کہ فضائل کے مواقع پر تادباً اپنے سے بڑوں کو مقدم رکھتے مثلاً کوئی بزرگ دوسری صف میں آکر کھڑے ہو گئے اور پہلی صف میں کوئی ان کا معتقد و مخلص کھڑا ہے تو وہ پیچھے ہٹ کر ان کو مقدم کر دیتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ایثار سے اس کا استحسان معلوم ہوتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ قربات میں ایثار نہ چاہئے کیونکہ یہ قربات سے بے رغبتی کا ملتزم ہے لیکن حصول برکات کے

یہ ایثار میں مضائقہ نہیں اور فعل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایثار بات میں ثابت ہے نہ کہ قربات میں۔ علمائے محققین نے اس کا جواب دیا ہے کہ اپنے سے بزرگ کا احترام کرنا یہ اس قربت سے بھی بڑھ کر قربت ہے۔ پس اعلیٰ درجہ کی قربت کو اعلیٰ درجہ کی قربت پر ترجیح دینا یہ بے عقلی قربت سے نہیں۔ البتہ جہاں یہ دوسری (بہت پہلی قربت سے افضل نہ ہو وہاں نہ چاہئے۔) (التکشف)

نجات کے لئے عمل شرط ہے، بزرگوں کی نسبت کافی نہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیتہ وانذر الخ
نازل ہوئی، یعنی اپنے قریب والے خاندان کو (عذاب الہی سے) ڈراؤ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے قریش کو پکارا (اور جمع کیا) اور اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ نے (حضرت فاطمہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو) فرمایا اے فاطمہ اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ کیونکہ میں تم کو اللہ تعالیٰ
سے بچانے کا کچھ اختیار نہیں رکھتا (روایت کیا اس کو مسلم نے مشکوٰۃ)
ن۔ بعضوں کو یہ ناز ہوتا ہے کہ ہم فلاں بزرگ کی اولاد میں ہیں یا فلاں خاندان
میں بیعت ہیں اور اس بنا پر اصلاح عقائد و اعمال سے بالکل بے فکر ہو جاتے ہیں۔ اس
دوے اور ناز کی اس حدیث سے جوڑ کلتی ہے۔ (التکشف ص ۴۲۸)

اہل طریق سے توسل کرنا

امیہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح کی دعا کیا کرتے تھے توسل فقرا
مہاجرین کے (روایت کیا اس کو شرح السنہ میں مشکوٰۃ)
نصو: مقبولان الہی کے توسل سے دعا کرنا بکثرت شائع ہے، حدیث سے اس کا
اثبات ہوتا ہے اور شجرہ پڑھنا جو اہل سلسلہ کے یہاں معمول ہے اس کی بھی یہی حقیقت اور

عرض ہے۔ (التکشف ص ۴۶۶)

بزرگوں کو خوش کرنے کے لئے خدمت کرنا یا نہیں

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر تم مجھ کو گذشتہ شب میں دیکھتے تو بہت خوش ہوتے میں تمہارا قرآن پڑھنا سن رہا تھا۔ واقعی میں تم کو داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی کا حصہ عطا ہوا ہے روایت کیا اس کو بخاری و مسلم و ترمذی نے اور برقانی کی روایت میں مسلم سے آنا اور زیادہ ہے کہ ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! واللہ مجھ کو معلوم ہوتا کہ آپ میرا قرآن سن رہے ہیں تو میں آپ کی خاطر اس کو خوب ہی بناتا سنوارتا۔

فصیح: بزرگوں کا دل خوش کرنے کے لئے اگر کوئی طاعت یا خدمت اچھی طرح کی جائے کہ محضیٰ بالبطع ہو کر اس طرح نہ کرنا تو ظاہر میں اس میں شبہ زیادہ معلوم ہوتا ہے مگر چونکہ تطیب قلب اہل اللہ بلکہ قلب مسلم خود عبادت ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک عبادت کو دوسری عبادت کے واسطے اچھی طرح کرتا ہے اس لئے ہرگز یہ ریا نہیں ہے۔ حدیث میں اس کے استحسان پر صاف دلالت ہے اس نادان کو مدتوں یہ شبہ رہا کہ اکثر کسی کی فرمائش سے جو قرآن عمدہ طرح پڑھنے کی عادت ہے شاید یہ اچھا نہ ہو الحمد للہ کہ اس حدیث کا ترمذی جس کی ابھی تقریر کی گئی ہے قلب میں فائز ہوا اور یہ شبہ بالکل دفع ہو گیا۔ پھر اس حدیث پر نظر پڑنے سے اس کی اور تائید ہو گئی اور حدیث میں دوبارہ غور کرنے سے مقبولان الہی کی بڑی فضیلت معلوم ہوتی ہے کہ ان کی طلب رضا مثل رضائے حق تعالیٰ کے ہے، جبکہ دونوں میں تعارض نہ ہو اور راز اس میں یہی ہے کہ ان کی رضا اور رضائے حق کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے پس مطلوب بالذات طلب رضائے حق ہی ہے۔ (التکشف ص ۵۵۷)

اکابر کو بھی اپنی اصلاح سے غافل نہ رہنا چاہئے

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بزرگی کے دن بیع کی طرف چلے اور لوگ آپ کے پیچھے چلنے لگے۔ جب آپ نے جوتیوں کی آواز سنی تو آپ کے قلب پر یہ امر گراں گزرا پس آپ بیٹھ گئے یہاں تک کہ لوگوں کو اپنے آگے کر دیا تاکہ کوئی اثر بڑائی کا آپ کے قلب میں نہ واقع ہو جائے (روایت کیا اس کا بن ماجہ نے۔

ف۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اس حدیث میں غور کرنے سے ناقص تو ناقص کا طین کی بھی آنکھیں کھلتی ہیں اور ان لوگوں کی غلطی ظاہر ہوتی ہے جو زعم کمال کے بعد اپنی نگرانی حال سے بے فکر ہو جاتے ہیں۔ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اکابر کو فاسخ ہو کر بیٹھنا نہ چاہئے نثر مبتدی کے اہتمام اصلاح اعمال اور اندیشہ تغیر حال میں لگا رہنا چاہئے اور یہی خیریت ہے قال اللہ تعالیٰ فلا یا من مکر اللہ الا القوم الخسرون ونہر

ما قبل ۷ غافل مرد کہ مرکب مردان زہد را

در سنگلاخ بادیرہ پے ہا بریدہ اند

نومیدہم مباشش کہ زندان بادہ نوش

ناگہ بیک خردش بہ منزل رسیدہ اند

اللہم اعنا علی الاستقامۃ مع القبول والکرامۃ فی الدنیا ویوم القیمۃ

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

(التکشف ص ۲۶۵)

معارف مشنوی

خفتہ از احوال دنیا روز و شب چون قلم در پنچہ نقلیب رب
 آنکہ او پنچہ نہ بیند در رقم فعل پذیرد بہ جنبش از قلم

نوٹ: ان اشعار میں توحید افعال کی طرف اشارہ ہے جس کا عنوان اس طرح مشہور ہے
 "لا فاعل الا اللہ" اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی کی طرف کوئی فعل منسوب
 نہیں مادل تو یہ عقاید حقہ کے خلاف ہے پھر صدور قبائح کا جناب باری تعالیٰ سے
 ان میں لازم آتا ہے۔ پھر شاہدہ اور وجدان بھی اس کی تکذیب کرتا ہے۔ پھر یہ کہ تمام
 شریک کا اس میں ابطال لازم آتا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ منتہا سب اسباب کا یا یوں
 کہیے کہ خالق افعال کا بجز حق تعالیٰ کے کوئی نہیں۔ گو واسطہ و ظاہری اسباب اور
 بھی ہیں۔ چونکہ عارف کو دوسرے فاعلین کی طرف التفات نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ ان کی
 نفی کر دیتا ہے۔ سو واقع میں یہ نفی باعتبار قابل التفات ہونے کے یا التفات کرنے کے ہے
 یعنی کوئی فاعل قابل التفات کے یا ملستت الہیہ نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے۔ اسی طرح توحید صفاتی
 و توحید ذاتی کو سمجھنا چاہئے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ بجز ذات و صفات خداوندی کے کوئی صفت
 یا ذات موجود نہیں بلکہ عارف کو کسی اور کی ذات و صفات کی طرف التفات نہیں ہوتا۔
 اس مرتبہ میں وعدہ لاکھم ہوتا ہے۔ سو یہ تینوں مراتب توحید وجودی کے فروع ہیں۔ فقط۔

طہرا بتی بیان پاکی ست
 گنج نورست از طلسمش خاکی ست

جاننا چاہئے کہ اکثر صوفیائے کرام کے کلام میں بعض آیتوں کا خلاف ظاہر معانی پر
 محمول ہونا پایا جاتا ہے، ایسے مواقع پر ناظرین کو دو غلطیاں واقع ہو جاتی ہیں۔ بعض لوگ

زیادہ اعتقاد کر لیتے ہیں کہ قرآن شریف کی تفسیر یہی ہے اور علمائے ظاہر نے جو تفسیر کی ہے وہ غلط ہے، حالانکہ یہ اعتقاد بالکل باطل اور شعائرِ نادۃ کا ہے اور اس سے نامِ شریعت ناقابلِ اعتبار اور منہدم ہو جاتی ہے، اور بعض لوگ ان حضرات پر طعن کرنے لگتے ہیں کہ انہوں نے قرآن مجید میں تحریف کر دی اور تفسیر بالرائے کرتے ہیں اس لئے اس کی تحقیق ضروری ہے۔

اصل یہ ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر تو وہی ہے جو علمائے مفسرین نے لکھی ہے، لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو مضمون مدلول و مقصود بالقرآن ہے اس کے مشابہ کوئی دوسرا مضمون ہوتا ہے تو مدلولِ قرآنی سے ذہن اس مشابہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، جیسا زیادہ عمر میں مناسبت ہو اور زید کا حال بیان کرتے ہوں اور عمر یا آجائے، اور اس انتقالِ ذہنی کی وجہ سے اس مضمون مدلولِ قرآنی پر اس مضمون مشابہ کو قیاس کر کے اس کے لئے بھی وہی حکم جو مدلولِ قرآنی کے متعلق ہے ثابت کرنے لگتے ہیں تو مقصود ان کا اس نص میں اس مضمون کا داخل کرنا نہیں ہوتا بلکہ محض قیاس و تمثیل کا نصب ہوتا ہے مثلاً اسی آیت "طہریتی" کی تفسیر سے کہ تطہیر کعبہ ہے ذہن منتقل ہوا کہ انسان پر بھی ایک چیز مشابہ کعبہ کے ہے اور وہ قلب ہے، کیونکہ جس طرح کعبہ پر انوارِ الہی نازل ہوتے ہیں قلب پر بھی فائز ہوتے ہیں۔ اس سے یہ قیاس کیا کہ جس طرح تطہیر کعبہ ضروری ہے کیونکہ وہ بد تعلیبات ہے اسی طرح چونکہ قلب بھی موردِ تجلیات ہے اس لئے اس کی تطہیر بھی ضروری ہے اور وہ بد تعلیبات علتِ مشرکہ ہے، اس کو علم اعتبار کہتے ہیں جس کی اجازت فاعلاً و باعلی الابصار میں موجود ہے اور جمیع فقہاء و مجتہدین احکام میں اس کا استعمال کرتے ہیں پس اگر اس معنی مقیس کو کوئی شخص مجازاً مدلولِ نص کہدے یا اس معنی کو قیاسِ مظہر ہے نہ مثبت لائن میں کوئی بات قابلِ مواخذہ نہیں۔ امر محقق اس باب میں یہ ہے کہ امام غزالیؒ نے بعض تصانیف میں اس کی تصریح فرمائی ہے اور بعض نے جو ان توجیہات کی نصیح کے لئے یہ تکلف کیا ہے کہ ہر آیت کا ایک ظہر اور ایک بطن ہوتا ہے پس علمائے ظاہر نے جو کہا ہے وہ ظہر ہے۔

اور صوفیائے جو فرمایا ہے وہ بطن ہے۔ یہ تکلیف نہایت بعید ہے، کیونکہ ظہر و بطن دونوں کا اس آیت کے وجہ محملہ سے تو ہونا ضرور ہے اور ایسے نکات و اعتبارات یقیناً آیت میں قائل نہیں ہوتے جیسا کہ ماہرین قواعد شریعیہ و عربیہ پر معنی نہیں۔ اس لئے ان کو بطن و ستران کہنا نہایت امر متکرر ہے بلکہ بطن سے مراد وہ معانی دقیقہ و مسقطات غامضہ ہیں جن کو حضرات مجتہدین سمجھتے ہیں جس کی تفصیل اہل اصول نے وجہ دالات میں لکھی ہے اور ان بطون میں مراتب مختلف ہیں بعض وہ ہیں جن کو عوام نہیں سمجھتے۔ علمائے متوسطین سمجھ جاتے ہیں۔ بعض وہ ہیں جن کو علمائے راسخین و مجتہدین سمجھتے ہیں بعض ایسے ہیں جن کو صرف انبیاء علیہم السلام سمجھتے ہیں و ہذا فوق کل ذی علم علیہم۔ فقط

ماچو تاہم و تو ادرما زتست

ماچو کوہیم و صدا درما زتست

ف : مقصود مراقبہ توحید کی تعلیم ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اپنے اور تمام مخلوقات کے جمیع افعال و حرکات و سکناات و تغیرات میں حق جل شانہ کے موثرہ خالق ہونے کا ہر وقت استحضار رکھے اور ہر چند یہ امر داخل عقائد ہے مگر اعتقاد میں تصدیق اجمالی کافی ہے اور ہر مراقبہ میں استحضار اور ہر ہر جزو پر تفصیلی توجہ زائد ہے کیفیت اضمحلال خلق کی اس کی بدولت پیدا ہوتی ہے اور شعب توحید سے یہ ایک شعبہ ہے مگر محققان حال نے مطلقاً اہل ثناء کو مراقبہ توحید سے منع کیا ہے کیونکہ مسئلہ نازک ہے اور فہم ناقص ہے اس لئے لغزش کا اندیشہ ہے۔ لہذا قال مرشدی اور یہ احقر عرض کرتا ہے کہ علاوہ نقصان فہم و قلت علم کے عشق و محبت الہی میں بھی کمی ہے ایسی حالت میں جب ہر شے کو مستذالی الحق سمجھے گا اور وسائل و اسباب کے مطلق نظر اٹھ جائیگا اور قلت محبت الہی سے بعض اوقات میں رضا و تسلیم میں کمی ہوگی تو وہ تنگی اور کدورت نمودار اللہ حق جل شانہ کی طرف سے ہوگی اس وجہ سے جب تک علم و فہم و عشق سب مل نہ ہوں یہ مراقبہ نمودار ہوگا یعنی قاعدہ بھی ہے کہ جس سبب میں مفاسد کا اندیشہ ہو وہ مکروہ ہو جاتا ہے۔ فقط

(مزید استفادہ کے لئے ملاحظہ ہو کلید مشنوی۔ انکشف)

عرفانِ حافظ

الایا ایہا تاقی ادر کاسا و ناوہا
کہ عشق آسان نمود اول و لے افتاد مشکلمہا

ساتی شراب پلانے والا مراد محبوب حقیقی۔ کاس، پیالہ شراب، مراد جذبِ عشقی) اور دیکھئے، اور (اس دور میں) وہ پیالہ مجھ کو بھی دیکھئے (یعنی مجھ کو اپنی طرف متجذب کر لے) کیونکہ (راہ) عشق (کاسلوک) اول اول آسان معلوم ہوا تھا (چونکہ اس کے ذہنات نہ دیکھی تھیں) لیکن (سلوک کے وقت) بڑی بڑی مشکلیں واقع ہوئیں (جن سے راجح ہونا دشوار ہو گیا۔ سو آپ کے جذب سے یہ سب مشکلیں سہل ہو جائیں گی۔)

نہج: اس شعر میں اس مسئلہ کی تحقیق ہے کہ سلوک محض بلا جذب کے وصول الی المقصود ہی ممکن نہیں ہوتا اور سلوک و جذب کے معنی۔ کوئی شخص ہوش و سہوشی نہ سمجھ جائے بلکہ سلوک لے ہی مقامات یعنی اخلاق باطنہ کی اصلاح کو مع پابندی اعمال ظاہرہ کے، اس سے نسبت باطنی کے حاصل ہوجانے کی استعداد اور قابلیت پیدا ہو جاتی ہے لیکن نسبت باطنی الا فضل حاصل ہو جانا یہ با اختیار مسالک نہیں ہے۔ محض فضل الہی پر موقوف ہے، پس رو فیض غیبی و عنایت حق جس سے یہ نسبت حاصل ہو جائے جذب کہلاتا ہے، اور ہی نسبت کو وصول الی اللہ بھی کہتے ہیں۔ غرض سلوک اختیاری ہے اور جذب غیر اختیاری خوب سمجھ لو۔ اسی مضمون کو کسی نے اس طرح تعبیر کیا ہے

نگرد قطع ہرگز جا دہ عشق از دید نہا

کہ می بالہ بخود این راہ چون تا کہ از برید نہا

بُوئے نازہ کا خرابیاں طرہ بکشاؤ
ز نایب جعد مشکینش چہ خون افتادہ درد لہا

(بوئے۔ امید۔ طرہ کھلے ہونے بال۔ جعد، گندھے ہوئے بال)

معنی :- با امید اس نازہ (یعنی خوشبو) کے جس کو آخر (کبھی نہ کبھی تو) باد صبا اس
طرہ سے کھولے (اور پھیلائے) گی (اس امید پر) محبوب کے جعد مشکیں کے پیچ و تاب کی
وجہ سے کیسے کیسے خون قلوب میں پڑ رہے ہیں۔ (اور عشاق ان کی اسی خوشبو کی امید پر
کہ وہ بھی اک گونہ قرب ووصال ہے جمیل رہے ہیں)

فج: بلسان اشارہ جعد سے مراد واردات سالک کا بند ہونا جس کو قبض کہتے ہیں
اور نازہ سے مراد ان واردات کا نازل ہونا جس کو بسط کہتے ہیں اور ان واردات
کو مرتبہ قبض جعد سے اور مرتبہ بسط سے طرہ سے تعبیر کرنا نہایت لطافت و رعایت
شاعرانہ بھی ہے اور صبا سے مراد فیض مرشد ہے جو واسطہ ہے ایصال واردات و برکات
الہیہ کا۔ پس اس میں تعلیم ہے اس مسئلہ کی کہ قبض میں سالک کو نا امید و دل شکستہ نہ ہونا چاہئے
کیونکہ اس میں ہزاردوں حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں۔ ایک ظاہر مصلحت جو ہر قبض میں شریک
ہے یہ ہے کہ قبض سے سالک کو ایک خاص انکسار اور شگستگی اور اپنے کو محض ہیچ اور ناجیز
اور ذلیل و احقتر سمجھنا اور عجب و پندار کمال قطعاً نظر اور اتقاف سے اٹھ جانا۔ یہ امور
بلا مجاہدہ حاصل ہو جاتے ہیں۔ سو یہ خود کتنی بڑی دولت ہے اسی لئے بعض محققین کا قول
ہے کہ قبض ارفع ہے بسط سے، یعنی اس وجہ خاص سے، پس اس حالت میں نا امید اور پریشا
نہ ہو بلکہ اس پر صبر کرنے اور راضی رہنے اور امید رکھنے کہ جب میرے لئے مصلحت ہوگی بسط
ہو جائیگا کہ وہ بھی قرب کی ایک خاص صورت ہے جیسا کہ قبض بھی من وجہ قرب ہے اور
نسبت الصبا میں اشارہ ہے کہ قبض میں مرشد کی طرف رجوع کرے کیونکہ قبض کے علل و آثار
و مصالح و طرق بسط یا اس قبض کا عین بسط یعنی حکمت میں مثل بسط ہونا یہ سب مراتب

مشد سے مل ہوتے ہیں نیز اس سے لازم آگیا کہ سالک قبض میں اپنی رائے پر ہرگز حمل نہ کرے
 دینہ بہت سے اس میں صورہ ہلاک ہو چکے ہیں قبض کے باب میں بیضوں مولانا روم کے

دینہ زیادہ مصرح ہے

چوں کہ قبضے آیدت اے راہرو
 آں صلاح تست آپس دل مشرو
 چونکہ قبض آید تو دردے بسط میں
 تانہ باش و چین مینگن بر چین

بٹے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
 کہ سالک بیخبر نہ بود رسم و راہ منزلہا

(مٹے شراب مراد وہ امر مباح جو طریقت کے خلاف معلوم ہو اور قابل احترام ہو،
 باوجود مباح شرعی ہونے کے طریقہ محتر ز عنہ ہونے کے وصف کے سبب شراب سے
 تشبیہ دیدی) مطلب یہ ہے کہ مٹے میں سجادہ رنگین کرنا (گو بہت امر منکر ہے لیکن اگر محکو
 پر نفاں (یعنی مشد) بتلاد سے تو عمل کر لینا، کیونکہ جو شخص راہ چلا ہوا ہے اور راہ دیکھے ہوئے ہے
 وہ منازل کے طوق اور آثار سے بیخبر نہیں ہوتا (طریق رستہ اور رسم جو راہ پر نشان بنے ہوتے ہیں
 جن کو دیکھ کر راستہ چلتے ہیں)

فہ :- اسی طرح اگر مشد ستر شد کو کوئی ایسا امر بتا دے جو شرعاً تو جائز تھا لیکن نظام طریقت
 کے خلاف ہونے سے منکر معلوم ہوتا ہے تو سالک کو چاہئے کہ اس کو مضر سلوک نہ سمجھے بلکہ اس پر
 عمل کرے کہ وہ واقعی میں مضر نہ ہوگا بلکہ مفید ہوگا کیونکہ شیخ کو اس کے تشیب و فزاز کا زیادہ
 تجربہ ہے تفہیم کے لئے ایک مثال فرض کرتا ہوں۔ مثلاً کسی سالک کو قبض ہوا اور شیخ نے اپنی
 بعیرت و تجربہ سے پہچان لیا کہ تکتیر اشغال اور ضعف و ملال طبیعت کا اس کا سبب ہوا ہے۔
 شیخ نے امر فرمایا کہ برائے چندے شغل بالکل چھوڑ دو اور طبیعت کو راحت پہنچاؤ اور احباب میں
 بظکر مزاج اور خوشگوار باتوں سے فرحت حاصل کرو اور اکثر حصہ شب کا سوؤ اور خوب لذیذ
 کھانے کھاؤ تو نظام یہ امور خلاف طریقت معلوم ہوتے ہیں لیکن واقع میں عین طریقت ہیں۔

کیونکہ علت قبض کا اس میں علاج بالصدق ہے کہ طال و ضعف کا علاج نشاط و تقویت ہے اس علاج سے بسط ہو جائیگا اور ذکر و شغل اطمینان سے ہوگا تو درحقیقت شیخ نے شغل ترک نہیں کرایا بلکہ شغل کے دوام کا سامان کیا ہے۔

تنبیہ:۔ یاد رکھو کہ بے سجادہ رنگیں کن میں تشبیہ المفرد بالمرکب ہے اجزائے مرکب کے جدا جدا تشبیہ نہیں، اور مخان لغت میں آتش پرستوں کو کہتے ہیں چونکہ اہل فارس اہل آتش پرست تھے، اس لئے فارسی زبان میں وہی محاورے آئیں گے، لیکن مراد محض معنی مجازی ہوں گے، اور سالک جو شیخ کو کہتا ہے اس کے معنی، آنکہ سلوک میکنہ نہیں بلکہ آنکہ سلوک کردہ و فانی شدہ باشد، ہیں اور احقر نے جو تفسیر سجادہ رنگیں کن کی کی ہے قرینہ اس کا ظاہر ہے کہ جس فن کا یہ مضمون ہے اسی فن کے اعتبار سے جو منکر ہو وہ متعین الارادہ ہے لغوی معنی لینا بالکل فن سے خارج ہو جاتا ہے۔

مراد منزل جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم

جرس فریادی دار دکہ بر بندید مملہا

(منزل جاناں بمقام دہال باطن جرس۔ اثر ارشاد عرفاد اور شوق قلب، مراد یہ کہا)

مجھ کو کسی مقام یا حال باطنی میں امن و عیش (یعنی استقرار و سکون) کیونکہ حاصل ہو جبکہ ہر وقت

قلب میں جو عارفین کے (اس ارشاد کا اثر ہے) (کہ سالک کو کہیں توقف نہ کرنا چاہئے اور شوق

قلب بھی تقاضا کرتا ہے کہ ہاں محل لاؤ اور سفر کرو۔

نو:۔ اس میں تعلیم ہے کہ کسی خاص حالت باطنی پر قناعت نہ کرے بلکہ ہر دم طالب فریب

ہو عمل و سعی سے بھی توبہ اور ارادے سے بھی اور دعا و التجا سے بھی رومی نے بھی اسی مضمون

کو ارشاد فرمایا ہے

اے برادر بے نہایت درگہ ست

ہر چہ بروئے میرسی برو بے مایست

شب تاریک و بیم موج، گرد آئے جنیں ہائے کباد اندھ حالِ ماسک سارا، ن ساحلہا

اس میں بیان ہے حیرت کا، اور شکایت ہے مع اک گو نہ غدر مقرر زمین اور
لامت گردوں کے (یعنی ہماری حالت (حیرت میں) ایسی ہے جیسے اندھیری رات ہو
اور موج کا خوف ہو اور دروڑ ہو ناک میں کشتی آگئی ہو تو ہمارے (اس) حال کی ان لوگوں کو
کب خبر ہو سکتی ہے جو ہلکے پھلکے کنارے پر کھڑے ہیں (جنہوں نے دریا میں قدم بھی نہیں کھا)
منہ: مقصود یہ ہے کہ اگر کوئی صاحب حال کسی عصبہ باطنی میں گرفتار ہو کر حیرت میں پڑ
جائے تو اس کے انحال و اقوال پر ناواقف لوگ اعتراض اور ملامت کیا کرتے ہیں، مگر یہ
اعتراض دلیل خود اس کی ہوتی ہے کہ ان لوگوں پر کبھی ایسی حالت نہیں گذری پس ان کے
ناقافت ہونے کا اور مبتلائے حیرت کو ایسے اعتراضوں سے دلگیر نہ ہونے کو مبتلا نامقصود
ہے اور جو لوگ واقف اور عارف ہیں وہ اس پر رحم کرتے ہیں اور اس کی دست گیری
کرتے ہیں۔ تنبیہ: اس میں تشبیہ مرکب بالمرکب ہے۔

ہمہ کارم ز خود کامی یہ بد نامی کشید آخر

نہاں کے ماند آں راز سے کزوں زند محفلہا

(خود کامی استعمال وصل) یعنی جلد کامیاب ہو جانے کے تقاضے کی بدولت مرے
کام کا انجام یہ ہوا کہ سب میں رسوا ہو گیا (کیونکہ اس جلدی میں ہر کسی سے تدبیریں پوچھنے لگا
جس میں اظہار راز محبت کرنا پڑا۔ سب کو میرا حال معلوم ہو گیا) اور بھلا ایسا راز کب پوشیدہ
رہ سکتا ہے جس کے لئے جمع کیا جائے (جیسے میں نے جمع کر کے راز فاش کر دیا)

منہ: اس میں یہ بتلادیا کہ سالک کو استعمال اور جلدی ثمرہ حاصل ہو جانے کا تقاضا مضر ہے
کیونکہ اپنے رہبر پر قناعت و طمانیت نہیں رکھتا بلکہ اہل کی تخصیص بھی نہیں کھتا
ہرگز: ناک سے چارہ جمنی کرتا ہے اور سب کو اس کا فتنی حال معلوم ہو جاتا ہے اور

مخفی حال کا اظہار بجز اپنے مرشد کے کسی سے کرنا مذموم ہے اس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ ہر جانی ہونے کی وجہ سے پوری توجہ و مشقت اس شخص پر کسی کو بھی نہیں ہوتی اور شیخ کی عنایت و لطف بھی جاتا رہتا ہے اور مزید برآں یہ کہ جس چیز کو جلدی چاہتا ہے اس کا حصول خارج از اختیار ہوتا ہے اس لئے پریشانی اور بڑھتی ہے۔ غرض ظاہر اذ باطن ہر طرح سے برائی ہی برائی ہاتھ آتی ہے۔ پس اس میں اشارہ ہے کہ سالک ہرگز تقاضا اور جلدی نہ کرے اور غیر مرشد سے اپنا حال نہ کہے۔

حضورِ گرامی خواہی از و غائب مشو حافظ

مشى مالمق من تہوی وع الدنيا و امہلہا

(اگر تم محبوب حقیقی کے دربار میں) حضورِ (اور قرب و قبول چاہتے ہو تو اس سے غائب (یعنی دل سے غائب) مت ہو، (بلکہ اس کی طرف متوجہ رہو) اور جب ملاقات کرو اپنے محبوب سے (یعنی اس کے طرق لقاء میں کہ عبارت ہے عبادت سے مشغول ہو) تو دنیا چھوڑ دیا کرو (یعنی قصداً دنیا و مافیہا کی طرف اس وقت التفات نہ کیا کرو)

نتیجہ:۔ اس میں تعلیم ہے ذکر و عبادت پر دوام کرنے کی اور اس ذکر و عبادت کے نفع کی شرط کی کہ اس وقت قصداً غیر اللہ کو مستحضر نہ کرے کہ نفع اس سے فوت ہو جاتا ہے اور بلا قصد اگر آوے تو حلاً مضر نہیں اور مکرر ذکر کی طرف متوجہ ہو جانے سے وہ آیا ہو خیال از خود دفع ہو جاتا ہے۔ قصداً دفع کرنے کی ضرورت نہیں اور دفع بھی نہیں ہوتا اور اگر توجہ ذکر سے بھی دفع نہ ہو تو اصلاً پرواہ نہ کرے کیونکہ امر غیر مضر قابل اہتمام نہیں ہوتا۔ ورنہ اس کے مد پے ہو جانے سے پھر وہ پورا وبال جان ہو جاتا ہے۔ فقط

نوٹ:۔ (مزید استفادہ کے لئے ملاحظہ ہوا تکشف)

بعض مسائلِ طریقت

لطائفِ ستہ کی تحقیق

زیادہ قلبِ صنوبری تو خاص قطعہ لحم کا نام ہے، اور اس کے مقابلے میں قلبِ حقیقی ہے، وہ ایک لطیفہ ہے، اس کے اوار یہ قلبِ صنوبری منور ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسرے لطائف کو خاص خاص مقامات سے ایک خصوصیت ہوتی ہے، جیسے ہر کو سینہ سے اور خفی کو مابین الیٰ حبیبین سے اور اخفی کو دماغ سے، اور وہ تعلق یہی ہے کہ مذکورہ اعضا پر ان کے اوار و برکات ظاہر ہوتے ہیں، اور لطائف کی تعلیم کا نقش بند یوں کے یہاں خاص اہتمام ہے اور چستی اس کو غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحبؒ بھی فرمایا کرتے تھے کہ یہ سب حجاب ہیں، ذکر کے وقت ان کی طرف توجہ نہ کرنی چاہئے بلکہ توجہ اولاً بجانب مذکور مصروف کرنا چاہئے۔ اگر اس میں تکلف ہو تو ثانیاً ذکر کی جانب ملتفت ہوں، اگر وہ بھی نہ جھے تو ثالثاً صرف قلب کی طرف توجہ کرے۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں الا ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ و اذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وہو القلب

ان میں صاف مضغۃ قلب کی تصریح ہے، گو اس کے ضمن میں طبعاً لطیفۃ قلب کی طرف بھی توجہ آگتی پھر دوسرے لطائف کی کیا حاجت رہی کہ پہلے یہ کرو اور پھر یہ کرو، پھر مجموعے کو ملاؤ اور مسلم ہے کہ النفس لا تتوجہ الی شیئین فی ان واحد بس نہ اسی لطیفہ میں کمال توجہ ہوتی ہے، نہ دوسرے لطیفہ میں ہوتی ہے، اور شش شدہ لطیفہ میں جب کم تو جہی محسوس کرتے ہیں پھر نئے لطیفہ کو چھوڑ کر اس پہلے میں لگتے ہیں۔ غرض یہی شغلِ قصاری المقصود ہو جاتا ہے اس لئے ان کو حجاب کہا گیا، اور ایک اصطلاح دواثر ہے۔ مقامات کا نام دواثر رکھا ہے کیفیت

باطن کے نام کو دو اثر سے تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً دائرہ محبت وغیرہ اور ان دو اثر کے مراقبہ کی تعلیم کرتے ہیں، اور ایک اصطلاح حقائق ہے جیسے حقیقت مصلوٰۃ اور حقیقت کعبہ وغیرہ اس کا تصور کرایا جاتا ہے۔ ہمارے حضرت رحمہ ان سب کو حجابات فرماتے تھے۔

ہمارا مذہب لطائف کے بارے میں یہ ہے کہ نہ انکار میکنم و نہ اس کا ریمکنم خلاصہ یہ کہ طرق ذکر کے مختلف ہیں۔ ایک بالحباب ایک بغیر الحجاب اور نقیضاً سے طریقہ وصول الی اللہ بالحباب ہے۔ پس جب بے حجاب کام نکلے تو حجاب کی کیا ضرورت، اسی وجہ سے لطائف کا طریق ہمارے یہاں معمول نہیں۔ ان حجابات و وسائل کی کیا حاجت، میں تو سب کو ہم ذات بتاتا ہوں۔ آج تک کسی کو تصور شیخ یا شغل لطائف و دیگر اقسام کے ازکار و اشغال یا استنارہ بعض فی بعض اللحوال نہیں بتائے اور الحمد للہ اسی سے سب کو مقصود حاصل ہوا۔ گو کبھی تغیر احوال سے کمی زیادتی یا ترک کرنا پڑا لیکن اور حجابات سے کام نہیں لیا۔ ۶

اول ما آخر ہر منتہی است

حضرت حاجی صاحب کے یہاں کا بہت ہی مختصر سلوک ہے، آپ اس فن کے مجتہد تھے، اور فقہاء کا اجتہاد تو ختم ہو گیا مگر صوفیاء اور اطباء کا اجتہاد باقی ہے ہر زمانے میں اس فن کا ایک مجتہد ہوتا ہے، ہمارے حضرت اپنے زمانے کے مجتہد تھے۔ اسی طرح حضرت مجدد صاحب اپنے زمانے میں اس زمانے کے لوگوں کی خصوصیات بعض طرق کو مقتضی ہوں گی۔ اسی واسطے حضرت مجدد صاحب نے ان کا اثبات فرمایا اور اس وقت وہ مقتضیات بدل گئے۔ احکام و طرق بھی بدل گئے۔ اس لئے نہ ان حضرات پر انکار نہ حضرت حاجی صاحب پر۔ جیسے طریق معالجہ میں متقدمین و متاخرین کا مسلک مختلف ہے شیخ کو کبھی مثل طبیب کے مجتہد ہونا چاہئے۔ اس میں تعلیم سے کام لینا ناواقفی پر دلالت کرتا ہے۔ طبیب جیسا مریض کے لئے مناسب سمجھے ویسا علاج کرے، خواہ مریض روحانی ہو یا جسمانی

حضرت حاجی صاحبؒ کے سلوک کا مدار جمعیت قلب الطینان خاطر پر تھا۔ تشنت و تفرق سے بہت اجتناب فرماتے تھے۔ ۶

ماضی و مستقبل پر وہ خداست

اس لئے مشغل لطائف کے تشنت سے بھی بچاتے تھے کہ شیخ کامل سلوک کو بغیر حجابات کے قطع کرانا ہے۔ باقی جلدی اور دیر کا مدار مناسبت و خصوصیت استعداد پر ہے، اسی لئے جس مرید کو شیخ سے مناسبت نہ ہو وہ اس کی طرف رجوع نہ کرے۔ کسی اور مناسب شخص کو تلاش کرے۔ (ملفوظات ہفت اختر ملفوظات لخصاً۔ خزائن اللغات)

مشاہدے کی حقیقت

فرمایا مشاہدے کے یہ معنی ہیں کہ توجہ کرنا حق تعالیٰ کی طرف مرتبہ صفات میں یعنی بواسطہ صفات کے مع استحضار توجہ کے دائماً، اور ایک درجہ حضور کا اس سے آگے ہے۔ اس کو معائنہ کہا جاتا ہے وہ توجہ کرنا ہے ذات حق کی طرف بلا واسطہ صفات کے یہ مطلب نہیں کہ اس شخص کو صفات کا علم نہیں ہوتا۔ صفات کا علم تو ہوتا ہے اور پہلے وہ بھی صفات کے واسطہ سے متوجہ بحق ہوتا تھا لیکن اب اس کی توجہ کے لئے واسطہ صفات کی ضرورت نہیں رہی، بلکہ بلا واسطہ ذات حق کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ گو یہ توجہ اجمالی ہی ہو، مبہم ہی ہو، من و جہ ہی ہو لیکن ملتفت الیہ بالذات اس وقت عین ذات ہوتی ہے۔ صفات ملتفت الیہ نہیں ہوتیں اور درجہ مشاہدہ میں ملتفت الیہ بالذات صفات تھیں اور ذات ملتفت الیہ بواسطہ تھی گو مقصود اس وقت بھی توجہ ذات ہی ہوتی ہے، مگر چونکہ اس شخص کو بلا واسطہ صفات کے ذات کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ اس لئے التفات اولیٰ صفات ہی کی طرف ہوتا ہے۔ پس قصد کے لحاظ سے تو مشاہدے میں بھی ذات مقصود بالذات ہے، اور صفات مقصود بالعرض مگر التفات کے لحاظ سے صفات ملتفت الیہ بالذات ہیں اور ذات ملتفت الیہ بالعرض توجہ کے لئے

ایک مثال میں اس فرق کو سمجھئے۔ مثلاً ایک شخص محبوب کے پاس حاضر ہے لیکن محبوب کے اور اس کے درمیان ایک پردہ پڑا ہوا ہے۔ اس وقت مقصود تو اس کو بھی ذات محبوب کی طرف توجہ ہے لیکن حجاب کی وجہ سے یہ عین ذات کی طرف بلا واسطہ توجہ نہیں کر سکتا، بلکہ محبوب کی صفات حسن و جمال کو ذہن میں حاضر کر کے لذت لیتا اور ان کو توجہ الیٰ محبوب کا واسطہ بناتا ہے۔ اور ایک شخص محبوب کے پاس اس طرح حاضر ہے کہ درمیان میں کوئی حجاب نہیں۔ اس کی توجہ اولاً ذات کی طرف ہوگی۔ گو طبعاً صفات کی طرف بھی التفات ہوگا تو پہلے شخص کا لطف الیہ بالذات صفات تھیں۔ اور ذات لطف الیہ بالعرض وہ تو صاحب مشاہدہ ہے، اور دوسرے شخص کا لطف الیہ بالذات عین ذات ہے اور صفات لطف الیہ بالعرض۔ یہ صاحب معائنہ ہے۔ باقی قرب دونوں کو حاصل ہے۔ صاحب معائنہ کو بھی اور صاحب مشاہدہ کو بھی۔ گو کیفیت قرب میں تفاوت ہو اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ صاحب معائنہ کے لئے کوئی حجاب باقی نہیں رہتا۔ سب حجابات مرتفع ہو جاتے ہیں، یہ بات نہیں حجاب اس کے لئے بھی باقی ہے لیکن یہ حجاب التفات اولیٰ الیٰ الذات سے مانع نہیں۔ گو یہ التفات اجمالی ہی ہو، مبہم ہی ہو۔ مگر اولاً بالذات ذات ہی کی طرف ہے، اور صاحب مشاہدہ کے درمیان جو حجابات ہیں وہ ذات کی طرف التفات اولیٰ ہی سے مانع ہیں۔ یہ فرق ہے دونوں میں۔ اور یہاں سے معلوم ہو گیا کہ معائنہ میں صفات کی نفی نہیں بلکہ ان کی طرف التفات کی نفی ہے۔ (و غلط تحصیل المرام ص ۱۵۱)

لذتِ روحانیہ و لذتِ نفسانیہ میں فرق

یہ لذتِ روحانیہ اور لذتِ نفسانیہ میں فرق بتلاتا ہوں تاکہ ذکرین دھوکے سے بچتے رہیں اور حظوظِ نفس کے طالب نہ ہوں۔ یاد رکھو، ذکر و شغل اور نماز وغیرہ سے جو روح کو کیفیات حاصل ہوتی ہیں وہ نہایت لطیف ہوتی ہیں کہ لطافت کی وجہ سے ان کو کیفیت کہنا بھی مشکل ہے۔ وہ غلبہ کے ساتھ وارد نہیں ہوتیں اور ان کی علامت یہ ہے کہ یوماً فیوماً ان میں ترقی ہوتی رہتی ہے، اور کیفیاتِ نفسانیہ کا

درود غلبہ سے ہوتا ہے۔ جن میں بعض دفعہ حد و شرعیہ سے بھی انسان نکل جاتا ہے گو یہ اس میں مجبور و معذور ہو مگر یہ کیفیات مطلوب و مقصود نہیں اور نہ ان کے لئے بقا ہے۔ بلکہ کچھ عرصہ کے بعد یہ غلبہ جاتا رہتا ہے۔ کیفیت روحانیہ اور لذت روحانیہ کی حقیقت وہ ہے جس کو ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے جعلت فترة عینی فی الصلوٰۃ (کہ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے)، اس کی حقیقت تو وہی جانتا ہے جس کو یہ ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے۔ مگر اس کی علامت یہ ہے کہ نماز سکون اور اطمینان سے ادا کرے، جلدی نہ کرے، اور کوئی چیز اس کو نماز سے مشغول نہ کرے، یعنی نماز سے روکنے والی کوئی چیز نہ ہو۔ اور بدون نماز کے قلب کو صحن نہ ملے۔ وقت آتے ہی نماز کے لئے دل بے چین ہو جاتے۔ اسی کو خلوص اور احسان کہتے ہیں۔ یہ ہیں کیفیات روحانیہ بخلاف ان کیفیات کے جو مالکین کو وسط میں پیش آتی ہیں۔ جیسے محویت اور استغراق وغیرہ، ان کا بعض اوقات ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ حد و دوسے بھی نکل جاتا ہے۔ سو یہ کیفیات مقصود نہیں اور جس کو خلوص حاصل ہو جو کہ کیفیت روحانیہ ہے گو اس کو کتنے ہی دُساؤں آتے ہوں۔ اس حالت میں بھی۔ اس کا طالب لذت و محویت ہونا ایسا ہے جیسا مولانا فرماتے ہیں۔ ۷

دست بوسی چہل رسید از دست شاہ
پائے بوسی اندراں دم شد گناہ (اشرف المسائل)

اخلاقِ رذیلیہ کا امالہ

وجود اخلاقِ رذیلیہ مذموم نہیں ہے۔ ہاں علیٰ مقتضی الاخلاقِ الرذیلیہ مذموم و منہی عنہ ہے۔ مثلاً وجود غصہ کا مذموم نہیں لیکن اس کو بے محل صرف کرنا ناجائز ہے۔ مجاہدے سے پہلے بے موقع غصہ میں جلاتا تھا اب موقع پر چلاتا ہے، نہ یہ کہ بے موقع کبھی غصہ آتا بھی نہیں اور دلیل اس کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے :۔
لا یكلف الله نفساً الا وسعها و اخلاقِ رذیلیہ کے ازالہ پر قدرت نہیں۔

ہاں ان کو بے محل صرف نہ کرنے پر قدرت ہے۔ اس لئے صرف اسی کی تکلیف دی گئی ہے۔ جب یہ بات ہے تو ان اخلاقِ رذیلہ کے ابھرنے اور ان سے متاثر ہو جانے سے غلگین اور ناامید ہو جانا محض بے وجہ ہے (اطاعت الاحکام ص ۵۲) اکثر لوگ اخلاقِ رذیلہ کو زائل کرنے ہیں اور پھر اخلاقِ محمودہ پیدا کرتے ہیں۔ یہاں حضرت فرماتے تھے کہ ازالہ بالکلیہ نہیں چاہئے۔ کیونکہ جب اس خلق کی ضرورت ہوگی، تو کیا کرے گا (مثلاً شہوت) بلکہ تبدیل چاہئے (مقالاتِ حکمت حصہ ہفتم ملفوظ ص ۱۲۱) صفاتِ ذمیرہ اپنے محل و مصرف پر ہوں تو بری نہیں۔ اور اگر بے محل ہوں تو بری ہیں۔ مثلاً بخل اگر کسی اچھی جگہ کیا جاوے تو بُرا ہے اور اگر کسی بُری جگہ کیا جاوے تو بُرا نہیں مثلاً فواحشا میں چندہ دینے سے بخل کیا (مقالاتِ حکمت حصہ ششم ملفوظ ص ۱۲۱) رذائل کا ازالہ نہ کرو، صرف ازالہ کافی ہے۔ غرض ازالہ کی فکر ضرور نہیں اضمحلال بھی کافی ہے مگر اضمحلال کے لئے اس کی مشق ضروری ہے۔ اور مشق ہوتی ہے کثرت تکرار سے یہ نہو الحائک اذا صلی یوماً انتظرو الوحی کہ دو دن مخالفت نفس کے اپنے کو کامل سمجھنے لگے کثرت تکرار میں جو خاصیت ہے۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ایک دن انشاء اللہ رذیلہ کمزور ہو جائے گا۔ بعض حکماء اس نکتہ کو نہیں سمجھے وہ کہتے ہیں کہ عادات نہیں بدلا کر میں اس مجاہدہ فضول ہے مگر وہ یہ نہیں سمجھے کہ عادت کے خلاف عادت ہو جانے سے پہلی عادات ایسی کمزور ہو جاتی ہیں کہ گویا تھی ہی نہیں اور اس کا انکار نہیں ہو سکتا۔ مشائخِ طریق کے یہاں رات دن ایسی نظائر مشاہد سے میل آتی ہیں کہ مجاہدات و کثرتِ مخالفت سے اخلاقِ رذیلہ کو معدوم نہیں مگر کالعدم ضرور ہو جاتے ہیں اور یہ طریقہ ایسا آسان ہے جو ہر شخص کے اختیار میں ہے کہ اپنے قصد و اختیار سے رذائل کی مخالفت نفس کیا کرے (وعظ الارضاء الحق)

فرمایا کہ اخلاقِ ذمیرہ کے علاج میں صرف ذکرِ شغل کافی ہونے کے لئے میرے دل میں ایک نئی بات آئی ہے جو اس سے پہلے ذہن میں نہ آئی تھی۔ وہ یہ کہ چونکہ ذکر اللہ سے قلب میں ایک قسم کا نور و انشراح و انبساط پیدا ہوتا ہے اور معصیت

سرنزد ہوتی ہے تو وہ نور جو ذکر سے حاصل ہوا تھا تبدیل بہ ظلمت و کدورت ہو جاتا ہے اور جو حظ اس کو پہلے حاصل تھا وہ زائل ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس کو فوراً اس مصیبت پر تنبیہ ہو جانا ہے اور اس سے متنفر ہو جانا ہے رفتہ رفتہ تمام معاصی سے نفرت ہو جاتی ہے اور اسی طرح صرف ذکر و شغل ہی اخلاق ذمیمہ کے علاج کے لئے کافی ہو جاتے ہیں۔ بشرطیکہ تنبیہ کی طرف بھی توجہ ہو اور تنبیہ کے بعد اصلاح کی طرف بھی (مجادلت معدلت حصہ ہشتم مرقوم نمبر ۱۵)

فرمایا محققین نے تصریح کی ہے کہ اخلاق ذمیمہ میں سے ریاسب کے بعد جاتا ہے، اور اخلاص سب اخلاق حمیدہ کے بعد میسر ہوتا ہے۔ ریاسب کا ایک ایسا مرض ہے کہ مرانی (ریاکار) مخلوق سے تو کیا خالق سے بھی نہیں چوکتا۔ مثلاً جلوت میں اتفاقاً اس سے نماز کی تطویل میں ریاسب ہوتی۔ پھر جلوت میں اس عیب پر تنبیہ ہوا، تو اب آپ نے کیا کیا کہ جلوت میں بھی خالق کے سامنے اس لئے تطویل کی کہ اگر پھر جلوت میں تطویل کرول تو اللہ تعالیٰ اس وقت کی تطویل صلوة پر الزام نہ دیں۔ (نفوذ باللہ من الریاء الخفی والمجلی۔ جامع) (اثرن المسائل)

کبر کی علامات اور ان کا علاج

حالیہ: اور بموجب اصل (یعنی قاعدہ) حضرت والا کے میں اپنا ایک مرض پیش خدمت کرتا ہوں جو بندہ نے اور یہ بھی عرض کیا یعنی کبر اس کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں ایک تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی گناہ کا مرتکب نظر آوے اور بندہ اس کا مرتکب نہ ہو تو دل میں اپنے آپ کو اچھا سمجھنے کا خطرہ گذرتا ہے۔

تحقیق: اس خطرے کو محبوب سمجھتے ہو یا اس خطرے سے نفرت و کراہت کرنے ہو۔

حالیہ: (۲۱) اور اگر اس شخص کو اس گناہ سے منع کرتا ہوں تو تیز زبان سے منع کرتا ہوں تاکہ یہ شخص یہ سمجھے کہ یہ تو بڑا گناہ سے پاک ہے جی تو تیزی سے منع کرتا ہے۔
تحقیق: یہ تیزی فعل اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔

حالیہ (۳) اور بعض وقت ان کو دیکھنے سے نفرت معلوم ہوتی ہے خصوصاً بدین اور دنیا کا زیادہ شوق رکھنے والا، فضول باتیں بنانے والا مکار شخص۔
تخصیص: نفرت طبعی یا اعتقادی اور مع احتمال و احتضار اپنے عیوب کے یا بدوں اس احتمال و احتضار کے۔

حالیہ (۴) اور ایک علامت یہ ہوتی ہے کہ عام لوگ جو ناز و غیرہ شریعت کے احکام کے پابند ہیں اور عام طور پر گناہوں میں مبتلا ہیں ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہوں
تخصیص: اس میں بھی وہی سوال ہے جو نمبر بالا میں ہے۔
 حالیہ (۵) اور ان کے ساتھ اپنے سے بڑا اور اچھا سمجھ کر نرمی اور تعظیم کا برتاؤ نہیں کرتا ہوں۔

تخصیص: یہ اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔

حال (۶) اور ایک علامت اپنے کو اچھا سمجھنے کی یہ باتا ہوں کہ اگر کوئی میری تعریف کرے اور کہے کہ تم مجھ سے اچھے ہو تو اس وقت اس کی بات رد کرنے کے لئے کہتا ہوں کہ نہیں صاحب آپ کو کیا پتہ میرے اندر بڑے بڑے عیب ہیں، آپ مجھ سے بہت اچھے ہیں۔ میں بہت خراب ہوں، آپ کے میری خاک کے برابر ہوں۔ لیکن دل کی حالت اس قول کے مطابق نہیں پاتا بلکہ بعض وقت معلوم ہوتا ہے کہ فقط زبان ہی سے کہہ رہا ہوں اور اس شخص کو محض دھوکا دے رہا ہوں۔

تخصیص: اس احتمال کے ہوتے ہوئے اسلم یہ ہے کہ بالکل خاموش رہو اور اگر ممکن ہو تو اور کسی گفتگو کا سلسلہ شروع کر دو تاکہ وہ تذکرہ منقطع ہو جاوے۔

حال (۷) بندہ نے ان امراض سے بچنے کی بہت کوشش کی مگر افسوس یہ ہے کہ کامیابی نہ ہوئی۔ حضرت والا کی خدمت اقدس میں عرض ہے کہ ان امراض کا علاج ارشاد فرمادیں
تخصیص: ایک ایک چیز کا فیصلہ کرتے جاؤ علماء بھی علماء بھی یعنی اول ایک چیز کو پیش کر کے اس کے متعلق تعلیم حاصل کر کے اور اس پر عمل کر کے جب رسوخ ہو جائے دوسری چیز کے ساتھ یہی برتاؤ کرے۔

حالیہ (۸)؛ اور دعا بھی فرمادیں کہ بندہ کو تمام رذائل سے نجات ہو جائے۔
تحقیق: دعا کرتا ہوں۔

حالیہ (۹)؛ اور دیگر بندہ نے یہ طے کر لیا ہے کہ جہاں سے اپنے امراض نفس
دافع ہوتے ان کا علاج بھی وہیں سے حاصل ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ میں اپنے آپ کو
حضرت والا کے بالکل سپرد کرتا ہوں اور جو کچھ حضرت والا طریقہ اصلاح اور علاج
نوبہ فرمادیں گے انشاء اللہ تعالیٰ اس پر خوشی عمل کروں گا۔
تحقیق: اللہ تعالیٰ مدد فرماوے۔

لوٹے تمہیدی: انہوں نے ایک خط میں لکھا تھا کہ جو شخص میرا وعظ سن کر
بناشت ظاہر نہ کرے اس سے ناگواری ہوتی ہے یہ مذموم تو نہیں اس پر پوچھا گیا کہ
اگر ایسا شخص وعظ کی درخواست کرے تو وعظ کہہ دو گے یا انکار کر دو گے اس کے
جواب میں یہ خط آیا۔

حالیہ (۱۰)؛ درخواست وعظ کے بعد طبعاً تو گرانی رہے گی لیکن عقلاً موجب اجر
سمجھ کر اس کی خواہش پوری کر دوں گا۔

تحقیق: بس تو ملامت نہیں۔

حالیہ (۱۱)؛ دوسری بات میں شبہ یہ ہے کہ یہ ایسی حالت تو نہیں جیسے عمدہ لباس
پہن کر انسان اپنے آپے کو دیکھنے لگے۔

تحقیق: دونوں میں فرق ہے ایسا لباس ضروری نہیں اور ایسا وعظ ضروری
ہے۔ (ترتیب السالک حصہ دوم ص ۱۱۹)

دیگر

حالیہ: اس وقت ایک اور مرض پیش کرتا ہوں تکبر۔ حضرت کے مواعظ اور
مضامین کا مطالعہ کرنے کی وجہ سے اس مرض میں بھی بہت کمی آچکی ہے عقلی طور پر اپنے آپ کو
کسی سے بڑا نہیں سمجھتا اور نہ کسی دوسرے کو ذلیل سمجھتا ہوں حتیٰ کہ جن لوگوں کے کبار کا غلبہ

اور فسق و فجور عیاں نظر آتا ہے ان کے متعلق بھی نفس کو یہ کہہ سجاتا ہوں کہ اگر ایک دو عیب کسی شخص کے معلوم ہو گئے تو تو اس کو کیونکر ذلیل سمجھتا ہے جبکہ تجھ میں ہزاروں عیب موجود ہیں اور آج تک ہزار ہا گناہ کر چکا ہے اتنا ہی توفیق ہے کہ تیرا پردہ ڈھکا ہوا ہے اور اس کا کھل گیا اس نصیحت سے قلب سے تکبر دور ہو جاتا ہے۔

تحقیق: لیھنک العلم والعل (یہ علم و عمل مبارک ہو۔)

حالیہ: البتہ ایک جزو بیان کے قابل یہ ہے کہ جب مکان پر ہوتا ہوں اور کوئی کاشتکار یا چار بھنگی وغیرہ کوئی آتا ہے بشرطیکہ غیر مسلم ہو (مسلمان کو تو ہر ایک کو اپنے سے افضل سمجھتا ہوں) تو اس کو اپنے سے کمتر سمجھتا ہوں اور اگر وہ برابر بیٹھے تو ناگوار ہوتا ہے اس کے علاوہ کبھی کسی کافر کا احترام دل میں پیدا نہیں ہوتا اگرچہ یہ بغض فی اللہ میں شاید دخل ہو مگر جب اپنے نفس کی بڑائی ہوتی ہو اور دوسرے کو اپنے نفس کے مقابلہ میں کمتر سمجھا جاتا ہو تو شاید تکبر کے حدود میں داخل شمار کیا جائے اس لئے عرض ہے کہ اگر یہ مرض ہو تو اس کا علاج تجویز فرماویں

تحقیق: احتمال مرض یہ بھی مقدم ہے شفا کا۔ کما قیل ۷

عاشق کہ شد کہ یارب جانش نظر نہ کرد
اے خواجہ درد نیت و گریز لطیب مست

اس کا حاصل یہ ہے کہ مسلم غیر متقی اور کافر کے ساتھ معاملہ یکساں نہیں کیا جاتا سو یہ مساواتین میں مطلوب بھی نہیں۔ قال تعالیٰ انھن کان مومننا کمین کان فاسقا (اے کافر! کما هو مصطلح القرآن و ایضاً نیدل علیہ جزاء المذکور فیما بعد والذین فسقوا نمأ و لھم النار کما امرادوا ان ینخرجوا منها اعیدوا فیہا وقیل لھم ذوقوا عذاب النار الذی کنتم بہ تکذبون لا یستون الایۃ اور حاصل اس عدم مساوات کا یہ ہے کہ حالاً و عملاً بدون ضرورت شدیدہ و منہ خوف الضرر۔ اس کا اکرام نہ کیا جاوے اور بالآلہ احتمالاً اس کے بعد درود

ہجرت نہ کیا جائے۔ کما قال الرومی ۷
 بیچ کافر را بخواری منگرید کہ مسلمان بودنش باشد امید
 یہ تفاوت علمی یہ معنی ہے مصلح پرو باختلافہا مختلف اور راز اس تفاوت کا
 یہ ہے کہ کافر کے حسنات سب جبط ہیں لہذا فی الحال شرعاً اس کا کوئی اثر معتد بہ نہیں
 اور مسلم غیر متقی کا حسناتی الحال بھی موثر ہے۔ اس بناء پر عمل میں تفاوت لازم ہے
 اور عمل میں شرعاً اس تفاوت کے موثر ہونے کی دلیل قطعی مسئلہ جہاد ہے کما ہو ظاہر
 اید ہے کہ اس سے سب اشکالات رفع ہو گئے ہوں گے۔ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۶)

نفس کے میلان معصیت کی وجہ

نفس جو تقویٰ کی طرف مائل اور معصیت سے نفور نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے
 کہ تقویٰ کی لذت اور معصیت کی کدورت سے واقف نہیں، اس کو یہ خبر ہی نہیں کہ تقویٰ
 کے اندر کیا لذت اور نور ہے اور معصیت کے اندر کیا کدورت اور ظلمت ہے اور وجہ
 اس کی یہ ہے کہ چونکہ ہمیشہ معصیت ہی میں رہا ہے اس لئے نور تقویٰ سے آگاہ ہی نہیں،
 اور جبکہ نور تقویٰ سے آگاہ ہی نہیں تو بقتاعده الامشیاء تنبہین بضدھا۔
 معصیت کی ظلمت کا بھی احساس نہیں۔ پس ضرورت اس کی ہے کہ اس کو اس نور اور ظلمت
 یا یوں کہو کہ اس لذت اور کدورت سے واقف بنایا جائے۔ جب اس کو تقویٰ کی لذت
 حاصل ہوگی تو معصیت میں کدورت محسوس ہوگی۔ پس لامحالہ تقویٰ کی حرص اور معصیت
 سے نفرت پیدا ہوگی۔ (وعظ الصیام ص ۱۸۴)

ہر وقت نفس کا جائزہ لیتے رہنا ضروری ہے

شیخ کی تصدیق کے بعد بھی اس کی ضرورت رہتی ہے کہ نفس کا امتحان کرتا رہے
 بے فکر و مطمئن نہ رہے کیونکہ مجاہدہ وغیرہ سے نفس شائستہ تو ہو جاتا ہے مگر شائستہ ہو جانا

کے یہ معنی نہیں کہ کبھی شرارت ہی نہ کرے۔ آخر شائستہ گھوڑا بھی تو شوخی و شرارت کیا کرتا ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ زیادہ شرارت نہیں کرتا اور کبھی کرتا ہے تو ذرا سے اشارے سے سیدھا ہو جاتا ہے مگر اشارہ بھی توجیب ہی کر دے گا جب اس کی نگہداشت سے غافل نہ ہو اور اگر بے فکر ہو کر بیٹھ گئے تو ممکن ہے کہ کبھی نفس شرارت کرے اور تم اس کو ریلنے کی کوشش نہ کرو تو اس وقت یقیناً وہ تم کو پشک دے گا جیسے سوار غافل اور بے فکر ہو کر شائستہ گھوڑے پر سوار ہو تو اس حالت میں اگر کبھی اس نے شوخی کی تو سوار ضرور زمین پر گرے گا۔ اس مثال سے واضح ہو گیا ہو گا کہ مجاہدہ بھی بیکار نہیں، کیونکہ اس کا فائدہ یہ ہے کہ نفس کی شرارت پہلے سے کم ہو جاتی ہے اور اگر کبھی شرارت کرتا ہے تو ذرا سے اشارے میں سیدھا ہو جاتا ہے، اور پہلے اشارہ تو کیا سخت مقاومت سے بھی قابو میں نہ آتا تھا۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مجاہدہ کے بعد بھی نگہداشت کی ضرورت ہے۔ بے فکری جائز نہیں۔ (وعظاً رضاً الحق حصہ اول صلا)

طریقت اصلاح نفس

حالیہ: پچھلے خط میں میں نے عرض کیا تھا کہ خصائلِ رذیلیہ کا مادہ دل میں موجود ہے

لیکن اس کے مقتضیات پر عمل نہیں کرتا حضور والانے استفسار فرمایا ہے کہ پھر اور کیا چاہئے؟ جواب میں عرض ہے کہ میں جانتا ہوں کہ رذائل کا انا کہ کلیتاً محال ہے اور ان کے مقتضیات پر عمل نہ کرنا کافی ہے بقیہ اس کی توفیق اپنے میں پاتا ہوں گو قوی نہیں اللہ پاک توفیق میں زلیقنی فرماوے۔ باقی میرا یہ کہنا کہ رذائل کے مقتضیات پر عمل نہیں کرتا، میرے اپنے محسوسات کی بنا پر ہے، ایک عامی کی محسوسات ہی کیا، غالباً بہت سے اخلاقِ ذمیر میں مبتلا ہوں گا لیکن مجھ کو ان کا احساس نہیں۔

تحقیق:۔ احساس ہونا چاہئے در نہ اس کا علاج کیسے پوچھا جاوے گا خصوصاً جبکہ مصلح کے مشاہدے سے بھی دور ہو۔ ایسی حالت میں مصلح کے احساس کی بھی کوئی صورت نہیں۔ اور ایسا

کہ ہوتا ہے کہ مصلح کو کسی واقعہ سے اطلاع دی اور اس نے اس واقعہ سے کسی خصلت کا استنباط صحیح کر لیا سو یہ کافی علاج کے لئے کافی نہیں لہذا غمخوار طالب کو احساس کرنا چاہئے جس کی تہذیب یہ ہے کہ ایسے رسائل کا مطالعہ کیا جاوے جیسے تبلیغ دین یا میرے مواظفہ۔

حالیہ: دوسرا استفسار حضور والا کا یہ ہے کہ تزکیہ نفس کی تفسیر کیا ہے جو اب میں عرض ہے کہ تزکیہ نفس کی تفسیر یہ ہے کہ قلب کو ان اخلاق ذمیرہ مثلاً حسد، کینہ، تکبر، غصہ، خود پسندی، ریا، کذب، حُب جاہ، حُب مال وغیرہ سے پاک کرے جو حق تعالیٰ کو ناپسند ہیں اور ان اخلاق حمیدہ مثلاً محبت، خشیت، رجا، صبر، شکر، اخلاص، صدق، توکل، رضا، قناعت وغیرہ سے قلب کو آراستہ کرے جو حق تعالیٰ کو پسند اور محبوب ہیں۔

تحقیق: ٹھیک ہے۔

حالیہ: تیسرا استفسار حضور والا کا یہ ہے کہ حصول اخلاص میں مصلح کو کیا دخل ہے؟ جواب میں عرض ہے کہ اخلاص امر اختیاری ہے، اور امر اختیاری کے حصول کا طریقہ استعمال اختیار اور مجاہدہ ہے لیکن ممکن ہے کہ مرض ریا جو اخلاص کی ضد ہے اس صورت سے ظہور کرے کہ طالب اصلاح خود احساس نہ کر سکے۔ ایسی حالت میں وہ مصلح کا محتاج ہو گا جو بعض اوقات ایسے امراض کی تشخیص اور طریق مجاہدہ تجویز کرتا ہے جو ان امراض کا علاج ہے۔ نیز مجھ کو بزرگوں کی دعا کے برکات اور توجہ کے فیض کا انکار نہیں ہے لیکن یہ دونوں امور غیر اختیاریہ ہیں۔ میں نے حضور والا سے اصلاح کی درخواست کرتے وقت اپنی اصلاح کے لئے ان ذرائع سے امید وابستہ نہیں کی ہے تاکہ اجد کو توجش اور مالوسی کا سامنا نہ ہو۔

تحقیق: سب اجزاء مضمون کے بالکل صحیح تہنیتی بخش اور امید افزا ہیں۔

حالیہ: آخر میں حضور والا نے مہنیات سے بیزاری کے متعلق دریافت فرمایا ہے کہ بیزاری عملی یا اعتقادی یا حالی کونسی مراد ہے جو اب میں عرض ہے کہ صرف اعتقادی اور عملی درجہ مراد ہے حال اور غیر اختیاری ہے اور امور غیر اختیاریہ حصول رضا کے طرق نہیں ہو سکتے۔

تحقیق: بالکل صحیح۔ اب وقت آ گیا ہے کہ کیفی اتفاق مجھ سے ایک ایک چیز کے

متعلق پوچھا جائے اور میں جو عرض کروں اس پر عمل کر کے پھر مجھ کو اطلاع کی جاوے۔ اسی طرح جب ایک چیز کے متعلق علمی تحقیق اور علمی رسوخ کا فیصلہ ہو جاوے، پھر دوسری چیز کا اسی طرح سلسلہ شروع کیا جاوے اور ہر خط کے ساتھ اس سے پہلا خط بالالتزام رکھا جائے (تربیت السالک حصہ دوم)

مجاہدہ دائمی کی ضرورت

بعض سالکین جو اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ چند روز مجاہدہ حسب قاعدہ طریقی کر کے پھر اپنے کو فارغ سمجھ لیتے ہیں اور آئندہ کے مجاہدے سے بیفکر ہو جاتے ہیں جس کی ابتدا انہماک فی الباطن سے ہوتی ہے کہ اول وہ باہیات میں زیادہ مشغول ہوتے ہیں، پھر رفتہ رفتہ مکروہات میں انہماک ہونے لگتا ہے۔ پھر محرمات کا بھی ارتکاب ہونے لگتا ہے، اور چونکہ اس شخص کو ایک وقت تک حق تعالیٰ سے تعلق خاص رہ چکا ہے جو پہلے مجاہدے کا اثر تھا، تو اب اس کی حالت زیادہ بری ہوتی ہے، اس میں نکس (مردودیت) کا اندیشہ ہے اور اس کی ایسی مثال ہو جاتی ہے جیسے کوئی عاشق مزاج شناس ہو کر محبوب کو ستانے لگے، جو شخص مزاج شناس ہی نہیں ہو اس کی حرکات اس درجہ موجب عتاب نہیں ہوتیں، جیسے مزاج شناس کی حرکات موجب عتاب ہوتی ہیں۔ پس عارن جب مکروہات و محرمات کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس پر غیر عارن سے زیادہ قہر و عتاب ہوتا ہے، اور یہی نکس ہے۔ (اعاذنا اللہ منہ) اس لئے سالکین کو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ مجاہدے کی ضرورت دائمی ہے۔ یہ چند روز کا کام نہیں بلکہ عمر بھر کا کام ہے۔ دیکھئے جس طرح بیماری میں دوا اور پریزکس ضرورت ہے، بیماری سے صحت کے بعد بھی تو پریزکس کی ضرورت ہوتی ہے۔ بلکہ صحت کے بعد پریزکس کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ بیماری میں تو معدہ خراب ہوتا ہے، منہ کا مزہ ابدلا ہوا ہوتا ہے۔ اس لئے مریض کو انواع و اقسام غذا کی خواہش خود بھی بہت کم ہوتی ہے، اور اگر اس نے بد پریزکس کی بھی تو بہت جلد ضرر کا احساس ہو جاتا ہے اور صحت کے بعد آگ گونہ قوت آجاتی

۴. پیپر میزنی سے معاصر کا احساس نہیں ہوتا۔ نیز اشتہا بھی ہر چیز کی ہوتی ہے۔ تو اس دنت بنجال کی زیادہ ضرورت ہے، کیونکہ بعض دفعہ صحت کے بعد بھی پھر مرض کا عود ہوتا ہے اعلیٰ طباء نے لکھا ہے کہ عود مرض ابتداء مرض سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔ اسی طرح فارین نیز پایا ہے کہ ابتدائی مجاہدے کے بعد جب نفس اصلاح پذیر ہو جائے تو اس وقت مجاہدے کی پہلے سے زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ ابتداء مجاہدے میں تو بد پرہیزی کے ضرر کا احساس جملہ ہو جاتا ہے۔ نیز چونکہ اس وقت تو اے نفسانیہ میں قوت ہوتی ہے اس لئے نفسانی خواہش کا تقاضا شدت کے ساتھ ہوتا ہے، تو نفسانی خواہش پر تذبذب بھی جلد ہو جاتا ہے اور مجاہدے سے فارغ ہونے کے بعد چونکہ تقاضا نے نفس کمزور ہو جاتا ہے اس لئے ہولے نفس کا احساس دیر میں ہوتا ہے۔ اب آپ کی سمجھ میں آ گیا کہ فرغ من المجاہدہ کے بعد مجاہدے کی ضرورت پہلے سے زیادہ ہے کیونکہ اس وقت ہولے نفس کا احساس دیر میں ہوتا ہے، تو بعض دفعہ اس لئے استرسال (ٹھیل) ہوتا رہتا ہے اور استرسال کے بعد جب ہولے نفس کا احساس ہوتا ہے تو بعض دفعہ نفس کو روکنے پر قدرت نہیں پاتا کیونکہ اس شخص کی قوت کف کمزور ہو چکی ہے۔ اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ شہوتِ شیخ (بزرگ) شہوتِ ثباب (جوان) اشد، کیونکہ جوان کا نفس زندہ ہے، اس کو شہوت کا احساس بھی جلد ہو جاتا ہے اور احساس کے بعد اس میں قوت کف (ضبط) بھی زیادہ ہے، وہ اپنے کو جلد ہولے نفسانی سے روک سکتا ہے اور شیخ کا نفس چونکہ مرجح ہے اس لئے اس کو ہولے نفس کا احساس جلد نہیں ہوتا، بلکہ بہت دیر میں ہوتا ہے، تو اس حالت میں استرسال نفس زیادہ ہوتا ہے، پھر اس ٹھیل کے بعد شیخ کو ہولے نفس کا جس وقت احساس ہوتا ہے تو اب وہ ضبط پر قادر نہیں ہوتا۔ کیوں کہ جس طرح اس کی قوت شہوت کمزور ہے اسی طرح قوت ضبط بھی کمزور ہے۔ اب وہ لاکھ کوشش کرے کہ کسی طرح نفس کو سوئے نظر سے روک لے مگر قدرت نہیں ہوتی، اور جوان کی جس طرح شہوت کامل اور زندہ ہے اسی طرح اس کی قوت ضبط بھی کامل اور زندہ ہے۔ اسی طرح جوان کو بوڑھے سے زیادہ عفت پر

قدرت ہے، اور اس کی عفتِ شیخ کی عفت سے کامل بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ نہ اس کو زیادہ استرسال ہوتا ہے اور نہ استرسال کے بعد ضبط دشوار ہوتا ہے۔ پس بوڑھوں کو مجاہدے سے بے فکر نہ ہونا چاہئے۔ ان کو جوانوں سے زیادہ پرہیزی کی ضرورت ہے۔ پس سالکین کان کھولی کر سن لیں کہ مجاہدے کی ضرورت چند روزہ نہیں ہے بلکہ اس کی ضرورت دائمی ہے چند روزہ مجاہدے کے بعد اگر تم نے بدر پرہیزی شروع کی تو یاد رکھو اس کے بعد عود مرض اس شدت کے ساتھ ہوگا کہ ہلاکت کے قریب پہنچا دے گا۔ پھر بہت کم ہیں جو اس درطہ سے نجات پائیں۔ اسی لئے مولانا فرماتے ہیں ۔

اندریں رہ می تلاش وی خراش تادم آخردے فارغ مباحث

تادم آخردے آخر بود کہ عنایت با تو صاحب سر بود

یعنی اخیر دم تک اس راہ میں تلاش و خراش ہی رہنی چاہئے پس جب سلامتی کے ساتھ موت آجائے گی اُس وقت مجاہدے سے فراغت نصیب ہوگی۔ اس پر شاید کوئی یہ کہے کہ جب مجاہدے کے بعد بھی مجاہدے کی ضرورت ہے تو پھر صاحب مجاہدہ اور غمیر صاحب مجاہدہ میں کیا فرق ہوا۔ اس کا جواب اوپر کی تقریر میں آچکا ہے، یعنی دونوں میں وہی فرق ہے جو بیمار کے پرہیز میں، اور بیماری سے صحت پانے والے کے پرہیز میں فرق ہے کہ پرہیز کی ضرورت بیمار کو بھی ہے اور صحت پانے والے کو بھی مگر ظاہر ہے کہ بیمار کو سخت ضرورت ہے اور اس کا پرہیز بھی سخت ہوتا ہے اور صحت پانے کے بعد گو قدرے پرہیز کی ضرورت رہتی ہے مگر اب اتنا پرہیز نہیں ہوتا جتنا بیماری کی حالت میں تھا۔ تو کیا یہ فرق تھوڑا ہے کہ غیر صاحب مجاہدہ بیمار ہے اور صاحب مجاہدہ تندرست ہے۔ بیمار ہر وقت خطرے میں ہے اور تندرست خطرے سے نکل چکا ہے۔ البتہ تندرستی کے بعد جس طرح حکیم کہتا کرتا ہے کہ اب تم کو ہر چیز سے تو پرہیز کی ضرورت نہیں، صرف فلاں فلاں اشیاء سے پرہیز رکھنا کیونکہ وہ تمہاری طبیعت کے خلاف ہیں۔ اسی طرح صاحب مجاہدہ

کہاں کہا جاتا ہے کہ تم کو بالکل بے فکر نہ ہونا چاہئے بلکہ تھوڑا بہت پرہیز اب بھی کرنا چاہئے جو کچھ دشوار پرہیز نہیں ہے بلکہ معمولی اور سہل ہے (ایضاً ص ۱۲۷ مخضاً)
(شرف السائل)

قبول ذکر کی علامت

بس ایک بار اللہ کہہ کر جب دو بارہ اس نام کی توفیق ہوتی تو سمجھ لو کہ پہلا قبول ہو گیا اور یہی دوسرا ذکر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ہے۔ علیٰ ہذا تمہارے دل میں جو سوز و درد ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قاصد ہے۔ اگر ان کو تعلق نہ ہو تا تو اپنا قاصد تیرے پاس نہ بھیجتے، کیونکہ ان کا قاصد ہر شخص کے پاس نہیں جایا کرتا۔ بلکہ جہاں وہ بھیجا چاہتے ہیں وہیں جاتا ہے اور یہ کیا ضرور ہے کہ قاصد عربی ہی بولتا آدے۔ یہ سوز و درد بھی قاصد ہے، یہ وہ سکینہ ہے جس کے متعلق ارشاد ہے هو الذی انزل السکینۃ فی قلوب المؤمنین۔ اور ذکر کے وقت یہ سکینہ ضرور نازل ہوتا ہے۔ یقیناً ذکر سے پہلے قلب کی جو حالت تھی ذکر کے بعد وہ حالت نہوگی بلکہ کچھ اور حالت ہوگی۔ یہ اسی سکینہ کا اثر ہے جس سے ذکر کے بعد دل میں کبھی کھڑک سی معلوم ہوتی ہے کبھی درد و سوزش محسوس ہوتی ہے۔ یہ سب خدائی قاصد ہیں ان کو بیکار نہ سمجھو اسی کو فرماتے ہیں

گفت آں اللہ تو لبیک ماست
دیں نیاز و سوز و دردت پیک ما

دوام کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اسی حالت پر دوام ہو جائے کہ کبھی کام کر لیا اور کبھی نماند ہو گیا۔ تم لٹم لٹم ہی کام کئے جاؤ۔ انشا اللہ ایک دن تم پر ضرور رحم ہوگا۔
(خیر الحیات و خیر الممات ص ۵۹)

ذاکر مرض کو چاہئے کہ جب تک کامل طور پر صحت و قوت نہ ہو جائے معمولات شروع نہ کرے البتہ بلا کسی قید کے زبان سے یا قلب سے جو ذکر سہل معلوم ہو اس کا خیال رکھے (ایضاً ص ۵)

ایک وقت معین پر ذکر کرنے میں زیادہ نفع ہے، یہ نسبت متفرق اوقات کے
(تربیت السالک حصہ دوم ص ۵)

ذکر کرنے میں اگر تکان معلوم ہو تو ذکر کم کر دے اور تقویت مزاج کی بہ مشورہ
کسی طبیب کے تدبیر کرے۔ (ایضاً ص ۵)

ناز اوذ ذکر میں اگر کوئی فن کر محمود پیدا ہو جاوے تو اس کی طرف بقصد توجہ
نکرے اس وقت جس کام میں ہے لگا رہے۔ (ایضاً ص ۵)

رات کو کم کھانا کھانا اور سویرے کھانا اور پانی کم پینا اور سوتے وقت سورہ
کہف کی آخری آیتیں ان الذین امنوا سے آخر سورہ تک ایک بار پڑھنا،
آخر رات میں اٹھنے کے لئے بیحد مفید ہے۔ (ایضاً ص ۵)

ثمرہ اصلی ذکر و شغل کا قرب و رضائے حق ہے، واردات غیبیہ یا ذوق و
شوق ثمرہ اصلی نہیں بلکہ یہ بھی محض ایک ذریعہ ہے تربیت کا اور وہ بھی بعض کے
لئے غیبی طور پر اور دوسرا طریقہ تربیت کا، صرف ہمت سے کام لینا ہے۔ بلا
مواجید کے۔ (اصول الوجود ص ۲۳)

طریق اس استقامت علی الذکر کا کثرت ذکر ہے و بس (ایضاً ص ۲۳)
ذکر کی کثرت تو مطلوب ہے ہی لیکن اس کا دوام اس سے زیادہ مطلوب ہے
اور چونکہ وہ عادتاً موقوف ہے صحت پر، اس لئے وہ بھی مطلوب ہے گو بغیرہ سہی۔
(تربیت السالک حصہ سوم ص ۲۳)

ذکر میں رگڑا رہنا اور کوتاہی پر استغفار کرنا کہ ایک درجہ میں ذکر ہی کے قائم مقام
ہے اور علامت ترقی کی ہے۔ (اشرف المسائل)

ذکر میں اگر لذت نہ آوے تو پریشان نہ ہو جس روز لذت آ جاوے اس کو غذا
سمجھے اور جس روز لذت نہ آوے اس کو دوا سمجھے۔ (اشرف المسائل)

دعائیں واحد کے صیغے میں الحاح زیادہ اور صیغہ جمع میں شرکت کا ثواب ہے غلبہ کیفیت کا اعتبار ہے

ملاحظہ: ایک اور بات لائق گزارش یہ ہے کہ جب اپنے لئے کوئی خاص دعا مانگتا ہوں
تو غالباً آتا ہے کہ دعائیں اکثر جمع متکلم کے صیغہ میں منقول ہیں جن کا مقصود یہ معلوم ہوتا
ہے کہ تمام مسلمانوں کو شریک رکھے مگر دوسروں کو شریک کر کے وہ خود فرضی والا الحاح
نہیں پیدا ہوتا۔

تحقیق: دعائیں دونوں صیغوں سے منقول ہیں۔ واحد کے صیغہ میں الحاح
کامیابی زیادہ ہے اور جمع کے صیغہ میں دوسروں کو شریک کر لینے سے قربت لاجوابہ
کامیابی زیادہ ہے، جس وقت جس کیفیت کا غلبہ ہو اس کا اتباع کر لیا جاوے اور
یہ لائق یہ ہے کہ اول ہر دعا میں منقول کا اتباع کرے کہ اقرب الی اللہ ہے
پھر اس دعا کی تکرار میں ذوق وقتی کا اتباع کرے کہ دونوں مجتمع ہو جاویں۔
(الغزالی، رجب ۱۳۵۷ھ)

دعائیں کہنا کہ اپنے اولیاء کے صدقہ، اس میں شبہ غیر منقول ہونے کا، اور اس کا جواب

حالیہ: نیز بعض دعاؤں میں یہ کہہ لیا کرتا ہوں کہ اپنے اولیاء و اقیاباً (ان اکرمکم
عند اللہ اتقکم) کے صدقہ اور اپنے رسول رحمۃ اللعالمین کی رحمت کے طفیل ایسا
کر دیجئے مگر ادھر یہ دوسوسہ ہونے لگا ہے کہ یہ طریقہ ماثور و منقول نہیں اپنی طرف سے
کہوں بڑھاتا ہوں۔

حقیقت: اول تو منقول بھی ہے مگر کہیں کہیں تو اصل ہونے کے لئے اتنا کافی ہے
اللہم انی اسئلك بحق السائلین علیك وامثالہا روایات میں وارد ہے
اور اگر منقول بھی نہ مانا جائے تو منع بھی منقول نہیں بلکہ قواعد عامہ سے زیادت کا
اذن ایسے مواقع میں منقول ہے۔ جیسے تلبیہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے زیادت
منقول ہے اور جیسے فقہانے تشہد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک
کے ساتھ سیدنا بڑھانے کو صرف جائز ہی نہیں بلکہ مستحب کہا ہے۔ اس میں اس میں
کیا فرق ہے۔ اس کے علاوہ دعائیں خود الحاح و مسکنت کا مقصود ہونا بلا کسی منازع
کے ثابت ہے اور ایسے زیادات سے اس مقصود کی تقویت ظاہر ہے، پس یہ دلیل کلی
بھی حکم جواز کے لئے کافی ہے البتہ اگر ذوقاً اتباع ان مصالح پر غالب ہو تو اس کے
لئے افضل عدم زیادت ہے۔ وللناس فیما یعشقون مذاہب۔ واللہ اعلم۔
اشرف علی بیک شعبان ۱۳۵۶ھ (المنیر۔ رجب ۱۳۵۶ھ۔ تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۲۴)

مسرت عقلی علامتِ ایمان ہے

ماہ: حضرت والا ارشاد نبویؐ اذ اسرتك حسناتك و ساءتاك
سینتک فانتم مؤمن کے متعلق شبہ یہ ہوا کہ مسرت دو قسم پر ہے طبعی عقلی طبعی
تو اکثر مفقود ہوتی ہے عقلی بھی گاہ بگاہ بلکہ بسا اوقات۔ اس لئے کہ مسرت عقلی اس طرح
ہوگی کہ ادائیگی حسنہ ذریعہ ہے ثواب اخروی کا۔ اور وہ قابل مسرت ہے یا اس طرح کہ
ادائیگی حسنہ علامت ہے تعمیل حکم حق تعالیٰ کی۔ یہ بھی قابل مسرت ہے، مگر ہر حسنہ کے ادا
کرنے کے بعد قلب محسوس کرتا ہے کہ اس حسنہ کے حقوق و آداب ادا نہیں ہو سکے کبھی
اخلاص نہیں کبھی پوری توجہ نہیں کبھی ظاہری آداب مکمل نہیں۔ جب کسی ایک نقص
عیوب مددک میں تو نقص افس غیر مددک پتہ نہیں کتنے ہوں گے۔ الغرض ایسی صورت

میں وہ حسنہ میرے سے حسنہ ہی نہیں بلکہ محض صورت حسنہ ہے کہ اس پر مسرت کا جو منشا
 ذاب اخروی یا تمیل ارشاد تھا وہ بھی متحقق نہ ہوا۔ اور ول کی تو خبر نہیں میری اپنی حالت
 یہی ہے ایسی حالت میں ایمان مطلوب (کامل) کا بھی ٹھکانا نہیں۔

تحقیق: کامل کی قید کہاں سے لگانی، کیا حدیث میں ہے یا کوئی اور دلیل ہے۔
 جب یہ قید بلا دلیل ہے تو ایمان سے مراد مطلقاً ایمان ہوا اور حسنہ اگر کامل نہیں تو ناقص ہے
 پس ناقص حسنہ پر مسرت ناقص تو ہوگی مگر مطلق ایمان کی وہ بھی علامت ہے اور اس پر بھی
 جزا کا وعدہ ہے لقولہ تعالیٰ فمن يعمل مثقال ذرة خیراً یسرها۔ اب کیا
 اشکال رہا۔ خلاصہ یہ ہے جیسی حسنہ ویسی ہی مسرت، اور ویسا ہی ایمان ان (کان)
 کاملاً فکامل وان ناقصاً فناقص۔ اور یہ سب کلام باعتبار نظر کے ہے
 ورنہ نظر غائر میں حسنہ ناقصہ پر بھی مسرت کامل ہوگی اور وہ علامت بھی ایمان کامل
 کی ہوگی۔ کیونکہ بناء مسرت کی حقیقت میں یہ ہے کہ باوجود میرے نااہل ہونے کے
 اللہ تعالیٰ نے مجھ کو یہ نعمت دی کہ حسنہ کی توفیق ہوئی گو وہ ناقص ہی ہے مگر اس ناقص
 اعتباراً اپنے نقص کے ہے، لیکن من اللہ ہونے کے اعتبار سے تو ناقص نہیں
 بزرگی نعمت ہے۔ دوسری نعمت اعتقادی ہے کہ میں نے حسنہ کو حسنہ سمجھا تو یہ

نعت مرکب ہوئی دو نعمتوں سے اور حق تعالیٰ کی توفیق پر سرور ہونا اور اسی طرح عقلاً
 کی صحیح ہونے پر دونوں علامت ہیں ایمان کامل کی بلکہ اگر حسنہ کامل بھی ہو تب بھی اس کو
 ناقص سمجھنا کما هو مقتضی قوله تعالیٰ والذین یؤتون ما اتوا
 وقلوبہم وجلة انہم الی رہم راجعون۔ علی ما ورد فی الحدیث
 من تفسیرہ بقولہ علیہ السلام ولكن هم الذین یصومون
 لیبتدئون ویخافون ان لا یقبل منہم الحدیث۔ ایمان کامل
 کی علامت ہے بہر حال مطلق حسنہ کا صدور ناقصہ کا نہت او کاملہ علامت

ہے ایمان کامل کی پس حسنة کا ناقص ہونا بھی نہ مسرت کے منافی ہے نہ ایمان کامل کے
گو عمل کامل کے منافی ہو۔ واللہ اعلم (النور شعبان ۱۳۵۷ھ، تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۶)

گذشتہ ذمیوی ناکامیابی یاد آ کر دل کا برار ہنما مذموم نہیں

حالیہ بعض اوقات گذشتہ عمر کی ناکامیابی یاد آ کر دل پر بُرا اثر پڑتا ہے، مثلاً
فلاں وقت فلاں ملازمت کے لئے کوشش کی دعائیں بھی کیں پوری نہ ہوئیں، یا
مثلاً فلاں جگہ سے نفع کی امید تھی مگر باوجود کوشش کرنے کے یاد عا کرنے کے نہ حاصل
ہوا۔ اسی طرح مثلاً فلاں جگہ نکاح کی سعی کی دعائیں کیں پوری نہ ہوئیں۔ جب یہ خیال
بندھتا ہے تو یکے بعد دیگرے ساری عمر کی ناکامیاں اور تکالیف کا ایک مضمون مستحضر
ہو جاتا ہے اس سے دل پھیکا پڑ جاتا ہے۔ اعمال و معمولات کی چونکہ عادت ہے اس
واسطے وہ جس طرح کے بھی ہوں، ہو جاتے ہیں۔ بالفرض اگر عادت نہ ہو تو ان خیالات
کے ہوتے بھئے نماز و ذکر وغیرہ محال ہے ان سے پریشانی رہتی ہے اور ہر وقت دل
برار ہتا ہے۔ مختلف کتب کے مطالعہ یا قرآن مجید یا دیگر طریقوں سے یہ خیال دفع نہیں
ہوتا بلکہ کچھ دیر کے لئے سکون ہو کر پھر زیادہ عود کرتے ہیں۔ تقریباً دو ہفتہ سے ان میں
مبتلا ہوں ان کے لئے اگر کوئی تدبیر ہو تو مجھے اس سے مطلع فرما کر مشکور فرمائیں۔

تحقیق: تدبیر تو ازالہ مذموم کے لئے ہوتی ہے نہ کہ ازالہ محمود کے لئے۔ کیا یہ حالت

ذموم ہے معلوم ہوتا ہے نہ نصوص میں غور کیا نہ اقوال اہل خصوص میں در نہ معلوم
ہو جاتا کہ دنیا کی ناکامیابی خود شمار ہے مقبولین کا اور تو اتر لایابی خصوصاً معاصی کے
ساتھ شمار ہے مخذولین کا۔ کیا حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کے دلائل
قرآن مجید میں نہیں پڑھے بصورتہ بقرہ کی آیت امر حسبتم ان تدخلوا الجنة الآت
اور سورہ احزاب کی آیت اذ جاء وکم من فوقکم ومن اسفل منکم

وامثالہا پڑھتے اور سمجھتے، کامیابی دُنوی سے مقبولیت پر استدلال کا کفار کا طریقہ ہونا سورہ فجر میں منصوص ہے فاما الانسان اذا ما ابتلاه ربه انعم مولانا رومی کے ارشاد کو دیکھیے سے

زبان بلا ہا کا نسبیا برداشتند سر بہ چرخ ہفتیں افزا شدند
 مرادت را مذاق شکر است بے مرادی نے مراد دلبر است
 ایسی بدیہی بات میں کہاں تک تطویل کروں، باقی دعا ہر حال میں کرنا سنت
 اور ذلیفہ عبدیت ہے۔ دعا کی برکت سے فہم اور رضا و تحمل سب نصیب ہو جاتے ہیں
 میں بھی دعا کرتا ہوں۔ (النور محرم ۱۳۵۵ھ، تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۹)

جو کثرت کلام ناستی ہے انبساط اور انقباض عن الخلق سے خود نعمت مستقلہ ہے

حالیہ: اپنے ساتھیوں میں ہمیشہ بہت بکشی اور بکویا ہی مشہور رہا ہوں مگر اب ایک مدت سے یہ حال ہو گیا ہے کہ جس طرح پہلے بہ تکلف چپ رہتا تھا اب بہ تکلف بولتا ہوں۔ ذہن کند اور زبان گنگ معلوم ہوتی ہے اور آٹا تو کسی سے ملنا جلتا ہی بہت کم رہ گیا ہے خصوصاً تنہا ملنے سے بہت گھبراتا ہوں کہ سننے کے ساتھ بولنا بھی پڑے گا۔ مدد نہ بد اخلاق بد مدد وغیرہ مذہب لے کیا سمجھاؤں یہ خیال اس پر آیا کہ اور تو اور اب کئی مرتبہ دل چاہا کہ کسی عنوان سے حضرت کی غیر معمولی شفقتوں کا کچھ شکر یہ ادا کرنا چاہئے۔ مگر نہ کوئی عنوان سمجھ میں آیا نہ زبان کھل سکی۔ ظاہر ہے کہ حضرت تو اس کا خیال بھی نہ فرماتے ہوں گے مگر مجھ کو اپنی اور ہر طرح کی نا اہلیوں کے ساتھ اس مزید نالائقی پر مزید شرمندگی ہوتی ہے سو چیتا ہوں تو بلابالغہ حضرت کی مجلس میں قدم رکھنے کا میں کسی طرح اہل نہیں ہوں۔ پھر بھی ان شفقتوں سے نوازا جاتا ہوں کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح بردہ پوشی فرما کر بخش دیں۔

تحقیق: کثرت کلام ناشی ہوتی ہے انبساط سے اور انبساط ناشی ہوتا ہے انس سے اور اسی طرح مستبب کے اضداد مستبب کے اضداد سے اور انقباض عن الخلق خود نعمت مستقلہ ہے، پھر اگر انس مع الحق ہو تو نور علی نور اور اگر انس مع الحق بھی کامل نہ ہو تو نور (مفوض) الی نور یعنی وہ انقباض مفوض الی الانس مع الحق ہو جاتا ہے اور اچھا نا اسباب طبعیہ بھی اس انس و وحش کے موجب ہو جاتے ہیں مثلاً ضعف طبیعت و کسل یا کوئی فکر و تشویش اور نشاط و فرح و مساعادت احوال نفسانیہ، سو یہ نوع فی نفسہ نہ کمال ہے نہ نقص، مگر آثار کے اعتبار سے قلت کلام اکثر نافع ہوتا ہے اور کثرت کلام محتاج معاومت کہ حدود سے تجاوز نہ ہو جاوے، بہر حال قابل اہتمام و مطلوب بہر حال میں حدود ہیں خواہ کسی کیفیت کے ساتھ ہوں کہ کیفیات اسی مطلوب کی مطلوبیت اور غیر مطلوب کی عدم مطلوبیت کے بارے میں ارشاد ہے

روز ہا گرفت گور و باک نیست تو ہاں لمے آنکہ چوں تو پاک نیست

اور اس تقریر سے اس حدیث کا بھی حل ہو گیا قال صلی اللہ علیہ وسلم الحیاء والسعی شعبتان من الایمان والبذاءة والبیان شعبتان من النفاق رواہ الترمذی عن ابی امامة لان اصل اقتضاء الایمان الانقباض عن الخلق واصل اقتضاء النفاق الانس مع الخلق اور اخیر کا مضمون اس نعمت کا کاشف ہے کہ اپنے کو نعمتوں کا مستحق نہیں سمجھا گیا کہ فناء مطلوب کا ایک خاص درجہ اور نعمت ہے مگر اس کے ساتھ ہی نعمت کو نعمت سمجھنا اور عقلاً اس پر فرح مامور بہ ہے، نہ اس حیثیت سے کہ وہ ہماری طرف منسوب ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ منعم کی طرف منسوب ہے۔ والاول محمل قوله تعالیٰ لا تفرح ان الله لا یحب الفرحین والثانی محمل قوله تعالیٰ قل بفضل الله وبرحمته فبذلك فلیفرحوا۔

النور جب ۱۳۵۵ھ تریبیت السالک حصہ دوم ص ۶۲

رسوخ کے انتظار کی ضرورت نہیں اگر قصدِ مقاومت میں کامیابی ہو

حالیہ: الحمد للہ۔ علاج کبر سے بہت فائدہ ہے۔

تھقیقہ، الحمد للہ

حالیہ: تو اب اس کے رسوخ کا انتظار کروں یا اب دوسرے مرض اور علاج کو پیش کروں۔

تھقیقہ، اگر وقت پر ایسا استحضار ہو جائے کہ مقاومت کا قصد کر لیا جاوے، اور اس قصد میں اکثر کامیابی ہوتی ہو تو رسوخ کا انتظار ضروری نہیں ورنہ اسی حالت مذکورہ کا انتظار مناسب ہے۔

حالیہ: آج کل معمولات کے شوق اور حضور قلب میں بہت کمی ہے اس لئے دعا کا طالب ہوں۔

تھقیقہ: ذعا کرتا ہوں۔ باقی شوق کی کمی پر تعلق نہ چاہئے کہ یہ امر غیر اختیاری ہے، اگر طبعی تعلق بھی ہو۔ اس عقلی مفاد کے استحضار سے اس کے اثر کو ضعیف کر دینا چاہئے، اور حضور قلب کا جو درجہ مکلف پہ ہے یعنی احضار بالا اختیار خواہ حضور کسی درجہ کا بھی اس پر مرتب ہو جاوے اس کی تجدید وقت پر کر لی جائے۔ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۹)

حصولِ فنا کا طریقہ

صوفیاء کے نزدیک فنا کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے ارادات اپنی خواہشیں اور ہوائے نفسانی بالکل ترک کر دے اس واسطے کہ حیات کے آثار میں سے یہی چیزیں تو ہیں حتیٰ اور غیر حتیٰ میں صرف یہی ذوق ہے کہ حتیٰ حساس متحرک بالا ارادہ ہے۔ سو جب اپنا ارادہ دوسرے کے تابع کر دیا تو گو گفت "وہ صاحب ارادہ ہے مگر اس معنی کر کے

غیر متحرک بالا ارادہ ہے کہ اس کو حرکت جب ہوگی جب دوسرے کا ارادہ دیکھ لے گا۔
 تو اب وہ متحرک بالا ارادہ نہیں رہا مثلاً ہمارا ارادہ دوڑنے کا ہوا۔ سوچا کہ حق تعالیٰ
 کا ارادہ تشریح ہمارے دوڑنے کے متعلق ہے یا نہیں۔ حق تعالیٰ کا ارادہ دو
 قسم کا ہے۔ ایک تشریح دوسرے کو مینہ۔ مکو مینہ تو وہ ہے کہ اس سے
 کسی وقت اور کوئی شے خالی نہیں بجز و شرب اسی کی ایسا سے ہوتا ہے تو اس
 مرتبہ میں تو کوئی بھی صاحب ارادہ نہیں، مگر اس سے یہاں اس لئے بحث نہیں کہ اس
 کا تالیج ہونا امر اضطراری ہے۔ اختیاری مطلوب و کمال نہیں اور ایک ارادہ تشریح ہے
 کہ عید سے اس کے موافق بھی فعل ہو سکتا ہے اور غلات بھی۔ اس ارادہ تشریح کا اتباع کرنا
 کمال اور مطلوب ہے، مثلاً ہم نے جس وقت اٹھنے کا ارادہ کیا تو ہم نے شریعت سے
 پوچھا اور معلوم ہوا کہ ارادہ تشریح اس کے متعلق ہے۔ تب اٹھیں گے۔ اسی طرح
 کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا چاہا تو شریعت سے پوچھا هل یجوز امر لا
 (جاڑ ہے یا ناجاڑ) جواب لا یجوز (ناجاڑ)۔ خود آنکھ نیچی کر لی۔ تو جب
 اپنا ارادہ کیا، مگر اس پر عمل بغیر اجازت کے نہیں ہوا تو وہ متحرک بالا ارادہ کیا ہوا۔ تو ثابت
 ہو گیا کہ متحرک بالا ارادہ نہیں ہے۔ رہا حساس سو غلبہ اطاعت شریعت سے جس میں ارادہ
 کا فائدہ کو رہا ہے۔ جس میں بھی ایک انقلاب ہوتا ہے جس سے جس سابق کا باطل کھلا
 ہو جاتی ہے اور صورت اس کی یہ ہے کہ ہر چند کہ اصل میں اعمال تابع علوم کے ہوتے
 ہیں لیکن بعد سوخ ملکہ کے علوم تابع اعمال کے ہو جاتے ہیں یعنی اعمال کے قمرن سے
 اور اکات میں بھی ایک انقلاب عظیم واقع ہو جاتا ہے مثلاً پہلے ناز پڑھنا مشکل معلوم
 ہوتا تھا آج آسان معلوم ہوتا ہے تو یہ تفاوت ادراک میں ہوا، اور جس کے اندر
 تفاوت ہونے کا یہ مطلب ہے یہ نہیں کہ سوتلی چھبے اور معلوم نہ ہو، پس ارادہ اور
 جس دونوں اس طرح سے فنا ہو گئے۔ اس واسطے وہ حساس متحرک بالا ارادہ نہ رہا
 پس یہ شخص کو جاساچی ہے مگر حکماً میت ہے۔ (دعظ روح العج و العج ص ۱۷)

طریق باطن میں اشتباہ و تلبیس

طریق باطن میں اشتباہ اور تلبیس بچہ ہے۔ اخلاق حمیدہ اور اخلاق رذیلہ دونوں روش بدوش چلتے ہیں۔ ظاہر میں تحدت بالنعمت اور دعویٰ کی صورت یکساں ہوتی ہے۔ تواضع و ناشکری میں خلط ہے، سیاست اور حکم کی صورت یکساں ہوتی ہے۔ لطافت اور تن آرائی میں خلط ہے، انتظام اور بخل کی صورت یکساں ہے۔ غیرت و غضب ایک صورت سے ظاہر ہوتے ہیں استعقاد اور تکبر میں بظاہر فرق نہیں معلوم ہوتا۔ وغیرہ وغیرہ اس لئے بعض دفعہ سالک پریشان ہو کر کہتا ہے ۷

صد ہزار دام و دانہ است این خدا باچمرغانِ حسیں بے نوا
دبدم پالستہ دام تویم گر ہمہ شہباز و سمرغ شویم
سیر ہانی ہر دمے مار او باز سوئے داسے میر و ایم اے بے نیاز
گریہ نہیں ہے کہ واقع میں بھی مشرق نہیں۔ یا ایسا دقیق فرق ہے جس کو غور سے
بھی نہ سمجھ سکے بلکہ دونوں میں قوی فاصل موجود ہے مگر اس فرق کے ادراک کے لئے
اہتمام و تکرار کی ضرورت ہے، اسی کو مولانا فرماتے ہیں ۷

بحر تلخ و بحر شیریں بمعناں در میان شاں ست برزخ لاسغیان
بحر تلخ سے اخلاق رذیلہ مراد ہیں اور بحر شیریں سے اخلاق حمیدہ، مولینا
زمانے ہیں کہ ان دونوں میں ایک فاصل قوی ایسا موجود ہے جس کی وجہ سے
ایک کی مجال نہیں کہ دوسرے میں مختلط ہو سکے۔ مگر صاحب واقعہ کو بعض دفعہ
اس فاصل کا ادراک نہیں ہوتا۔ اس لئے اس طریق میں خلط و اشتباہ بہت واقع
ہو جاتا ہے۔ اور صاحب واقعہ کو بھی یہ اشتباہ قلت اہتمام کی وجہ سے ہوتا ہے اور
اہتمام و فکر کے بعد اس کو بھی اشتباہ نہیں ہوتا کیونکہ اہتمام پر حق تعالیٰ کا وعدہ ہے۔

رہبری کا چنانچہ ارشاد ہے والذین جاہدوا فینا لنھدینہم سبیلنا
 مجاہدے کی حقیقت اہتمام ہی ہے جس پر حق تعالیٰ خود رہبری کا وعدہ فرما رہے ہیں
 تو اب ان کی دستگیری کے بعد کون چسپوز مانع ہو سکتی ہے کوئی نہیں۔ پس یہ مسئلہ تو
 مسلم ہے کہ اہتمام و مجاہدہ کے بعد غلط نہیں ہو سکتا مگر ہم میں تو اہتمام ہی کی کمی ہے
 اس لئے ہم کو احسانِ رزق و حمیدہ میں غلط ہو جاتا ہے۔ ہمارا اتحاد
 بالنعمت ریا و عجب سے مخلوط ہماری تواضع ناشکری سے مشتبہ ہمارا استغناء
 توکل تکبر سے ملتبس ہے۔ (الاسعاد والابعاد ص ۱۱)

کامیابی کے لئے طلبِ شرط ہے

آدمی کو چاہئے کہ طلب میں مشغول رہے اور کام کئے جائے اور حصولِ مقصود
 میں تعجیل نہ کرے۔ ہاں پہلے یہ تحقیق کر لے کہ میں رستہ پر بھی چل رہا ہوں یا نہیں
 جب یہ معلوم ہو جائے کہ رستہ پر چل رہا ہوں تو بس پھر اطمینان کے ساتھ چلتا رہے
 کبھی نہ کبھی مقصود تک پہنچ ہی جائے گا، اور اگر راستہ ہی غلط ہے تو جتنا چلے گا
 اتنا ہی دور ہوتا جائے گا۔ اس لئے اس کی تحقیق ضروری ہے اور راستہ پر پڑ جانے
 کے بعد پھر یہ کوشش نہ کرے کہ وصولِ جلد ہی ہو جاوے۔ اگر دنیا میں بھی وصول
 نہ ہو تو ان شاء اللہ مرنے کے بعد تکمیل ہو جاوے گی۔ ہاں یہ شرط ہے کہ برابر طلب میں
 لگا رہے و درام طلب کو ہاتھ سے نہ دے اور اگر کبھی کبھی معمولِ ناغہ ہو جاتا ہو۔ تو اس
 سے بھی نہ گھبراتے بلکہ ناغہ کے بعد پھر کام میں لگ جاتے۔ یہ بھی ایک قسم کا درام ہے کہ کبھی
 ہوا اور کبھی نہ ہوا کبھی کبھی ناغہ ہو جانے کو درام کے خلاف نہ سمجھو اور اس سے گھبرا کر طلب
 سے ہمت نہ ہارو۔ دیکھو جو شخص دس مرتبہ روزانہ وظیفہ پڑھتا ہے تو اس وقت سے
 دوسرے وقت تک کتنے گھنٹے ذکر سے ناناں گذر جاتے ہیں یہی تو ناغہ ہے مگر پھر بھی اس

کو دعام کہا جاتا ہے تو اسی طرح ایک صورت دوام کی یہ بھی ہے کہ درمیان میں بجائے
گنتوں کے ایام کا نغمہ ہو جائے۔ بولنا فرماتے ہیں ۷

دوست دارو دوست این آشفگی کوشش یہودہ بہ از خفتگی
بس بالکل نہ ہونے سے ناعنہ کے ساتھ کام میں لگا رہنا بھی مفید ہے پس جس طرح ہر کے
طلب کو نہ چھوڑو انشا اللہ کسی وقت کامیاب ہو جاؤ گے ۷

اندریں رہ می تراش و می خراش تادم آخسردم فارغ مباش
تادم آخسردے آخر بود کہ عنایت با تو صاحب سر بود
وصول جب ہوتا ہے دفعہ ہوتا ہے بعض دفعہ ایک بار خدا کا نام دل سے
اس طرح نکلتا ہے جو سالک کو واصل کر دیتا ہے، اس لئے جتنا ہو سکے اس کو
بیکار نہ سمجھو چاہے قاعدے سے ہو یا بے قاعدہ ناعنہ سے ہو یا بلا ناعنہ
لاتے رہو۔ اسی طرح ایک دن عنایت ہو جاوے گی۔ حضرت حاجی
صاحب قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں ۷

بس ہے اپنا ایک بھی نالہ اگر پہنچے وہاں گرچہ کرتے ہیں بہت نالہ و فریاد ہم
(رعظ زکوٰۃ النفس)

علا می کے تین حق میں

ان میں سے ایک تو اطاعت ہے۔ مگر اطاعت کے وہ معنی نہیں جو محض اہل قشر
ظاہر پرست سمجھتے ہیں یعنی محض ضابطہ کی اطاعت بلکہ حقیقی اطاعت ہونا چاہئے۔
اسے اس طرح سمجھئے کہ نوکر و طرح کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جو یورپین مذاق کا ہے کہ
کھانا پکا دیا اور چیل دیا۔ اگر آقا نے کبھی کہا بھی کہ جیسی ذرا اپنکھا بھی جھل دو۔ تو کہا صاحب
یہ میرے فرائض میں سے نہیں ہے۔ اور ایک نوکر ایشیائی مذاق کا ہے کہ کھانا بھی پکا دیا

اور کھلا بھی دیا اور پنکھا بھی چل رہا ہے اور اس سے فارغ ہو کے بیٹھ گیا۔ آقا کے پاؤں دبانے لگا آپ کہتے بھی ہیں کہ بس بھائی جاؤ یہ کام تمہارے ذمے نہیں ہے، مگر وہ کہتا ہے کہ نہیں گو ذمہ نہ ہو مگر مجھے تو آپ کی خدمت سے راحت ہوتی ہے۔ آپ خود دیکھ لیجئے کہ آپ زیادہ کس نوکر کی قدر کریں گے۔ اسی طرح خدا کے بندے بھی دو قسم کے ہیں ایک وہ جنہوں نے وقت پر اطاعت کر لی پھر کچھ بھی مطلب نہیں رہا۔ نہ خدا سے محبت ہے نہ ادب ہے، کوئی گناہِ صغیرہ ہو گیا تو کہتے ہیں یہ تو صغیرہ ہے، اور نماز روزے کے بعد چلتے پھرتے نظر آئے، نہ خدا کی یاد ہے نہ اشتیاق ہے۔ یہ ویسی اطاعت ہے جیسے یورپین مذاق کے نوکر آپ کی خدمت کیا کرتے ہیں۔ آپ اس نوکر سے منتقبض کیوں ہوتے ہیں جو کھانا پکا کر چل دیتا ہے اور تھوڑی دیر پنکھا بھی نہیں چلتا اسی لئے نوکر اتنے احسانات کے بعد بھی تجھے قلبی تعلق نہیں ہوا کہ نکاسا جواب دیدیا تو معلوم ہوا کہ آپ اپنے نوکر سے دو حقوق کے طالب ہیں ایک خدمت، دوسرا تعلق قلبی۔ تو کیا خدا کا حق اتنا بھی آپ نہیں جتنا آپ اپنا حق نوکر پر سمجھتے ہیں۔

(اسرار العبادات ص ۳۶)

ہمیں یہ حقوق سمجھ کر فرائض کے علاوہ اور بھی کچھ کرنا چاہئے۔ چہ جائیکہ جن کاموں کو ضابطہ میں اور فہرست میں لکھ دیا ہو ان کو تو سب سے پہلے کرنا چاہئے۔ چنانچہ حق تعالیٰ سے محبت کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا یہ تو نمائیلے ہی میں ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو یہاں تک فرماتے ہیں 'لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من مالہ وولدہ والناس اجمعین اور فرماتے ہیں من کان اللہ ورسولہ احب الیہ ما سواہما یعنی جب تک میں ہر ایک کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ مال سے بھی اولاد سے بھی اور تمام لوگوں سے بھی اس وقت

ہم تم میں کئی مومن نہ ہوگا اور ایسا ہی درجہ محبت کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی۔ تو نری محبت کافی نہ ہوتی۔ بلکہ سب مجتہدوں سے بڑھ کر یہ محبت فرض ہوتی۔ یہ دوسرا حق ہے منجملہ تین حقوق کے اور تیسرا حق ادب اور تعظیم ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے اپنی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کو بھی فرض فرمایا ہے لتؤمنوا باللہ ورسوله وتعزروه ووقرہوۃ۔ مرجع ان ضائر کا واحد ہے۔ الغرض خدا اور رسول دونوں کا یہی ایک حق فرض ہوا۔ یعنی ادب و تعظیم اور اس مضمون سے تمام حدیثیں بھری ہوئی ہیں بلکہ غور کیجئے تو خود اسی آیت میں بھی ان حقوق کا ذکر ہے۔ کیونکہ اطاعت اس کا مرادف ہی ہے۔ اب اس کی حقیقت دیکھو کیا ہے۔ سو اطاعت ماخوذ ہے طوع سے اور طوع کے معنی ہیں خوشی مو اطاعت کے معنی ہوئے خوشی سے کہنا اور یہ بدون محبت و عظمت کے عاداتاً ممکن نہیں۔ پس اطاعت کے ضمن میں محبت اور عظمت بھی فرض ہوگئی (ایضاً ص ۳۸)

اپنے دل میں حق تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا کر لو اور عظمت حاصل کر لو۔ یہ واقعہ شبہات ماضیہ ہونے کے ساتھ تابع شبہات مستقبلہ بھی ہے کیونکہ محبت یا عظمت کے بعد محبوب اور معظم کے کسی حکم میں شبہ ہی پیدا نہیں ہوتا (خیر الحیات و خیر الممات ص ۱۷۱ - اشرف المسائل ص ۱۳۳)

عبادت میں غلو منع ہے

ایک حدیث میں ہے کہ ایک صحابی راتوں کو سوتے نہ تھے اور دن میں کھاتے نہ تھے۔ رات بھر نماز پڑھتے اور دن کو روزہ رکھتے، تو حضور نے ان کو اس سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا۔ ان لنفسك عليك حقاً ولعينك حقاً ولا هلك عليك

حَقَّاقُمْ وَكُفِّرُوا فِطْرَهُمْ هَذَا مِنْ سُنَّتِي فَمَنْ رَغِبَ عَنِ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي (تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔ رات کو کچھ وقت نماز میں کھڑے ہو کر سو رہو۔ دن میں کبھی روزہ رکھو اور کبھی بے روزہ رہو۔ یہ میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقے سے اعراض کرے وہ مجھ سے کچھ واسطہ نہیں رکھتا) اگر مشقت میں ہر حالت میں فضیلت و ثواب ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان صحابی کو مشقت سے کیوں منع فرمایا۔ ظاہر میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ حضور نے ان صحابی کو تکثیر عمل سے منع فرمایا یہ غلط ہے بلکہ آپ نے تفہیل عمل سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس تکثیر کا انجام تفہیل ہی ہے۔ تکثیر عمل کا یہ طریقہ ہے کہ عمل مواظبت و مداومت کے ساتھ کیا جائے حدیث میں ہے خیر العمل ما دیر علیہ وان قل (بہتر عمل وہ ہے جس پر مداومت کی جائے اگرچہ تھوڑا ہو) اور اعتدال ہی میں نباہ ہو سکتا ہے۔ اپنے کو مشقت میں ڈال کر ہم نباہ نہیں کر سکتے۔ صاحبو! اگر تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتدال کو نہ سمجھ سکو تو جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے جانشین ہیں ان ہی کے اعتدال کا اتباع کرنا اللہ سوائے اہل نقل کے اور زیادہ فرق نہ ہو گا پس خواہ مخواہ اپنے کو مشقت میں نہ ڈالو کیونکہ مشقت مجاہدہ اور ثواب نہیں شہرتیں

قبض شدید مقام عبدیت کے حصول کا بہت بڑا معین ہے

اصطلاح صوفیاء میں ابتلائے شدید کو ہدیت سے تعبیر کرتے ہیں جو قبض کی اصل ترین قسم ہے جس کا طریقہ ان کا ملین ہی پر ہوتا ہے ایسے شدید قبض میں ثابت قدم رہنے کے بعد سالک بعون اللہ تعالیٰ مقام عبدیت میں (جو اعلیٰ ترین مقام سلوک ہے) نہایت تنگ اور راسخ القدم ہو جاتا ہے کیونکہ متصرف حقیقی کے تصرفات عظیمہ کو خود اپنے اندر مشاہدہ کر لینے کے بعد اس کو اپنا ہیچ در ہیچ اور لاشعہ محض ہونا روز روشن کی طرح مشاہدہ ہو جاتا ہے اور اس

شاہہ عجز کی بدولت وہ بفضلہ تعالیٰ نزولِ کامل سے (جو ترقیاتِ باطنہ کی انتہائی منزل) شرفِ ممتاز اور سر بلند و سرفراز ہو جاتا ہے۔ نیز چونکہ تغیراتِ احوالِ قلب کا اس کو خوب بھی طرح اور ذاتی طور پر تجربہ ہو چکا ہوتا ہے اس لئے عدم غلبہٴ ہیبت کی حالت میں بھی وہ عظمت و جلالِ خداوندی اور شوکت و ہیبتِ قضا و قدر الہی سے ہمیشہ زباں درزاں ہی رہتا ہے اور اچھی سے اچھی باطنی حالت کو بھی اپنے اندر محسوس کرتے ہوئے اس کو کبھی عجب و ناز کا واہمہ بھی نہیں ہوتا کیونکہ بر بنائے تجربہ سابق وہ اس حالت کو حدوثاً محض موہبتِ خدا اور لغتاً ہر وقت زیر تصرفِ رب العلام یعنی کئے ہوئے ہوتا ہے۔ غرض استحضارِ عظمتِ حق اس کا حال دائمی اور غایتِ ادب و احترامِ حضرت ذوالجلال والا کرام اس کا اقتضائے طبعی اور تقویٰ کامل و نفاٹے تام شعارِ زندگی ہو جاتا ہے یا بطور حاصل یوں کہتے کہ عبودیتِ محضہ اس کی صفتِ لازمہ اور بندگی و سرفرازی کی اس کی طبیعتِ ثانیہ بن جاتی ہے۔

(انفاس عینی حصہ دوم)

سُلطانِ الاذکار

جب ذکر کرنے و الاذکار میں ایسا کمال حاصل کر لے کہ اس کی قلبی حرکت کا احساس اس کے دل کی زبان سے ہو سکے تو وہ حرکتِ قلبی تمام جسم میں پھیل جاتی ہے اور اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے کہ پہلے کوئی عضو ایسی حرکت کرنے لگتا ہے کہ جو قلب کے لئے مخصوص ہے اور اس کے بعد کبھی کبھی ہاتھ اور پاؤں کبھی سر بلا تخریک حرکت کرنے لگتے ہیں یہاں تک کہ اس کو تمام دنیا متحرک نظر آنے لگتی ہے۔ ذکر کا نور جب حرکت کرتا ہے تو تمام جسم میں پھیل جاتا ہے اور تھوڑی مدت میں تمام جسم کو گھیر لیتا ہے اور اس

ذکر کی وجہ سے اس پر مختلف انکشافات ہوتے ہیں اور عجیب عجیب قسم کے واقعات رونما ہوتے ہیں وہ کبھی روتا ہے کبھی ہنستا ہے اور کبھی متحیر اور پریشان ہو جاتا ہے۔

ذکر کو چاہئے کہ ایسی حالت میں کسی طرف متوجہ نہ ہو بلکہ ذکر و فکر میں مشغول رہے اگر اشد تسالے کا فضل شامل ہوا تو کبھی اپنے تمام جسم کو ذکر پائے گا اور تمام اعضا قلب کے ہمسر ہو جائیں گے۔ اس ذکر میں ذکر تمام اعضاء کا ذکر سناتا ہے۔

ایک فرقہ کا یہ خیال ہے کہ ذکر کی کثرت کی صورت میں ذکر خود اور دوسرے بھی ذکر کی آواز سنتے ہیں۔ یہ بات بالکل بے بنیاد اور بے اصل ہے کیونکہ ہر ذکر بھی ذکر کی آواز نہیں سن سکتا بلکہ اسی ذکر میں سننے کی طاقت ہے جو ساک ہو۔ اس ذکر کو اصطلاح میں سلطان الاذکار کہتے ہیں۔ (ضیاء القلوب)

الْبَيْعَةُ فِي حَدِّ الْبَيْعَةِ

سوال: جو لوگ کہ پیری مریدی کو فرض عین بتاتے ہیں اور آیت وابتغوا اليه الوسيلة کو پیش کرتے ہیں آیا پیری مریدی کا اصل کیا ہے فرض عین ہے یا کہ واجب ہے یا کہ سنت موکدہ ہے یا کہ مستحب ہے اور جو لوگ آیت نہ کہ کو پیش کر کے فرض عین اور واجب بتاتے ہیں اس پر شرعاً کیا حکم ہے۔

تختہ بیعت کی ایک حقیقت ہے ایک صورت حقیقت اس کی ایک عقد ہے درمیان مرشد و مرشد کے۔ مرشد کی طرف سے تعلیم کا اور مرشد کی طرف سے اتباع کا۔ پھر اگر مرشد اور مرشد کے درمیان نبی اور امتی کا تعلق ہے تو نبی کی طرف سے تبلیغ اور امتی کی طرف سے ایمان جس میں سب احکام کا التزام ہے۔ اس حقیقت کی تحقیق کے لئے کافی ہے اور یہی محل ہے اس قول کا اگر ثابت ہو، من لا یشخ لہ نشیخ الشیطان۔ مگر کوئی مسلمان اس کا مصداق نہیں اور یہ بیعت

فرض ہے اور اس کے بعد بھی اگر کسی خاص حکم کا یا احکام کا عہد لیا جاوے وہ
 اس عہد مذکور کی تجدید ہے۔ کمانی حدیث عبادہ بن الصامت قال
 قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وحوله عصابة من اصحابه بايعوني
 الى قوله فبايعناه على ذلك متفق عليه (مشکوٰۃ کتاب الایمان) اور
 اگر شد و متر شد دونوں امتی ہیں جیسا عہد نبوت کے بعد اور یہی وہ بیعت
 ہے جس کا لقب اس وقت پیر می ری دی ہے تو وہ بھی مثل صورت ثانیہ
 کے تقویت ہے عہد اسلامی کی اور یہ اتباع ہے اس سنت کا جس کو اوپر
 تجدید عہد کہا گیا ہے اور چونکہ اس کے فرض یا واجب یا سنت مؤکدہ ہونے
 کی کوئی دلیل نہیں بلکہ حضرت نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کی حیثیت سے
 منقول ہے لہذا یہ بیعت مستحب ہوگی اور جس نے اس کے فرض یا واجب ہونے
 پر آیت مذکور سے استدلال کیا ہے محض بے دلیل اور تفسیر بالرائے ہے۔ صحیح
 تفسیر وابتغوا الیہ القرب بالطاعات ہے۔ اسی طرح جب
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر مداومت ثابت نہیں ہزاروں مومن اس
 خاص طریقے پر اس زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت نہیں سمجھتے
 اس لئے اس کو سنت مؤکدہ بھی نہیں کہیں گے۔ یہ سب تفصیل اس کی حقیقت میں
 ہے اور ایک اس کی صورت ہے یعنی معاہدے کے وقت ہاتھ پر ہاتھ رکھنا
 یا کپڑا وغیرہ ہاتھ میں دے دینا تو یہ عمل مباح ہے لیکن مامور بہ کے کسی درجہ میں
 نہیں حتیٰ کہ اس کے استحباب کا بھی حکم نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 سے جو منقول ہے وہ بطور عبادت اور دین کے نہیں بلکہ بطور عادت کے ہے
 کیونکہ عرب میں معاہدے کے وقت یہ رسم تھی۔ چنانچہ اسی عادت کی بنا پر
 اس کو صنفہ بھی کہا جاتا ہے خلاصہ یہ کہ یہ بیعت معاہدہ صلح و حقیقت کے

اعتبار سے مستحب سے زیادہ نہیں اور اس کی خاص ہیئت مباح سے زیادہ نہیں
 لہذا اس کا درجہ علماً یا علماً بڑھانا مثلاً اس کو شرط نجات قرار دینا یا تارک پر
 طعن کرنا یہ سب غلو فی الدین اور اعتدال و حد و دہے۔ اگر کوئی شخص عمر بھر بھی
 بطریق متعارف کسی سے بیعت نہ ہو اور خود علم دین حاصل کر کے یا علماً سے
 تحقیق کر کے اخلاص کے ساتھ احکام پر عمل کرتا رہے وہ ناجی اور مقبول
 اور مقرب ہے، البتہ تجربہ سے یہ کلیاً یا اکثریتاً مشاہدہ ہو گیا ہے کہ جو
 درجہ عمل اور اصلاح کا مطلوب ہے وہ بدون اتباع و تربیت کسی کامل بزرگ
 کے بلا خطر اطمینان کے ساتھ عادتاً حاصل نہیں ہوتا۔ مگر اس اتباع کے لئے
 بھی صرف التزام کافی ہے، بیعت متعارف شرط نہیں لیکن ہذا آخر الکلام
 واللہ اعلم انفس عیسیٰ حصہ دوم)

سب مصائب گناہ کا نتیجہ نہیں ہوتے

حالیہ :- السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کل تیسرے پیر ایک عزینہ ارسال
 خدمت ہو چکا ہے جو اب کے لئے نفاذ نہیں رکھتا امید تھی کہ دوپہار دن میں پاؤں
 سفر کے لائق ہو جائے گا کہ مغرب کے بعد ہی پھر چوٹ میں چوٹ لگی۔ یہ چوتھا پانچواں
 چکر ہے جس دن سامان سفر باندھا دوسرے ہی دن ایک ہی جگہ دو چوٹیں پیہم کھائیں
 پھر تین دن بعد تاریخ مقرر کی تو پیر روانگی سے ایک دن قبل ہی اس چوٹ پر چوٹ
 کھائی۔ اب تاریخ غیر متعین تھی لیکن ارادہ یہ حال جلد از جلد تھا کہ گذشتہ مغرب کے بعد
 اتنی سخت چوٹ لگی کہ قریباً پہلی حالت عود کر آئی۔ پہلے دین و دنیا کے اور ارادوں کی
 طرح حضرت کی خدمت میں حاضری کا ارادہ بھی پورا ہو جاتا تھا۔ اب غالباً یہ تیسرا موقع ہے
 کہ جب ذرا طویل حاضری کی نیت کی تو کچھ نہ کچھ اس قسم کی صورت پیدا ہوئی۔ اس مرتبہ پہلے

سب گھر کے ساتھ حاضری کا تہیہ کیا، اس میں خلل پڑا۔ پرواہ نہ کی۔ پھر خیال ہوا کہ کوئی ملازم ساتھ ہو تو اچھا ہے وہ بھی نہ ملا۔ اچھا نہ ملے تنہا جاؤں گا۔ تو اب پتہ چلا کہ جن بیروں سے جانے کا دعویٰ تھا وہ بھی اپنے کلب ہیں۔ دل تو اس کے بعد بھی حاضری کے لئے بیتاب ہے لیکن اب کس زبان سے کچھ عرض کروں۔ حضرت اتفاقاً کوئی چیز نہیں پھر یہ کیا ہے؟ رکھا جاتا ہوں لیکن نہ دماغ سوچنا چھوڑتا ہے نہ دل ارادہ کرتا۔ اب یہ خیال مسلط ہے کہ ساری سزا کذب و جاہ کی ہے۔ گھر بنانے کی خواہش ہوئی تو کوئی بنائی اس کی ایسی سزا ملی کہ اب کوٹھڑی کی تمنا ہے۔ مصنف بننے کا شوق ہوا تو اس میں مقام امتیاء کی تلاش تھی۔ یہ سودا سر سے نکلا، دین کی راہ میں بظاہر قدم رکھا تو اس میں نظر نیچے نہیں پڑتی۔ یہ تو دہری نفس دانا معلوم ہوتا ہے جس نے محض بھیس بدل لیا ہے

والسلام مع الاکرام

تختہ : پہلے خط کا جواب بھی لکھ کر رکھ لیا تھا کہ آنے کے وقت دیدوں گا، اس میں یہ دوسرا خط آ گیا جس پر بے ساختہ حدیث نعم العدلان ونعم العباد یاد آگئی اور گو وہ حدیث قول مشہور پر تعدد بلا کے ساتھ مفید نہیں۔ ہر بلا پر یہ تعدد آراء موجود ہے مگر مطلق تعدد کے علاوہ سے یاد آگئی۔ یہ حدیث تو حافظے میں تھی پھر اس کے ساتھ اس باب میں مواعید کے نصوص مناسب حال کتب حدیث دیکھ کر لکھنے کو جی چاہا چنانچہ نمونے کے طور پر منقول ہیں۔ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذیتنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وهو یوعک فمستہ بیدی فقلت انک توعک وبعک شدید اقال اجل اتی اوعک کما یوعک الرجلان منکم قلت ذلک بانک اجرین قال اجل للشیخین وعن انس رفعہ ان عظم الحزاء مع عظم البلاء وان اللہ تعالیٰ اذا احب قومًا ابتلاہم فمن رضی ناله الرضا ومن سخط فناله السخط اللترمذی عن محمد بن

خالد السامی عن ابيه عن جده سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ان العبد اذا سبقت له من الله تعلق منزلة لم يبلغها ابتلاه الله في جسده اوفى ماله اوفى ولده ثم صبره على ذلك حتى يبلغه المنزلة التي سبقت له من الله تعالى (الابن داود) عن مصعب ابن سعد عن ابيه قلت يا رسول الله اي الناس اشد بلاء قال الانبياء ثم الامثال فالامثال بيتلى الرجل على حسب دينه فان كان في دينه صلبا اشتد بلاءه الحديث (للترمذي) عن عمرو بن مرة قال ان مما انزل الله تعلق لبيتلى العبد وهو يجب يسمع تضرعه (لا وسط بلين) كلهما من جمع الفوائد مگر یہ سب عقل کا فتویٰ ہے باقی طبیعت پر جو طبعی اثر ہوا اور آپ پر بھی ہونا مستبعد نہیں وہ یہ ہے۔

ارق علی ارق ومثل یارق وجوی یزید وعبرة تترق
 اور یہی اثر بھی سیکار نہیں اس عقلی فتوے کی جو بنائے بہر وقتوں میں وہ اسی طبعی اثر کا اثر ہے کیونکہ یہ توت سے
 الم اور جمع پر نیز دعائی اسی کا اثر ہے چنانچہ میں ل سے آپ کی صحت توت و سیر طامات کی ٹکا کرنا
 ہر عمل اور آپ بھی صاف میں کمی نہ کیجئے باقی یہ احتمال کہ یہ کسی گناہ کی پاداش ہے یہی ایمان ہی سے جو اس وقت
 ناشی ہے جس کا مقضیٰ یہ ہے کہ دعا کے ساتھ استغفار کی بھی کثرت کی جاوے پھر تو یہ سب تو عقلی نو
 کا صدق ہے۔ (تربیت اس الگ حصہ دوم ص ۱۹۹)

تکالیف کا تحمل نہ ہونا ضعف ایمان کی دلیل نہیں

مالم: حضرت بیمار۔ آزار۔ دنیا میں کون نہیں ہوتا۔ اپنے جاننے والوں
بہنوں کا حال اپنے سے بدتر پاتا ہوں۔

تختیہ: یہ اعتقاد اور اس کا استحضار ایک مراقبہ ہے جو ایک نعمت ہے۔
مالم: پھر ایسے کتنے ہوتے ہیں جن کو معمولی تدبیر و علاج تک کی قدرت نہیں ملتی۔
تختیہ: یہ دوسرا مراقبہ ہے جو دوسری نعمت ہے۔

مالم: ساتھ ہی یہ بھی ایمان ہے کہ مومن کے کائنات چھنا بھی ضائع نہیں جاتا۔
تختیہ: یہ ایک تیسرا مراقبہ ان دونوں سے اعظم ہے، ان مراقبات کے عطا
ہونے ہوئے اگر تحمل میں جس کا ذکر آگے فرمایا گیا ہے کچھ نقصان بلکہ بالکلہ نقصان بھی
ہو سکتا ہے یہ مجموعہ اس نقص کا کافی تدارک ہے خصوصاً جبکہ یہ مراقبات اعمال اختیار
ہوں اور وہ نقص طبعی و اضطراری ہو۔

مالم: مگر خدا جانے حضرت میری کمزوری و زردی کس حد تک پہنچ گئی ہے کہ جسامتی
تکالیف کا تحمل روز بروز گھٹتا جاتا ہے۔ شاید ساہا سال کے سلسلہ علالت نے
انام ہمت کر دیا ہے ادھر الحمد للہ کہ دو سال سے بہت اچھا تھا خصوصاً دمہ کے
زوروں سے بالکل ہی محفوظ رہا اور طبیعت میں ذراتِ شاد رہنے لگا تھا کہ اس
انام کے حادثے کے بعد اب کچھ دمہ کے آثار بھی پھر عود کر رہے ہیں جس سے
اردل خوف زدہ ہو رہا ہے۔ کاش ایمان ہی اتنا قوی ہوتا کہ صبر و رضا ہی کا
اجرا مل کر سکتا مگر اُلٹے کبھی کبھی شکایت کے دما دس آجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ
مہم و مغفرت فرماوے۔

تختیوں، کیا خدا ناکردہ یہ ضعف تحمل ایمان کے قوی نہ ہونے کی علامت ہے۔ اس وقت ایک حدیث ترمذی کی بے ساختہ ذہن میں آگئی جس کو جمع الفوائد فی فضل الشہادۃ والشہداء سے نقل کرتا ہوں جسور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء کی ایک تقسیم فرمائی ہے اس میں قسم ثانی کے باب میں ارشاد ہے قال ورجل جید الایمان لقی العدو فکانما ضرب جلدہ بشوک طلع من الجبن اتاہ سهم غرب فقتلہ الحدیث۔ اس میں جودت ایمان اور صبر کو مجتمع فرمایا ہے جس میں صاف دلالت ہے کہ عدم تحمل اور قوت ایمان جمع ہو سکتا ہے البتہ اس قسم کے شہید کو درجہ ثانیہ میں اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اس سے فعل اختیاری یعنی قتال کا بوجہ جن کے صدور نہیں ہو اور جہاں فعل اختیاری کا صدور بھی ہو وہاں درجہ بھی کم نہ ہوگا۔ سو یہ آپ کے اختیار میں ہے الحمد للہ اس اختیار سے کام بھی لیا جا رہا ہے یعنی معترضانہ شکایت کا ارتکاب نہیں کیا جاتا اور خود عاجزانہ شکایت بھی خلافت قوت ایمان نہیں۔ کما قال یعقوب علیہ السلام انما أشکو بشی وحزنی الی اللہ بعد قولہ یا اسفی علی یوسف اور دوسو سہ تو کوئی معتد بہ وجود ہی نہیں رکھتا۔

فزال بحمد اللہ کل اشکال۔ (ترجمت اسالک حصہ دوم ص ۷)

صُورِ خُشُوعِ كِ لَتِّ اِهْتِمَامِ مِیْنِ عَسَلِ تَكْلِیْفِ مَالِ اِیْطَاقِ هِیْ

حَالِه : تَرَادُخِ مِیْنِ فَرَاغِ شَرِیْفِ سَنَائِیْ مِیْنِ خُشُوعِ وَخُضُوعِ نَهِيں هُوْتَا هِیْ ۔
 مَالَا نَكِهْ هِرْ كَعْتِ كُو جِبْ كَهْرَا هُوْتَا هُوں تُو خِیَالِ كِرْتَا هُوں كِه جِنَابِ حَقِّ تَعَالَى كِ طَرَفِ
 عِزِّ دُنْيَا نَكِیْسَا كِه تُو جِبْ رَكْهُوں گَا مَكْرِبِ قُرْآنِ شَرِیْفِ شُرُوعِ كِرْتَا هُوں تُو اِسْ خِیَالِ مِیْنِ
 زَوَاةِ خَتْمِ هُو جَاتِی هِیْ كِه كِهِيں بَهُولِ زَبَاؤُنْ اَوْدِرْ كُوعِ وَ سَجُودِ مِیْنِ بَهِيْتِ اَفْسُوسِ
 هُوْتَا هِیْ حَضْرَتِ وَالَادِ عَا فَرْمَا دِیْنِ كِه مِیْرِیْ یِه تَمْنَا پُورِیْ هُو اَوْرَا كِرَانِ كُو یِهِي مَنظُورِ هِیْ
 تُو اِسْ مِیْنِ خُوشِ هُوں ۔

تَحْقِیْقُ : خُشُوعِ سَكُونِ كَا نَا هِیْ اَوْرِ یِه خِیَالِ كِه كِهِيں بَهُولِ زَبَاؤُنْ حَرَكْتِ هِیْ
 جُو سَكُونِ كِ ضِدِّ هِیْ اَوْرِ كُوئی شَيْءِ اِپْنِیْ ضِدِّ كِ سَا تَهْ مَجْمُوعِ نَهِيں هُوْتِیْ اَوْرِ یِه خِیَالِ طَبْعًا لَازِمِ هِیْ
 اِسْ لَیْ حُصُولِ خُشُوعِ اِسْ حَالَتِ مِیْنِ عَادَتًا مُتَعَذِّرِ هِیْ تُو اِسْ كَا اِهْتِمَامِ هِیْ تَكْلِیْفِ مَالِ اِیْطَاقِ
 هِیْ لَكِنْ یِه خُشُوعِ زَبُونَا مُفْرَادِ قَابِلِ اَفْسُوسِ اِسْ لَیْ نَهِيں كِه جُو مُتَصَوِّرِ هِیْ خُشُوعِ سِ
 كِه غَیْرِ مُقْصُودِ كِ طَرَفِ تُو جِبْ زَبُونِ هُو وَدِ حَاصِلِ هِیْ اِسْ كُو یَا خُشُوعِ اَكْرُ صُورَتَا نَهِيں مَكْرُوعًا
 حَاصِلِ هِیْ كِیونَكِه یِه خِیَالِ تَكْمِیْلِ هِیْ طَاعَتِ كِ اَوْرِ طَاعَتِ مُتَصَوِّرِ هِیْ اِسْ یِه تُو حَسْرَتِ
 اِلِیْ الْمَقْصُودِ هِیْ چِنَا چِ بَعْضِ عَادِیْتِ فَضْلِ خُشُوعِ مِیْنِ لَمْ یُجِدْ تَا فِیْهَا نَفْسُ شَيْءٍ مِّنْ الدُّنْيَا
 اَوْرِ بَعْضِ مِیْنِ الْاَبْحَاثِ وَ اِرْدِ هِیْ اِسْ كِیْ تُو ضِیْحِ رَسَالَةِ تَشْرِیْفِ اَدَلِ كِتَابِ الصَّلَاةِ مِیْنِ
 قَابِلِ مَطَالَعِ هِیْ ۔ ہَاں طَبْعًا نَا گُو اَرِیْ یِه لَیْظِرِ هِیْ اسْتِغْفَارِ عَنِ الْغَیْبِ كِ ۔

تَذَكِیْرِ نَعْمَتِ : تَحْقِیْقِ بِنَجْمِ فَرَنْ عَظِیْمِ اِیْہِیْ هِیْ جِسْ مِیْنِ كَسْبِ كَا دَخْلِ نَهِيں اِسْ كِیْ بے قَدْرِیْ
 نَكِ جَاوے مِیْنِ كِهِيں اِسْ مِیْنِ مَبْلَا تَحَاتُّقِ تَعَالَى نَے حَقِیْقَتِ مُنْكَشَفِ فَرْمَا ئِیْ آگے اِپْنِیْ هِمْتِ
 هِیْ ۔ نَقَطُ ۱۰ النُّورِ ص ۵۳۴ - تَرْبِیْتِ السَّالِكِ ص ۲۱۴)

علم ذات کا داعیہ علم ایمان ہے اور اس کی تمنا عین مطلوب ہے،
 حالہ۔ والا نامہ نے لکھتوں میں سعادت بخش تھی جس سے متعارف اہم ذات کے ذکر
 کے منصوص ہونے کا شہرہ رفع ہو گیا۔
 تحقیق: الحمد للہ۔

حالہ، اس سلسلہ میں ایک بات یہ عرض کی تھی کہ عرصہ سے کچھ علم ذات کا داعیہ بڑھ
 گیا ہے، رویت تو اس عالم میں ہے ہی نہیں۔ پھر کیا کسی اور طرح کسی درجہ میں ایمان کے علاوہ
 ذات کا کوئی علم اس زندگی میں نصیب ہو سکتا ہے۔

تحقیق: وہ علم ایمان ہی ہے اس علم میں ترقی اور قوت ایمان ہی کی قوت اور ترقی
 ہے اسی کے مراتب کے تفاوت سے عوام اور خواص اور اخص ان خواص کے ایمان میں تفاوت
 ہوتا ہے۔ اسی قوت کو منصوص میں از یاد ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان ہی مراتب کا نام
 علم الیقین و عین الیقین و حق الیقین ہے۔

حالہ: اور اس قسم کے داعیہ کا غلبہ کچھ مضر تو نہیں۔
 تحقیق: بعد و ضوح حقیقت کے اس کا سوال اس کی تمنا عین مطلوب ہے۔

حالہ: حضور اصلی اللہ علیہ وسلم نے لذۃ النظر الی وجهک اور
 شوق الی لقاءک کا جو سوال فرمایا تو اس کا مطلب تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہاں صر
 شوق لقاء حاصل ہو سکتا ہے اور نظر الی الوجہ تو حاصل ہی ہے۔ مطلوب صرف لذۃ النظر ہے
 تحقیق: ماشاء اللہ خوب صحیح دلالت سمجھ میں آئی۔ اس کے قبل میرا ذہن بھی اس تفسیر
 کے ساتھ اس طرف گیا تھا۔ فجزاکم اللہ تعالیٰ علیٰ ہذا التنبیہ۔

حالہ۔ لیکن حضرت اپنے اندر شوق لقاء کو کسی درجہ میں پاتا ہوں جس کو داعیہ علم
 ذات سے اوپر تعبیر کیا ہے لیکن اب ناسخ لو افسر و وجہ اللہ کی صریح نص کے باوجود

جب چاہتا ہوں کہ نظر الی الوہب میں کچھ ذوق و لذت پیدا ہو تو بالکل نہیں پیدا ہوتی بلکہ ایسی چیزیں جو طبعاً مکروہ ہوتی ہیں ان پر وجہ اللہ کے اعتبار سے نظر کرنے میں طبیعت رکنتی ہے۔

تختی: غالباً آپ کے نزدیک وجہ کی تفسیر کا حاصل مظاہر و مناظر ہیں تو اس کے لئے دلیل کی حاجت ہے۔ اولاً دلیل سلف سے دو تفسیریں منقول ہیں۔ ایک جہت یعنی قبلہ اور اضافة الی اللہ باعتبار رضا کے ہے یعنی تم جس مکان میں ہو کر بھی تولی الی الکعبہ کرو وہ جہت مرضی حق ہے۔ دوسری تفسیر وجہ سے مراد ذات کما فی قولہ تعالیٰ کل شیء ہالک الا وجہہ ای ذاتہ پھر ذات سے مراد علم کما یدل علیہ ما بعد لا۔ ان اللہ واسع علیم اور مناظر و مظاہر کے ساتھ تفسیر یہ ذوق و تصویری اشارہ کے درجہ میں ہو سکتی ہے جس کا حاصل تفسیر الوجہ بالذات باعتبار تجلیہ فی المظاہر ہے شرح المآثر میں اس کو باب اشارہ میں اس عبارت سے ذکر بھی کیا ہے فای جہتہ یتوجہ المرء من الظاہر والباطن فتم وجہہ اللہ المتجلی بجمیع الصفات المتجلی بما شاء منزہا عن الجہات وقد قال قائل القوم بالجمیم ۱۲

وما للوجہ الا واحد غیرانہ اذا انت عددت المرایا تعددوا

اب سوال مذکور فی المکتوب اس پر معنی ہو گا جس کے دو جواب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ یہ تفسیر غیر ثابت ہے پس حدیث میں اس کا دعویٰ نہیں ہو سکتا۔ دوسرا یہ کہ بر تقدیر تسلیم مناظر و مظاہر کی طرف نظر کرنا بھی موجب لذت ہے، گو ذاتِ مظہر کے اعتبار سے موجب لذت نہیں لیکن باعتبار اس کی مظہریت کے موجب لذت ہے، مگر یہ اس وقت موجب لذت ہے جب اس نسبت کے استحضار اور ذات کی محبت کا غلبہ طبعی ہو جائے پھر مناظر و مظاہر سب اس لذت کے اسباب ہو جائیں گے بلا تفساوت بین الحسن و

غیر احسن جیسے محبوب کا میلان پڑا پہلے مکروہ معلوم ہوتا ہے مگر جب اس تلبس کا علم ہو گیا اس میں لذت پیدا ہو گئی خصوصاً حالت لبس فقہاء نے اس کے احساس کے بعد یہ فتویٰ دیا النظر الی ملاءة الاجنبیة حرام اور اگر اس تفسیر کو تکلف سمجھا جاوے اور حدیث میں تفسیر منقول عن العلماء ولی جاوے یعنی نظر سے مراد علم فی الدنیا کا درجہ تو اس وقت آپ کا سوال بالاستقلال اس طرح متوجہ ہو گا کہ علم میں بھی تو لذت نہیں پائی جاتی اس کا جواب اس طرح ہو گا کہ نفس لذت کی نفی کا حکم عدم مائل کے سبب ہے ورنہ حق تعالیٰ کی یاد میں کہ علم کی ایک فرد ہے کس مومن کو لطف نہیں آتا خصوصاً جب اس کے صفات و کمالات کا تذکرہ بھی ہو کہ چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا اور اگر اس نفی کے حکم کو صحیح بھی مان لیا جاوے تب بھی کوئی محذور نہیں نہ نقص ایمان کا شبہ ہو سکتا ہے ایک کمال کی کمی ہے جس کے لئے سوال کی تعلیم فرمادی گئی ہے جب اور حتمی نصیب ہو جائے

(النور۔ رمضان ۱۳۵۶ھ، ترتیب السالک حصہ دوم ص ۶۵)

تشبیہ اور تنزیہ میں فرق

حالیہ: صوفیانہ تفسیر یا اعتبار سے کچھ بالطبع ذوق معلوم ہوتا ہے اکثر حضرات صوفیاء کے اعتبارات و ارشادات دل پر اتر جاتے ہیں۔ وجہ سے یہ حضرات شاید ظاہر و وجود مراد لیتے ہیں اور سارے خارجی مظاہر اسی ظاہری وجود کے مظاہر ہیں اس لئے جی چاہتا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ اسی اعتبار سے گویا سامنے ہی موجود ہیں تو کیوں نہ اسی راہ سے حضوری حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ کہ اسی سے کچھ نسبت و محبت نصیب ہو سکے۔ آنا کو یہ حضرات باطن وجود کہتے ہیں اور اسی سے قرب و اقربیت وغیرہ کی تشریح کرتے ہیں۔ دل کو تو وہ بات بھی نہیں لگتی مگر اس میں ایک ہیبت معلوم ہوتی ہے اور یہ ہیبت خطر سے کی چیز بھی معلوم ہوتی ہے۔ گو

اللہ تعالیٰ کہ جہاں تک بعد و رب کی غیریت کا تعلق ہے اس میں کبھی وسوسہ نہیں ہوتا مگر حضرت اس میں شک نہیں کہ صحابہؓ کی اور سیدھی راہ وہی محبت و ایمان کی معلوم ہوتی ہے۔

تختیو: جو چیز ذوق زیادہ دلچسپ معلوم ہوتی ہے وہ تشبیہ کا رنگ ہے اور ظواہر نصوص اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا مسلک تشریح کا غلبہ ہے۔ اول بید خطرناک ہے، اور بعض اوقات بہت سے مفسد کو آغوش میں لے لینا ہے۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ لذت بھی باقی نہیں رہتی۔ پھر تشریح کی طرف آکر گذشتہ حالت پر متاسف ہوتا ہے اور ثانی بے خطر اور ثابت۔ یعنی اسلام بھی آدم بھی، اور جن نصوص سے تشبیہ کا ایہام ہوتا ہے اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ایہام کا اعتقاد ہے پس ایہام بالتمثالیہ کا علاج ایہام بالموحدہ ہے۔

حالیہ: جی یہ کہتا ہے کہ حضرت دعا فرمائیں تو انشا اللہ اس نعمت سے محروم نہ رہوں گا اپنی دعا ابھی انشا اللہ مرتے دم تک جاری رہے گی۔

تختیو: دعا کا وظیفہ بعد کا فرض اصلی ہے مگر مع اس کے انضمام کے خواہ ذکرًا
فراہم خولی و اختلی (تربیت السالک حصہ دوم ص ۷)

تشبیہ کا مسلک بید خطرناک ہے بخلاف تشریح کے و لیکن
تشریح محض کبھی تشنیہ بخش نہیں۔ اس کے متعلق تختیو عجیب!

میرالو: مخدوم محترم ادام اللہ فیوضکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اگرچہ حضرت نے
نفس اپنی شفقت سے اجازت دے رکھی ہے کہ جو کچھ بھی چاہوں بے تکلف خدمت میں
رضی کر سکتا ہوں تاہم ایک امر کا عرصہ سے شدید غلبہ اور خیال ہونے کے باوجود عرض
کرنے کی ہمت نہ ہو سکی۔ اس مرتبہ عریضہ میں غیر معمولی تاخیر کی بھی ایک وجہ یہی رہی کہ ایک

طرف طبیعت کا تقاضا تھا کہ اب کھل کے، عرض ہی کر ڈالوں اور دوسری طرف بہت کا برابر تقدم و تاخر لیکن گذشتہ عریضہ اور اس کے جواب گرامی میں چونکہ ایک حد تک راہ کھل چکی ہے اس لئے اب اس خلش کو پیش ہی کر دیتا ہوں۔

حضرت نے یہ بالکل ہی بجا ارشاد فرمایا کہ تشبیہ کا مسلک بیکہ خطرناک ہے اور خود میرا بھی مدت تک اصلی مذاق و رجحان تزییہ ہی کار ہوا لیکن اب عرصہ سے تزییہ محض سے بالکل تشفی نہیں ہو رہی ہے اور کسی طرح نہ دل اس کو قبول کرنا چاہتا ہے نہ دل غم کہ حق و خلق میں وجود ادنیٰ بعد یا انفصال ہو سکتا ہے لیکن باایں ہمہ الحمد اللہ دوسری طرف یہ بھی قطعاً غلط ناقابل فہم بلکہ سفاہت پاتا ہوں کہ کسی طرح بھی عبد معاذ اللہ رب یا رب عبد ہو سکے، اور وحدت وجود کے ساتھ کثرت موجودات میں کوئی تباہت ہی نہیں بلکہ یہی عقل و نقل سب کے موافق معلوم ہو سکتا ہے، افریت و معیت وغیرہ کے تمام اعتبارات کے باوصف غیرت اتنی اہل معلوم ہوتی ہے کہ عنایت کے مفسدہ کا الحمد للہ کبھی خطرہ و احتمال تک قلب پر نہیں آتا بلکہ ایک لحاظ سے غلبہ تزییہ و تسبیح کار ہوتا ہے جتنی کہ عنایت کار حجان رکھنے والوں کی حماقت پر سخت غصہ معلوم ہوتا ہے، بلکہ مجھ کو تو وہ انکار حق کے لئے نفس کی ایک ویسہ کاری نظر آتی ہے۔ یہ بھی عرض خدمت ہے کہ اس مسئلہ سے فی الجملہ دلچسپی کے باوجود پڑھتا پڑھتا زیادہ ایسی چیزوں کو نہیں ہوں البتہ کلام معید ہی کی تلاوت یا اس پر اگر کچھ تدبر و تفکر کی سعادت نصیب ہو جاتی ہے، تو اس طرف کے بھی ذہن میں کچھ اعتبارات آجاتے ہیں۔

تحقیق: مکرمی زام لطفکم، السلام علیکم، عربی مثل ہے اذ اجاءت الالفۃ

رفعت الکلفۃ، عارف شیرازی کا ارشاد ہے

ما حال دل، ابایا اگر گفتم

نتوان نہفتن درد از لبیاں

اس کے تحت میں یہ سب محمود ہے، اب جواب، عرض کرتا ہوں، حادث بعد حادث کو

شاہد تدریج کا واسطہ بنا نا دو تعلق سے ہوتا ہے۔ ایک تعلق صانع و مصنوع کا۔

اس تعلق سے واسطہ بنا نا مخصوص اور مامور بہ ہے۔ آیات

ان فی خلق السموات والارض الی قولہ لایت لقوم یعقلون (بقرة)

وان فی خلق السموات والارض الی قولہ ربنا ما خلقت هذا

باطلا (ال عمران)، وافلا ینظرون الی الابل الی قولہ کیف

سلطت (غاشیہ) وغیر ہا سب اسی توسط پر دل ہیں اور دوسرا تعلق ظاہریت

و منہریت مصطلک کا زائد علی تعلق الاول جس میں اس وقت کلام ہے سو یہ تعلق اور اس کی

خصوصیات خود ذوقی کشفی ہیں فنکذا توسط تعلق اول کی مثال کاتب و مکتوب

کا تعلق ہے اور تعلق ثانی کی مثال شمس و ارض کا تنویری تعلق ہے، پھر اس تعلق ثانی

کے توسط کے دو درجے ہیں ایک تصور و تخیل کا دوسرا تصدیق و اعتقاد کا۔ دوسرا

درجہ تو ظاہر ہے کہ اختیاری ہی ہو گا اور پہلا درجہ دو طرح کا ہے ایک استحضار فی الذہن

نصد و اختیار سے، دوسرا حضور فی الذہن بدون قصد و اختیار کے، یہ کل تین درجے

ہوئے۔ سو چونکہ خود یہ تعلق اور اس کی خصوصیات کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں اور

ذوق و کشف حجت نہیں اس لئے تین درجات مذکورہ میں اول کے دو درجے، یعنی

اعتقاد و استحضار بالا اختیار تحت نہی و تکیر ولا تقف ما لیس لك بہ علم

وان یتبعون الا الظن وان الظن لا یغنی عن الحق شیئاً الآیہ

میں داخل ہوں گے اور تیسرا درجہ یعنی تصور حضور فی الذہن بالاضطرار معفو عنہ ہو گا بقولہ

تعالیٰ لا یرکف اللہ نفساً الا وسعہا اور اول کے دو درجے دلائل شرعیہ

مذکورہ سے منکر ہونے کے علاوہ خود قواعد طریق سے بھی منکر ہیں۔ ان نکارت کا راز

یہ ہے کہ تمام اہل ملل حقہ جن میں حضرات صوفیاء بھی داخل ہیں اس پر متفق ہیں کہ

یہ دوسرا تعلق یعنی ظاہریت و منہریت مصطلک کا خود حادث بعدالعدم السابق ہے اور

قبل حدوث یہ تعلق معدوم محض تھا سو اس تعلق کی قید سے جو استحضار ہوگا خواہ قصداً یا تصدیقاً وہ مقید کا ہوگا اور مقید بوجہ حدوث قید کے حادث ہوگا تو یہ استحضار قصداً حادث کا استحضار ہو جو غیرت محبت کے بالکل منافی ہے اس لئے خود وہ اہل ذوق بھی اس حکم کو ضبط نہ کر سکے کہ کل ما خطر ببالک فهو هالك واللہ اجل واعلیٰ من ذلك۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی نور آفتاب کا مشاہدہ اس تعلق کے واسطے سے کرے جو اس کو ارض سے حاصل ہے اور اس تعلق کے سبب خود دھوپ میں اجرام کے اختلاف ہئیت سے مختلف اشکال پیدا ہو گئے، مثل تدویر و ثلثیت و تبریع تو ان حصص مختلفہ الہئیۃ کے ذریعہ سے مشاہدہ نور کا قصد کرنا ظاہر ہے کہ مستلزم ہوگا ان حصص کے قصد مشاہدہ کو۔ باقی اضطرار پر کوئی ملامت نہیں مگر یہ درجہ کمال سے منزہ ہے، گو ضعیف کے لئے بالعرض اس طرح نافع ہو جاوے کہ درجہ کمال تک اس کے لئے موصل ہو جاوے۔ جیسے دوا غیر مقصود ہے مگر علیل کے لئے غذائے مقصود کی استمداد پیدا کرنے کی وجہ سے گوارا بلکہ تجویز کر لی جاوے۔ مولانا سعد و مشیلات کے بعد اسی کو ارشاد فرماتے ہیں ۵

اے برون از دمہم وقال وقیل من
خاک بر سرق من و تمثیل من

وفیہ اظہار الامرا لاصلی ۵

بندہ نشکبیدہ تصویر خوشت ہر دم گوید کہ جانم مفرشت

وفیہ اظہار الامرا العارضی اور تعلق اول کی توسط میں ان وسائط کی ایسی مثال ہوگی جیسے عینک لگا کر کسی چیز کا مشاہدہ کرنا کہ عینک محض معین ہوگی۔ مشاہدہ شے مذکور کی اور مشاہدہ کے وقت بعض اوقات عینک کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا۔ میرے خیال میں مسئلہ کے سب پہلوؤں پر کافی اور ضروری کلام ہو گیا ہے اگر کچھ جز و متروک ہو گیا ہو ظاہر فرماویں باقی کسی مامور بہ سے تشفی ہونا نہ ہونا یا دل و

دماغ سے اس کا ملحق نہ ہونا یہ قابل التفات نہیں۔ امتثال مقصود ہے نہ کہ کیفیات
احوال۔ باقی اس جزو کو تیسیر اللخطب مکرر یاد دلاتا ہوں کہ اضطراب پر نگیں نہیں۔
(زیت السالک حصہ دوم ص ۷۷)

حالیہ عرصہ ہوا کہ خدمت والا میں خلق و حق کے تعلق کو سمجھنے کے لئے کچھ معروضات
پیش کئے تھے جس کے جواب میں حضرت نے مسلک تنزیہ کی جو تفہیم فرمائی تھی اس سے
الہیان ہو گیا تھا کہ سلامتی بلاشک ہی راہ میں ہے۔ پھر ایک اور عرضہ اسی سلسلہ میں تھا
جو مع جواب والا سوال کے اندر میں شائع فرما دیا گیا تھا لیکن اب بھی اس ضمن میں ایک
بڑی غلطی باقی ہے۔ یہ تو بالکل صحیح ہے کہ قرآن مجید میں معرفت یا مشاہدہ حق کی تعلیم
بہت زیادہ صانع و مصنوع ہی کے تعلق سے فرمائی گئی ہے۔ خلق اشیاء کی بظاہر تین صورتیں
نظر آتی ہیں (۱) جیسے بیج سے درخت یا انڈے سے بچ پیدا ہوتا ہے (۲) جیسے کوئی
صناع کسی مادہ میں کوئی تصرف کر کے کسی شے کو بناتا ہے مگر خود مادہ اس صناع کا مخلوق
نہیں ہوتا (۳) پہلے خود مادہ کو عدم محض یا لاشی سے خلق کر کے پھر اس سے مختلف
اشیاء مخلوق ہوں حق تعالیٰ کے لئے بالعموم تیسری ہی صورت کا خیال ہوتا ہے۔
تحقیق کسی دلیل سے یا بدون دلیل۔ دلیل کیا ہے اور بدون دلیل
لائق مالیس لک بہ عالم کا معارضہ ہے۔ خصوص جب دوسری صورتیں
بھی عقلاً ممکن و محتمل ہیں اور نصوص قطعاً کسی کے ساتھ غیر ناطق خصوص جبکہ یہ بھی محتمل
ہو، کہ مختلف صورتیں اشیاء کی تخلیق کی ہوں۔

حالیہ: مگر اس میں ایک طرف تو عقلاً لاشی سے شے کا وجود بالکل ناقابل تصور

معلوم ہوتا ہے۔

تحقیق: کیا ہمارے تصور کی صعوبت امتناع یا نفی کی دلیل ہے۔

حالیہ: دوسری طرف ام خلقوا من غیر شیء کی نفی میں اس کی نفی

مستباد رہتی ہے۔

تختہ صحیح تفسیر یا محتمل بالسواء تفسیر کا ذہن میں حاضر نہ ہونا اس تباہی کا نشا ہے چنانچہ مفسرین نے من غیر شیبی کی تفسیر کی ہے من غیر خالق

حالیہ:۔۔۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ مادہ اور اس کی مصنوعات کا وجود کو مخلوق حق ہوتا ہے لیکن اپنا وجود مستقلاً خالق سے جدا کا نہ رکھتی ہیں جو وحدت وجود اور اللہ تعالیٰ کی اس ہمہ جانی کے منافی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر جگہ موجود ہے۔

تختہ خود اس عقیدہ ہمہ جانی ہی کی کوئی دلیل نہیں جب وہ مطلق حسیز سے منزہ ہے تو متعدد ایمان سے اس کا تخریب تو امکان سے بعد ہے گو اس محاورہ میں توسع ہے کیونکہ مراد اس سے عدم تفسیر یا محیز ہے اور یہ محض تعبیر ہے اور وحدت وجود تعدد وجودات مضحکہ کا نافی نہیں۔

حالیہ: ایک چوتھی صورت خلق اشیا کی وہ ہو سکتی ہے جس طرح ہم خود انفس میں اپنے خیالات و تصورات کو پیدا کرتے ہیں خصوصاً خواب کی صورت میں تو ہمارا ذہن ہو ہو بیداری کی دنیا کو پیدا کر لیتا ہے یا خود ہی اپنے معلومات و خیالات کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ زیادہ قدرت والی ذات نہ صرف بیداری میں اسی طرح سارا عالم پیدا کر سکتی ہے بلکہ ہمارے خواب سے بڑھ کر یہ قادر ذات اپنی تصویری مخلوقات انسان و حیوان وغیرہ کو ایسا بنا سکتی ہے کہ وہ خود کو اپنی اپنی جگہ مستقلاً ذمی حس و ادراک مخلوق پائیں خلق اشیا کی یہ صورت نہ صرف عقلاً زیادہ قابل قبول معلوم ہوتی ہے بلکہ نفساً بھی بہت سے عقائد و نصوص کی تصحیح سہل و اقرب ہو جاتی ہے اس لئے کہ خالق و مخلوق کے اس تعلق کا خلاصہ یہ ہے کہ عالم خود اپنے معلومات یا سور علم کی صورتوں سے تجلی و ظہور فرماتا ہے۔ اس میں نہ خالق و مخلوق کا عین ہونا لازم آتا ہے اس لئے کہ معلوم عین عالم نہیں ہو سکتا نہ اس طرح فی ماننا پڑتا ہے کہ خالق کہیں ہوا و مخلوق کہیں۔ نہ اس میں

اشی سے شئی یا عدم سے وجود کا لزوم ہوتا ہے۔ جدید فلسفہ اور سائنس کے رجحانات کے بھی یہ صورت اقرب ہے۔

تختہ: ان اشکالات کا حل تو کچھ اسی صورت کے ساتھ مخصوص نہیں۔ دوسری صورتوں میں بھی یہ اشکالات حل ہو سکتے ہیں۔ رہا سہولت حل، سہولت قیاس الغائب علی الشاہد سے ناشی ہے۔ یہ قیاس ہی بلا دلیل ہے خصوصاً جبکہ کسی دلیل کے بھی خلاف ہو اور وہ دلیل یہ ہو سکتی ہے کہ تصور کے بعد ان صورتوں کا محل کیا ہوگا ذات یا خارج۔ اول شق میں ذات محل حوادث ہوگی جو مستلزم ہے حدوث کو۔ اور دوسری شق میں وہ صورت علیہ نہ ہونگی۔ دوسری صورتوں میں اور اس میں کیا فرق ہوگا۔

حالیہ: کن فی کوئی تخلیق بھی اس سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ نفس نے کسی شئی کا ارادہ کیا نہیں کہ وہ خلق ہوگئی۔ اقربت۔ احاطت۔ بعیت وغیرہ میں تاویل و توجیہ کرنا نہیں پڑتی۔ عالم سے بڑھ کر معلوم کے اقرب۔ اس کو محیط اور اس کے ساتھ کون ہو سکتا ہے۔ سب سے بڑھ کر اولیت و آخریت ظاہریت و باطنیت کا تعلق سمجھنا آسان ہو جاتا ہے کہ معلوم من حیث المعلوم اول و آخر ظاہر و باطن سب عالم ہی ہوتا ہے، پھر وہ ہو بل شیئی علیم کو اگر ہو لا اول و الاخر و الظاہر و الباطن کے دعویٰ کی دلیل کا اشارہ ترار دیا جاوے تو خلق اشیا کی یہ صورت منصوص ہو جاتی ہے کہ وہ ہر شے کا اول و آخر، ظاہر و باطن اس لئے ہے کہ وہ ہر شے کا علیم ہے یعنی شے کی ماہیت اس کا معلوم ہوتا ہے۔

تختہ: یہ سب تخمینات و خرافات ہیں جن کی حقیقت ابھی عرض کی گئی ہے، اس لئے لوٹ پھر کے اسی قلعہ میں پناہ لینا پڑتی ہے جس کا حاصل ہے عدم خوض اور تفویض اور استرار بالعجز۔ عن الادراک جو ان آیات میں منصوص ہے۔ قولہ تعالیٰ فلا تضر بواللہ الا مثل۔ قولہ تعالیٰ اشہد واخلقہم۔ قولہ

عليه السلام تفكر وافي كل شيء ولا تفكر وافي ذات الله تعالى
 ابو الشيخ في العظة عن ابن عباس (كذا في الجامع الصغير) واجمع
 العارفون على ان كل ما خطر ببالك فهو هالك والله اجل واعلى
 من ذلك. وقال العارف الرومي ۛ

نکتہ ہاچوں تیغ پولاد است تیز جوں ننداری تو سپر واپس گریز
 پیشس این الماس بے اسپر میا کز بریدن تیغ را نبود حیا
 پھر بعد تحریر بالابے ساختہ نہایت قوت وانشراح کے ساتھ اس مسئلہ کی روح ولب
 قلب پر وارد ہوئی جس کے بعد کسی کلام کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ وہ کلام ان الظن
 لا یغنی من الحق شیئاً کامصادم ہوگا وہ یہ کہ تعلق مجتہد عنہ ایک نسبت
 ہے جس کے متسبب ایک حق ایک خلق ہے اور ضروری عقلی قطعی ہے کہ نسبت کا
 ادراک بالکنہ موقوف ہے، متسبب کے ادراک بالکنہ پر اور خود خلق کا ادراک
 بالکنہ گو ممتنع بالکنہ نہیں مگر حسب تصریح حکمائے محققین شیخ بوعلی سینا وغیرہ
 غیر واقع ہے اور حق کا ادراک بالکنہ بانفاق و عقل و نقل ابدالاً آباد کے لئے ممتنع
 ہے پس نسبت کا ادراک بالکنہ بھی ممتنع ہوگا۔ پس اس کی طمع بھی عبث بلکہ
 مضر ہوگی۔ گو کلام کرنے والوں کے لئے کچھ تاویل کر لی جاوے گو اس تاویل کا درجہ
 اس سے زیادہ نہ ہوگا۔ ۛ

علی اننی راض بان احمل الهوی
 واخلص منه لا علی ولا لیا

فقط احقر انشرف علی عنی عنہ

(ترتیب السالک حصہ دوم ص ۷۷)

ملفوظات

تصوف کا حاصل کرنا فرض ہے، اس کا ثبوت

حضرت جے سوال کیا گیا، کیا تصوف حاصل کرنا فرض ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ ہاں ہر مسلمان کے لئے فرض ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اَتَقُوا لِلّٰهِ حَقَّ نَفْسَاتِهِمْ کہ اللہ سے حق ڈرنے کا ڈرو۔ اسی کا دوسرا اصطلاحی نام تصوف ہے۔ یہ صیغہ اُرکا ہے جس سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اس پر بعض نے شبہ کیا ہے کہ یہ تو منسوخ ہے چنانچہ روایات میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ تو صحابہؓ پر سخت گزری اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق ڈرنے کا کون ڈر سکتا ہے یہ تو طاقت سے باہر ہے اس پر آیت نازل ہوئی فَاَتَقُوا لِلّٰهِ مَا اسْتَطَعْتُمْ مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ آیت پہلی کے لئے ناسخ ہے۔ حضرت نے فرمایا میں کہتا ہوں کہ اس سے منسوخ ہونا حسب اصطلاح اہل اصول لازم نہیں آتا۔ کیونکہ سلف اصطلاح میں لفظ نسخ طلاق مطلق تغیر پر آتا ہے گو وہ بیان تفسیری ہو۔ چنانچہ یہاں بھی یہی ہے کہ ظاہر اَتَقُوا لِلّٰهِ حَقَّ نَفْسَاتِهِمْ سے فوراً استفاد ہوتا تھا اور یہی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر شاق ہوا اس کی تفسیر کے لئے دوسری آیت نازل ہوئی، یعنی حسب استطاعت اس کا اہتمام رکھو۔ فی الفور تحصیل درجہ کمال مامور بہ نہیں۔

(مقالات حکمت حصہ سوم صفحہ ۵)

علم دین ہی معالِمِ اخلاق ہے

حضرت حکیم الامت نے فرمایا میں دعویٰ کرتا ہوں کہ بدون علم دین کے فضائل اخلاق دیر چمکی بلند نظریٰ عالی رہائی تہذیب اعتدال افعال و انتظام احوال میسر ہونا ممکن نہیں، چنانچہ بے علم افراد میں ان اخلاق کا نام نہیں ہوتا لیکن مال کی بدولت خوشامدیوں کا اجتماع رہتا ہے اس لئے ان کے عیوب پر پردہ پڑا رہتا ہے سب سے بڑی اور آخری بات یہ ہے کہ مولوی سے مراد عالم باعمل ہے جس کا نام چاہے آپ درویش رکھ لیجئے جو ایسا نہیں ہمارے نزدیک وہ مولویوں میں داخل ہی نہیں، ہم صرف عربی جاننے والے کو مولوی نہیں کہتے، مصر و بیروت میں بہت سے عیسائی و یہودی عربی داں ہیں (حتیٰ کہ علوم اسلامیہ کے بڑے بڑے واقف ہیں، مصر و بیروت کے علاوہ خود یورپ میں ہیں) تو کیا ہم ان کو مقدّمے دین کہنے لگیں گے،

العیاذ باللہ۔ (الانادات یومیہ)

علم دین کے ساتھ اخلاق کی تعلیم

فرمایا کہ تعلیم اخلاق کو درس سے خارج کر دینے کی مضرتیں اس قدر کثیر ہیں کہ بیان نہیں ہو سکتا، خلاصہ یہ کہ علماء کی اس فن سے بے خبری کی بدولت جھوٹے متکار برہن گئے جو خلقت و دنیا کو ذبح کر رہے ہیں اس لئے چاہئے کہ اخلاق کی کتابوں کو درس میں داخل کریں (اور صرف درس اخلاق ہی کافی نہیں) بعد فراغ المتزائم طلباء، محققین اہل اللہ کی خدمت میں حسب گنجائش قیام کریں اور ان سے عملاً آداب و اخلاق سیکھیں اور ان کی صحبت سے برکت حاصل کریں اور چنانچہ ان کی خدمت میں آمد و رفت رکھیں جس سے نسبت باطنہ ایک گونہ راسخ ہو جائے تب خلق اللہ کے ارشاد کو اپنے ہاتھ میں لیں انشاء اللہ عموماً عوام اہل اسلام ان سے وابستہ ہو کر جھوٹوں کو چھوڑ دیں گے اور مضمون قلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ انْ اَبَاطِلٌ كَانَ زُهوقًا ط آنکھوں سے نظر آجائے گا۔ (الانادات یومیہ)

ایک حدیث جامع ایمان و اعمال

اللہ تعالیٰ کلام پاک میں ہر سورت میں بہت سے احکام بیان فرما کر اخیر میں ایسی بات بیان فرماتے ہیں کہ جو سب کی جامع ہوتی ہے اور جس پر عمل کرنے سے تمام احکام مذکورہ میں سہولت ہو جاتی ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا۔
ان شرائع الاسلام قد کثرت علی فقل لی قولاً احفظہ
واخذ بہ (او کما قال)

کہ یا رسول اللہ احکام اسلام میرے لئے بہت بہت زیادہ ہو گئے ہیں کوئی ایسی بات بتلا دیجئے جس کو یاد کر لوں اور اس کے موافق عمل کرتا رہوں۔ آپ نے فرمایا قل اہنت باللہ شہراستقم لیس کہو کہ اللہ پر ایمان لایا پھر استقامت کے ساتھ رہو حضور نے ساری شریعت ابتدا سے انتہا تک اس ایک جملہ میں بھر دی۔ اہنت باللہ میں جلالاً تام اعتقادات کو بیان فرمادیا اور شہراستقم میں اعمال کے اندر استقامت کی تعلیم دی جس میں روزہ نماز حج زکوٰۃ معاملات و معاشرت سب آگئے (الافادات یومیہ)

ایمان ظاہر و باطن

شریح میں سب سے زیادہ ضروری ایمان ہے اس میں اسی قدر سہولت ہے کہ عمر بھر میں ایک بار کلمہ شریف کا اعتقاد کر لیتا اور زبان سے کہہ لینا کافی ہے۔ تکرار، استحضار و اظہار کی نجات مطلقہ کے لئے ضرورت نہیں، صرف اتنا ضروری ہے کہ ایک مرتبہ دل سے ان کا اعتقاد و اظہار کر کے کسی وقت اس کی ضد کا اعتقاد و اظہار نہ ہو۔ باقی ہر وقت اس کا اعتقاد و اظہار مکمل ایمان تو ہے جس سے درجات میں ترقی ہوگی (مگر نجات مطلقہ کا موقوف علیہ نہیں۔ اگر کسی کو علم بھر میں ایک بار بھی زبان سے اس کے اظہار کی قدرت نہ ہو

تو دل میں تصدیق کر لینا ہی کافی ہے۔ ہاں اگر قدرت ہو تو عدم اظہار میں اختلاف ہے۔ کہ اس وقت محض تصدیق قلبی عند اللہ ایمان معتبر ہے یا نہیں۔ ذمہ منصور اور صحیح قول یہ ہے کہ عند اللہ ایمان بھی معتبر ہے مگر باوجود قدرت کے عدم اظہار معصیت ہے جس کا گناہ ہوگا اور عند الناس یہ شخص احکام ظاہرہ میں کافر ہوگا کیونکہ ہم کو بدون اظہار کے ایمان کا علم نہیں ہو سکتا اور علم ہو بھی جائے تو چونکہ اس نے باوجود قدرت کے ایمان ظاہر نہیں کیا اس لئے ہم اس کو احکام دین میں مومن نہیں کہہ سکتے نہ اس کے جوازے کی نماز پڑھیں گے نہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کریں گے مگر عند اللہ یہ شخص مومن ہے گو عاصی بھی ہے (جمال الجلیل)

حقیقتِ ایمان

ارشاد فرمایا کہ اول یہ مقدمہ سمجھ لو کہ ایمان ہر وقت فرض ہے اور مومن ہر وقت مومن ہے اس کی کوئی ساعت ایمان سے خالی نہیں مالاںکہ ایمان کی حقیقت تصدیق بالقلب ہے اب اگر دوام ایمان کے معنی یہ ہیں کہ اس تصدیق کا ہر وقت استحضار رہے تو ظاہر ہے کہ اس کا ہر وقت استحضار نہیں ہوتا معلوم ہو کہ دوام کے کوئی اور معنی بھی ہیں۔ پس سمجھو کہ دوام ایمان کے معنی یہ ہیں کہ ایک بار تصدیق کا استحضار کر کے پھر اس کی ضد کا استحضار نہ ہو۔ جب تک ضد کا استحضار نہ ہوگا۔ اس وقت تک اس استحضار کو باقی سمجھا جائے گا اور یہ شخص ہر ساعت میں مومن ہے۔ یہ تو شرعی مثال ہے جس سے دوام کے یہ معنی معلوم ہوتے اور محسوسات میں بھی اس کی چند مثالیں ہیں مثلاً مشی (چلنا) نعل اختیار ہے مگر کیا ہر قدم پر قصد جدید ہوتا ہے ہرگز نہیں۔ اگر ایسا ہو تو مشی (چلنا) دشوار ہو جائے لامحالہ ہی کہا جائے گا کہ ابتداء میں جو ایک بار قصد کیا ہے وہی اخیر تک مستمر جاری ہے۔ (حقیقت تصوف و تقویٰ ص ۸۵)

حقیقتِ عبدیت

نہ مایا حقیقت یہ ہے کہ عبدیت اسی میں زیادہ ہے کہ اپنی مشیت و اختیار کو تسلیم کر کے اس کو مشیتِ حق کے تابع سمجھے۔ اس میں عبدیت کچھ زیادہ نہیں کہ اپنی مشیت و اختیار کی بالکل نفی کر دے اور جبر کا قائل ہو جائے۔ کمال تو یہ ہے کہ اپنے اختیار کا مشاہدہ کر رہا ہے اور پھر اس کو ضعیف سمجھ رہا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بادشاہ کے سامنے رعیت کا ایک معمولی آدمی اپنے آپ کو بے اختیار سمجھے یہ زیادہ کمال نہیں۔ ہاں اگر کوئی نواب اپنے آپ کو کسی قدر با اختیار سمجھتے ہوئے بھی اپنے اختیار کو بادشاہ کے اختیار کے تابع بنا دے یہ کمال عبدیت ہے اسی سے اہل سنت کا مذہب عبدیت کے زیادہ قریب ہے کیونکہ ان کے عقیدے میں عبدیت اہل خیر سے زیادہ ہے۔ (کمالات الشرفیہ)

اِتِّبَاعِ رَسُولٍ

ارشاد فرمایا کہ کامل اور مکمل وہی ہے جو قدم بقدم ہو جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے خط سہر ہو مثل ظاہر پیغمبر کے، اور باطن ہو مثل باطن پیغمبر کے، یعنی ہر امر میں اور ہر حال میں پیغمبر ہی اس کے قبلہ و کعبہ ہوں اس کے ظاہر کا قبلہ حضور کا ظاہر ہو اور اس کے باطن کا قبلہ حضور کا باطن ہو۔ اس کو خوب سمجھ لیجئے دیکھئے تو سہی نمانا کی صحت کے لئے قبلہ رخ ہونا ضروری ہے۔ ہاں قبلہ سے تھوڑا فرق ہو تو خیر مضائقہ نہیں نماز صحیح ہو جائے گی چاہے رکعتیں بھی زیادہ نہ پڑھے اور چاہے قراءت میں بھی کچھ تغلیل ہو، مگر ہو قبلہ رخ، تب ہی نماز کی صحت متحقق ہوگی اور اگر مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی، تو چاہے رکعتوں کی تعداد بھی زیادہ ہو اور قراءت میں بھی تطویل ہو لیکن نماز صحیح نہ ہوگی (دعوتِ حقیقت تصوف و تقویٰ)

تعلق مع اللہ ہی دوائے غم و مصائب کے

ارشادِ توبہ و استغفار کرو اور ہر روز پانچ سو مرتبہ کم از کم لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ کا وظیفہ مقرر کرو۔ ایک ہفتہ میں سب مصیبت دور ہو جائے گی کیونکہ حدیث میں آیا ہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ كُنْزُ مَنْ كُنُوْرُ الْجَنَّةِ و طُودُ دَوَاءِ تَسْعِينَ دَاءً اِلَّا سَرَّهَا اللّٰهُ غَرْضِيْكَ حَقِّ تَعَالَى سے تعلق پیدا کرو اس کے سوا سب سے نظر قطع کرو۔ کیونکہ راحت و کلفت سب اس کے ہاتھ میں ہے اس کو ماضی کرواؤ اللہ وہ تمام مصائب کا انتظام فرمادیں گے امن یحییٰ المضر اذا دعاہ و یکشف السوء و یجعلکم خلفاء الارض ء اللّٰھ مع اللّٰھ قلیلا ما تذکرون (انفاس عیسیٰ)

غیرت و حیا

فرمایا۔ غیرت ایک ایسی چیز ہے جس سے آدمی سینکڑوں گناہوں سے خود بخود محفوظ رہتا ہے۔ غیرت قریب قریب سب گناہوں کے لئے محافظ ہے۔ بہت سے ایسے ایسے باریک گناہ ہیں جن کو عقل بھی نہیں سوچ سکتی۔ لیکن جس میں غیرت کا مادہ ہوتا ہے ان کی طبیعت میں خود بخود وہ کھٹک جاتے ہیں پھر سوچنے سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی یہ تو کھلا ہوا گناہ تھا عقل کہاں تک سوچ سکتی ہے جب ہی تو ایمان کے شعبوں میں سے افضل اور ادنیٰ کا ذکر کر کے حیا کا خاص طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا کہ الْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيْمَانِ۔ حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ حالانکہ ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ اور شعبے بھی تو غیر مذکور تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حیا اور غیرت بڑا بھاری شعبہ ہے ایمان کا۔ (انفاس عیسیٰ حصہ دوم)

سوالگفتگوات کی ہوس نہ چاہئے

فرمایا سالک کو کسی چیز کی ہوس نہ چاہئے کوئی ذوق و شوق کا تمنی ہے کوئی رقت قلب کی خواہش کرتا ہے کسی کو کشف و کرامت کی تمنا ہے۔ کوئی جنت کو مقصود سمجھ کر اس کا طالب ہے حالانکہ کسی چیز کی بھی طلب و ہوس نہ کرنا چاہئے کیونکہ عبدیت کے معنی ہیں مالک کے سامنے سر جھکا دینے کے اور جو حکم ہو اس پر بسر و چشم قبول کر کے عمل کر لینے کے۔ پھر عبد ہو کر کسی چیز کی ہوس کرنا کبھی یہ ملے وہ ملے۔ یہ ہوس حقیقت میں فرمائش ہے مالک پر اور یہ کیونکر جائز ہو گا اگر کوئی شبہ کرے کہ حدیث شریف میں آیا ہے،

اللّٰهُمَّ اِنِىْ اَسْئَلُكَ رِضَاكَ وَ الْجَنَّةَ ۔ یہاں پر جنت کا سوال کیا گیا ہے جواب یہ ہے کہ اس سوال کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سوال کرے کہ فلان صاحب سے کہاں ملاقات ہوگی کہا جائے کہ باغ میں۔ اس پر وہ شخص باغ میں جانے کا آند و مند ہے تو حقیقت میں وہ باغ مقصود بالذات نہ ہو گا بلکہ مقصود وہ صاحب ہیں مگر چونکہ وہ باغ میں ملیں گے، اس لئے اس کی تمنا ہوئی ہے کہ وہ اس مقام پر رہتے ہیں۔ اسی طرح حدیث شریف میں مقصود رضا ہے جس کو جنت پر مقدم فرمایا ہے مگر چونکہ اس کا حصول جنت میں ہو گا لہذا جنت کا سوال بھی کیا گیا حق سبحانہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَ رِضْوَانٍ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۔ یہاں پر رضا کو جنت سے اکبر فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بڑی چیز یہی ہے۔ پھر یہ نکتہ بیان کیا کہ اس اکبر کی تحصیل کے لئے ذریعہ بھی اکبر ہی ہونا چاہئے۔ سو فرماتے ہیں وَ لَذِكْرِ اللّٰهِ اَكْبَرُ معلوم ہوا کہ وہ ذریعہ ذکر اللہ ہے تمام اعمال پر عمل کرنے سے ذکر اللہ ہی مقصود ہے۔

(اشرف المسائل)

جاہ عند الخلق و جاہ عند الحق

فرمایا حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز فرماتے تھے کہ جیسے جاہ عند الخلق

مذموم بے محققین کے نزدیک جاہ عند الحق بھی اسی درجہ میں ہے۔ حاصل ان کا یہ ہے کہ جیسے نیک کام اس لئے کرنا کہ میں خلق کے نزدیک بزرگ اور بڑا بن جاؤں، یہ بُرا ہے اسی طرح طاعت اس لئے اختیار کرنا کہ میں خالق کی نظر میں صاحب جاہ بنوں، یہ بھی اہل بصیرت کے نزدیک امر منکر ہے، بُرا ہے۔ اس لئے کہ کبر یا قی تو خاصہ خاص باری تعالیٰ کا ہے۔ حق تعالیٰ کے ہوتے ہوئے جاہ کے کسی مرتبے کی بھی ہوس زینب نہیں۔
(ترجمہ المفہدہ علی المصلحتہ متاثرات المسائل)

تلقین کی صلاحیت کا اندازہ

فرمایا کہ اگر کسی مرید کو شیخ نے اجازت تلقین کی نہ دی ہو، اور وہ اپنے اندر تلقین کی قوت پائے تو اس کو جاتر ہے کہ وہ بغیر اجازت بھی دوسرے کو تعلیم دے۔ پس تعلیم اور بیعت لینے میں اجازت تو شرط نہیں لیکن کسی کا مرید ہونا شرط ہے کسی نے پوچھا کہ وہ قوت کیوں کر دریافت ہو سکتی ہے۔ فرمایا کہ خود بخود معلوم ہو جاتی ہے جیسے جو شخص بالغ ہوتا ہے اس کو کسی کی شہادت دینے کی ضرورت نہیں رہتی، تو اگر کسی کو معلوم نہ ہو تو سمجھنا چاہئے کہ ابھی وہ قوت نہیں پیدا ہوئی۔ ہاں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مرید میں یہ قوت نشوونما پارہی ہے لیکن ابھی بالکل ظاہر نہیں ہوئی۔ اس درجہ سے مرید کو اس پر اطلاع نہیں ہوتی اور شیخ کو ادراک ہو گیا اور اس لئے اجازت دیدی۔ ایک وقت وہ بھی ہو گا کہ قوت بالکل ظاہر ہو جائے گی اور اس کو بھی ادراک ہونے لگے گا۔
(مقالات حکمت حصہ چہارم)

کیفیت باطنی مقصود نہیں دوام عمل مقصود ہے

فرمایا۔ جو لوگ اہل حق ہیں وہ فرائض تو ترک نہیں کرتے مگر حصول کیفیات کے بعد ذکر و نوافل و تلاوت قرآن وغیرہ کو چھوڑ بیٹھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ میں مقصود تو حاصل ہی ہے۔ پھر اتنی مشقت کی کیا ضرورت ہے کہ چھ ہزار دفعہ ذکر اسم ذات کریں یا تہجد کے لئے اٹھیں۔ اب تو ملکہ یادداشت حاصل ہو گیا ہے۔ اب تو ہمارا سونا بھی ذکر ہے۔ سو جب تک یہ کیفیت ہے اس وقت تک عمل ہی نہیں کرتے اور جب کیفیت نہ رہی اب پھر ذکر و شغل اور تہجد وغیرہ شروع کر دیتے ہیں۔ غرض ان لوگوں کے دل میں عجیب عجیب موجیں اٹھتی ہیں۔ کوئی تو کیفیت کے نہ ہونے سے عمل میں کمی کرتا ہے، اور کوئی اس کے ہونے سے عمل میں کوتاہی کرتا ہے اور نہ ہو تو پھر کوشش کرتا ہے۔ یہ شخص بھی کیفیت ہی کو مقصود سمجھتا ہے، چونکہ وہ عمل ہی سے پیدا ہوتی تھی اس لئے سلب کیفیت یا قلت کیفیت کے وقت عمل کا اہتمام کرتا ہے یہ بھی غلطی پر ہے بس راستہ پر وہ شخص ہے جو عمل ہی کو مقصود سمجھتا ہے اور کیفیت ہو یا نہ ہو ہر حال میں عمل پر دوام رکھتا ہے۔

(وعظ تعلق المنام۔ اشرف المسائل)

سَالک و غیر سَالک کی حالت میں فرق

دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو عوام جنہوں نے اس طریق میں قدم ہی نہیں رکھا۔ اور طلب کی شان ہی ان میں پیدا نہیں ہوئی۔ ان کی تو یہ حالت ہے کہ جس وقت ان کا قلب پاک و صاف ہوا اللہ کا نام لے لیا ان کو تو اس کی کچھ پرواہ ہی نہیں اس لئے استحضارِ بصیرت ان کو طاعت سے مانع نہیں ہوتا۔ اور ایک وہ لوگ ہیں جو اس راہ کو قطع کر رہے ہیں اور کچھ ذوق ان کو حاصل ہو گیا ہے۔ ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ جو

ان کے قلب کی تسلی مع اللہ کی وجہ سے کیفیت ہے اس میں کسی غفلت و معصیت کی وجہ سے اگر ذرا بھی فرق آجائے تو ان کو بیدار ہوتا ہے اور خود ذکر و طاعت سے بھی ہمت پست ہو جاتی ہے اور آئندہ کو ذکر و طاعت کی جرأت نہیں ہوتی، نہ اس وجہ سے کہ اپنے مولیٰ تعالیٰ شانہ سے ان کو غفلت ہوتی ہے بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ اب ہم کس منہ سے نام لیں سو یہ حالت بظاہر اچھی نہیں اس لئے کہ مانع ذکر ہے، لیکن یہ بھی بعض حالات میں حمت ہے اس لئے کہ اس کا اثر بعض دفعہ یہ ہوگا کہ پھر ان سے وہ معصیت کبھی نہ ہوگی سو اس حالت کا اظہار یا تو رحمت ہے لیکن اتنی بات قابل تمبیہ ہے کہ اس حالت کے مقتضاء یعنی ترک ذکر پر عمل ہرگز نہ کرے۔ بلکہ ایسی حالت والے کو یہ ضروری ہے کہ ذکر سے ایک دم کو غافل نہ ہو اور ہمت نہ ہارے، اگر چہ سینکڑوں گناہ ہوتے رہیں، مگر ذکر نہ چھوڑے کیونکہ جو ظلمت مانع ہوتی تھی ذکر سے وہ زائل اس ذکر ہی سے ہوگی اور کوئی اس کا مزہل نہیں ہے کماں کو زائل کر کے پھر ذکر میں لگے۔ اگر ذکر میں لگے رہو گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ ایک روز اس بلا سے بھی خلاصی ہو جائیگی (شرف المکالمہ) ^{۱۵۴}

وصول کا آسان طریقہ

فرمایا کہ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا میں جاہدوا سے مراد غور و فکر۔ دعا و التجا۔ سعی و کوشش حق تعالیٰ کے سامنے الحاح و زاری۔ تواضع و خاکساری یہ چیزیں پیدا کرو۔ رونا چلانا شروع کرو۔ نخوت و تکبر کو دماغ سے نکال کر پھینک دو۔ اس کے بعد وصول میں دیر نہیں ہوتی۔ بجز اس حالت کے پیدا کئے ہوئے

کامیابی مشکل ہے۔
 ہم و خاطر نیز کر دن نیست ۱۵۴
 جز شکستہ می نگیرد و فضل شاہ

محققین کی نظر میں ہر چیز آئینہ جمال الہی بن جاتی ہے

فرمایا محققین اور مشہدین کی پریشان ہوتی ہے کہ ان کے لئے ہر چیز آئینہ جمال خداوندی بن جاتی ہے جہاں زیادہ غصہ کا موقع ہوتا ہے زیادہ غصہ کرتا ہے جہاں رنج کا موقع ہوتا ہے زیادہ رنج کرتا ہے غرض وہ جہاں جیسا محل ہوتا ہے ویسا بن جاتا ہے۔ یہی مطلب ہے اس مضمون کا جو حدیث میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، (ترجمہ) میں ہی اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ نعوذ باللہ حق تعالیٰ اس کے آلہ بن جاتے ہیں۔ بلکہ جیسے آلہ وزی آلہ میں اختلاف نہیں ہوتا اسی طرح وہ بالکل امر حق کے تابع بن جاتا ہے اور اس کا کوئی قول و فعل امر حق کے مخالف نہیں ہوتا۔ (کمالات اشرفیہ ملفوظہ ۳۵)

انعاماتِ الہیہ کا صحیح استعمال

فرمایا کہ خدا اگر کسی کو بے فکری سے کھانے کو دے تو یہ نعمت ہے لیکن اس میں ایک نصرت بھی ہے کہ کبر۔ ناز و عجب۔ غرور اور غفلت۔ غریبوں کی تحقیر۔ کمزوروں پر ظلم اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس کا علاج اور تدارک یہ ہے کہ تدبیر و تفکر سے کام لے اور سوچے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اپنا فضل فرمایا ہے ورنہ میں بالکل نااہل تھا۔ مجھ میں کوئی کمال بھی نہیں تھا بلکہ اپنے گناہوں پر نظر کر کے سوچے کہ میں تو سزا کا مستحق تھا اور اگر بالفرض مجھ میں کوئی کمال بھی تھا تو مجھ سے بہت زیادہ کمال رکھنے والے پریشان حال بھرتے ہیں پھر اس کا فضل ہی تو ہے جو اس نے مجھے ان نعمتوں سے سرفراز فرمایا اب میں ناز کس بات پر کروں۔

اگر روزی بدانش بر فزودے ز ناداں تنگ تر روزی نہ بودے

یعنی رزق کا مدار عقل پر نہیں بلیاقت سے رزق کا ملنا فاروق کا عقیدہ ہے۔ (کمالات اشرفیہ۔ ملفوظ نمبر ۱۱۵۲)

دنیوی ثروت کے ساتھ بھی زہد جمع ہو سکتا ہے

فرمایا کہ مال جمع کرنے کے ساتھ بھی زہد و توکل ہو سکتا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ مال کے ساتھ دل نہ لگائے اور ضرورت سے زیادہ درپے نہ ہو، پس یہ زہد ہے، اور اگر بغیر طلب و انہماک کے ضرورت سے زیادہ سامان حق تعالیٰ عطا فرمادیں تو یہ بھی زہد کے خلاف نہیں اور توکل یہ ہے کہ اسباب کو موثر نہ سمجھے نہ ان پر اعتماد کرے بلکہ حق تعالیٰ پر نظر رکھے اور ہر چیز کو ان ہی کی عطا سمجھے، اس کے لئے ترک اسباب اور ترک ملازمت ضروری نہیں۔ (کمالات اشرفیہ)

طلب جاہ حاکمیت

فرمایا کہ محققین نے کہا ہے کہ اس شخص سے زیادہ کوئی احمق نہیں جو طالب جاہ ہو، کیونکہ یہ کمال محض وہی انتزاعی ہے اور انتزاعی بھی ایسا جو اس شخص کے ساتھ خود قائم نہیں بلکہ دوسروں کے خیال کے ساتھ قائم ہے، چونکہ جاہ نام ہے دوسروں کی نظر میں معزز ہونے کا جس کا مدار محض دوسرے کے خیال پر ہے، وہ جب چاہے اپنا خیال بدل دے تو ساری جاہ خاک میں مل جاتی ہے، مگر طالب جاہ خوش ہے کہ لوگ مجھے اچھا کہتے ہیں۔ پس ایک نقص تو جاہ میں یہ ہے کہ دوسرا سر دوسرے کے تابع ہے یعنی وہ ایسا کمال نہیں جو اپنے قبضہ کا ہو، دوسرا نقص یہ ہے کہ اس سے جو نفع حاصل ہوتا ہے وہ محض وہی ہے یعنی بڑائی اور عزت، کیونکہ بڑائی اور عزت سے نہ گھر میں روپیہ آتا ہے نہ جائداد بڑھتی ہے محض دل خوش کر لو۔ (کمالات اشرفیہ ملفوظ نمبر ۴۹۲)

علم کے بہ نسبت عمل زیادہ قابل اہتمام ہے

زیادہ کہ صوفیاء علم کے اہتمام سے زیادہ عمل کا اہتمام کرتے ہیں چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں امت میں تمہارے متعلق ان چیزوں سے زیادہ اندیشہ نہیں کرتا جن کا تم کو علم نہیں کیونکہ علم کی کمی میں کوتاہی ہو جاتی ہے وہ بے باکی کی دلیل نہیں اس لئے مجرم قین ہے لیکن یہ دیکھو کہ جن چیزوں کا تم کو علم ہے ان میں تم کیسا عمل کرتے ہو اس حدیث کی نعرہ میں حضرت قشیریؒ نے تشریح کی ہے کہ جتنی نظر عالم کی دقیق و جدید ہوگی مواخذہ بھی اتنا ہی شدید ہوگا۔ لہذا کسی عالم کو نعرہ ناز مناسب نہیں بلکہ خشیت و ہمت سے اس کی تعدیل مناسب ہے اس وقت وہ البتہ فرج نیاز کا مستحق ہے۔

(کلمات اشرفیہ ملفوظ ۲۳۸)

مصائب مجاہدہ غیر اختیاری ہیں

فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ خیر چاہتے ہیں اور مجاہدہ اختیار یہ سے اس کو قاصر اور عاجز دیکھتے ہیں تو ایسے اسباب غیب سے پیدا فرمادیتے ہیں جس سے اس کے اراض نفسانیہ، حب جاہ وغیرہ کا علاج ہو جاتا ہے۔ مثلاً اس پر کوئی مرض مسلط ہو جاتا ہے، یا کوئی دشمن مسلط ہو جاتا ہے جو اس کو ایذا میں خصوصاً بدن نامی کی ایذا پہنچاتا ہے جس کی روایاں کو اگر کوئی غلط سمجھتا ہے تو دوسرا صحیح سمجھتا ہے اور اس طرح سے وہ سوا ہو جاتا ہے جو اول اول نفس کو بیدار ناگوار ہوتا ہے مگر جب وہ صبر و بردباری اختیار کرتا ہے تو پھر تو اس میں ایسی قوت نکل پیدا ہو جاتی ہے کہ نہایت ہمت کے ساتھ یہ کہنے لگتا ہے

ساقیا بر خیز و در دہ حجام را خاک بر سر کن غم ایام را
گرچہ بدن نامی است نزد عاقلان نامی خواہم ننگ و نام را

پھر اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا کے موافق اللہ تعالیٰ اس کو قبول عام و عزت نصیب فرماتے ہیں جس میں اس کو ناز نہیں ہوتا جس قدر رفعت بڑھتی جاتی ہے نیاز میں ترقی ہوتی جاتی ہے، بس جاہِ عظیم میسر ہوتی ہے اور جاہِ پسندی فنا ہو جاتی ہے۔

عُسْرُ کُوْسِرٍ میں خاص دخل ہے کیونکہ عُسْر سے نفس پامال ہوتا ہے اور عارف کو اس وقت اپنا عجز و فنا کا شاہدہ ہوتا ہے۔ نیز صبر جمیل اور رضا بالقضا حاصل ہوتا ہے۔ یہ سب یسر و فرح کا سبب بن جاتے ہیں اس کے ساتھ جب وہ حدیثِ ملالیٰ جلاوے کہ انبیاء پر تکالیف و شدائد اس لئے زیادہ آتے ہیں تاکہ ان کے درجات بلند ہوں پھر تو عُسْر کے سبب یسر میں کوئی بھی اشکال نہ رہے گا۔ اس کے ساتھ اتنا اور سمجھ لیجئے کہ عُسْر یسرِ باطنی کا سبب نہ ہوتا ہی ہے کیونکہ درجات بڑھتے ہیں مگر اکثر یسر ظاہری کا سبب بھی بن جاتا ہے۔

(کلماتِ اشرفیہ)

مصائبِ کاراز

فرمایا کہ جس طرح والدین بچے کے ذہل کا آپریشن کراتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ قلوب کا آپریشن کرتے ہیں جبکہ دلوں میں غفلت بڑھ جاتی ہے اور گناہوں کی ظلمت سے دل پر پردے پڑ جاتے ہیں تو مصیبت اور بلا کے نشتروں سے دلوں کا خراب مادہ نکالا جاتا ہے اور ان کی اصلاح کی جاتی ہے۔ پس یہاں کہیں بالفعل تکلیف ہے اور وہاں بھی۔ مگر انجام دونوں کا راحت ہے۔ فرق اتنا ہے کہ وہاں راحت قریب ہے، کہ پندرہ بیس دن ہی میں ذہل میں نشتر دینے کے بعد صحت ہو جاتی ہے اور یہاں بعید ہے کہ قیامت میں اس کا ظہور ہوگا جبکہ مصائب کا ثواب ملے گا (کلماتِ اشرفیہ۔

ملفوظ نمبر ۱۱۵۶)

معصیت بڑی ہلک چیلز

تحقیق: معصیت کجنت نہایت ہی بڑی اور ہلک چیز ہے اس سے اعتقاد کی سخت ضرورت ہے وہ ذلت اور وہ گھڑمی بندے کے لئے نہایت ہی مبغوض اور منجوس ہے جس میں یہ اپنے خدا کا نافرمان ہوتا ہے اگر حس ہو تو فوراً معصیت کرنے کے بعد قلب پر ظلمت محسوس ہوتی ہے بعض نافرمانیوں کا یہ بھی اثر ہوتا ہے کہ آئندہ کے لئے عمل کی توفیق سلب کر لی جاتی ہے۔ بڑے خوف کی بات ہے، اور معصیت میں ایک اور خاصیت بھی ہے کہ اس کے حکوم اس کی نافرمانی کرنے لگتے ہیں۔ ایک بزرگ گھوڑے پر سوار ہونے وہ شوخی کرنے لگا فرمایا آج ہم سے کوئی گناہ ہوا ہے، جس کی وجہ سے یہ ہماری نافرمانی کرتا ہے۔

کہ گردن نہ پیچید حکم تو بیچ
نرسد از دے جن و انس و بہر کہ دید

تو ہم گردن از حکم داود بیچ
ہر کہ رسید از حق و تقوی گزید

اور ایک خاصیت معصیت کی سب سے اشد ہے وہ یہ کہ کبھی بے فکری اور بے خیالی سے صغیر گناہ سے کبیرہ گناہ صادر ہو جاتا ہے اور وہ سبب کفر کا بن جاتا ہے اس لئے انسان کبھی گناہ کر کے بے فکر نہ ہو تو بہ استغفار کرتا رہے مگر یہ بھی نہیں کہ اسی کو مشغلہ بنانے اور اسی عاقبہ میں رہا کرے بلکہ ایک بار خوب اچھی طرح باقاعدہ توبہ کرے اور اپنے کام میں مشغول رہے۔ اس کے بعد پھر جب کبھی خیال آجائے تو اللہم اغفر لی اللہم اغفر لی کہہ کے مطمئن ہو جائے۔ (انفاس عیسیٰ حصہ دوم ص۔)

اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہی دافع پریشانی ہے

تحقیق: اگر انسان وحی کو عقل پر ترجیح دے تو سمجھ میں آجائے کہ پریشانی کا

سبب ہمیشہ معصیت ہی ہوتی ہے جس کی حقیقت خدا کی نافرمانی ہے اگر خدا کو راضی کرنے کی سعی کی جاوے تو اس بدتری اور پریشانی سے نجات ہو سکتی ہے ورنہ کوئی اور چیز اس سے نجات نہیں دلا سکتی اس لئے خدا کو راضی کرنے کی فکر ہونا چاہئے۔ (انفاس عیسیٰ حصہ دوم)

ناکامیوں پر عدم سکون کا علاج

فرمایا۔ تدبیر تو ازالہ مذموم کے لئے ہوتی ہے نہ کہ ازالہ محمود کے لئے۔ اگر نصوص میں اور اقوال اہل خصوص میں غور کیا جاوے تو معلوم ہو جاوے کہ دنیا کی ناکامی خود شعار ہے مقبولین کا اور تو اتر کامیابی خصوصاً معاصی کے ساتھ شعار ہے۔ مخذولین کا سورہ بقرہ کی آیت

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا أَنْ تَقُولُوا هَلْ نَحْنُ مُنْجَرُونَ ۚ سُبْحٰنَ رَبِّنَا إِنَّ الْمَلَٰئِكَةَ أَنَّ صَوٰرِنَا ۚ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مَوْدِعًا ۚ إِنَّهُ يُضِلِّ مَن يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ ذٰكِرٌ

من فوقکم ومن اسفل منکم کامیابی دنیوی سے مقبولیت پر استدلال کفار کا طریقہ ہونا سورہ فجر میں منصوص ہے فاما الانسان اذا

ما ابتلاه ربہ اغم

مولا نارومی کا ارشاد ہے

زبان بلا ہا کانسبیا برداشتند
مہر چرخ ہفتسہاں از اشتند

گرو اوت را مذاق شد است
بے مرادی نے مراد دلبر است

باقی دعا بہر حال میں کرنا سنت اور وظیفہ عبادت ہے دعا کی برکت سے فہم رہنا و تحمل نصیب

ہو جاتے ہیں۔ (انفاس عیسیٰ حصہ دوم)

عشق کی حقیقت تفویض ہے

فرمایا کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے۔ وہ جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں بشرطیاً بھی اور تکویناً بھی اور ہر حال میں راضی رہے۔ یہ حقیقت ہے تفویض کی

جس کی ابتدا شیخ کے ہاتھ میں اپنے کو سپرد کر دینے سے ہوتی ہے۔ اس پر شاید کسی کو شبہ ہو کہ تفویض جب خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہے، تو شیخ کے ہاتھ میں تفویض کرنا غیر اللہ کو اللہ لاحق دینا ہے، جو اب یہ ہے کہ چونکہ یہ تفویض اس تفویض مطلوب کا مقدمہ ہے اس لئے تفویض الی شیخ تفویض الی غیر الحق نہیں ہے۔ (اشرف المسائل)

ناز میں حضور قلب کی ترکیب

فہرما یا کہ مطلوب سالک دو قسم کے ہیں بعض خمیر اختیاری ہیں اور بعض قضیاتی اور غیر اختیاری کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو شرعاً بھی مطلوب ہیں اور ایک وہ جو شرعاً مطلوب نہیں۔ یہ کل تین قسمیں ہوتیں پس ان میں سے امور اختیاریہ کا تو یہ حکم ہے کہ ان کو عمل کے حاصل کرو، اور غیر اختیاری اور جو شرعاً غیر مطلوب ہیں ان کا حکم یہ ہے کہ ان کی طلب سے نکال دو، ان کے درپے نہ ہو اور جو غیر اختیاری شرعاً مطلوب ہیں ان کے لئے دعا کرو۔ مثلاً احضار قلب ناز میں مامور ہے اور یہ اختیاری ہے، اس کو تو عمل سے حاصل کرو۔ یاد رکھئے میں نے احضار قلب کہا ہے اس سے حضور قلب نہ سمجھئے گا۔ وہ اختیاری نہیں اور نہ اس کا مکلف کیا گیا ہے بلکہ حکم اس کا ہے کہ تم اپنی طرف سے قلب کو حاضر کھنے کی کوشش کرو۔ اس احضار قلب کی حقیقت ان لوگوں سے پوچھو جو عمل کرتے ہیں۔ ان سے نہ پوچھو جو ہر کام کو بدون عمل ہی کے دشوار کہہ دیتے ہیں۔ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار اس کی حقیقت یہ فرمائی کہ ناز فعل مرکب ہے، جس کے مختلف اجزاء ہیں۔ قیام و قعود اور رکوع و سجود اور قراءت و اذکار وغیرہ پس احضار قلب یہ ہے کہ اس کے اعمال و اقوال کو حفظ سے ادا نہ کرو بلکہ ارادہ اور توجہ سے ادا کرو، کہ اب زبان سے یہ نکال رہا ہوں، اب یہ لفظ کہہ رہا ہوں اور اب رکوع میں جاتا ہوں، اب سجدہ کر رہا ہوں۔ ہر فعل اور ہر لفظ پر جدیداً ارادہ

کہ اس طرح احضار قلب حاصل ہو جائے گا۔ مولانا کے اس ارشاد کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے من صلوٰۃ رکعتین مقبلاً علیہما بقلبہ اس میں تغیر علیہما کا مرجع رکعتیں یعنی صلوٰۃ ہے، حاصل یہ ہوا کہ اپنے دل سے نماز پر متوجہ رہے اور وہ مرکب ہے تو اس پر توجہ و اقبال وہی ہے جو مولانا نے بیان فرمایا یہ تو امر اختیاری ہے اس کو توہمت و غل سے حاصل کرنا چاہئے، اور ایک ہے حضور قلب یہ اختیاری نہیں یعنی اس کا وہ درجہ اختیاری نہیں جس کی سالکین کو طمع ہے۔ ورنہ جو درجہ حضور کا مطامع احضار ہے وہ تو اختیاری ہے اس حضور زائد کے لئے صرف دعا کرنا چاہتے مجاہدہ وغیرہ اس کی تدبیر نہیں ہے جیسا کہ حدیث میں ان کے لئے صرف دعائے ہے اللہم انی استلک شوقاً الی لقائک۔ سو مجاہدہ وغیرہ حصول شوق کی غرض سے نہ کرو۔ نہ شیخ سے اس کے حصول کی تدبیر پوچھو۔ نہ اس سے یہ شکایت کرو کہ ہمارے اندر شوق پیدا نہیں ہوا بلکہ اس کے لئے محض دعا کرو۔

(اشرف المسائل)

کاملین پر بھی غلبہ حال ہوتا ہے

فرمایا۔ صاحب مقام ہوجانے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ سالک تغیرات احوال سے بالکل ہی خالی ہوجاتا ہے کیونکہ تغیرات عارضی تو بر بنائے مصالح لوازم سلوک سے ہیں جو رسوخ کامل اور تکمیل تام کے حصول کے بعد بھی سالکین کے احوال میں گاہ گاہ واقع ہوتے رہتے ہیں لیکن ان میں اشتداد و امتداد و اعتدال نہیں ہوتا۔ جیسے صحت کاملہ کے حاصل اور اعتدال مزاج قائم ہوجانے کے بعد بھی موسم کے بدلنے یا دیگر اسباب خارجی سے ایجانا کبھی نہ کام بھی ہوجاتا ہے کبھی طبیعت کسل مند ہوجاتی ہے کبھی بخار ہوجاتا ہے۔ مگر اس قسم کی عارضی شکایات صحت طبیعت کے منافی نہیں ہوتیں۔ غرض اعتبار غالب حالت کا ہے۔ اگر سالک میں آثار مقام غالب ہیں

فردہ صاحب مقام ہے گویا تا اس میں آثار حال کا بھی ظہور ہو اور اگر آثار حال غالب ہیں
فردہ صاحب حال ہے گویا تا اس میں آثار مقام بھی پائے جائیں بغرض کالمیں پر بھی کبھی غلبہ
مالی ہو جاتا ہے لیکن وہ منافی کمال نہیں ہوتا بلکہ حضرات انبیاء علیہم السلام پر بھی کبھی ان
حضرات کی شان کے موافق غلبہ حال طاری ہوا ہے لیکن صاحب مقام پر جو غلبہ حال ہوتا ہے
اس میں وہ حدود سے خارج نہیں ہوتا۔ بخلاف صاحب حال کے کہ وہ کبھی حدود سے خارج
ہو جاتا ہے مگر اس کو گناہ نہیں ہوتا کیونکہ بوجہ مغلوبیت وہ اس وقت مرفوع القلم ہوتا ہے
(الفاس عیسیٰ حصہ دوم)

انسان اسی قدر عمل کا مکلف ہے جس قدر اس کے امکان میں ہے

فرمایا۔ کہ حدیث میں ہے کہ "تو مومن کو اس حال میں پائے گا کہ جو عمل اس کی طاقت
میں ہو اس میں کوشش کرتا ہے اور جو اپنی طاقت میں نہ ہو اس پر فکریں کرتا ہے" اس سے
رد امر ثابت ہوئے ایک تو یہ کہ امور اختیار یہ میں طاقت اور ہمت اور کوشش سے کام لینا
چاہئے۔ دوسرے یہ کہ امور غیر اختیار یہ میں اپنے کو تعب میں نہ ڈالنا چاہئے اس کے فوت
ہونے پر حزن کافی ہے، مگر اس حزن کے درجات ہیں۔ ایک حزن معتدل جو اس عمل کے
محبوب ہونے سے اور اپنے عاجز ہو جانے سے پیدا ہوتا ہے یہ تو محمود ہے کہ عمل حسن کی
حمت لوازم ایمان ہے اور اپنے عجز کا مشاہدہ عبدیت کا شعبہ ہے۔ دوسرا درجہ حزن
مفرط ہے جس سے قلب میں پریشانی پیدا ہو کر مایوس کا غلبہ اور ہمت میں ضعف ہو جائے
بزدل ہونے کے کج عمل میں جو کہ مقصود تھا۔ (کلمات اشرفیہ ملفوظہ ص ۸۴)

لغوی باتوں کا تدارک

سہرا یا کہ جب زبان کو ذرا بھی وسعت دی جاتی ہے تو گناہ میں ضرور مبتلا ہوتی

ہے۔ اس کی ایک تدبیر جو تدبیر ہونے کے ساتھ تدارک بھی ہے وہ یہ ہے کہ جب دو چار آدمی جمع ہو کر باتیں کریں تو باتیں ختم کرنے سے پہلے کچھ ذکر اللہ اور ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی کر لیا کرو۔ اس کی ضرورت حدیث سے بھی ثابت ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ جس مجلس میں لوگ باتیں کرتے ہیں اور اس مجلس میں حق تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہیں بھیجتے وہ مجلس ان کے لئے قیامت کے دن حسرت کا باعث ہوگی یہ اور بھی کچھ نہ ہو تو ختم کرتے وقت یہ کہہ لیا کریں **سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ** دیکھتے ہیں۔ ذکر اللہ اور ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کو علمائے لکھا بھی ہے کہ یہ کفارہ مجلس ہے۔ (کمالات اشرفیہ ملفوظ نمبر ۱۲۶۱)

اپنے گناہوں پر توبہ کو بیکار سمجھنا حماقت ہے

فرمایا کہ بندہ اگر اس وجہ سے توبہ نہ کرے کہ میرے گناہ اس قدر ہیں یا اس درجہ کے ہیں کہ توبہ سے کچھ نائدہ نہ ہوگا۔ یہ بھی حماقت اور شیطان کا جال ہے کیونکہ گویہ صورتِ بشریت سنگی ہے لیکن حقیقت میں یہ کبر ہے کہ اپنے گناہوں کو اتنا بڑا سمجھتا ہے کہ گویا اس نے حق تعالیٰ کا کچھ ایسا نقصان کر دیا ہے کہ اب اس کو وہ معاف نہیں کر سکتے۔ یاد رکھو یہ بڑا ڈر بالکل مسادات کا سا ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ اور اس کی صفات کاملہ کے سامنے تمہاری اور تمہارے افعال کی ہستی ہی کیا ہے۔ سارا عالم بھی نامنہرمان ہو جاوے تو ان کا ذرہ برابر بھی کچھ نقصان نہیں ہو سکتا۔ نہ ان کو عفو و کرم سے مانع ہو سکتا ہے۔ مشہور ہے کہ ایک چمچ بیل کے سینک پر جا بیٹھا جب وہاں سے اڑنے لگا تو بیل سے معذرت چاہی کہ معاف کیجئے گا کہ آپ کو میرے بیٹھنے سے بہت تکلیف ہوتی ہوگی بیل نے کہا ارے بھائی مجھ کو تو خبر بھی نہیں ہوتی تو کب بیٹھا کب اڑا۔ (کمالات اشرفیہ ملفوظ ۲۳۵)

نفس و شیطان کے خطرات میں منسوق

فرمایا کہ نفس و شیطان کے گناہ کرنے میں اکثر فرق یہ ہے کہ اگر بار بار ایک ہی گناہ کا تہا تہا ہوتا تو یہ نفس کی جانب سے ہے اور اگر ایک دفعہ ایک گناہ کا تہا تہا ہو پھر اس کو رک جانے کے بعد دوسرے کا تو یہ شیطان کی جانب سے ہے۔ کیونکہ شیطان کو تو مقصود ہر گناہ کرنا ہے چاہے کوئی بھی گناہ ہو۔ اور خود شیطان کو اس میں کوئی خط نہیں کہ کسی عین گناہ پر اصرار ہو۔ بخلاف نفس کے اس کو اس میں حظ ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں فرمایا کہ نفس ہیج ہے۔ شیطان صرف مشورہ دیتا ہے جیسا کہ دَعْوَتِ کُرُوع سے پتہ چلتا ہے، اور اس میں بھی اصل داعی نفس ہے، کیونکہ شیطان کو بھی اس نفس نے گمراہ کیا اور فرمایا علاج کلی یہ ہے کہ معاصی کا نفس میں جو تہا تہا ہوتا ہے اس تہا تہا پر عمل نہ کرے۔ اصل علاج تو یہ ہے باقی ذکر اس میں معین ہوتا ہے کیونکہ ذکر سے اللہ تعالیٰ کا قرب ہوتا ہے، توحی تعالیٰ دست گیری فرماتے ہیں۔ اس دست گیری سے سہولت ہو جاتی ہے۔ یہ صورت ہوتی ہے اعانت کی لیکن خالی ذکر سے کچھ نہیں ہوتا۔ پھر اصل علاج میں شیخ کی ضرورت ہوتی ہے پھر شیخ کے معاملہ میں طالب کے ذمہ دو چیزیں ضروری ہیں، ایک اتباع دوسری اہتلاع۔

(کلمات اشرفیہ)

دروو ایسی طاعت ہے جو کبھی رُذ نہیں ہوتی

ارشاد۔ درود شریف ایسی طاعت ہے جو کبھی رُذ نہیں ہوتی کیونکہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے درخواستِ رحمت ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ کے محبوب ہیں اور محبوب کے لئے جو درخواست کی جاتی ہے وہ رُذ نہیں ہوتی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہر بادشاہ سے شاہزادے کے متعلق ایسی بات کی سفارش کریں جو بادشاہ خود اس کیلئے کرنے والا ہے، تو ظاہر ہے کہ ایسی سفارش کیوں رُذ ہوگی۔ (انفاس عیسیٰ)

رخصت و عزیمت پر عمل

فرمایا کہ میں بعض احوال میں رخصت پر عمل کرنے کو بہ نسبت عزائم پر عمل کرنے کے افضل سمجھتا ہوں کیونکہ جو شخص عزائم پر عمل کرتا ہے اس کو ہمیشہ اپنے عمل پر نظر ہوتی ہے اور جو کچھ عطا ہوتا ہے اس کو بمقابلہ اپنے عمل کے کم سمجھتا ہے اس کے دل میں شکایت پیدا ہوتی ہے کہ دیکھو اتنے دن سے اسی مشقت زہد و تقویٰ کی اٹھارہا ہوں اور اتنا عرصہ نہ کر و شغل کرتے ہو گیا اور اب تک کچھ نصیب نہیں ہوا۔ یہ کس قدر گناہ کا خیال ہے، برخلاف اس کے جو بعض دفعہ رخصتوں پر عمل رکھتا ہے اس کو اپنے عمل پر نظر کبھی نہیں ہو سکتی۔ اس کو جو کچھ بھی عطا ہوتا ہے اس کو بمقابلہ اپنے عمل کے زیادہ سمجھتا ہے اور در صورت عدم و رُود کیفیات وغیرہ کے بھی اس کو شکایت پیدا نہیں ہوتی کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ میں عمل ہی کیا کرتا ہوں جو ثمرات کا مستحق ہوں۔ بہر حال رخصت پر عمل کرنے والے کی نظر میں ہمیشہ حق تعالیٰ کی عطاؤں کا پلہ بمقابلہ اس کے اعمال کے بھاری رہتا ہے جس سے اس کو طبعاً حق تعالیٰ کے ساتھ محبت پیدا ہو جاتی ہے یہ کس قدر بڑی نعمت ہے بعض لوگوں کو عزیمت ہی پر عمل کرنے کا شوق ہوتا ہے یہ کوئی کمال نہیں۔ رخصتِ شرعیہ اللہ تعالیٰ کی نعمت سے باوجود ضرورت کے بھی کام نہ لینا خدا تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ حدیث شریف میں ہے اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يُؤْتِيَ رُخْصَةً كَمَا يُحِبُّ اَنْ يُؤْتِيَ عَزَائِمًا۔ یعنی حق تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ان کی رخصتوں پر بھی ویسا ہی عمل کیا جاوے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ ان کی عزیمتوں پر عمل کیا جاوے۔ (اشرف السوانح)

حیاتِ طیبہ کا راز

منرمایا۔ یہ بات کان کمول کر دینداروں ہی کو نہیں دنیاداروں کو بھی سن لینا چاہئے اور سمجھ لینا چاہئے جیسا اپنے اور پرانے سب کے تجربات سے واضح کیا جا چکا کہ قلب کی راز

یاد دل کے سکھ چین کار از مادی ساز و مامان یا فصولیات کی بہتات میں نہیں بلکہ ضرورتاً زندگی پر قناعت ہی میں پوشیدہ ہے اور ساتھ ہی اگر ایمان و عمل صالح یا دینداری کی زندگی بھی نصیب ہو تو حیوۃ طیبہ کی موعودہ زندگی کا تجربہ ہی دنیا میں ہو جاتا ہے جس کا جی چاہے آزما کر دیکھ لے۔ (الانامات الیومیہ)

اپنے انجام کی کسی کو خبر نہیں

فرمایا۔ کبھی کسی آدمی کو بھروسہ نہیں کرنا چاہئے کہ میری حالت اخیر تک مامون رہے گی۔ اپنی حالت پر کیا ناز کرے کسی کو کیا حقیر سمجھے، اس لئے کہ کیا خبر ہے کسی کو کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے بعض وقت فساق و فحشا میں بھی خود فسق و فجور کے زمانے میں ایسی بات ہوتی ہے کہ وہ بیڑا پار کر دیتی ہے۔ بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ جل علی شانہ کے ساتھ تعلق اور محبت یہ بھی ایک عمل مخفی ہے جس کی بدولت شخص قلیل محبت ہیبت ہونے کی وجہ سے شہداء میں سے ہے۔ تو کیا کسی کو حقیر و ذلیل سمجھا جا سکتا ہے، اسی کو زمانے میں سے گناہِ اٹھینہ عنفور رحمت است اے شیخ
میں بچشمِ حقارت گناہ گاراں را

فرمایا کام کرنا چاہئے اور اس پر آمادہ رہنا چاہئے کہ کچھ نفع ہو یا نہ ہو اور عمل بھی خواہ کبھی ہو اور کبھی نہ ہو اس کی طرف نظر ہی نہ کرے کام شروع کر دے، اور ایک بات کام کی اس وقت ذہن میں آئی ہے وہ یہ کہ ماضی کی کوتاہی کو بھلا دینا چاہئے۔ یہ کبھی ایک بڑی غلطی ہے کہ ماضی پر مستقبل کو قیاس کرتے ہیں کہ آئندہ کبھی ایسی کوتاہی ہوگی۔ اس سے بھی ہمت ٹوٹ جاتی ہے۔ نیز اگر کام کرنے کے زمانے میں کوئی لغزش ہو جائے، باکسی نامناسب بات یا فعل کا صدور ہو جائے تو اس کا بھی مراقبہ کرنے نہ بیٹھ جائے بس دل سے اللہم اغفر لی کہہ آگے چلے۔ ورنہ پھر یہ مراقبہ بھی اپنا ہی مطالعہ ہوگا۔

اس طرف کا شاہدہ تو پھر بھی نہ ہوا۔ ایک ضروری بات اور بھی ہے کہ کام کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ خواہ قلیل ہی کی توفیق ہو اور ہمیشہ کے لئے بھی توفیق کی امید نہ ہو، اس کو بھی غنیمت سمجھے۔ مثلاً یہ خیال کرے کہ آج کی دو رکعت بھی کیوں چھوڑیں۔ شاید یہی نجات کا سبب ہو جائیں۔ سوساں طریق سے کام کر کے دیکھو کیا سے کیا ہوتا ہے۔

(اشرف السوانح ص ۷)

اعمال پر جزا

فرمایا کہ ہمارے اعمال کی جزا محض عطا و انعام ہیں۔ ہمیں تو ہر وقت ان کی رحمت اور ان کے فضل کی ضرورت ہے جو کچھ ملے گا وہ محض انعام ہے گو نام کو جزائے اعمال ہے۔ مگر ہمارے اعمال ہی کیا جس پر جزا کا استحقاق ہو بلکہ خود ان اعمال میں شمار کرنا یہ بھی اللہ تعالیٰ کا انعام ہی ہے ورنہ ہمارے اعمال تو حسانت کہنے کے بھی قابل نہیں بلکہ وہ اپنے فضل سے ان کو حسانت بنا دیں گے چنانچہ بعض اہل لطائف نے ادلکاء یبدل اللہ سیئاتہم حسنات کی بھی یہی تفسیر کی ہے۔ پھر ایک بڑی رحمت یہ ہے کہ ہمارے اعمال محمد و داد اور جزا غیر محمد و داد یہ جو میں نے کہا ہے کہ وہ جزا برائے نام ہے ورنہ محض عطا ہی ہے اس کی دلیل خود قرآن میں ہے جزاء من ربك عطاءً حساباً۔ اس تقریر سے اس شبہ کا بھی جواب ہو گیا کہ اگر وہ جزا ہے تو عطا کیسی اور اگر عطا ہے تو پھر حساب کیا؟ جواب یہ ہے کہ جزا اور صورت ہے اور عطا حقیقت ہے اور حساب جزا یا عطا کے لئے نہیں بلکہ خود اہل عطا میں تفاوت کے لئے حساب ہو گا باقی جو عطا ہو گا وہ بغیر حساب ہی ہوگا۔ (انفاس عیسیٰ)

بندے کا کام صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مجھ کو بجز اللہ اپنے بزرگوں کی برکت سے اس کی پروا نہیں کہ کوئی معتقد رہے گا یا غیر معتقد ہو جائے گا جو جس کا جی چاہے کرے۔ اگر سارا عالم بھی ایک طرف ہو جائے مجھ کو بفضل خدا اس کی پروا نہیں پڑا کہ کی تو صرف ایک ہی چیز ہے وہ رضائے حق ہے۔ اگر یہ حاصل ہے تو سارا عالم اس کے سامنے گرد ہے۔ مسلمانوں کے لئے صرف یہی ایک چیز ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راضی کرنے میں لگا رہے اگر وہ راضی ہیں تو اس نے سب کچھ پایا اور حاصل کر لیا اور اگر یہ نہیں تو اگر تمام دنیا دیا دیا یہاں بھی اس کو مل جائے تو ایک پتھر کے پر کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتی۔ (اشرف السوانح)

حَرْفِ آخِر

منفید یا غیر منفید کام کا مراقبہ

ایک ضروری مراقبہ یہ ہے کہ ہر کام کے وقت یہ سوچ لیا جاوے کہ جو کام ہم کر رہے ہیں یا کرنے والے ہیں، یہ آخرت میں مُضِر ہے یا مُفید۔ اس مراقبہ کے لئے کوئی وقت معین نہیں، بلکہ یہ ایسا مراقبہ ہے کہ ہر وقت اس کا وقت ہے۔ چلتے پھرتے بھی اس کو سوچتے رہو اور کھاتے پیتے بھی اور باتیں کرتے ہوئے بھی، اور رنج و غصہ میں بھی۔ کوئی حرکت اور کوئی سکون اس مراقبہ سے خالی نہ ہونا چاہئے۔ اس کے بعد

انشاء اللہ تعالیٰ اول تو گناہ صادر ہی نہ ہوگا اور اگر بالفرض صادر
 ہوا بھی تو آپ اس وقت بیدار گنہگار ہوں گے، سرکش و غافل
 گنہگار نہ ہوں گے، اور یہ بھی ایک بڑی دولت ہے کہ انسان
 کو گناہ کے وقت تنبیہ ہو جائے کہ میں نے یہ کام گناہ
 کا کیا۔ اس سے دل پر ایک چپر کہ لگتا ہے جس کے بعد
 معاتوبہ و استغفار کو دل چاہتا ہے (وعظ الاسعاد والعباد)

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ائْتَمْتُ كِتَابِي
 هَذِهِ كَلِمَاتِ الصَّالِحِينَ فَأَجْعَلْهُ كِتَابًا نَافِعًا لِلْمُسْلِمِينَ
 مِنَ الطَّالِبِينَ وَالسَّالِكِينَ رَاجِعْهُ ذَخِيرَةً لِي فِي الْآخِرَةِ
 يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ بِحَقِّ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَرَحْمَةِ الْعَالَمِينَ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا كَثِيرًا ط

عَلَيْهِ بِاللهِ الْكَرِيمِ عَبْدُ الْحَيِّ نَوَى اللهُ مَرَقَدَهُ خَلِيفَهُ هَجْرًا حَقِيرًا
 عليم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تصوف کے موضوع پر
 اسوۂ رسول اکرمؐ کے بعد ایک دوسری کامیاب کتاب

بصائر حکیم الامت

(انتہائی مختصر مگر جامع پروگرام کے تحت)

○ اس کتاب میں موصوف نے اپنے پیرومرشد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
 قدس سرہ العزیز کی تعلیمات پر مبنی حقیقت تصوف و سلوک اور اس کے متعلق
 ازالہ ادہام و شکوک کی نہایت تفصیل کے ساتھ قابل قدر وضاحت فرمائی ہے۔

○ مسائل طریقت کا کوئی گوشہ ایسا نہیں بچا جس پر سیر حاصل بحث نہ کی گئی ہو۔
 ○ تمام روحانی معارف و حقائق اور ان کے نازک دقیق نکات کی بڑی دل نشین
 انداز میں عقدہ کشائی کی گئی ہے۔

○ الغرض یہ کتاب تہذیب اخلاق و تزکیہ نفس اور حصول مع اللہ کا ایک بینظیر
 خزینہ اور آئینہ ہے۔

○ خاص طور پر سالکان راہ طریقت کے لئے تو یہ ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔
 عام لوگوں کی سہولت کے پیش نظر ادارہ اس کتاب کو دو ماہی پروگرام کے
 تحت قسط وار شائع کر رہا ہے۔ ہر قسط ۱۸×۲۲ سائز کے تقریباً ۱۶۰ صفحات پر
 مشتمل ہوگی۔ قیمت ممبران کے لئے دس روپے۔ ڈاک خرچ بذمہ ادارہ
 صرف ایک خط لکھ کر ممبر بنئے۔ ممبری کے لئے کوئی فیس نہیں ہے۔

نوٹ ۱۔ جو حضرات یہ کتاب مکمل مہلہ حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ اپریل کے
 پہلے ہفتے میں صرف ایک خط لکھ کر کتاب طلب کر سکتے ہیں۔ قیمت مکمل مہلہ

ماثر حکیم الامت

ارشادات و افادات حضرت عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحی صاغانی

نور اللہ مرقدہ

خلیفہ ر مجاز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاغانوی رحمۃ اللہ علیہ

* یہ تذکرہ ہے حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج، شانِ تربیت اور اندازِ زندگی کا۔
* اس میں انتخاب ہے حکیم الامت کے ان ملفوظات کا جس کی نظیر کتب تصوف میں کم ملے گی۔

* ایک ایسا خزانہ جسکی قدر و قیمت کا پتہ مطالعہ کے بعد ہوتا ہے۔
* ایسے وقت پر کام آئیوالی کتاب جبکہ بہت سے رہبر بھی کام نہ آسکیں۔
* ایک ایسی تصنیف جسکے مطالعہ سے دین کا راستہ آسان اور دلکش نظر آنے لگے۔
* جس کو پڑھ کر نیکی کی اُمنگ، طاعنا کا شوق اور تباہِ سنت کا ولولہ بیدار ہو۔
— اور — ایک معرکہ آرا در سالہ ”افادات عارفیہ“ بھی شامل کتاب کر کے اس کی افادیت میں چار چاند لگا دیئے گئے ہیں۔

ملنے کا پتہ

ناشر سکن عثمانیہ اینڈ کمپنی دیوبند